مجھے صندل کر دو

نمرہ نور

ناول

نمرہ نور

مجھے صندل کردو

تپتی دھوپ میں سورج کی تیز گرمائش دماغ کو چھو رہی تھی جبکہ سورج کی تیز روشنی سے آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔کالج کے گیٹ کے سامنے ایک بھیڑ سی جمع تھی۔یہ پرائیویٹ گرلز کالج تھا جس کے باہر اس وقت گاڑیوں اور لوگوں کا رش تھا کیونکہ چھٹی کا وقت تھا اور کسی نہ کسی لڑکی کو کوئی نہ کوئی لینے آیا تھا۔وہ بھی کالج کے گیٹ کے باہر رش سے ہٹ کر تھوڑے سے فاصلے کی دوری پر تپتی دھوپ میں بیگ کو ہاتھ میں لٹکائے ہاتھ سے کاپی کو ماتھے پر رکھے جو دھوپ سے بچنے کی ناکام کوشش میں رکھی ہوئی تھی۔وہ عنزہ وقار کا انتظار کر رہی تھی جو اسے ادھر انتظار کرنے کا کہہ کر خود واپس کالج کے اندر چلی گئی تھی کیونکہ وہ اپنی کتاب کالج ہی بھول آئی تھی۔وہ ایسی ہی تھی کچھ نہ کچھ تو ضرور بھول جاتی تھی۔

ہمیشہ کی طرح اب بھی وہ اپنی چار دن کے بعد ہونے والے پیپر کی کتاب بھول آئی تھی اور ہمیشہ کی طرح کالج کے باہر آ کر ہی اسے یاد آیا تھا۔لیکن اب وہ اسے یہاں انتظار کرنے کا

کہہ کر شاید بھول گئی تھی۔ وہ دونوں بی ایس سی پارٹ ٹو میں تھیں اور چار دن بعد ان کے پیپر شروع ہونے والے تھے۔ کالج سے فری ہوئے تو انہیں دو ہفتے ہو گئے تھے لیکن آج پرنسپل کے کال کرنے پر وہ اپنی رول نمبر سلپ لینے آئی تھیں۔ گھر میں تو وہ کہہ کر آئی تھیں کہ دس گیارہ بجے واپس آجائیں گی لیکن یہاں کیا پتہ تھا۔ دیر ہو جائے گی ایک تو ساری کلاس کو اکٹھی رول نمبر سلپ دینے کے چکر میں لیٹ ہو گئی تھیں اور دوسرا عنزہ میڈم رول نمبر سلپ ملنے کے بعد سب کے پاس جا جا کر پوچھ رہی تھی کہ بھئی اس کے آگے پیچھے کس کس کا رول نمبر ہے جس وجہ سے اور دیر ہو گئی تھی لیکن اب میڈم جا کر واپس آنے کا بھول گئی تھی۔ کچھ تپتی دھوپ سے اور کچھ غصے سے اس کے روئی جیسے عارض لال گلابی ہو رہے تھے۔ وہ سب کو آتے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اسے وہاں تقریباً آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا اس کا انتظار کرتے لیکن عنزہ تھی کہ آ ہی نہیں رہی تھی۔ ہزار دفعہ تو وہ اسے کوس چکی تھی۔

''مجھے خود ہی اسے دیکھنا ہوگا پتہ نہیں کہاں مر کھپ گئی ہے۔'' وہ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے بولی۔

''بچہ! تم کدھر جا رہے ہو۔ تم کو کتنا بار منع کی ہے کہ چھٹی ہونے کے بعد تم بچہ لوگ اندر نہیں جا سکتا۔'' وہ جیسے ہی کالج کا گیٹ پار کرنے لگی تھی تو خان بابا (چوکیدار) نے اسے روک لیا۔ وہ جانتی تھی کہ چھٹی ہونے کے بعد اگر کوئی لڑکی ایک بار کالج سے باہر آجائے دوبارہ اندر جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن یہ تو ان دونوں کا معمول کا کام تھا اور خان بابا بھی ہر دفعہ یہی کہتے تھے۔

''خان بابا! پلیز آخری دفعہ جانے دیں۔'' وہ منت کرتے ہوئے بولی۔

''بچہ! تم ہر دفعہ یہی کہتا ہے لیکن تم قول کے بہت جھوٹے ہو اور وہ جو تمہارے ساتھ بچہ ہوتا

ہے وہ بہت ہی جھوٹا اور مکار ہے ہر دفعہ میرے کو دھوکہ دے کر چلا جاتا ہے۔"

"اوہو خان بابا! اتنا بھی ہٹلر بننے کی ضرورت نہیں ہے مجھے بہت دیر ہو رہی ہے پلیز جانے دیں آپ بہت اچھے ہیں۔ خان بابا! پلیز جانے دیں اب دیکھیں ناں پتہ نہیں پھر ہم نے یہاں آنا بھی ہے یا نہیں آخری دفعہ ہے پلیز ززززز......" وہ تھوڑا ایموشنل ہوئی۔

"اووو بچہ! تم رونہ چلا جا اندر بس باہر کو جلدی آجانا۔ اگر تمہارا استاد نے دیکھ لیا تو ہم پر بہت غصہ ہوگا۔" خان بابا نے اجازت دیتے ہوئے کہا اور جیسے ہی اجازت ملی وہ بھاگتے ہوئے کالج کے اندر چلی گئی تھی۔

اگلے دو سیکنڈ میں وہ اس کی کلاس میں تھی جہاں وہ فرصت سے بیٹھی اپنی کلاس فیلو سے پتہ نہیں کونسے راز و نیاز کر رہی تھی۔ اس بات نے تو اس کو آگ بگولہ ہی تو کر دیا تھا یعنی کہ حد ہوگئی تھی وہاں وہ گرمی میں جل بھن رہی ہے اور یہاں محترمہ سر جوڑے بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ غصے سے تن فن کرتی اس کے سر تک پہنچی اور زور سے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بیگ کو اس کے کمر پر رسید کیا۔ وہ جو اس کی طرف پیچھا کر کے بیٹھی تھی اپنے اوپر ٹوٹنے والی آفت پر اچھل ہی تو پڑی تھی۔

"عنزہ! تم نے گھر جانا ہے یا نہیں مجھے بتا دو تاکہ میں چلی جاؤں، تمہارا تو کچھ نہیں جانا، تمہاری اماں نے تو مجھ پہ ہی غصے ہونا ہے۔"

وہ انتظار کرتے کرتے اور اتنی دور بھاگ کر آتے ہوئے تقریباً جھنجلا چکی تھی اور عنزہ پر الگ سے غصہ تھا۔ عنزہ اس کی چھوٹی سی ناک جو غصہ سے پھولی ہوئی تھی دیکھ کر ہنسی آئی لیکن فوراً اس پر قابو پا یا کیونکہ مقابل کو کوئی پتہ نہیں تھا۔

"ارے میرے مکھنا، کچھ نہیں ہوتا اگر دیر سے گھر جائیں گے تو یہ بھی تو سوچو آج ہمارا

حقیقت میں کالج میں آخری دن ہے پھر کہاں یہ دیواریں، یہ کالج کی خوشبو، یہ کلاسیں، یہ کرسیاں، یہ سب کچھ دوبارہ کہاں ملے گا۔" عنزہ اداسی سے بولی جس نے زینیا کو ذرا بھی متاثر نہیں کیا تھا۔

"پھر تو ادھر ہی رہ جا، یا پھر ایسا کر یہاں کی ماسی بن جا۔ روزانہ تمہیں کالج کی خوشبو سونگھنے کا بھی موقع مل جائے گا اور بدبو صاف کرنے کا بھی موقع مل جائے گا، میں تو جا رہی ہوں۔" وہ اس پر لعنت بھیجنے والے انداز میں بولی اور کلاس سے باہر نکل آئی۔ اس کا غصہ کسی طور بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

"اووو، میرے گلاب جامن کچھ زیادہ ہی غصے میں لگ رہی ہو تبھی تو اپنی بہن جیسی کزن کو ماسی بننے کے لیے کہہ رہی ہو۔" وہ پیار سے اس کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے بولی۔ عنزہ ہمیشہ اسے ایسے ہی ناموں سے بلاتی تھی جیسے مکھن، ملائی، گلاب جامن وغیرہ جس سے زینیا کو چڑ ہی ہوتی تھی لیکن وہ عنزہ وقار تھی جسے زینیا شاہ کی ایک ایک ادا پر پیار آتا تھا۔ چاہے وہ غصے میں ہو، ہنستی ہو مذاق کرتی ہو یا پھر اس سے چڑتی ہو۔ اسے جس طرح زینیا شاہ کے ظاہری حسن سے پیار تھا اسی طرح اس کے حسین ترین دل سے بھی پیار تھا۔ وہ تقریباً زینیا کی دیوانی تھی، زینیا کے بغیر ایک سیکنڈ بھی گزارنا محال تھا۔

"عنزہ! میں نے تمہیں کتنی دفعہ منع کیا ہے کہ مجھے ان فضول ناموں سے مت بلایا کرو۔" اس کا غصہ ذرا ٹھنڈا ہو چکا تھا جسے دیکھتے ہوئے عنزہ مزید پھیلی تھی۔

"میں تو بلاؤں گی تم میرا مکھنا ہو، میری ملائی ہو، میرا گلاب جامن میری ہر سویٹ ڈش تم ہو۔" وہ اس کے روئی جیسے لال گلابی عارض کو زور سے کھینچتے ہوئے پیار سے بولی۔

"کوئی ضرورت نہیں مجھے اپنی سویٹ ڈش بنانے کی، بنانا کسی اپنے ہوتے سوتے کو سویٹ

ڈش میں زینیا ہوں تو زینیا ہی رہنے دو۔"

"آخ آخ آخ......تو تم ایسے بولو ناں کہ تم اپنے کسی ہوتے سوتے کی سویٹ ڈش بننا چاہتی ہو۔ سیدھی طرح بتا دو۔ اشاروں میں کیوں بتاتی ہو جاناں ہم تو آپ کے اپنے ہیں ہم سے کیا پردہ داری۔" وہ شرارت آمیز لہجے میں بولی اور زینیا اسے چپ کرواتے ہوئے بولی۔

"ارے چل چل اپنی زبان کو قابو میں رکھ اور جلدی گھر چلو ورنہ تمہاری اماں نے......"

"اوہو گھنا، تم میری اماں سے کتنا ڈرتی ہو۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ اب وہ کالج سے باہر نکل آئی تھیں۔ کالج کے باہر اب ذرا رش کم ہو چکا تھا کوئی ایک آدھ لوگ ہوں گے۔

"نہیں عنزہ، وہ کیا ہے ناں میں تمہاری اماں حضور سے ڈرتی نہیں ہوں بس میرے میں آج کل اتنی کپیسٹی نہیں ہے کہ تمہاری اماں کی باتوں کا جواب دے سکوں۔" وہ ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بولی۔

"ویسے زینی، ماما ٹھیک کہتی ہیں تم بہت بدتمیز ہو۔"

"ہاں تو میں بھی ٹھیک ہی کہتی ہوں کہ ان کی اور ان کی بیٹیوں کی کمپنی میں رہتے ہوئے اس طرح کی ہوگئی ہوں۔ وہ کیا کہتے ہیں خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔" وہ لاپرواہی سے تفصیلی جواب دیتے ہوئے بولی۔ جس پر عنزہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

ابھی وہ تھوڑا ہی چلی تھیں اور اپنے ہی دھیان میں سڑک کراس کر رہی تھیں جب سامنے سے آتی تیز رفتار گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ صد شکر تھا عنزہ نے اسے پیچھے کر لیا تھا ورنہ وہ کچلی جاتی لیکن درد کی شدت سے اس کی ہلکی سی چیخ ضرور نکلی تھی اور گاڑی بھی ٹائر چرچراتے ہوئے رک چکی تھی۔

"ہائے اللہ جی میرا پاؤں......" وہ فٹ پاتھ پر پاؤں کو پکڑے درد میں بلبلا رہی تھی جو شاید پیچھے ہونے کے چکر میں مڑ چکا تھا اور پرانی ٹوٹی ہوئی سینڈل جس کو وہ کتنی دفعہ ٹانکے لگا چکی تھی وہ بھی مڑنے کے باعث ٹوٹ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی درد کی شدت سے گرم سیال پانی سے بھر گئیں۔

"زینی! تم ٹھیک ہو۔" عنزہ نے پوچھا لیکن جب وہ بولی نہ تو وہ سمجھ گئی تھی۔ وہ ابھی اس کے پاؤں کو ہلا جلا کر چیک کرنے ہی لگی تھی جب اجنبی سی آواز آئی۔

"ایم سو سوری، ایکچولی......" وہ ان کے پاس آتے ہوئے شرمندگی بھرے لہجے میں بولا۔ یہی تو اس سے غلطی ہوگئی تھی۔ یہ وہی گاڑی والا نوجوان تھا عنزہ تو جگہ کا لحاظ کیے بغیر ہی شروع ہوگئی۔

"واٹ سوری، اندھے کہیں کے جب گاڑی چلانی نہیں آتی تو اس میں بیٹھ کر شوخیاں مارنے کی کیا ضرورت تھی......ہاں......ہاں میں یہ کیسے بھول گئی تم جیسے امیر گھرانے کے لڑکوں کو شو مارنے کی بڑی ہی گھٹیا عادت ہے یہاں نئی چیز آتی نہیں وہاں دنیا والوں کو دکھانے کے لیے باہر لے آتے ہیں، شوباز کہیں کے۔"

عنزہ تو اسے سوری کہنے پر تو برس ہی پڑی تھی اور مقابل ہکا بکا کھڑا اس کی بات سن رہا تھا۔ وہ بیچارا تو ہونقوں کی طرح کبھی اسے دیکھ رہا تھا اور کبھی زمین پر پاؤں پکڑے بیٹھی زینی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ تو شرمندہ تھا حالانکہ غلطی اس کی نہیں تھی۔

"دیکھیں محترمہ......!"

"کیا دیکھیں......ہنہ......تم دیکھو محترم میرا پاؤں توڑ ڈالا تم دیکھو...... یہ دیکھو ہائے میرا بیچارہ پاؤں۔ ہائے کیسے کمبخت درد چھیڑ پڑی ہے۔" اگر عنزہ سیر تھی زینیا سوا سیر تھی۔ یہ کیسے

ہو سکتا تھا کہ زینیا کی زبان خاموش رہے ہرگز نہیں نو نیور۔ وہ تو غصے اور تکلیف کی ملی جلی کیفیت میں تھی۔

"تو محترمہ، آپ نے دیکھ کر چلنا تھا ناں۔ ایک تو غلطی آپ کی ہے اور دوسرا سوری بھی میں ہی بول رہا ہوں لیکن آپ دونوں تو اپنی ہی ہانکی جا رہی ہیں مجال ہے جو میری بھی بات سن لیں...... ہاں...... ہاں۔ یہ میں کیسے بھول گیا کہ تم جیسی لڑکیاں جہاں بڑی گاڑی دیکھتی ہیں وہی اپنے ڈرامے بازیاں شروع کر دیتی ہیں۔ میں ہنڈرڈ پرسنٹ شیور ہوں کہ یہ جو آپ پاؤں پکڑ کر ہائے ہائے کر رہی ہیں یہ بھی آپ کے ناٹک میں شامل ہوگا۔" مقابل والا بھی لگتا تھا کسی سے کم نہیں بڑے ہی تمیز سے وہ انہی کی زبان میں جواب دیتے ہوئے بولا۔ عنزہ اور زینیا منہ کھولے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ بالکل کوئی لڑکا عورت کی طرح بات کر رہا تھا وہ۔

"تم دونوں کو کیا لگ رہا تھا کہ تم لوگ میری گاڑی سے ٹکراؤ گی اور میرے سامنے یہ ہائے ہائے کا ناٹک کرو گی تو میں تم لوگوں کی چال بازی میں آ جاؤں گا۔ بالکل بھی نہیں۔ یہ کام جا کر کسی اور کے سامنے کرنا آئی بڑی ڈرامہ کوئین کہیں کی۔"

زینیا کا تو غم و غصے سے برا حال تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس اجنبی کے گلے میں ناخن دے کر جان ہی نکال دے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

"میری چوٹ کو ناٹک سمجھنے والے خدا تجھے ایسی ہی چوٹ دے۔ تیرے سارے جسم پر ایسی ہی موچیں آئیں اور تم اپنی اس بڑی گاڑی سمیت کسی بڑے سے گندے نالے میں گرو، وہاں جونکیں تمہارا سارا خون چوس لیں۔ تجھے مینڈک کھائیں اور تم انہیں کھاؤ۔" (گندی زینی یہ کیا بول رہی ہو۔ جو بھی ہو اس کے ساتھ اس بھی برا ہونا چاہیے جو میری تکلیف کو ناٹک کہہ رہا تھا وہ دل میں بولی) غصے سے جو بھی زبان میں آیا بکتی چلی گئی تھی۔

"ارے چل چل، جاؤ یہاں سے دماغ نہ چاٹو میرا بددماغ لڑکی۔" وہ اس کی باتوں سے جھرجھری لیتا ہوا ناگواری سے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ سڑک پر آتے جاتے لوگ انہیں ہی دیکھ رہے تھے ان لوگوں میں سے کوئی اور بھی انہیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"ابے تو چل یہاں سے بندر کی اولاد۔" عنزہ زینیا کو سہارا دیتے ہوئے بولی وہ جو وہاں سے جانے لگا تھا پھر رک گیا۔

"کیا کہا تم نے؟"

"کیوں تم اندھے ہونے کے ساتھ ساتھ بہرے بھی ہو گیا۔"

"عنزہ، چلو یار چھوڑو اس الو کے پٹھے کو۔" زینیا سے تکلیف کے مارے تو بولا بھی نہیں جا رہا تھا اس لیے دل ہی دل میں اس اجنبی کو گالیوں سے نوازتے ہوئے عنزہ کا سہارا لیے چلنے لگی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس میں اور بحث کرنے کی ہمت نہیں۔

"ابے سن بندر کہیں کے، تم نے میری زینی کو تکلیف دی ہے ناں تجھے بھی ایسی ہی تکلیف ملے۔ تمہارے ساتھ وہی کچھ ہو جو زینی نے کہا تھا۔" (ارے وہی گندے نالے مینڈک اور جونکوں والی بددعا) دو تین قدم چلنے کے بعد عنزہ نے پیچھے مڑ کے کہا۔ وہ جو انہیں جاتا دیکھ کر اپنی گاڑی کی طرف جانے لگا تھا عنزہ کی بات پر رک گیا۔

"اچھا ٹھیک ہے اور کچھ۔" وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا جیسے اسے ان بددعاؤں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

"دفعہ ہو جا یہاں سے، بسوری شکل والے ورنہ پتھر مار کر تیری اور تیری گاڑی کی شکل بگاڑ دوں گی۔ ڈیس۔" وہ اسے دھمکی دیتے ہوئے بولی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سچ میں اس کی شکل بگاڑ دے۔

”تمہاری شکل بڑی سونی ہے جو میری شکل پر بات کر رہی ہے، چڑیل کہیں کی۔“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا بولا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس ڈر سے کہیں وہ سچ میں ہی اس کی شکل نہ بگاڑ دیں۔ اگلے سیکنڈ میں وہ زن سے گاڑی کو اڑاتا ہوا چلا گیا تھا۔

دوسری طرف عنزہ بھی زینیا کے لاکھ منع کرنے کے باوجود رکشہ کروا کر اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھی کیونکہ تھوڑی ہی دیر میں اس کا پاؤں کافی سوج گیا تھا۔

☆......☆......☆

”حد ہوگئی ہے عابی، میں کب سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں اور تم اب آ رہے ہو۔“ وہ جیسے ہی اپنے کیبن میں داخل ہوا عادل غصے سے بولا جو شاید جانے کا ارادہ بنا رہا تھا۔

”معذرت چاہتا ہوں یار۔ دراصل ضروری کام آ گیا تھا جس کی وجہ سے جانا پڑا جیسے ہی پتہ چلا کہ تم ہوسپٹل مجھے ملنے آئے ہو تو واپس دوڑا چلا آیا ہوں بس راستے میں دو بلیوں نے راستہ کاٹ لیا تھا جس کی وجہ سے دیر ہوگئی۔“ وہ اپنے جگری دوست سے بغل گیر ہوتے وضاحت دیتے ہوئے بولا۔

وہ دونوں بہت اچھے دوست تھے اور سکول کالج ہر جگہ اکٹھے رہے تھے۔ دونوں کے پروفیشن الگ الگ تھے۔ ملاقات بھی مہینوں بعد ہو پاتی تھی لیکن ایک دوسرے سے رابطے میں وہ ہمیشہ رہتے تھے۔ آج بھی وہ کافی دن بعد مل رہے تھے۔

”اچھا، کونسی بلیوں نے راستہ کاٹ لیا تھا میرے یار کا، ذرا ہمیں بھی تو پتہ چلے۔“ عادل شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

”ارے یار! بڑی ہی خونخوار بلیاں تھیں بڑی مشکل سے جان چھڑا کر آیا ہوں۔ اگر دو منٹ بھی وہاں رکتا تو ضرور اپنے پنجوں سے میرے خوبصورت چہرے کا بیڑا غرق کر دیتیں۔“

اس کی نظروں میں زینیا اور عنزہ کا غصے سے بھوں بھوں کرتا چہرہ ابھر آیا تھا اور ان کی بد دعاؤں کو یاد کرتے ہوئے ہنس پڑا تھا۔

”آہاں، کیا بات ہے۔ لگتا ہے بلیاں نہیں کوئی پری سے ٹاکرا ہو گیا تھا جو اس طرح ہنس رہے ہو۔“ عادل نے اسے ہنستے دیکھ کر اپنا ہی اندازہ لگایا تھا۔

”ارے چھوڑ یار کیسی پری کہاں کی پری۔ تم بتاؤ میں نے سنا ہے تو شادی کر رہا ہے۔“ اس نے بات کو ٹالتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”ہاں......عید کے بعد ہے۔“

”یار! تو کتنا خوش قسمت ہے کہ تیری شادی ہو رہی ہے۔ ایک میں ہوں جس کے دور دور سے شادی ہونے کے آثار نظر نہیں آ رہے۔“ وہ اپنے لہجے میں سارے جہاں کی مسکینیت لیتے ہوئے بولا تھا۔

”ہاہاہاہاہاہاہا...... تو، تو بھی کر لے شادی بڑا شوق ہے تمہیں بن جا تو بھی خوش قسمت۔“ عادل قہقہہ لگا کر بولا۔

”ارے یار بھائی جان کے کنوارے ہوتے ہوئے میں شادی کیسے کر سکتا ہوں۔ انہوں نے تو میرا راستہ بلاک کیا ہوا ہے۔ نہ اپنی نیا پار لگوا رہے ہیں اور نہ ہی میری لگنے دے رہے ہیں۔ بیچارہ میں۔“ وہ اپنے سے چار سال بڑے بھائی کا ذکر کرتے ہوئے بولا۔

”تو بھائی جان نے ابھی تک شادی نہیں کی۔“ عادل حیرت سے بولا۔

”جی نہیں، لاکھ منت سماجت کی ہے ان کی اپنی تنہائی پر تو نہیں میری تنہائی پر ترس کھا لیں لیکن نہ جی وہ کہتے ہیں چھوٹے تم کر لو شادی میری فکر نہ کرو لیکن یار تو ہی بتا بڑے بھائی کے ہوتے ہوئے چھوٹا کیسے شادی کر لے۔“

”ہاں یہ بھی ہے چل تو فکر نہ کر، میں دعا کروں گا اللہ تیری نیا پار لگوا دے۔“ عادل اسے کسی بچے کی تسلی دیتے ہوئے بولا۔

”ارے یار، تو کیا دعا کرے گا میں نے خود کتنی منتیں، مرادیں مانی ہیں کہ میرا بھائی مجھ پر ترس کھا لے۔“

اسکی بات سن کر عادل نے جاندار قہقہہ لگایا۔ وہ یہ تو شروع سے ہی جانتا تھا کہ عابی کو شادی کرنے کا بہت شوق تھا۔ ہمیشہ ذکر کرتا رہتا تھا میں اپنی شادی پر یہ کروں گا وہ کروں گا جس سے دوست اسے تنگ کرتے تھے کہ تو تب صرف بلی کا بکرا ہی بنے گا اور تین لفظ قبول ہے کہہ کر بولے گا اور کچھ نہیں کر سکے گا لیکن وہ کہتا تم لوگ دیکھتے جانا پڑھائی ختم ہوتے ہی میں شادی کروں گا۔ اسے پڑھائی سے زیادہ شادی کا شوق تھا۔

عادل آج بھی جب اس کی باتیں سوچتا تو ہنس پڑتا تھا۔

”چل یار اللہ تیری منتیں مرادیں پوری کرے۔“ وہ ہنستے ہوئے اسے دعا دیتے بولا پھر دونوں نے لنچ کرتے ہوئے ادھر ادھر کی باتیں کیں اور پھر اپنے اپنے گھر کی راہ لی تھی۔

☆......☆......☆

وہ دونوں جس وقت گھر میں داخل ہوئی تھیں اس وقت تین بج رہے تھے۔ کہاں وہ جلدی آنے کا کہہ کر گئی تھیں اور کہاں وہ اتنی دیر کو پہنچی تھیں۔

”مل گئی فرصت تم دونوں کو گھر آنے کی۔ ارے میں تو کہتی ہوں ابھی بھی کیا ضرورت تھی گھر آنے کی اور دو چار گلیوں میں آوارہ گردی کر آتی تھی۔“ وہ جیسے ہی ہال میں داخل ہوئی تو زاہرہ بیگم انہیں دیکھ آگ بگولہ ہی ہو گئی تھیں۔

”اوہو امی، ہم کالج گئے تھے کہیں اور تو نہیں گئے جو آپ اتنا غصہ ہو رہی ہیں۔“ عنزہ

تھکاوٹ سے چور لہجے میں بولی اور ساتھ ہی ہال میں لگے چھت والے پنکھے کی سپیڈ کو بڑھاتے ہوئے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ زینیا بھی اپنا ٹوٹا ہوا پاؤں لے کر ادھر ہی بیٹھی تھی۔ گرمی کی شدت سے وہ دونوں پسینے سے شرابور تھیں۔

''ارے کمبخت، تجھے یہ کسی دن کہیں اور بھی لے جائے گی ناں تو، تو نے مجھے ہی غلط سمجھنا ہے ماں کو جھوٹا کرنا خود اس سچی پاک باز کے ساتھ کہیں اور چلی جانا۔'' زاہرہ بیگم کو کہاں برداشت تھا کہ کوئی ان کے آگے جواب دے۔ اور عنزہ تو ہمیشہ کی زینیا کی حمایتی تھی اسی لیے انہیں زینیا کے ساتھ عنزہ بھی زہر ہی لگتی تھی۔

''اوہو امی، کیا ہو گیا ہے نظر نہیں آ رہا زینی کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اس کے پاؤں پر چوٹ آئی ہے کچھ تو خیال کریں۔'' جو صوفے کی پشت پر سر ٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

''ارے یہ تو اس کے ڈرامے بازیاں ہیں کام نہ کرنے کے بہانے ہیں بیٹی کس ماں کی ہے۔'' انہیں کہاں اس کی فکر ہوتی تھی وہ چاہے مرے یا جیئے ان کی بلا سے وہ تو اٹھتے بیٹھتے اسے یہی بددعا دیتی تھی کہ وہ مر جائے ان کی جان چھوٹے۔

اب انہیں کون بتائے کہ ان کی بددعا سے کئی گنا زیادہ کسی کی دعاؤں کا اثر تھا جو دن رات اس کی زندگی کے لیے کی جاتی تھیں۔ زینیا جو ہمیشہ ان کی ہر بات، ہر طنز کا جواب دیتی تھی خاموشی سے پانی پی کر لنگڑاتے ہوئے وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔ پیچھے سے زاہرہ بیگم نے نخوت سے اس پر لعنت بھیجی۔

''السلام علیکم اماں جی۔'' وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی تو پلنگ پر لیٹی اماں کو سلام کیا جو اس کے اندر داخل ہوتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''وعلیکم السلام۔ میری بیٹی نے دیر کر دی آنے میں۔'' وہ ان کا سر، منہ چومتے ہوئے

بولیں۔وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتی تھیں۔جب بھی سکول کالج سے واپس آتی تو وہ ایسے ہی اپنا پیارا نچھاور کرتی تھیں جیسے کوئی بہت دور سے آیا اور کئی دنوں بعد آیا ہو۔

''وہ بس اماں......''

''ارے زینی یہ کیا ہوا بیٹا۔'' اس کی بات ابھی منہ میں ہی تھی جب ان کی نظر اس کے پاؤں پر پڑی تھی۔

''اووا ماں کسی منحوس مارے کی گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی ہوں۔آپ کی دعاؤں نے بچالیا ہے اماں ورنہ آج تو زاہرہ ممانی کی بددعا پوری ہو جاتی۔''

''چپ کرو تم۔کچھ بھی بولتی رہتی ہو۔مجھے یہ بتاؤ یہ سب کیسے ہوا۔''

زینیا نے شروع سے لے کر آخر تک ساری تفصیل بتائی۔

''تو بیٹا تم لوگوں نے دھیان سے چلنا تھا ناں تو یہ سب نہ ہوتا اور اوپر سے اس بچے کو بھی باتیں سنا دیں تم دونوں نے۔''

''لو جی آپ کو یہاں اس منحوس مارے بچے کی فکر ہو رہی ہے یہاں میری درد سے جان نکل رہی ہے اور اس کمبخت ڈاکٹر نے بھی تین سو روپیہ لے لیا ہے لیکن آرام ایک پیسے کا بھی نہیں آیا۔'' وہ کلس ہو کر ہی تو رہ گئی تھی اپنی اماں کو اس بچے کی طرف داری کرتے دیکھ کر جس کی وجہ سے ان کی بیٹی کا اتنا نقصان ہوا تھا۔

''اچھا تم یہاں آرام کرو میں تمہارے لیے دودھ لاتی ہوں اس کے ساتھ دوائی کھانا پھر درد کا آرام آجائے گا۔''

''نہیں اماں، رہنے ہی دیں آپ کی بہو نے آتے ہی دے دیا تھا مجھے دودھ اس کے ساتھ تو میرا سارا درد جاتا رہا ہے۔'' وہ پلنگ پر آڑھی ترچھی ہو کر لیٹ گئی تھی۔اس سے پہلے کہ

اماں اٹھ کر باہر جاتیں عنزہ ہاتھ میں دودھ کا گلاس لیے اندر داخل ہوئی تھی۔

''یہ لیں محترمہ، اب اٹھو اور جلدی سے یہ ختم کرو۔''

''مجھے نہیں پینا لے جاؤ واپس پھر تمہاری اماں گالیاں دینا شروع کر دیں گی اور جو میں نے یہ دودھ پینا ہے تمہاری......''

''کچھ نہیں کہتی میری اماں، تم اٹھو اور یہ پی لو۔'' پھر اس کے منع کرنے کے باوجود بھی عنزہ نے اسے دودھ کا گلاس پلا کر ہی دم لیا تھا اور اماں ہمیشہ کی طرح دل ہی دل میں دونوں کے اس قدر سلوک اور پیار پر ہنس کر رہ گئی تھیں اور ان کی ہنسی خوشی کو قائم رہنے کی دعا کی۔

☆......☆......☆

یہ منظر بڑی سی حویلی کا تھا جو سنگ مرمر کے پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔ حویلی کے چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اونچے اونچے درخت جن پر اس وقت پرندے چہچہا رہے تھے درختوں کے سائے میں لکڑی کا بنا ہوا جھولا تھا۔ اور بڑا سا لان تھا جس پر چھوٹی چھوٹی گھاس اگی ہوئی تھی۔ بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی سبز قالین بچھایا ہوا ہو۔ لان میں اس وقت چار سال کی بچی پریوں جیسی سفید فراک میں ملبوس بھاگ بھاگ کر چھپ رہی تھی۔ کبھی کسی پودے کے پیچھے چھپ رہی تھی اور کبھی دوسرے پودے کے پیچھے چھپ رہی تھی اور ساتھ ہی کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

''پرنسز۔ میری پرنسز کدھر ہے۔'' کوئی دس گیارہ سالہ خوبصورت سا نیلی آنکھوں والا لڑکا اسے آواز دیتے ہوئے بھاگتا ہوا آیا۔ تقریباً دو منٹ بعد جب اس نے ایک پودے کے پیچھے اپنی پرنسز کو بیٹھے دیکھا تو خوشی سے جھوم اٹھا۔

''میں نے ڈھونڈ لیا اپنی پرنسز کو، میں نے ڈھونڈ لیا۔'' اس نیلی آنکھوں والے نے اپنی

پرنسز کو ڈھونڈ لیا تھا اور ان دونوں کی ہنسی، کھلکھلاہٹ حویلی میں گونج رہی تھی۔ دور بیٹھے سب بڑے ان دونوں کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

لیکن اچانک منظر بدل گیا تھا۔ سب کچھ بدل گیا۔ وہ بھاگ بھاگ کر ڈھونڈ رہا تھا، آوازیں دے رہا تھا لیکن اس کی آوازیں بڑی سی حویلی کی در دیوار سے ٹکرا واپس آجاتی تھی لیکن پرنسز تک آواز پہنچ ہی نہیں رہی تھی۔

''پرنسز! کدھر ہو، مجھے آواز دو پرنسز۔'' وہ کبھی حویلی کے باہر آ کر آوازیں دیتا، کبھی اندر کبھی کمروں میں ڈھونڈتا لیکن اس کی پرنسز اسے مل ہی نہیں رہی تھی۔

نیلی آنکھیں جو تھوڑی دیر پہلے سارے جہاں کی خوشیاں سمائے ہوئے تھیں یکدم سے ویران ہو گئی تھیں۔ وہ بھاگ بھاگ کر تھک چکا تھا۔ آوازیں دے دے کر اس کا گلا رندھ چکا تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے ہمت نہیں ہاری تھی لیکن اس کی پرنسز اسے مل ہی نہیں رہی تھی۔ حویلی جو تھوڑی دیر پہلے ہنسی خوشیوں سے قل قل کر رہی تھی اب چاروں طرف ویرانی سی چھائی ہوئی تھی۔ ایسی ہی ویرانی اس دس سالہ معصوم سے نیلی آنکھوں والے کے اندر چھا گئی تھی۔ اسے کچھ بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا وہ چلا رہا تھا۔

''پرنسز......''

''آبان۔ آبان۔'' اس کے قریب ایک آواز ابھری۔ کوئی اسے جھنجوڑ رہا تھا۔

''آبان تم ٹھیک ہو۔'' وہ اٹھ بیٹھا تھا۔ اس کا سانس ایسے تھا جیسے اکھڑ رہا تھا۔ ٹھنڈ میں بھی وہ پسینے سے شرابور تھا۔ اس نے کمرے کے چاروں طرف نظر ڈوڑائی۔ وہ اس وقت پیرس اپنے گھر اپنے کمرے میں تھا۔

''یہ خواب ایک دن میری جان لے کر رہیں گے۔'' اس نے دل میں سوچا۔

"آبان تم ٹھیک ہو۔" اسفندیار نے اسے پانی کا گلاس دیتے ہوئے استفسار کیا جس پر اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پانی کا گلاس پکڑ کر ایک سانس میں ختم کر ڈالا۔

"ٹائم کیا ہوا ہے۔" بیڈ سے اٹھتے ہوئے اس نے اسفندیار سے پوچھا۔ سپاٹ چہرہ، سرد لہجہ خوشی کی کوئی رمق تو جیسے اس کی زندگی میں تھی ہی نہیں۔ اسفند نے ٹائم بتایا اور پھر وہ واش روم میں چلا گیا۔ اسفندیار اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

رات کو وہ دونوں کسی پروجیکٹ پر کام کرتے کرتے ادھر ہی سو گئے تھے۔ اسفندیار، آبان شاہ کے بچپن کا بہت اچھا دوست اور اس کا بزنس پارٹنر بھی تھا۔

وہ جب واش روم سے نکلا تو اسفندیار اسے غور سے دیکھنے لگا تھا۔ بھلا اس میں کیا کمی تھی۔ دراز قد، ورزشی جسم، کسرتی بازوؤں، گندمی رنگت پر پرکشش نین نقش۔ سب سے بڑھ کر اس کی پرکشش نیلی آنکھیں جس میں ایک گہرا سمندر آباد تھا جس میں ڈوبنے کو دل چاہتا تھا۔ گھرے براؤن بال، براؤن ہلکی ہلکی سی داڑھی تھی۔ جو اس میں کشش کو مزید بڑھاتی تھی۔ اس وقت وہ سیاہ شلوار قمیض میں تھا۔ اللہ نے اسے بے انتہا وجیہہ بنایا تھا۔

وہ لڑکیوں کا کرش تھا۔ ہزاروں لڑکیاں اس کی دیوانی تھیں۔ لڑکیاں کیا کبھی کبھی تو لڑکے بھی اس بھرپور وجاہت کو دیکھتے تو دیکھتے ہی رہتے۔

"میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں تم بھی میرے ساتھ آؤ اسفندیار۔" وہ شاید مزید اس کے بارے میں سوچتا جب آبان شاہ کی آواز آئی۔ اسفندیار نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے ساتھ ہی آبان شاہ کے محل نما گھر سے باہر نکل آیا تھا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے قریبی عبادت گاہ میں داخل ہوئے تھے۔

دونوں نے نماز ادا کی اور جب آبان شاہ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا تو اس کی آنکھوں سے

آنسوؤں کا سمندر سا بہنے لگا تھا۔ اسفندریار تو چپ کر کے دعا مانگ کر عبادت گاہ سے باہر نکل آیا تھا لیکن آبان شاہ تو سجدے میں گر گیا تھا۔ اس کا سارا بدن ہچکولے کھا رہا تھا۔ زبان سے لفظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔ آنسوؤں نے آواز کا جیسے گلا گھونٹ دیا تھا لیکن وہ دو جہاں کا خالق مالک تھا۔ وہ جو سب کچھ جانتا تھا جو ظاہر ہے وہ بھی اور جو بعید ہے۔ وہ بھی تو پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ آبان شاہ کے دل کا حال خدا جانتا تھا۔ وہ خدا جو بندے کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب تھا۔ بے شک اسے ہر چیز کا علم تھا بظاہر مکمل اور وجاہت سے بھرپور ایک مشہور بزنس مین آبان شاہ جسے دنیا دیکھتی تو رشک کرتی تھی۔ اسے صرف اس کا خدا اور اس کی اپنی ذات جانتی تھی کہ وہ کتنا ٹوٹا ہوا کتنا نامکمل ہے۔ تقریباً آدھ گھنٹے بعد جب اس کا دل ہلکا ہوا تھا خدا کی ذات کے سامنے آنسو بہا کر جیسے ہی اسے سکون ملا وہ اٹھا اور باہر نکل آیا جہاں اسفندیار اس کا انتظار کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

زینیا نے عشاء کی نماز پڑھی اور کتاب لے کر عنزہ کے پاس چلی آئی۔

''عنزہ! کیا کر رہی ہو یار۔'' زینیا نے عنزہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا جو کتاب کو گود میں رکھے ہاتھ میں موبائل پکڑے اس میں کہیں کھوئی ہوئی تھی۔

''یار! اتنے مزے مزے کے ناول آئے ہیں تمہیں کیا بتاؤں زینی۔'' سدا کی ناولوں کی شوقین عنزہ کے لہجے میں خوشی ہی خوشی تھی۔

''بہن! تم مجھے کچھ نہ بتا، چار دن بعد پیپر ہیں ان کی تمہیں ذرا فکر بھی ہے یا نہیں۔'' زینیا نے اسے احساس دلایا۔

''ارے یار، چھوڑو پیپروں کو۔ ان پیپرز نے تو میری مت ماری ہوئی ہے۔''

"ٹھیک ہے میری بہن ٹھیک ہے۔ لگی رہو یہی تو فائدہ ہے نیٹ کا۔ اماں نے تم لوگوں کو وائی فائی لگوادی ہے جس پر وہ سب کو بتاتی پھرتی ہیں کہ انہوں نے اپنے بچوں کی پڑھائی کے لیے نیٹ لگوایا ہے یہ کرتے ہیں، وہ کرتے ہیں میرے بچے لیکن انہیں یہ نہیں پتہ کہ ان کے بچے نیٹ سے کیا کیا نہیں سیکھ رہے۔"

زینیا کو زاہرہ بیگم پر بہت غصہ تھا جو اپنے گھر کے باہر لوگوں کے بچوں پر تو بہت باتیں کرتی تھیں لیکن ان کے اپنے بچے کیا کرتے ہیں اور کیا نہیں انہیں اس بات کا ذرا بھی احساس نہیں تھا۔

"اوہو زینی یار، صرف دس منٹ یار۔ بس اینڈ ہونے والا ہے پھر تم سے بات کرتی ہوں۔" عنزہ کہاں اس کی باتیں سن رہی تھی وہ تو ناول پڑھنے میں مکمل طور پر مگن تھی۔

"عنزہ، عنزہ! تمہیں ذرا بھی فکر نہیں یار، اتنے مشکل امتحان ہیں ہمارے اتنے مشکل پیپر آتے ہیں۔ بی ایس سی کے کچھ احساس ہونا چاہیے تمہیں۔" زینیا نے آگے بڑھ کر اس کا موبائل چھین لیا تھا۔

"زینی! میرا گلاب جامن تمہارے ہوتے ہوئے عنزہ وقار کیوں ٹینشن لے۔" وہ بے فکری سے زینیا کے گرد بانہیں پھیلاتے ہوئے بولی۔

"ہاں تمہیں تب ٹینشن ہوگی جب تمہارا رول نمبر کسی دوسرے کمرے میں آئے گا یا پھر تمہارے اور میرے درمیاں کوئی اور سٹوڈنٹ آجائے گا تب تمہیں فکر ہوگی اور تب یہ ناول کی سٹوریز ہی پیپر پر لکھنا۔" زینیا نے اسے حقیقت بتائی۔ وہ سچ ہی کہہ رہی تھی پچھلی دفعہ بھی ان کے رول نمبر ساتھ میں نہیں آئے تھے اور عنزہ کو کافی مسئلہ ہوا تھا کیونکہ وہ تو ہمیشہ ہی زینیا کے ساتھ بیٹھتی تھی۔ وہ تیاری کرے یا نہ کرے، اپنا سارا پیپر اسی کی طرف دیکھ کر لکھنا ہوتا تھا۔

"زینیا۔ عنزہ۔" زینیا ابھی عنزہ سے بات ہی کر رہی تھی جب باہر سے ان دونوں کو اونچی

آواز سے پکارا گیا۔ وہ دونوں آگے پیچھے کمرے سے باہر نکلی تھیں۔ زینیا لنگڑا لنگڑا کر چل رہی تھی۔ وہ برآمدے میں پہنچیں جہاں گھر کے سارے نفوس بیٹھے ہوئے تھے اور عمر جو عنزہ کا بھائی اور اس کا ماموں زاد تھا غصے سے چکر کاٹ رہا تھا۔

''کون تھا وہ جس کے ساتھ تم سڑک پر بات کر رہی تھی۔ کون تھا؟ بتاؤ مجھے۔'' وہ انہیں آتا دیکھ کر غصے سے زینیا کی طرف بڑھا اور اسے جھنجوڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ پہلے تو زینیا کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ کس بارے میں بات کر رہا ہے لیکن اسے دومنٹ میں بات سمجھ میں آگئی تھی۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔ کیا اپنی زبان اسی یار کے پاس گروی رکھ آئی ہو جس کے ساتھ تم......'' اس سے پہلے وہ کوئی اور گل افشانی کرتا زینیا نے زور سے اس کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا۔ تھپڑ کی آواز اتنی زیادہ تھی کہ برآمدے میں بیٹھے سب نفوس کو جیسے سانپ سونگھ گئے ہوں۔ عمر خود ہکا بکا منہ پر ہاتھ رکھے خونخوار نگاہوں سے اپنے سامنے کھڑی زینیا کو دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری اتنی ہمت تم میرے ساتھ اتنی گھٹیا بات کرو اور تم مجھے ہاتھ لگاؤ، میں تمہارے ان ہاتھوں کو توڑ نہ دوں جس کے ساتھ تم مجھے ہاتھ لگاؤ۔ اس زبان کو میں کاٹ نہ دوں جس کے ساتھ تم مجھ سے میرے ہی بارے میں گھٹیا بات کرو۔'' وہ مضبوط لہجے میں پھنکاری تھی۔ اس کی باتوں سے تو زاہرہ بیگم کے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی تھی۔

''اے لڑکی تو......'' زاہرہ بیگم نے اسے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے جب اس نے ٹوک دیا۔

''ہاں میں۔ آپ اور آپ کا بیٹا کسی کے کردار پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لیں کہ آپ لوگ کتنے دودھ کے دھلے ہیں......اور تم مجھ سے سوال کرنے سے پہلے اپنی بہنوں سے سوال پوچھا کرو۔ تجھے کوئی حق نہیں مجھ سے ایسے گھٹیا سوال کرنے کا، سمجھے، آج

تو ایک تھپڑ مارا ہے کل چپل سے تمہارا منہ لال کردوں گی اگر دوبارہ ایسی حرکت کی تو......" وہ اسے وارن کرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے اماں بھی کمرے میں آ گئیں۔

"دیکھا وقار صاحب آپ نے۔ کیسے آپ کی بھانجی نے میرے بیٹے کو دو کوڑی کا کر دیا ہے بے عزت کر کے۔" زاہرہ بیگم چپ سے بیٹھے وقار صاحب کی طرف ہو لیں۔

"تو تمہارے بیٹے کو کیا ضرورت تھی اس سے ایسے بات کرنے کی کوئی طریقہ ہوتا ہے بات کرنے کا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے آپ بھی اسے ہی غلط سمجھے اور اپنی بھانجی کو اپنی بہن کی طرح پاک باز کل کو جب یہ بھی کسی کے ساتھ منہ کالا کر کے چلی گئی تو جگ ہنسائی تو ہماری ہی ہونی ہے۔" ان کے لہجے میں زینیا اور اس کی ماں کے لیے نفرت ہی نفرت بول رہی تھی۔

"ماں! بس کر دیں خدا کا واسطہ ہے بس کر دیں۔ کبھی تو کچھ سوچ سمجھ کر بولا کریں آپ کی بھی بیٹیاں ہیں کیسے آپ کا دل کر جاتا ہے کسی کی بیٹی کے بارے میں بولتے ہوئے۔ خدا سے ڈریں ماں یہ نہ ہو کہ آپ کے منہ سے نکلے ہوئے یہ لفظ آپ کی ہی کسی بیٹی کے آگے آ جائیں۔"

عنزہ کا دل دکھ سے بھر گیا تھا کہ اس کی ماں کتنی نفرت کرتی تھی اس کی زینی سے جو صرف محبت کرنے کے لیے بنی ہوئی تھی لوگوں نے کیسے اسے نفرت کا سبق سکھا دیا تھا۔

"دیکھ لیں آپ بھی اس منحوس زینی کے ساتھ رہتے رہتے اس کی زبان بھی کتنی لمبی ہو گئی ہے۔ کیسے ماں سے بات کر رہی ہے...... ارے کمبخت تجھے اس دن کے لیے پڑھا لکھا رہے ہیں کہ تم ماں کے سامنے زبان درازی کرو۔" انہوں نے آگے بڑھ کر عنزہ کے کمر پر زور سے

جھانپڑ رسید کیا جس سے وہ بیچاری اپنی کمر کو سہلاتے ہوئے اندر چلی گئی تھی۔

"زاہرہ بیگم! قصور زینی کا نہیں قصور آپ کا ہے۔ کبھی آپ نے ہمارے بچوں پر توجہ دی ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ دوسروں کے بچوں پر نظر رکھنا چھوڑیں ہمارے اپنے بچوں کے بارے میں سوچیں ایسا نہ ہو کہ ہم خالی ہاتھ ہی رہ جائیں اور ہمارے بچے......"

"بس وقار صاحب۔ بس۔" زاہرہ بیگم نے ان کی بات کاٹی تھی۔

"وہ میرے بچے ہیں میرے...... ان کی ماں زاہرہ ہیزا ہے...... فانیا مرزا نہیں جو اپنی اولاد کو دربدر کی ٹھوکروں میں چھوڑ کر خود عیش کی زندگی گزارے۔ نہیں وقار صاحب نہیں، ایسا آپ سوچئے گا بھی مت کہ میرے بچے کچھ ایسا کریں گے۔ کبھی بھی نہیں مجھے اپنی تربیت پر ناز ہے۔"

ان کے لہجے میں غرور بول رہا تھا جسے وقار صاحب نے بخوبی محسوس کیا تھا۔ وہ کانپ کر رہ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں کے لیے اور اپنے گھر کی خوشیوں کے لیے دعا کی تھی۔

وقار صاحب ایک پولیس آفیسر تھے۔ اگر گھر میں پیسوں کی ریل پیل نہیں تھی تو تنگی بھی نہیں تھی۔ ان کے پانچ بچے تھے۔ تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ بڑی بیٹی عالیہ دوسرے نمبر پر عمر پھر صبا۔ اس کے بعد عنزہ اور سب سے چھوٹا فاروق تھا۔ انہوں نے اپنے سب بچوں کو بہتر سے بہتر تعلیم دلائی تھی عمر تو لندن سے اپنی پڑھائی مکمل کر کے آیا تھا۔

انہوں نے چار پانچ مرلے پر بہت خوبصورت ڈبل سٹوری گھر تعمیر کروایا تھا جس کی ڈیکوریشن زینیا نے کی تھی۔ گھر کے چھوٹے سے لان میں اس نے سبزیاں پھول پودے سب کچھ لگایا تھا جس سے گھر اور خوبصورت بن گیا تھا۔ یہ جنت بن جاتا اگر اس گھر میں امن سکون ہوتا لیکن نہیں ہر وقت لڑائی جھگڑا ہی ہوتا رہتا تھا۔

وقار صاحب جن کا باہر رعب دبدبہ تھا گھر کے اندر کم ہی چلتی تھی۔انہوں نے گھر کی ذمہ داری زاہرہ بیگم کو دے دی تھی۔اسی وجہ سے ان کے سارے بچے ماں کے زیادہ قریب تھے اور انہی کی طرح تھے۔سوائے عنزہ کے۔وہ سب سے الگ تھی شاید اس لیے اس کے ساتھ زینیا شاہ تھی۔

زینیا کون تھی؟ کہاں سے آئی تھی؟ کیا وہ ایسی ہی تھی؟ نہیں وہ تو بہت معصوم سی بالکل گڑیا جیسی تھی جس کے ساتھ صرف پیار کرنے کو دل چاہتا تھا لیکن اس کو تو سوائے نفرت کے تو کچھ بھی نہیں ملا تھا۔

زینیا ان کی لاڈلی بہن فانیا مرزا کی بیٹی تھی۔وہ فانیا جو دنیا فتح کرنا جانتی تھی جس کی خوبصورتی ذہانت کے ہر طرف چرچے جو حد درجہ مغرور تھی ماں باپ کی وہ لاڈلی تھی ہر کوئی اس کی خوبصورتی کی تعریف کرتا جو وہ اپنا حق سمجھ کر وصول کرتی تھی۔گندمی رنگت اور عام سے نین نقوش والی زاہرہ کو وہ اپنے سامنے کچھ نہیں سمجھتی تھی۔

وہ گولڈ میڈلسٹ تھی ہر جگہ وہ آگے رہی تھی۔چاہے وہ پڑھائی ہو یا پھر دوسری سرگرمیاں، ہر جگہ وہ آگے تھی اور جیت اس کا مقدر بنتی تھی۔ہار سے تو اسے جیسے نفرت سی تھی۔اس کے سرکل میں بہت سے اونچے اونچے خاندان سے تعلق رکھنے والے لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی جن سے وہ بہت کلوز تھی۔

عظیم مرزا جوان کے بابا تھے انہوں نے فانیا کو بھرپور آزادی دی تھی اور ویسے بھی فانیا اپنی ماں سے زیادہ بابا کے زیادہ قریب تھی۔اس نے ہر کام اپنے بابا سے پوچھ کر کرنا ہوتا تھا۔انہیں فانیا پر مان تھا، فخر تھا لیکن ان کا مان اس وقت کرچی کرچی ہو گیا تھا جب ان کی فانیا، ان کی لاڈو نے اپنے بابا کے پسند کیے ہوئے لڑکے کو ریجیکٹ کر کے اپنی پسند سے شادی کر کے چلی

گئی تھی۔ بابا کا مان ٹوٹ گیا۔ وہ خود بھی تو ٹوٹ گئے تھے فانیا کے اس عمل نے سب کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ایک دفعہ بھی اس نے اپنے بابا کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ ایک دفعہ بھی اپنی ماں کے بارے میں نہیں سوچا تھا چند دنوں کی محبت میں وہ اپنے پیاروں کی محبت کو بھول گئی تھی جو اس کے ماں باپ نے اس کے پیدا ہونے سے لے کر بڑے ہونے تک دی تھی۔

فانیا کے ایسا کرنے سے زاہرہ بیگم کے دل میں اس کے لیے نفرت ہی نفرت بھر گئی تھی کیونکہ اس نے زاہرہ بیگم کے بھائی کو ریجیکٹ کیا۔ ریجیکٹ بھی نہیں اس کو بے عزت کیا تھا۔

عظیم مرزا اپنا آبائی شہر چھوڑ کر لاہور آ گئے تھے۔ اس کے بعد وہ ایک سال ہی زندہ رہے تھے فانیا کے دکھ نے ان کی جان لے لی تھی۔ ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے تین سال بعد آئی تھی۔ وہ ویسی کی ویسی بلکہ اس سے چار گنا مزید بہتر تھی بابا کا سن کر بہت روئی تھی۔ انہوں نے بھی اسے گھر میں داخل ہونے سے منع کر دیا تھا۔ اس نے اپنے شوہر سے طلاق لے لی تھی اور دو سال کی بیٹی کو شوہر کے پاس چھوڑ آئی تھی۔

جب انہوں نے اپنے گھر میں آنے کی اجازت نہیں دی تو وہ دوبارہ نہیں آئی تھی۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ امریکہ چلی گئی ہے جہاں اس نے دو بچوں کے باپ سے شادی کر لی تھی۔ انہیں سن کر بہت دکھ ہوا تھا۔ پھر زینیا آئی تھی فانیا کی بیٹی۔ وہ سات سالہ گول مٹول سی بڑی بڑی آنکھوں والی فانیا سے بھی خوبصورت، دودھیا رنگت، سنہرے بال۔ وہ بالکل باربی ڈول تھی۔

یہ نام اسے عنزہ نے پہلی دفعہ دیا تھا جو اس سے دو سال بڑی تھی۔ وہ ڈری سہمی سی اماں کا ہاتھ پکڑے ان کے پیچھے چھپتی کبھی ان کی گود میں سر دے کر اپنا منہ چھپاتی۔

اس کے باپ نے اسے اپنے ساتھ رکھنے سے انکار کر دیا تھا یہ کہہ کر کہ اس کی زندگی میں اس کی کوئی جگہ نہیں۔ وہ اپنی نئی دنیا بسا چکا ہے جس میں زینیا کے وجود کی کوئی گنجائش نہیں۔

اماں اس چھوٹی سی بچی پر ترس کھا کر اسے اپنے ساتھ لے آئی تھیں جہاں اسے سوائے نفرت کے کچھ نہیں ملا تھا۔

ایک دو سال اس نے ڈر ڈر کر گزار دیا تھا اماں کے کہنے پر اسے اپنے بچوں کے ساتھ ہی ان کے سکول ہی داخل کروایا۔ وہ سب بچوں سے زیادہ ذہین تھی۔ یہ ذہانت اور خوبصورتی اسے اپنے ماں باپ سے ملی تھی۔

زاہرہ بیگم فانیا کے حصے کی نفرت اور غصہ اس معصوم پر اتارتی اس سے ہر چھوٹے بڑے کام کرواتی تھی۔ جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی۔ وہ سمجھ دار ہوتی گئی تھی ہر اچھا برا اس نے اپنی چھوٹی سی عمر میں سمجھ لیا تھا۔ اپنا خرچہ وہ خود اٹھاتی تھی بچوں کی پڑھائی میں مدد کرتی تو ان سے پیسے بھی لیتی تھی۔ چھوٹی کلاسوں کے بچوں کو پڑھاتی تو ان پیسوں کو جمع کر کے اپنی فیس دیتی تھی۔ زاہرہ بیگم اسے پڑھانے کے حق میں نہیں تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کے شوہر کے پیسے اتنے فالتو نہیں جسے پرائے بچوں کی تعلیم پر خرچ کر دیا جائے جسے سن کر زینیا نے کبھی ان سے پیسے نہیں لیے تھے یا تو اماں کی پنشن آتی تو وہ اس کی تھوڑی بہت مدد کر دیتی تھیں۔ پہلے تو زاہرہ بیگم اس سے کام کروالیتی تھیں لیکن کھانا ایک وقت کا دیتی تھیں، فریج سے پانی نہیں پینے دیتی تھیں لیکن اب وہ ہر کام ڈھٹائی سے کرتی تھی۔ اگر زاہرہ بیگم اسے ایک بات کرتی تو وہ انہیں دو باتیں کرتی تھی کیونکہ وہ چھوٹی سی عمر میں سمجھ گئی تھی کہ اگر وہ اسی طرح ڈر ڈر کر جیئے گی تو یہ بے رحم دنیا اور اس میں بسنے والے بے رحم لوگ اسے روندتے چلے جائیں گے اسی لیے اب وہ نہ کسی سے ڈرتی تھی اور نہ ہی اپنی طرف اٹھنے والی انگلی پر خاموش رہتی تھی۔ جس وجہ سے زاہرہ بیگم نے اسے زبان دراز، بدتمیز، بددماغ اور بھی پتہ نہیں کیا کیا مشہور کر دیا تھا۔

”کیا ضرورت تھی تمہیں عمر پر ہاتھ اٹھانے کی، بیٹا وہ تم سے بڑا ہے۔ زینیا تم نے ذرا بھی

میری تربیت کا لحاظ نہیں کیا۔" اماں اس کے اس عمل سے خوش نہیں لگ رہی تھیں۔

"اماں! میں مانتی ہوں وہ مجھ سے کئی سال بڑا ہے لیکن اس کی سوچ اس سے کئی گنا زیادہ چھوٹی اور گھٹیا ہے آپ نے دیکھا نہیں کیسے بدتمیزی سے وہ مجھ سے بات کر رہا تھا۔ اور یہ خدا جانتا ہے آپ نے میری تربیت کیسی کی ہے لوگوں کو اس کا ثبوت دینے کی ضرورت نہیں۔ ان کی تو عادت ہوتی ہے دوسروں پر تنقید کرنا۔ ان کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔" یہ لفظ اس کے لبوں سے کیسے ادا ہو رہے تھے یہ صرف وہی جانتی تھی۔ وہ ضبط کی کس کس منزل سے گزرتی تھی یہ وہی جانتی تھی۔ اسی سے یہ سوال کیوں پوچھا گیا؟ اس کے ساتھ عنزہ بھی تو تھی۔ عنزہ سے کیوں نہیں پوچھا گیا؟

"مجھ سے ہی کیوں، کیا میں فانیا کی بیٹی ہوں اس لیے؟" بہت سے سوال اس کے ذہن سے ابھر رہے تھے۔

"اچھا آپ یہ باتیں چھوڑیں اور لیٹ جائیں میں ذرا بیٹھ کر پڑھ لوں۔" وہ پلنگ سے اٹھ کر لان کی طرف کھلتی کھڑکی کے پاس رکھی واحد لکڑی کی کرسی پر وہ اپنی کتاب لے کر بیٹھ گئی۔ اپنی تمام سوچوں اور پریشانیوں کو جھٹک کر وہ پڑھنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

یہ منظر پیرس میں ایک خوبصورت سے ڈریم ہاؤس کا تھا جہاں بڑے سے ڈائننگ ہال میں ملازموں کی لائن لگی ہوئی تھی اور ڈائننگ ٹیبل پر صرف ایک ہی نفوس بیٹھا ہوا تھا جو بہت ہی نفاست سے اپنا بریک فاسٹ کر رہا تھا۔ سب ملازم مؤدب سے انداز میں کھڑے تھے۔

ہال میں خاموشی سی چھائی ہوئی تھی۔ جیسے ہی اس نے کھانا ختم کیا ٹیبل پر پڑے مہنگے ترین سمارٹ فون کی بیل کی آواز نے خاموشی کے راج میں ارتعاش پیدا کیا۔

''السلام علیکم!'' اس نے فون اٹھاتے ہی فون کرنے والے پر سلامتی بھیجی۔
''وعلیکم السلام، آبان، تم کب تک آفس آرہے ہو یار۔ دراصل وہ جو انتاشہ سہگل ہیں جن کے ساتھ میں نے پچھلے ہفتے ڈیل کی تھی آج گیارہ بجے ان کے ساتھ تمہاری میٹنگ ہے۔'' دوسری طرف اسفند یار تھا۔
''ہاں میں آرہا ہوں تم نے ساری ارینجمینٹس کر لی ہیں ناں؟''
''ہاں تم بس جلدی پہنچو۔''
وہ فون سنتا ہوا باہر پورچ میں آیا جہاں اس کا ڈرائیور پہلے ہی سے گاڑی سٹارٹ کیے کھڑا تھا اور جیسے ہی وہ گاڑی میں بیٹھا گاڑی تیزی سے ڈریم ہاؤس سے باہر نکلتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

''نوراں! آج اس کمرے کو اچھی طرح صاف کر دو کسی بھی چیز کی کوئی کمی نہ ہو۔ آج میرا بیٹا سالوں بعد واپس آرہا ہے۔ میں چاہتی ہوں سب اس کے مزاج کے مطابق ہو۔'' مسز جویریہ شاہ اپنی ساڑھی کے پلو کو سنبھالتی ہوئی سیڑھیاں اتر رہی تھیں اور ساتھ ہی نوراں (ملازمہ) کو ہدایت بھی دے رہی تھیں۔
''مام! کیا بات ہے آج کوئی آرہا ہے۔ کچن سے بہت خوشبو آرہی ہے اور سارے گھر کی سیٹنگ بھی چینج کر دی ہے۔ سب ٹھیک ہے اور آپ بھی آج بہت خوش دکھائی دے رہی ہیں۔ کیا بات ہے کیا راز ہے مجھے بھی بتائیں۔'' نوین شاہ جو لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں ،انہیں سیڑھیوں سے آتا دیکھ کر پوچھے بغیر نہ رہ سکیں۔
''ہاں میں آج بہت خوش ہوں اتنی خوش ہوں تمہیں کیا بتاؤں بیٹا۔''
''تو مام مجھے بھی بتائیں میں بھی خوش ہو جاؤں گی۔''

”نوین آج میرا بیٹا آئے گا میرا آبان آئے گا“ وہ خوش تھیں۔ بہت خوش تھیں ان کی جیسے خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔

”سچ مام۔ بھائی جان آرہے ہیں۔“ نوین بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔ جویریہ شاہ کے مسکراتے لب سکڑ گئے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

”بھائی جان نہیں، آبان شاہ آرہا ہے سمجھی۔ آئندہ اس کا نام مت لیتا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ وہ نوین کو ڈانتے ہوئی بولی۔ ان کے لہجے میں کیا تھا نوین سمجھ نہیں سکی۔ وہ تو سب کچھ بھول گئی تھی اس کے جان سے پیارے بھائی آرہے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر پورے شاہ ہاؤس میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ ہر کوئی خوش ہورہا تھا۔

”آپی! میں جو سن رہی ہوں کیا وہ سچ ہے۔“ طیبہ شاہ نے جویرہ شاہ سے پوچھا انہیں بھی اس بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔

”ہاں یہ سچ ہے فرحان کے پاپا فرانس گئے ہیں اور وہ اپنے ساتھ آبان کو بھی لے کر آئیں گے۔“

”آپی! میں آپ کو کیا بتاؤں میں بہت خوش ہوں میں ابھی یہ خبر رخی کو دیتی ہوں وہ تو خوشی سے پاگل ہی ہوجائے گی۔“

پورا شاہ ولا میں خوشی کا سا سماں تھا۔ اس کا گھر کا لاڈلا بیٹا سب کی آنکھوں کا تارا جو آرہا تھا۔

☆......☆......☆

آبان شاہ جس وقت اپنے آفس میں داخل ہوا سارے ورکرز اپنا اپنا کام کررہے تھے۔ وہ اپنے کیبن میں داخل ہوا جہاں نائلہ اور اسفندیار پہلے سے ہی موجود تھے۔

”السلام علیکم مسٹر ہینڈسم۔ کیسے مزاج ہیں۔“ نائلہ نے شوخی سے پوچھا۔

”شکر الحمدللہ میں ٹھیک ہوں۔“ وہ اسے جواب دے کر اسفندیار کی طرف متوجہ ہوا۔

”اسفی! کام کہاں تک پہنچا ہے۔“

”تقریباً مکمل ہوگیا ہے تم یہ فائل دیکھ لو میں نے دیکھ لی ہے فائنل فیصلہ تو تمہارا ہی ہوگا۔“

”اوکے۔ دیکھ لوں گا۔ ابھی میں کانفرس روم میں جارہا ہوں۔“ وہ فائل پکڑ کے جیسے آیا ویسے ہی باہر چلا گیا تھا۔

”اسفندیار یہ چیز کیا ہے۔“

”کون؟“

”یہی ہمارا دوست اور کون۔“

”وہ چیز نہیں وہ آبان شاہ ہے نائلہ۔“

”بہت ہی مغرور انسان ہے۔ مجال ہے جو ایک نظر بھی دیکھ لے۔“

”تم اس کی دوست ہو کر یہ بات کہہ رہی ہو۔ جانتی تو ہو وہ شروع سے ہی ایسا ہے۔“ اسفند کو اس کی لاعلمی پر شک سا ہوا۔

”کیوں؟ وہ ایسا کیوں ہے اسفی، وہ ہنستا کیوں نہیں؟ میں اسے ہنستا دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسے پانا چاہتی ہوں اسفی، کیوں اسے نہیں پتہ کہ میں اسے کتنا چاہتی ہوں جنون کی حد تک چاہتی ہوں۔ میرے دل میں جو آگ ہے اس کی تپش اس تک کیوں نہیں پہنچتی۔“ یکدم سے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور سامنے بیٹھا شخص جو پہلے ہی اس کی آنکھوں کے دیپ دیکھ چکا تھا جو آبان شاہ کو دیکھ کر چمک اٹھتے تھے آج اس کی زبان سے اعتراف سن کر ایک موتی اس کی

آنکھ سے ٹوٹ کر گر گیا اور جس کے لیے وہ آنسو تھا وہ تو خود محبت کی آگ میں جل رہی تھی۔

''نائلہ! میرے خیال میں ایسے رونے اور تڑپنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر قسمت کی دیوی تم پر مہربان ہوئی تو تمہاری محبت تمہیں مل جائے گی۔ نہیں تو وہ کسی اور کے حصے میں چلی جائے گی۔'' اسفندیار یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

''اور ایک بات نائلہ جس سے تم پیار کرتی ہو وہ خدا کے بہت نزدیک ہے۔ خدا سے مانگو اس کو۔ یہ آنسو خدا کے سامنے بہاؤ یہ تڑپ اس پاک ذات کے سامنے دکھاؤ۔ سنا ہے میں نے دعاؤں میں شدت ہو تو اس سے قسمت بھی بدل جاتی ہے۔'' یہ کہتے ہی وہ کمرے سے نکل گیا۔ اس کا رخ کانفرس روم کی طرف تھا۔

ایک گھنٹے کی میٹنگ کے بعد وہ کانفرنس روم سے نکل کر بلڈنگ کے سب سے اوپر والے فلور پر آیا جہاں اس کا بڑا سا کیبن تھا۔ اس نے وضو کر کے وہاں اپنے کیبن کے ساتھ والے کمرے میں نماز ادا کی جو اس نے نماز کے لیے مخصوص کیا ہوا تھا۔ وہ شروع سے ہی پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا جہاں بھی ہو جس بھی حالت میں ہو وہ اپنے سب کام چھوڑ کر نماز کو پہلے ترجیح دیتا تھا چاہے اسے بزنس میں جتنا مرضی نقصان ہو رہا ہو۔ اس نے نماز کبھی نہیں چھوڑنی ہوتی تھی۔ یہ تو سب دنیا کے دھندے تھے چاہے بگڑتے ہوں یا سنورتے ہوں انہوں نے تو یہاں ہی رہ جانا تھا ان کو سنوارنے کے چکر میں اپنی اس زندگی کا گلا کیوں دبا دیں جو ہمیشہ کی رہنے والی تھی جو مرنے کے بعد کی زندگی تھی۔

وہ نماز پڑھ کر باہر آیا تو سامنے صوفے پر بیٹھے وجود کو دیکھ کر چند لمحوں کے لیے اس کے قدم جم سے گئے تھے۔ آنکھوں میں لہو سا ابھر گیا دماغ کی رگیں تن سی گئیں چہرہ غصہ سے لال ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ جیسے ہی باہر آیا تو سامنے صوفے پر بیٹھے نفوس کو دیکھ کر چند سیکنڈ کے لیے اس کے قدم تھم سے گئے غصے اور اشتعال سے اس کی دماغ کی رگیں تن سی گئی تھیں۔جیسے ہی صوفے پر بیٹھے وجود کی نظر اس پر پڑی تو ان کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا وہ صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آپ یہاں کیا لینے آئے ہیں چلے جائیں یہاں سے۔میں نے کہا تھا ناں مجھے اپنی شکل مت دکھائیے گا پھر کیوں آئے ہیں یہاں۔'' وہ انہیں اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔غم و غصے سے اس کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔

''آبان! میں تمہیں دیکھنے آیا تھا بیٹا۔'' وہ دکھ بھرے لہجے میں بولے۔مقابل کو رتی بھر بھی فرق نہیں پڑا تھا۔

''یہ دیکھنے آئے ہیں کہ میں زندہ ہوں یا مر گیا ہوں۔اگر یہ دیکھنے آئے ہیں تو دیکھ لیں میں آبان شاہ بالکل زندہ ہوں۔''

''آبان بیٹا۔''

وہ آگے بڑھے ہی تھے کہ اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں چلے جائیں یہاں سے۔'' وہ بے رحمی سے بولا۔یہ بھی نہیں دیکھا کہ دکھ سے ان کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔وہ اسے اپنے سینے سے لگانا چاہتے تھے۔ویسے ہی پیار کرنا چاہتے تھے جیسے وہ اسے پہلے کرتے تھے لیکن پہلے میں اور اب میں کافی فرق تھا۔اب ان کے درمیان دوریاں تھیں جو ان کی اپنی ہی غلطی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں۔پھر وہ مزید وہاں نہ رکے اور اس کے آفس سے نامراد لوٹ گئے تھے کسی ہارے ہوئے انسان کی طرح۔

وہ بھی چلتا ہوا اپنی کرسی پر ڈھے گیا۔کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں اور کئی

سال پیچھے چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

”آبان بیٹا! اسے رکھ دو بیٹا۔ گر جائے گی وہ۔“ آبان جو پانچ چھ ماہ کی بچی کو گود میں اٹھائے پورے گھر میں گھوم رہا تھا دادا جان نے اسے کہا۔

”نہیں دادا جان! میں اپنی پرنسز کو گرنے نہیں دوں گا۔“ وہ سات سالہ معصوم سا بچہ بولا۔ اس نے اس بچی کا نام پرنسز رکھا تھا۔ وہ ہے بھی بالکل کسی پرنسز جیسی۔ اس کے دیکھا دیکھی سب اسے پرنسز کہہ کر بلاتے تھے۔

”آبان! لاؤ اسے مجھے دو۔ میں بھی کھیلوں گا اس کے ساتھ۔“ فرحان جو اس سے دو سال بڑا تھا اس نے پرنسز کو لینا چاہا لیکن آبان نے اسے پیچھے کر لیا تھا۔

”نہیں۔ میں آپ کو اپنی پرنسز کیوں دوں؟ آپ جا کر دادا جان سے کھیلیں۔“ اس نے صاف ہری جھنڈی دکھائی تھی۔ وہ اسے کسی بھی بچے کو ہاتھ نہیں لگانے دیتا تھا۔

”دادا جان! دیکھ رہے ہیں آپ، آبان کب سے اس کے ساتھ کھیل رہا ہے پرنسز کو مجھے نہیں دے رہا۔“ فرحان نے دادا جان سے اس کی شکایت کی جو اپنے لاڈلے پوتے اور سب سے ہوشیار پوتے کو دیکھ رہے تھے۔

”آبان! لاؤ ادھر بہن کو مجھے دو اب اسے اپنے دادا جان کے پاس آنے دو۔“

”دادا جان اٹس ناٹ مائی سسٹر اٹس مائی پرنسز۔“ دادا جان کے بہن کہنے پر وہ فوراً بولا تھا جسے سن کر سب ہنسنے لگے تھے۔

”بھئی فرقان، ہمارا یہ پوتا بہت تیز ہوگا دیکھو کیسے اس نے ہماری پوتی کو اپنی بہن بنانے سے ہی انکار کر دیا ہے۔“

”تو دادا جان! آپ ہی بتائیں کیا یہ میری بہن ہے نہیں ناں یہ تو فرحان بھائی کی بہن ہے عابی کی بہن ہے لیکن آبان کی نہیں۔“ اس نے انہیں پتے کی بات بتائی۔

”لڑکے! اگر تمہاری یہ بہن نہیں تو لاؤ ہماری بیٹی کو یہاں ہمیں دو اسے۔ اب اس کے بھائی ہی اٹھائیں گے تم کون ہوتے ہو اسے اٹھانے والے۔“ دادو جو کب سے خاموش بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھیں اپنے پوتے کی بات سن کر بولیں۔

”دادو، میں اس کا پرنس ہوتا ہوں ناں سمجھا کریں ناں۔“ وہ بہت ہی سمجھداری سے بولا۔ اس کی بات سن کر ہال میں سب کے قہقہے گونجے تھے۔

”بیٹا فرقان! تمہارا بیٹا ابھی سے ایسی باتیں کرنے لگا ہے ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے پتہ نہیں بڑا ہو کر کیا کرے گا۔“ وہ آبان کی بات پر غور کرتے وہ اپنے بیٹے سے بولیں۔

سب بہت خوش تھے۔ آبان تو چوبیس گھنٹے اپنی پرنسز کے پاس اس سے چھوٹی باتیں کرتا رہتا اپنے سکول کے قصے سناتا اور وہ بھی ایسی تھی کہ پٹر پٹر اسے دیکھتی رہتی جیسے اسے اس کی باتوں کی بہت ہی سمجھ آ رہی ہو۔

پھر ان کے جانے کا وقت آ گیا تھا یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا وہ لوگ پیرس رہتے تھے اور چھٹیوں کے باعث وہ دونوں بھائی فرقان شاہ کے ساتھ حویلی آئے ہوئے تھے جہاں ننھے سے آبان کا دل لگ گیا تھا۔ اب جب کہ وہ لوگ واپس جا رہے تھے تو اس نے ایک ہی ضد پکڑی ہوئی تھی کہ وہ نہیں جائے گا اگر جائے گا بھی تو پرنسز کو ساتھ لے کر جائے گا۔

”آبان بیٹا! ضد مت کرو باہر آ جاؤ دیکھو آپ کی پرنسز بھی آپ کو بلا رہی ہے آپ اسے بھی نہیں اٹھاؤ گے۔“ ساجدہ شاہ (جو فرقان شاہ کی بہن تھی) انہوں نے آبان کو کہا جو بھوک ہڑتال کر کے کمرہ بند کیے بیٹھا تھا لیکن وہ اتنا ضدی تھا کسی کی بھی بات نہیں سن رہا تھا۔ ہر ایک

نے اپنی طرف سے کوشش کر لی لیکن وہ ڈھیٹ بنا بیٹھا رہا تھا لیکن جیسے ہی ساجدہ پھوپھو کے منہ سے پرنسز کا نام سنا وہ دوڑتا ہوا دروازہ کھول کر باہر آیا تھا۔

"کیوں بھئی شہزادے کیوں ہم سب کو تنگ کر رہے ہو۔" وہ اس کے پھولے پھولے گالوں پر پیار کرتے ہوئے بولیں۔

"تو پھوپھو جانی، آپ سب بھی تو میری بات مان نہیں رہے ناں تو کیا میں اپنی بات منوانے کے لیے آپ سب کو تنگ بھی نہ کروں۔" وہ معصومیت سے بولا۔

"ارے میرے نا سمجھ بھتیجے۔آپ بات بھی تو ایسی کریں ناں جو ہم سب مان جائیں آپ کی ماما آپ سے بہت اداس ہو گئی ہیں۔وہ آپ کو بہت مس کر رہی ہیں اور آپ کے سکول بھی تو اوپن ہو گئے ہیں سکول نہیں جانا کیا آپ نے؟" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لاؤنج میں لے آئیں جہاں گھر کے سب فرد بیٹھے ہوئے تھے۔

"ارے آ گیا ہمارا شہزادہ۔" عثمان شاہ نے آگے بڑھ کر اٹھایا اور اپنی گود میں بٹھا لیا۔

"دیکھو ذرا، کیسے اب نہ جانے کی ضد کر رہا ہے۔پہلے جب آتا تھا لڑکیوں کی طرح ہزار نخرے دکھاتا تھا یہاں پر رکتا ہی نہیں تھا اس دفعہ جانے کا نام ہی نہیں لے رہا۔" دادی جان بولی تھیں۔

"ماں جان! اس دفعہ اس نے ہماری پیاری سی گڑیا سے دل جو لگا لیا ہے اب کیسے جائے وہ۔" ساجدہ پھوپھو دادو کی گود میں سوئی ہوئی ننھی سی بچی کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"فرقان بھائی! آپ کا یہ بیٹا جو ہے ناں بہت ہی دل پھینک ہوگا۔" وہ اب فرقان شاہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور جس کے بارے میں بات ہو رہی تھی وہ عثمان شاہ کی گود میں بیٹھا پتہ

نہیں کونسی باتیں کر رہا تھا لیکن ساجدہ پھوپھو کی بات اس کے کان میں پڑ چکی تھی۔

"پھوپھو! میں کب دل پھینکتا ہوں۔ اگر دل پھینک دوں گا تو جو دل کا کام ہوتا ہے۔ سارے جسم کو بلڈ سرکولیٹ کرنا، آکسیجن اور نیوٹرینٹس کی سپلائی رک جائے گی کاربن ڈائی آکسائڈ اور جو باڈی کے دوسرے ویسٹز ہوتے ہیں وہ ریموو نہیں ہوں گے پھر تو ڈیتھ ہو جائے گی میں بھلا کیوں دل پھینکوں گا۔" وہ ان کی بات پر غور کرتے ہوئے معصومیت سے بولا۔ سب اس کے منہ سے اس طرح کی باتیں سن کر حیران ہوئے تھے۔

"شہزادے! تم کہاں سے سیکھتے ہو ایسی باتیں۔" ساجدہ پھوپھو دل ہی دل میں اس کی نظر اتارتے ہوئے بولی تھیں۔

"اس میں سیکھنے والی کونسی بات ہے یہ جنرل سی بات ہے جو سب جانتے ہیں۔" وہ کبھی کبھی بالکل بڑوں جیسی باتیں کرتا تھا۔ چھ سال کی عمر میں وہ ایسی باتیں کر جاتا تھا کہ سب حیران رہ جاتے تھے۔

"اچھا یہ باتیں چھوڑو ساجدہ جاؤ پہلے اسے کچھ کھانے کو دے دو۔ بچے نے صبح کا کچھ نہیں کھایا اب تو شام بھی ہونے والی ہے اور بچوں کا سارا سامان وغیرہ بھی دیکھ لینا کوئی چیز رہ نہ جائے۔" انہوں نے ساجدہ پھوپھو کو ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ وہ ان کی بات پر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔

"چاچو میری پرنسز میرے ساتھ جائے گی کیا؟"

"نہیں بیٹا وہ کیسے آپ کے ساتھ جا سکتی ہے ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے۔"

"کوئی بات نہیں میں اسے اپنی گود میں اٹھا لوں گا۔" اس نے انہیں آسان ساحل بتایا تھا۔

"اور چاچو وہ تو میرا برتھ ڈے گفٹ ہے ناں آپ نے کہا تھا ناں۔ آپ کو نہیں پتہ؟ گفٹ

دے کر واپس نہیں لیتے۔" وہ کچھ یاد آنے پر فوراً بولا تھا۔ عثمان شاہ کی نظروں میں وہ دن گزرا جس دن آبان کی سالگرہ تھی اور اسی دن ان کے گھر میں ننھی سی لال گلابی گڑیا پیدا ہوئی تھی اور جب آبان نے اپنی سالگرہ کا گفٹ مانگا تو انہوں نے بے اختیار اس ننھی گڑیا کو اس کی گود میں ڈال دیا۔

"یہ رہا میری شہزادے کا گفٹ، کیسا لگا تمہارا گفٹ۔" وہ فرشتہ صفت بچی کو پہلے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"چاچوائس مائی پرنسز، مائی گفٹ؟"

"یس مائی چائلڈ۔"

وہ اپنا گفٹ پا کر بہت خوش تھا۔ کہتے ہیں بچے تو معصوم ہوتے ہیں۔ ناسمجھ ہوتے ہیں انہیں وقتی طور بہلاؤ گے تو وہ بہل جائیں گے۔ اگر ان کا کوئی کھلونا ٹوٹ جائے تو اسے کوئی نیا کھلونا لا دیں گے تو وہ اس کے ساتھ بہل جائے گا لیکن انہیں لگتا تھا جیسے آبان ان بچوں میں سے نہیں تھا۔

"بھائی جان! ایک مہینہ ہو گیا ہے اس بات کو لیکن اس شیطان نے ابھی تک اسے یاد رکھا ہوا ہے مجھے تو وہ بات بھول بھی گئی تھی۔"

"تو تمہیں اپنی بیٹی اس شیطان کو گفٹ کرتے سوچنا چاہیے تھا اب بھگتو خود ہی تم نہیں جانتے اس کو کہ یہ شیطان بات نہیں بھولتا۔" فرقان شاہ بھی انہیں ہری جھنڈی دکھاتے اٹھ گئے تھے۔

"چاچو بولیں ناں۔" وہ ان سے کوئی جواب نہ پا کر بولا تھا۔

"آبان بیٹا! وہ آپ کا ہی گفٹ ہے لیکن ابھی وہ آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی ابھی وہ بہت

چھوٹی ہے جب آپ کی پرنسز بڑی ہوگی ناں تب آپ آنا پرنسز کو لینے۔"

"ہاں پھر میں گھوڑے پر بیٹھ کر آؤں گا۔"

"ہاں میرے یار گھوڑے پر ہی آجانا۔اب جا کر کھانا کھاؤ گے یا پھر میرا دماغ کھاؤ گے؟" آبان کی باتوں نے انہیں زچ کر دیا تھا۔دادی جان تو اس کی زبان سے ایسی باتیں سن سن کر حیران ہو رہی تھیں۔

"نہیں چاچو میں کھانا ہی کھاؤں گا آپ کا دماغ مجھے ہضم نہیں ہوگا۔" وہ فوراً وہاں سے بھاگ گیا تھا۔وہ بس اسے جاتا دیکھ کر ہی رہ گئے تھے۔ان کے واپس جانے سے سب اداس تھے اس دفعہ آبان بھی اداس تھا ورنہ وہ جب بھی آتا تھا واپس جاتے وقت اس سے زیادہ کوئی بھی خوش نہیں ہوتا تھا۔

پیرس واپس آکر بھی وہ کئی دنوں تک اداس رہا تھا لیکن آہستہ آہستہ سب معمول پر آتا گیا۔ روزانہ صبح و شام عثمان شاہ اپنی بیٹی کو اپنی گود میں لے کر اس سے ویڈیو کال پر بات کرتے وہ گھنٹوں اس سے بات کرتا حالانکہ وہ بول نہیں پاتی لیکن اس کی قلقاریاں سن کر وہ خوش ہوتا تھا۔کتنے خوبصورت دن تھے وہ بھی۔نہ کوئی دکھ تھا نہ کوئی رنج نہ کوئی غم میں لپٹی شام آئی تھی اور نہ ہی تکلیف سے بھری صبح ہوئی۔

وقت بدلتا ہے اور اپنے ساتھ سب کچھ بدل دیتا ہے وہ نہیں دیکھتا کہ کوئی کس حال میں ہے۔کون جی رہا ہے یا مر رہا ہے وقت بھی کسی کے لیے رکتا ہے کیا؟

نہیں کبھی بھی نہیں۔

وہ اپنے ماضی میں کھویا تھا جب اسفندیار کی آواز نے اسے حال میں واپس لا پٹخا تھا۔

"آبان! مجھے پتہ تھا تم یہیں پر ہو گے اسی لیے میں سیدھا ادھر آیا ہوں۔ ویسے روپا

(سیکرٹری) بتا رہی تھی تم سے کوئی ملنے آیا ہے لیکن مجھے تو یہاں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔" وہ کمرے کے چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے بولا تھا۔

"کوئی بھی نہیں آیا۔ تم بتاؤ مس سہگل چلی گئی ہیں یا ابھی ادھر ہی ہیں؟" آبان بات کو صاف ٹال گیا تھا اسی لیے اسفند نے بھی مزید اسے نہیں کریدا تھا اور اسکی بات کا جواب دیتے بولا۔

"نہیں۔ ابھی ان کا دو چار دن یہاں رکنے کا ارادہ ہے۔"

"وہ رکی کہاں ہیں؟"

"ہوٹل ایسٹوریا میں ٹھہری ہوئی ہیں۔"

"واٹ اسفی، وہ ہماری مہمان ہیں پاگل۔ گھر میں جگہ کم تھی جو تم نے انہیں ہوٹل میں رکنے دیا۔" وہ برہم لہجے میں بولا۔

"یار! مجھے پتہ ہی نہیں تھا۔ وہ تو تمہارے آنے کے بعد باتوں باتوں میں پتہ چل گیا لیکن ابھی تم میرے ساتھ نیچے چلو تو خود بول دینا ابھی وہ ادھر ہی ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔"

وہ دونوں آگے پیچھے نیچے چلے آئے۔

☆......☆......☆

حویلی میں جہاں پہلے خوشی کا سا سماں تھا، حویلی کے مکینوں کے ساتھ جہاں کے در دیوار بھی بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ حویلی کے اندر ہر طرح کے پکوان پکائے جا رہے تھے جن کی خوشبوئیں چاروں اور پھیلی ہوئی تھیں لیکن جیسے ہی پتہ چلا آبان شاہ آج بھی واپس نہیں آیا تو سب کچھ پس منظر جا تا رہا۔ جویریہ شاہ کی آج بھی امید ٹوٹ گئی تھی۔ وہ رو رہی تھیں اپنے بیٹے کی جدائی سے تڑپ رہی تھیں۔

"فرقان! آپ اسے کیوں نہیں ساتھ لے کر آئے۔ آپ تو وعدہ کر کے گئے تھے کہ وہ ضرور آئے گا لیکن آپ اکیلے کیوں آئے۔ اپنے آبان کو ساتھ کیوں نہیں لائے۔" وہ روتے ہوئے فرقان شاہ سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ سب اس وقت ہال میں بیٹھے ہوئے تھے سوائے عثمان شاہ کی فیملی کے۔

فرقان شاہ خود بھی اپنے بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر کرب میں تھے۔ انہیں کہاں چین تھا۔ ان کا لاڈلا سب سے شیطان بیٹا کس طرح بدل گیا تھا کبھی نہ خاموش ہونے والا کیسے خاموش ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی انہیں بھی عثمان شاہ پر بہت غصہ آتا تھا۔

"ہاں جویریہ، میں نے کہا تھا لیکن میں اس کے پاس نہیں گیا تھا۔ عثمان گیا تھا۔ اس نے کہا اس دفعہ وہ آبان سے بات کرے گا لیکن آبان نے اس کی کوئی بھی بات نہیں سنی اور اسے واپس بھیج دیا۔" انہوں نے وضاحت دی۔

"کیا؟ آپ نے عثمان کو بھیج دیا۔" ان کے لہجے میں انجانا سا خوف پیدا ہوا لیکن انہوں نے فوراً خود کو سنبھالا۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ عثمان سے ناراض ہے اسے دیکھ کر وہ غصہ ہو جاتا ہے پھر آپ نے اسے کیوں جانے دیا۔ فرقان اب وہ کبھی ہمارے پاس نہیں آئے گا وہ ہم سے دور چلا گیا ہے۔" ان کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔ یہی حال نوین شاہ کا تھا جو اپنے بھائی جان کے آنے کا سن کر اتنا خوش تھی کہ سب کچھ بھول گئی لیکن اب وہ اتنی ہی دکھی تھی۔

"جویریہ! تم مت رو میں کل ہی تمہاری اور نوین کی ٹکٹیں کروا دوں گا۔ تم دونوں ماں بیٹی چلی جانا اس کے پاس جتنے مرضی دن اس کے پاس رہ لینا۔" ان کی بات سن کر وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

”نہیں فرقان، میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔ میں چاہتی ہوں وہ ادھر آئے اور اور ہمارے پاس، ہمارے ساتھ، جس طرح گھر کے دوسرے بچے ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ کہیں جاتے ہیں اور پھر لوٹ کر واپس گھر آتے ہیں۔ وہ بھی ایسے ہی آئے ہمیشہ پردیس کا مکین بن کر نہ رہے وہ۔“

”انشا اللہ ایسا ہی ہوگا بس صبر کرو حوصلہ کرو۔ انشا اللہ وہ جو جلد ہی لوٹ آئے گا۔“ وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولے اور اٹھ کر کمرے میں چلے گئے۔ ان کے پیچھے ہی نوین شاہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”ہاں ماما۔ بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں دیکھئے گا آبان شاہ بہت جلد واپس آئے گا دیکھئے گا آپ۔“ فرحان شاہ اٹھ کر ان کے پاس آیا۔

جویریہ شاہ نے اپنے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے بیٹے کو دیکھا۔ نظریں عباد شاہ پر رک گئیں۔ عباد شاہ نے انہیں اپنی طرف دیکھتے پایا جس کے چہرے پر غم و غصے اور دکھ کی تحریر واضح لکھی ہوئی تھی۔

”ماما! لوٹ تو وہ آئیں گے لیکن یہ دعا کریں گا انہیں وہ سچائی نہ پتہ چلے جسے وہ برداشت نہ کرسکیں۔“

”کیسی سچائی عابی؟“ فرحان نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

”کچھ نہیں۔ میرے خیال میں ماما کو سمجھ آگئی ہے چلتا ہوں میں اللہ حافظ۔“ وہ ہال سے نکل گیا تھا۔ اس کی بات سن کر جویریہ شاہ کا چہرہ غصہ سے لال ہوگیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھیں اور اس کے پیچھے نکلیں اور فرحان شاہ وہی بیٹھا انہیں جاتا دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''کس سچائی کی بات کر رہے تھے......اور کیا ثابت کرنا چاہتے ہو ایسی بات کہہ کر؟''
انہوں نے اسے حویلی کے لاؤنج سے جالیا۔انہیں عباد شاہ پر کافی غصہ تھا۔وہ ان کے غصے کو ہنستے ہوئے ہوا میں اڑاتے بولا تھا۔
''اووکم ان مام: آپ تو ایسے ایکٹ کر رہی ہیں جیسے آپ کا کچھ بھی پتہ نہ ہو یا پھر بھول گئی ہیں؟''
''بھول تو شاید تم گئے کہ اگر تمہیں پتہ چل گیا تو اپنی زبان بند رکھنا ورنہ......''
وہ ان کو ہاتھ کے اشارے سے ٹوکتے ہوئے بولا۔''دوہرانے کی ضرورت نہیں ماما، مجھے سب یاد ہے لیکن آپ بھی یاد رکھیں جھوٹ زیادہ دیر چھپتا نہیں ہے اسے ایک دن سچ کا آئینہ دیکھنا ہی پڑتا ہے۔''
اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا جسے سوچ کر وہ کانپ گئی تھیں۔انہوں نے اسے دیکھا جو وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا پورچ میں اپنی گاڑی کی طرف جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''آبان شاہ! آپ کا گھر تو بہت خوبصورت ہے۔ونڈرفل مجھے تو ایسے لگ رہا ہے جیسے کسی محل میں آگئی ہوں۔ہر چیز ہی بہت عمدہ اور شاندار ہے۔''
''شکریہ مس سہگل، آپ ناشتہ کریں باقی کا گھر آپ بعد میں دیکھ لیجئے گا۔'' آبان نے نتاشہ سہگل کو کہا جو صبح کو پورا گھر گھوم پھر کر دیکھ رہی تھی۔روز مینشن واقعی بہت خوبصورت اور بہت بڑا تھا۔وہ قابل تعریف تھا۔
گاڑی جیسے ہی باہر بڑے والے گیٹ سے داخل ہوتی لمبی راہداری سے ہوتی ہوئی ایک طرف بڑے سے پورچ پر جا رکتی تھی جہاں تین الگ الگ ماڈل کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔

راستے میں ہر قسم کے پودے لگے تھے۔ گھر کے اندر داخل ہونے سے پہلے سفید سنگ مرمر کے پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ سیڑھیوں کے سامنے ایک گول سا چکر بنا ہوا تھا۔ وہ سفید پتھروں کا بنا ہوا تھا اور اس میں ایک بڑا سا فاؤنٹین تھا جو چوبیس گھنٹے چلتا تھا۔ اس کے اردگرد رنگ برنگے پودے لگے ہوئے تھے اور بہت دلکش نظارہ ہوتا تھا۔ جب رات کو اس کے اردگرد لگی لائیٹیں بھی آن ہوتی تھیں۔ سیڑھیوں کے دونوں طرف بھی پودے لگے ہوئے تھے اور جس قدر باہر خوبصورت تھا گھر کا انٹیریئر بھی کسی خواب سے کم نہیں تھا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ مجھ میں بھی تھوڑی انرجی آجائے گی ورنہ ایسے تو میں نہ دیکھ پاؤں گی۔" وہ کرسی پر بیٹھتی بولی۔

پیرس کا موسم بہت ہی شاندار تھا۔ آج کئی دنوں بعد سورج نکلا تھا کیونکہ دو دنوں سے مسلسل آسمان پر بادل چھائے ہوئے اور ساتھ ہی بوندا باندی بھی ہو رہی تھی۔ اسی لیے انہوں نے ناشتے کی ٹیبل باہر ہرے بھرے پودوں کے درمیان لگائی ہوئی تھی جہاں ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ یہ گھر کی پچھلی سائیڈ تھی جہاں ایک بڑا سا سوئمنگ پول تھا جس میں نیلے آبشار کی طرح پانی ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد سفید ٹائل لگی ہوئی تھی۔ اونچے اور پتلے سے کئی درخت لگے ہوئے تھے۔ سب سے بڑی بات اس طرف تھوڑی سے اونچی سبزے کی بنی دو پہاڑیاں تھیں جو گھر کی چھت سے تھوڑا اونچی۔ اگر دور سے گھر کے سامنے نظر پڑے تو ایسے ہی گمان ہوتا جیسے پہاڑ پر گھر بنا ہو۔

ایک طرف چھوٹا سا باغ بنا ہوا تھا جہاں ہر قسم کے فروٹس لگے ہوئے تھے۔ باغ کے اندر ایک چھوٹا سا تالاب تھا جس میں مچھلیاں تیرتی تھیں اور چھوٹے چھوٹے پرندے بھی تھے جو آزادی کے ساتھ وہاں گھومتے تھے۔

ابھی وہ ناشتہ کر ہی رہے تھے جب اسفند یار اور نائلہ بھی وہاں آ گئے تھے۔ نتاشہ سہگل کو کمپنی دینے کے لیے وہ ان دونوں کو بھی ساتھ لے آیا تھا کیونکہ ایک تو وہ باتیں بہت کرتی تھی دوسرا ان سے وہ کچھ ایسے سوال کر جاتی جس کا جواب انہیں نا چاہتے ہوئے بھی دینا پڑتا تھا۔

''آبان! آج تم فارغ ہو کہیں جانا تو نہیں تم نے۔'' اسفند یار نے اس سے پوچھا کیونکہ آج سنڈے تھا نائلہ اور اسفند تو فارغ ہی ہوتے تھے لیکن آبان شاہ، وہ سنڈے کو بھی فارغ نہیں ہوتا تھا۔ یا تو وہ کسی دوسری کنٹری کام کے سلسلے میں چلا جاتا یا پھر کہیں اور اس کا کوئی پتہ نہیں تھا۔

''فارغ تو نہیں ہوں تم بتاؤ کچھ کام تھا۔'' وہ نرم لہجے میں بولا وہ جب بھی بات کرتا اس کا چہرہ سپاٹ ہوتا تھا۔

''ہاں دراصل میں نے اور نائلہ نے پلان بنایا ہے کیوں نہ آج آؤٹنگ ہو جائے اسی بہانے مس نتاشہ بھی پیرس دیکھ لیں گی...... کیوں مس نتاشہ؟'' اس نے بات کرتے ہوئے نتاشہ کی طرف دیکھا جو نیپکن سے منہ صاف کر رہی تھی۔

''بالکل ٹھیک کہا، میں تو سب سے پہلے ایفل ٹاور دیکھنے جاؤں گی۔'' وہ ان کی بات سن کر خوشی سے بولی۔ اسے اور کیا چاہیے تھا وہ پہلی دفعہ پیرس آئی تھی۔ آئی تو کام کے سلسلے میں تھی لیکن سٹے کو مزید بڑھا دیا تھا صرف پیرس گھومنے کے لیے۔

''آبان! تم کیا کہتے ہو۔'' اب وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''اچھا آئیڈیا ہے تم لوگ خوب انجوائے کرنا بیسٹ آف لک۔'' وہ ان کا وش کرتے ہوئے اٹھا لیکن اسفند نے اس کے کسرتی بازو کو کھینچ کر واپس بیٹھا دیا

''بیسٹ آف لک کے بچے، تم بھی ہمارے ساتھ جا رہے ہو مجھے نہیں پتہ۔''

''اسفندیار......''

''میں کچھ نہیں سنوں گا۔'' اس نے اسے کچھ کہنے سے ٹوک دیا۔

''ہاں آبان پلیز تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔'' کب سے خاموشی بیٹھی اور اسے ہی دیکھتی نگاہیں بالآخر بول پڑیں۔ بے اختیار ہی ٹیبل پر دھرے آبان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا جسے آبان نے بہت سہولت سے اسے دیکھے بغیر ہی ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ یہ نائلہ تھی جو اسے دیوانگی کی حد تک چاہتی تھی جو اس کی بے رخی پر تڑپتی تھی۔ حالانکہ وہ دوست تھے لیکن آبان نے آج تک اس سے ہی کیا کسی بھی لڑکی سے اتنا فری نہیں ہوا تھا۔ وہ خود کو کسی کی امانت سمجھتا تھا اور امانت میں خیانت کرنا آبان شاہ کو پسند نہیں تھا۔ وہ ہر عورت کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ وہ عورتوں سے نظریں جھکا کر بات کرتا تھا چاہے وہ مغرب کی ہو یا مشرق کی ہو۔

''اچھا ٹھیک ہے جب جانا ہو مجھے بتا دینا میں سٹڈی میں ہوں۔'' وہ انہیں کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا۔ پیچھے دو ہرنی جیسی آنکھوں نے اس کا دور تک تعاقب کیا تھا۔ ملازم نے آ کر وہاں سے برتن سمیٹے اور وہ تینوں بھی اٹھ کر وہیں واک کرنے لگے۔

''سومس نتاشہ کیسا لگا آپ کو روز مینشن؟'' اسفند نے پوچھا۔

''بہت شاندار۔''

''ظاہری بات ہے شاندار بندے کا انتخاب ہے۔''

''واقعی۔ یو نو واٹ اسفندیار میں نے اپنے بابا کے منہ سے آبان شاہ کی بہت تعریفیں سنی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ آبان شاہ نے اس عمر میں اپنے بزنس کو اکیلے اونچائیوں کی طرف پہنچایا جس عمر میں لڑکے اپنی پڑھائی ختم کر کے موج مستی کرتے ہیں لیکن مجھے ان کی باتوں پر یقین نہیں آتا تھا اسی لیے میں نے کہا اگلی ڈیل ان کے ساتھ میں کروں گی اسی لیے میں یہاں آئی

ہوں لیکن جیسے میں نے سنا تھا اس سے کہیں زیادہ اسے اچھا پایا ہے بہت ہی اچھی نیچر ہے اور بہت شاندار پرسنلٹی ہے اس کی۔ اگر میرا نکاح نہ ہوا ہوتا اور مجھے اپنے شوہر سے محبت نہ ہوتی تو مجھے زبردستی بھی شادی اس شاندار بندے سے کرنی پڑتی تو میں ضرور کرتی۔'' آخر پر وہ مذاق کرتے ہوئے بولی تھی جس پر اسفند نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

''یعنی اس قدر وہ آپ کو اچھا لگا ہے۔'' وہ بھنوئیں اچکاتے بولا۔

''جی بالکل، ویسے اس لڑکی پر مجھے رشک آرہا ہے جو اس شاندار بندے کی دلہن بنے گی۔'' وہ آبان شاہ سے کافی متاثر نظر آرہی تھی۔

''ویسے میرے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا۔'' وہ شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

''تمہارے بارے میں بھی بہت اچھا خیال ہے تم آبان شاہ کے دوست ہو تو بہت اچھے ہو۔''

''تو آپ کے کہنے کا مطلب ہے اگر میں آبان کو دوست نہ ہوتا تو میں اچھا نہ ہوتا۔'' وہ حیران ہوا۔

''ارے نہیں اب میں نے ایسا تو نہیں کہا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

''ارے یہ نائلہ کدھر ہے وہ تو ہمارے ساتھ تھی۔'' نتاشہ نے اپنے ساتھ نائلہ کو نہ پا کر پوچھا تھا۔

''میں دیکھتا ہوں، آپ جائیں میں نائلہ کو بلا کر لاتا ہوں۔''

وہ اس کی بات سن کر اثبات میں سر ہلاتی اندر چلی گئی اور وہ نائلہ کے پاس آگیا جو سوئمنگ پول میں اپنی ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو۔'' وہ اس کے پاس تھوڑے فاصلے پر بیٹھتے بولا تھا۔

نائلہ کے ماں باپ حیات نہیں تھے وہ پیرس میں اپنی ماسی کے پاس رہتی تھی۔ ان کے علاوہ اس کا دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ اسفندیار سے اس کی دوستی یونیورسٹی میں ہوئی تھی اور اسی کے ذریعے ہی آبان اس کا دوست بنا تھا۔ پتہ نہیں وہ اسے دوست سمجھتا تھا یا نہیں۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں نائلہ۔" جب اس نے کوئی جواب نہ دیا اس نے دوبارہ پوچھا۔

"کچھ نہیں اسفی۔" وہ بیزارگی سے بولی۔ کبھی کبھی جب ہم کسی کو کچھ بھی نہ بتانا چاہیں تو اگلا بھی بار بار فورس کرے تو لہجے میں نا چاہتے ہوئے بھی بیزاریت آجاتی تھی۔

"اووو، یعنی تم کچھ نہیں اسفی کو سوچ رہی ہو۔ ویسے یہ حضرت کون ہیں کوئی بوائے فرینڈ ہے یا پھر......" اس نے اس کی بات کو مذاق کا رنگ دیتے ہوئے ادھوری چھوڑ دی۔

"بکواس بند کرو اسفی۔"

"ٹھیک ہے جی جو حکم تو اڈا ملکہ عالیہ مطلب ملکہ نائلہ آفتاب۔" وہ بہت فرمانبرداری سے سنجیدہ لہجے میں سر کو خم کرتے ہوئے بولا۔ جس پر اس کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"بدھو کہیں کے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"شکریہ جی۔"

"وہ کس لیے؟"

"ارے ملکہ نائلہ نے ہمیں بدھو کے خطاب سے نوازا ہے نوازش ہے آپ کی ملکہ جی جو آپ نے اس ناچیز کو کسی نہ کسی نام سے تو نوازا۔ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے۔"

"اچھا بند کرو اپنی یہ ڈرامے بازی اور چلو اندر چلیں۔"

"جیسے آپ کہیں جی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ اسفند کی باتوں سے اس کا موڈ ایکدم فریش ہو گیا تھا جو سوگواریت اس کے آنے سے پہلے اس کے اوپر چھائی ہوئی تھی۔ چند لمحوں کے لئے

وہ مفقود ہوگئی تھی۔ پھر وہ چاروں تقریباً ایک گھنٹے بعد آؤٹنگ کے لیے نکل آئے تھے۔

☆......☆......☆

''زینیا پتر، اٹھ جاؤ نماز قضا ہو رہی ہے۔'' نانو نے اسے شاید تیسری چوتھی دفعہ اٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن ہر دفعہ پانچ منٹ اور سونے کا کہہ کر لیٹ جاتی تھی۔

''زینی! میں کہہ رہی ہو اٹھ جاؤ۔''

''اماں پلیز سونے دیں نا۔ دو گھنٹے ہی تو ہوئے ہیں مجھے سوئے ہوئے۔'' وہ نیند سے بوجھل آواز میں بولی۔ آج اس کا پیپر تھا رات کو لیٹ سونے کی وجہ سے اب اس کی آنکھ نہیں کھل رہی تھی۔

''میری جان، اٹھ جاؤ اور اٹھ کر نماز سبق پڑھ لو اور خدا سے دعا کرو کہ وہ تمہارے امتحانوں میں آسانی پیدا کرے خدا کا نام لے کر دن کی شروعات ہو تو دن بہت اچھا گزرتا ہے۔ چل اٹھو میری بیٹی بہت اچھی ہے اپنی اماں کا کہنا مانتی ہے۔'' نانو اس کے چہرے پر آئی لٹوں کو پیچھے کرتے ہوئے پیار سے بولیں۔

''ٹھیک ہے میری پیاری اماں۔'' وہ اٹھ کر ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی تھی۔ وہ چارپائی سے اٹھی اور واش روم میں گھس گئی۔

''یا اللہ! میری بیٹی کی مدد کرنا اس کا سہارا بنے رہنا تیرے علاوہ تو اس کا کوئی سہارا نہیں قدم قدم پر اس کا ساتھ دینا اسے اکیلے مت چھوڑنا۔'' نانو کے جھریوں نما گالوں پر دو موتی آنسو کے ٹوٹ کر جذب ہوئے تھے۔

وہ نہا دھو کر دس منٹ کے بعد باہر نکلی تھی۔ بالکل نکھری ہوئی زینیا لگ رہی تھی۔ لان کی پرنٹڈ جامنی قمیض پہنے ہوئے اور نیچے سفید رنگ کی شلوار پہنی ہوئی تھی اور اوپر نماز کے لیے

سفید رنگ کی چادر لیے ہوئے تھی۔ وہ صحن میں آ گئی جہاں اس نے نماز پڑھی اور پھر تھوڑا قرآن پاک کا سبق پڑھا اور کچن میں آ گئی۔ ابھی سب گھر والے سو رہے تھے۔ وہ سب دن چڑھے ہی اٹھتے تھے۔ گھر میں نانو اور وہی ہی تھی جو صبح فجر کے وقت اٹھتی تھیں۔ باقی گھر والے تو گھوڑے گدھے بیچ کر سوتے تھے۔ اگر کہا جائے تو اسے بھی اتنی خاص عادت نہیں تھی صبح صبح اٹھنے کی لیکن نانو کے کہنے پر اٹھ جاتی تھی اور صبح اٹھ کر نماز، سبق پڑھ کر گھر کے کاموں میں جت جاتی تھی۔

صبح صبح صحن میں جھاڑوں دینا صحن میں جو پودے اور سبزیاں فروٹس پودے وغیرہ لگائے تھے ان کو پانی دینا پھر کچن میں آ کر رات کے جو برتن پڑے ہوتے تھے ان کو دھو کر سب گھر والوں کے لیے ہر ایک کی پسند کا ناشتہ تیار کرتی اور چپ چاپ سکول کے لیے نکل جاتی تھی۔ سکول سے کالج تک وہ سارے کام کرتی آئی تھی۔ زاہرہ بیگم نے گھر کے سارے کام اس کے ذمے لگائے ہوئے تھے غصہ تو اسے بہت آتا تھا کہ وہ ان کی نوکر ہے جو سارے کام کرے۔ پہلے پہلے تو وہ انکار کر دیتی لیکن زاہرہ بیگم گھر میں رکھنے اور دو وقت کی روٹی کے طعنے دینے شروع ہو جاتی تھیں۔ اس کی ماں کو کوسنے لگ جاتی تھی۔ وہ ان کی ہر بات کا جواب دینا چاہتی تھی لیکن نانو اماں کی ملتجی نگاہیں ان کی منت سماجت پر چپ ہو جاتی تھی۔

وہ انہیں کہنا چاہتی تھی کہ اگر وہ دو وقت روٹی اور رہنے کے لیے جگہ دے رہی ہیں ناں تو بدلے میں اس کا پورا معاوضہ وصول کرتی ہیں۔ جب چھوٹی تھی تب تو وہ تھوڑا بہت کماتی تھی۔ وہ بھی اپنے ساتھ کے بچوں کو پڑھا کر یا پھر اپنی سے چھوٹی کلاس کے بچوں کو پڑھا کر وہ ہزار بارہ سو کما لیتی تھی۔ وہ بہت ذہین تھی اور چھوٹی سی عمر میں ہی اس نے پڑھانا لکھنا سیکھ لیا تھا۔ وہ دوسروں کو پڑھاتی پھر خود بھی پڑھتی اور امتحان میں اول پوزیشن لیتی تھی۔ میٹرک کے

امتحان کے بعد اسے نزدیکی سکول میں نوکری مل گئی تھی جہاں اسے تنخواہ کے چار پانچ ہزار مل جاتے تھے جس میں سے تین ہزار تو زاہرہ بیگم رکھ لیتی تھیں۔ اس کے پوچھنے پر ان کا ایک ہی جواب ہوتا تھا لڑکی میرے آگے سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تمہارے ماں، باپ کا گھر نہیں جہاں تم مفت کی روٹیاں توڑنے کے لیے آئی ہو۔ ہم تم پر اتنا خرچا کرتے ہیں اتنا تو تمہارا بھی حق بنتا ہے تو وہ چپ ہو جاتی تھی۔

اس نے آگے پڑھنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ لوگوں کے کپڑے سلائی کیے، محلے کے بچوں کو ٹیوشنیں پڑھائیں لیکن پھر بھی اسے وہاں رہنے اور روٹی کے طعنے ملتے تھے۔ وہ ان کی بات کا جواب نہ دیتی تو اور کیا کرتی ...... لیکن وہ نانو اماں کے لیے خاموش ہو جاتی کیونکہ وہ جواب تو دے دیتی لیکن پھر وہ جو انکو باتیں کرتی تھی زینیا وہ بھی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

وہ سب کا ناشتہ تیار کر کے کچن میں رکھ کر خود کا اور نانو کا کمرے میں لے آئی۔

''لائٹ چلی گئی۔'' اس نے ناشتے والی ٹرے میز پر رکھی جب نگاہ بند پنکھے پر پڑی تو دکھ سے بولی۔

''اتنی دیر گرمی میں کھڑے ہو کر ناشتہ بنایا، سوچا اندر جا کر پنکھے کے نیچے بیٹھ کر کھاؤں گی لیکن لگتا ہے سب کی طرح یہ لوڈ شیڈنگ والے بھی میرے دشمن ہو گئے ہیں۔'' اس کا دوپٹہ کندھے پر جھول رہا تھا۔ پشت پر گھٹنوں تک آتے گھنے سنہری بال کسی آبشار کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ لال گلابی چہرے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔ پیاری اور چھوٹی سی ناک پر غصہ دھرا ہوا تھا۔ نانو اماں کو اس پر بے اختیار پیار آیا۔

''کوئی بات نہیں، میں اپنی بیٹی کو ہوا دے دیتی ہوں میں کس لیے ہوں؟'' انہوں نے پلاسٹک کی چھوٹی سی پنکھی پکڑ کر ہوا دینی چاہی جسے اس نے روک دیا۔

"آپ کھانا کھالیں ہوا کو رہنے دیں۔"

"زینیا پتر، ناشتہ صحیح کرو اتنی دور تم نے جانا ہے اور اتنے لمبے پرچے کے دوران بھی کچھ کھانے کو نہیں ملنا۔" انہوں نے جب اسے چند نوالے کھانے کے بعد اٹھتے ہوئے دیکھا تو کہے بغیر نہ رہ سکیں۔

"اماں! پیپر میں پیر کو دیکھ کر ہی ساری بھوک پیاس ختم ہو جاتی ہے وہاں کیا ہم کھائیں گے۔" وہ بالوں میں کنگھا پھیرتے ہوئے بولی۔

"بیٹا! پھر بھی ذرا پوری روٹی تو کھاؤ اور یہ دودھ کا گلاس بھی تم پیو۔ پہلے ہی چڑیا جتنی جان ہے اوپر سے اس طرح جاؤ گی تو راستے میں ہی بے ہوش پڑی ہو گی۔"

"اماں! آپ کی زینی اتنی کمزور نہیں جو پوری روٹی نہ کھانے سے یا دودھ نہ پینے سے بے ہوش ہو جائے گی۔ وہ بہت بہادر ہے اماں۔ اچھا آپ ناشتہ کریں اور دودھ کے ساتھ اپنی دوائی یاد سے لے لیجئے گا۔ میں چلتی ہوں ٹائم دیکھیں ساڑھے سات ہو گئے ہیں اور نو بجے اینٹری ہے۔" وہ گھڑی سے ٹائم دیکھتے ہوئے بولی اور کمرے سے نکلنے لگی جب نانو نے اسے پکارا۔

"زینی رکو، میری بات تو سنو بیٹا۔"

"جی۔"

"پہلے تو یہ چادر اچھی طرح لو، تمہارے سارے بال نظر آ رہے ہیں۔"

"اوہو، ایک تو یہ چادر مجھ سے سنبھالی نہیں جاتی اوپر سے اتنی گرمی ہے اور ان بالوں کو جتنا مرضی کیچر میں جکڑ کر باندھ لو یہ پھر بھی نظر آتے ہیں میرا تو دل کرتا ہے انہیں کٹوا ہی نہ دوں۔" اس نے جھنجلاتے ہوئے چادر درست کی۔

''چپ کرو آئی بڑی بال کٹوانے والی۔''

وہ ہمیشہ ہی جب بال کاٹنے کی بات کرتی وہ اسے ڈانٹ دیتی تھیں۔

''یہ پیسے پکڑو اور کسی رکشے والے کو دے کر اس پر چلی جانا۔ پیدل مت چلی جانا۔'' وہ اسے ڈپٹتے ہوئے بولیں۔

''یہ پیسے آپ اپنے پاس ہی رکھیں، مجھے ان کی ضرورت نہیں بس دعا کر دینا آپ۔'' وہ فوراً ان سے پیسے لیے بغیر مل کر باہر نکل گئی تھی۔ وہ ایسی ہی تھی۔ ان سے کم ہی پیسے وغیرہ لیتی تھی جب کبھی بہت ہی ضرورت ہو تب اس نے آج تک انہیں کبھی کسی چیز کے لیے تنگ نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس نے اتنی لمبی چوڑی خواہشیں پال رکھی تھیں۔ بس ایک ہی خواہش تھی اس کی، پڑھنا اور کوئی اچھی سی جاب کرنا۔ وہ باہر آئی تو سب گھر والے اٹھ چکے تھے۔ سب ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھ کر اس کا بنایا ناشتہ نوش فرما رہے تھے۔

''عنزہ! میں جا رہی ہوں تم بھی آ جاؤ۔'' وہ تیار بیٹھی عنزہ سے مخاطب ہوئی۔

''عنزہ اپنے بابا کے ساتھ گاڑی میں جائے گی تم چلی جاؤ۔'' جواب عنزہ کی بجائے زاہرہ بیگم نے دیا تھا۔

''زینی! تم بھی رک جاؤ بیٹا، ابھی پیپر شروع ہونے میں دو گھنٹے ہیں۔ تم دونوں کو عمر چھوڑ دے گا۔'' وقار صاحب نے اسے باہر نکلتے دیکھ کر کہا۔ ان کی بات سن کر جہاں عمر اور زاہرہ بیگم کو غصہ آیا تھا وہیں اس نے بھی اس فتنے کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا اور بولی۔

''نہیں ماموں میں خود ہی چلی جاؤں گی۔''

اتنے میں نانو اماں بھی اپنے کمرے سے باہر آ گئیں۔

''زینی! تم ابھی تک گئی نہیں بیٹا۔'' انہوں اسے ابھی وہیں رکے دیکھ کر پوچھا۔

”بس جانے لگی ہوں نانو اماں۔“

”اماں! آپ ہی اسے سمجھائیں کہ پاگل مت بنے۔ جب گاڑی گھر میں ہے تو کیا ضرورت ہے اتنی دور پیدل جانے کی۔ چلیں پہلے کالج نزدیک تھا یہ پیدل چلی جاتی تھی لیکن آج ان کا سینٹر دوسرے کالج میں ہے وہ دور ہے اس لیے پیدل جانا مناسب نہیں تو عمر کے ساتھ چلی جائیں گی۔“ وہ ذرا برہم لہجے میں بولے۔

”ہاں گھر میں گاڑی تو جیسے میرے لیے ہے اور آپ کا بیٹا میرا بہت اچھا دوست یا کزن ہے ناں جو میں اس بندر کے ساتھ چلی جاؤں۔“ یہ سب وہ دل ہی دل میں عمر کی شکل کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

”زینی! تمہارے ماموں ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں بیٹا۔“

”ہاں جی سب ٹھیک ہی کہتے ہیں غلط تو بس زینی ہوتی ہے۔“ اس نے دل میں کہا۔

”پہلے جسے چھوڑ کے آنے کا کہہ رہے ہیں اس سے تو پوچھ لیں آپ۔“ زاہرہ بیگم غصے سے بولیں۔

”عمر! اٹھو اور تیار ہو کر بہنوں کو چھوڑ کر آؤ اور واپس لے کر بھی آنا ہے۔“ انہوں نے اسے حکم دیا۔

”بابا! بہن صرف عنزہ ہے آپ کی بھتیجی میری کچھ نہیں لگتی سمجھے آپ اور چھوڑ تو میں آؤں گا لیکن لینے نہیں جاؤں گا۔“ وہ بدتمیزی سے بات کرتا اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔

”ہاں تم تو جیسے میرے بڑے کچھ لگتے ہو ناں لومڑ کہیں کے۔ تم تو میرے دشمنوں کی کیٹیگری میں بھی شامل نہیں ہوتے۔ آئے بڑے۔“ وہ آنکھوں کو گھماتے ہوئے اپنے دل میں بولی۔

عنزہ کب سے اس کے چہرے بدلتے تاثرات دیکھ رہی تھی اور وہ کیا سوچ رہی تھی وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ پھر بھی وہ اس کے پاس آ کر بولی۔

"کیا سوچ رہی ہو کھنا۔"

"تمہارا سر سوچ رہی ہوں۔ کیا ضرورت تھی تمہارے ابا حضور کو تمہارے بندر کے شکل والے بھائی کو کہنے کی۔" وہ غصے سے بولی۔

"کیوں نہ کہتے انہوں نے میرے کہنے پر ہی تو کہا ہے تمہیں۔"

"کیا؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں۔ اب منہ بند کرو اور چلو نہیں تو امی سے صلواتیں سنو گی۔" وہ اسے کھینچتے ہوئے پورچ میں لے آئی جہاں عمر گاڑی سٹارٹ کیے بیٹھا تھا۔

☆......☆......☆

تقریباً ابھی انہوں نے آدھا ہی راستہ طے کیا تھا جب وہ بولا۔

"ویسے زینی، سچ بتاؤ تم نے راستے میں کسی سے ملنا تھا ناں جو تم گاڑی میں آنے سے انکار کر رہی تھی۔"

"فتنا جب بولتا ہے تو فتنہ ہی برپا کرتا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"کیا کہا تم نے۔"

"کچھ نہیں کہا۔ تم کیا بکواس کر رہے تھے وہ کرنا ذرا۔"

"تم میرے سچ کو بکواس کہہ کر اسے ٹال نہیں سکتی جس طرح تمہاری ماں کے بوائے فرینڈ تھے تمہارا بھی کوئی ہوگا۔ ایک دو جن کے ساتھ تمہارا تعلق ہو۔ ایک نہ ایک دن سچ سامنے آ ہی جائے گا۔"

اس کی زہر اگلتی زبان پر زینیا کا دل کر رہا تھا ان کے ٹوٹے ٹوٹے کر دے جو اس کے کردار پر کیچڑ اچھالتا پھیرتا تھا۔

''عمر بھائی! یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ زینیا ایسی نہیں ہے۔'' عنزہ نے فوراً اس کی حمایت کی۔ وہ کبھی بھی زینیا کے خلاف ایسی بات نہیں سن سکتی تھی۔

''عنزہ! تم اپنی بکواس بند رکھو۔ تم نہیں جانتی اس کی ماں کیسی عورت تھی اور جیسی ماں......''

''عمر! تو اپنی زبان بند کر لے ورنہ جس زبان سے یہ بکواس کر رہے ہو اسی زبان کے ٹوٹے ٹوٹے کر کے کتوں کو کھلا دوں گی۔'' زینیا کا ضبط جواب دے چکا تھا۔ عمر، زاہرہ بیگم کی طرح ہمیشہ اس کی کردار کشی کرتا تھا اور ہمیشہ ہی اسے شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

''کیا کہا تم نے، تم میری زبان کاٹو گی میں تمہیں نہ کاٹ دوں۔'' اس نے گاڑی کو ایک جھٹکے سے روکا۔

''لگتا ہے تمہیں اس دن کا تھپڑ بھول گیا ہے ورنہ ایسی بات نہ کرتے۔''

''تم تھپڑ مار کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ اس تھپڑ اور زبان درازی سے تمہارا کردار پاک ہو جائے گا نہیں زینیا رانی نہیں۔''

''جس کا خود کا کردار گرا ہوا ہو، خود کا کردار گھٹیا اور نیچ ہو وہ دوسروں کو بھی اپنی طرح سمجھتا ہے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے آیا بڑا میرے کردار کو پرکھنے...... ارے پہلے جا کر خود کو دیکھو، پتہ نہیں کہاں کہاں رنگ رلیاں منا کر آتے ہو اور یہ جو تمہاری اماں کہتی ہیں ناں کہ ان کا بیٹا لندن سے پڑھائی کر کے آیا ہے، یہ سیکھ کر آیا ہے، وہ سیکھ کر آیا ہے اس پر اتنا پیسہ خرچ کیا ہے۔ بتا دوں نا ان کو ان کا لاڈلا کیا سیکھ کر آیا ہے اور کس پر پیسہ خرچ کیا۔ وہ خود تجھے کسی گندے نالے میں پھینک دیں گی۔'' وہ اسے منہ توڑ جواب دیتی اس کی گاڑی سے اتر کر چلی گئی۔

"عنزہ! تم اپنے عزت دار بھائی کے ساتھ آؤ میرے ساتھ آنے کی تمہیں ضرورت نہیں۔" وہ اپنے پیچھے آتی عنزہ کو غصے سے بولی۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ عنزہ اس کا ساتھ چھوڑ دے ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔

"چپ کرو اب تم مجھے بتاؤ گی کہ مجھے کس کے ساتھ جانا ہے اور کس کے ساتھ نہیں۔"
عنزہ نے اسے ڈپٹا۔ زینیا کے اندر کیسی جنگ چلی ہوئی تھی، یہ صرف وہی جانتی تھی۔ پھر انہوں نے مزید کوئی بات نہیں کی اور رکشہ سٹینڈ سے رکشہ کروایا اور امتحانی سینٹر جا پہنچیں۔

☆......☆......☆

دوسری طرف وہ زخمی شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔
"زینیا! دیکھنا بہت غرور ہے تمہیں خود پر، بہت گھمنڈ ہے تمہیں اپنے حسن پر، میں تمہارے ساتھ ایسا کروں گا کہ تم یاد رکھو گی بہت بدتمیزی کرتی ہو مجھ سے۔ اسی بدتمیزی کا بدلہ چکاؤ گی تم۔ پیاری زینیا! تم نے مجھے تھپڑ مارا تھا ناں وہی تھپڑ تمہاری بربادی لے کر آئے گا۔ کیا سمجھتی ہو تم خود کو۔ بہت ناز ہے تمہیں اپنے خوبصورت کردار پر اسی کردار کو داغ دار نہ کیا تو میرا نام عمر وقار نہیں۔"
وہ اس کی زندگی کی بربادی کا سوچ رہا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کسی کے لیے برا سوچنے والے کے ساتھ اللہ برا ہی کرتا ہے۔ اسے اب کون بتائے زینیا کی بربادی پلان کرنے سے اس ہی بہت بڑا نقصان ہونا تھا۔ کون بتائے؟

☆......☆......☆

تیز بارش میں
کبھی

تیز ہواؤں میں

رہا

اک......

تیرا ذکر تھا

جو میری صداؤں میں

رہا

کتنے لوگوں سے

گہرے مراسم

تھے

فقط......

تیرا ہی چہرا

میری دعاؤں میں رہا۔

اس نے نماز پڑھی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔لب ہلنے لگے تھے۔آنکھوں میں آنسوؤں کا بند ٹوٹ گیا تھا۔

''میرے پیارے مولا! آپ سب جانتے ہیں اور سب دیکھ رہے ہیں مولا، آپ کی نگاہوں سے کچھ نہیں چھپا سب کہتے ہیں کہ وہ مرگئی ہے اور مجھے صبر کرنے کا کہتے ہیں مولا۔ اے مولا، میں کیسے صبر کرلوں جب میں نے اسے مراہوا نہیں دیکھا، وہ میری سانسوں میں بستی ہے مولا میری سانسیں چل رہی ہیں تو پھر لوگ کیوں کہتے ہیں کہ وہ مرگئی ہے۔اے میرے مولا مجھے معاف کردے۔میں تیرا گناہگار بندا ہوں تیرے در کا سوالی ہوں مولا۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو رواں دواں تھے۔ سارا بدن ہچکولے کھا رہا تھا جیسے اس میں طوفان برپا ہو۔ میرے مولا! میری اوقات نہیں تجھ سے سوال کروں۔ اگر کہیں غلطی ہوگی تو معاف کر دینا پیارے مولا بس اپنے اس فقیر کی التجا اپنی بارگاہ الٰہی میں قبول فرمالے۔ اے پیارے مولا! میرے داتا میرے دعا قبول کرلے اگر وہ زندہ ہے تو مجھے ملا دے اگر تو نہیں چاہتا تو بس اس کی حفاظت کرنا مولا۔ اسے بے رحم دنیا سے بچالینا پیارے مولا۔“

وہ سجدے میں گرا تڑپ رہا تھا، رو رہا تھا، گڑگڑا رہا تھا۔ اپنے عرضی خدا سے منوا رہا تھا۔ وہ اٹھائیس سالہ بھرپور مرد نومولود بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

عبادت گاہ کے اس طرف ایک بزرگ کے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ چند ہی لوگ وہاں موجود ہوں گے باقی ساری عبادت گاہ خالی پڑی تھی۔ وہ جیسے ہی دعا مانگ کر اٹھا تو وہی بزرگ اس کے پاس آئے اور بولے۔

”پتر! میں تمہیں روزانہ ادھر آتے دیکھتا ہوں روزانہ تمہیں ایسے ہی خدا کے آگے تڑپتے دیکھتا ہوں۔ دیکھنا وہ جو سوہنا رب ہے ناں وہ ضرور تمہاری دعا سنے گا۔ ضرور تمہاری التجا سنے گا بس اس کی رحمت سے ناامید مت ہونا۔ اپنی امید کو، اپنے یقین کو ہمیشہ ایسے ہی پختہ رکھنا۔ ایسے ہی اس سے مانگنا پتر، وہ ضرور تجھے عطا کرے گا۔ ضرور تجھ پر اپنی رحمت برسائے گا۔“

”جی بابا جی، ایک خدا ہی تو ہے جو دو جہاں کا بادشاہ ہے۔ ایک وہی تو ہے جس پر امید لگائی جاسکتی ہے کہ اس سے مانگیں گے تو وہ عطا کرے گا چاہے وہ دیر سے ہی کیوں نہ عطا کرے۔ ایک دن ضرور کرے گا بس مایوس نہیں ہونا۔ کیونکہ مایوسی میرے خدا کو ناپسند ہے۔“

”بالکل پتر۔“ انہوں نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور آگے کو چل دیے۔

☆......☆......☆

وہ پیپر دے کر جیسے ہی باہر آئی تو عنزہ کو ڈھونڈنے لگی جو اسے مل ہی نہیں رہی تھی۔

"پتہ نہیں یہ لڑکی کہاں چلی گئی ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"کنول! تم نے عنزہ کو کہیں دیکھا ہے۔" اس نے اپنی کلاس فیلو سے اس کے بارے میں پوچھا۔

"ہاں وہ سپری ڈینٹ کے آفس کے باہر کھڑی رو رہی ہے۔"

"واٹ؟ رو رہی ہے۔" وہ پریشان ہوئی۔

"کیا ہوا اسے؟ وہ رو کیوں رہی ہے۔"

"تمہیں نہیں پتہ وہ نقل کر رہی تھی جس وجہ سے اس کا پیپر چھین لیا گیا تھا۔" کنول نے اسے وضاحت دی۔

"او میرے خدایا۔" وہ جلدی جلدی کالج کے دوسرے فلور پر آئی جہاں ان کا سینٹر بنا ہوا تھا۔ تقریباً سب لڑکیاں جا چکی تھیں۔ اسے دور سے ہی عنزہ نظر آ گئی تھی ۔وہ بھاگتی ہوئی اس تک پہنچی۔

"عنزہ!"

"زینی میرا پیپر۔" وہ اسے دیکھ کر اس کے گلے لگ گئی۔

"چپ کرو یہ کیا بچوں کی طرح ری ری کر رہی ہو۔"

"زینی! تمہیں پتہ ہے اس الو کے پٹھے نے میرا پیپر چھینا ہے۔ اس نے مجھ سے بدلہ لیا ہے میرا پیپر چھین کر۔" وہ اس سے الگ ہوتے ہی آنسو پونچھتے بولی تھی۔

"کس الو کے پٹھے نے؟ کس نے بدلہ لیا ہے؟ کس کی بات کر رہی ہو؟" زینیا کو لگا کہ شاید پیپر چھیننے کے غم میں وہ سٹھیا گئی ہے۔

''ارے وہی کمبخت گاڑی والا جو اس دن ہمارے ساتھ ٹکرایا تھا۔'' زینیا کے ذہن میں چار دن پہلے ہونے والا واقعہ گزرا۔

''اچھا۔'' وہ یاد آنے پر حیران ہوتے ہوئے بولی اور پھر اس سے مخاطب ہوئی۔ ''اس نے تمہارا پیپر چھینا تھا اور کیوں چھینا تھا؟ کس خوشی میں۔''

''یار! کچھ سوال مجھے نہیں آتے تھے۔ اپنے آگے والی لڑکی کی طرف سے دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ موٹی اتنی تھی کہ اپنے پورے پرچے پر پھیل کر بیٹھی ہوئی تھی اور سائیڈ والی سے پوچھا تو وہ اتنی جھوٹی کہ کہنے لگی مجھے نہیں آتا۔ یار! زینی جو سوال بھی پوچھوں تو کہتی نہیں آتا حالانکہ وہ اس طرح اپنی پیپر شیٹس بھر بھر کر لکھ رہی تھی کہ جیسے اس نے کہیں بک چھپا کر رکھی ہو جس کی طرف سے وہ دیکھ کر لکھ رہی ہو۔ اس وقت تم مجھے بہت یاد آئی تھی کہ کیسے تم شیٹیس بھر بھر کے لکھتی ہو اور مجھے بھی ساتھ دکھاتی تھی لیکن اس کمینی نے مجھے نہیں بتایا اس لیے لکھنا تو کچھ تھا ہی اسی لیے اپنے پیچھے والی لڑکی کے پیپر کی طرف سے دیکھ کر لکھنے لگی۔ وہ بیچاری اچھی تھی لیکن ابھی ایک سوال ہی لکھا تھا کہ وہ شیطان کا بچہ چیکنگ کرنے آگیا اور اس نے مجھے دیکھ لیا اور میرا پیپر چھین لیا زینی۔ ابھی میرے پورے دو لانگ سوال اور تین شارٹ رہتے تھے۔ ایک گھنٹے سے یہاں کھڑی اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہی ہوں لیکن وہ اندر جا کر گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا ہے۔'' عنزہ نے کچھ آنسوؤں کے ساتھ اور کچھ دوسروں کو کوسنے کے ساتھ اسے پنی دکھ بھری داستان سنائی۔

''شاباش ہے تمہیں کہا تھا ناں کہ ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا کہ ہم ایک ہی کلاس میں آئیں اس لیے تیاری کر لو لیکن نہیں۔ تم نے تو ناول پڑھنا تھا پھر پیپر میں بھی وہی سٹوری لکھنی تھی ناں جو رات کو پڑھی تھی پیپر یاد کرنے کی جگہ۔'' وہ اسے ڈانٹتے ہوئے بولی۔ اس کی بات پر وہ اونچی

آواز سے رونا شروع ہو گئی۔ زینیا کو اسے روتا دیکھ کر اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

”اچھا، اچھا رو مت چپ ہو جاؤ عنزہ۔“

”زینی میں فیل ہو جاؤں گی۔“ وہ منہ بسورتے بولی۔

”ارے نہیں ہوتی فیل پاسنگ مارکس تو آ ہی جائیں گے۔“ اس نے اسے تسلی دی۔

”واقعی زینی پاسنگ مارکس آ جائیں گے۔“ وہ خوشی سے بولی۔

”ہاں اگر تم نے جو سوال کیے ہیں وہ بالکل ٹھیک ہوئے تو۔“

”ہاں وہ بالکل ٹھیک ہیں کوئی غلطی کی گنجائش نہیں نکلتی۔“

”چلو شکر ہے۔“

زینیا نے سکھ کا سانس لیا۔ لیکن عنزہ ابھی بھی آرام سے بیٹھنے والی نہیں تھی۔

”لیکن میں اس لیلے (بکرے) کی شکل والے کو نہیں بخشوں گی۔ اللہ کرے اسے بھوتنی بیوی ملے جو دن رات اس کا خون چوس کر پیئے۔ اس کے بچے کالے کٹے ہوں اور ٹڈے ٹڈے پیدا ہوں۔ وہ ان سے پناہ مانگے اپنی چڑیل بیوی سے نجات مانگے لیکن اسے نہ ملے اس کی زندگی جہنم بن جائے۔ اس نے میرا پیپر چھینا ہے ناں اب دیکھنا وہ کبھی بھی سکون کی نیند نہیں سوئے گا۔“

وہاں بددعاؤں کو کھاتہ کھل چکا تھا۔ زینیا اس کی بددعاؤں سے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی لیکن وہ اس قدر اپنے آپ میں مگن تھیں کہ یہ بھول ہی گئی تھیں کہ وہ اس وقت آفس کے باہر کھڑی ہیں اور آفس کے بند دروازے کے پیچھے جس کو بددعائیں دی جا رہی ہیں وہ بخوبی ان کی آواز سن رہا تھا۔ عنزہ کی بددعاؤں سے اس کے دماغ کی سکرین میں خون پیتی اور ٹڈے ٹڈے کالے کٹے بچوں کا عکس ابھرا اور اس نے جھرجھری سی لی اور دروازہ کھول کر باہر آیا۔

"تم دونوں کا بددعائیں دینے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے۔" اپنے پیچھے اس کی آواز سن کر وہ جو دونوں مگن تھیں اچھل پڑیں اور اس کی طرف مڑیں۔

"تمہارے پاس تو ہے ناں چلو جاؤ جا کر اپنا کام کرو ہمارے ساتھ منہ نہ لگاؤ۔"

"پے گیا اتھے سیاپہ یہ لڑکی اپنے ساتھ میرا بھی نقصان کروائے گی۔" زینیا نے سوچا۔ اس نے بہت چاہا کہ اس کی قینچی کی طرح چلتی زبان کو روک لے لیکن وہ کہاں رکنے والی تھی۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں تم جیسی خوفناک چڑیل سے منہ لگانے کا۔ اب دیکھنا میں کیا کرتا ہوں یہ جو تمہارے پاسنگ مارکس آنے ہیں ناں وہ بھی نہیں آئیں گے۔"

"ارے چلو چلو جاؤ یہاں سے پتہ نہیں کہاں سے آ گیا ہے مجھے دھمکی دیتا ہے۔"

"عنزہ! چپ کر جاؤ۔ سر، ایم ریئلی سوری اس کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں۔ اور اس دن کے لیے بھی جو آپ سے بدتمیزی کی تھی اس کی بھی معافی مانگتی ہوں۔" وہ اسے چپ کرواتے عباد شاہ کے سامنے ہاتھ جوڑتے بولی۔

"زینی! تم اس سے معافی کیوں مانگ رہی ہو۔ چلو یہاں سے۔"

"عنزہ! تم خاموش رہو۔" وہ اس پر چلائی۔

"سر، پلیز آپ ہمارے پیپر کینسل مت کیجئے گا۔" وہ اسے اتنا کہہ کر عنزہ کو لیے وہاں سے نکل آئی اس کا لہجہ بدلا آواز بدلی آنکھوں کا رنگ بدلا تھا۔ اس کے لہجے میں کیا تھا عباد شاہ کو سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"کیا ضرورت تھی تمہیں اس کے سامنے ہاتھ جوڑنے کی۔ کیوں تم نے معافی مانگی تمہاری تو کوئی غلطی نہیں تھی۔"

وہ دونوں نچلے فلور پر آ چکی تھیں جب عنزہ نے اس سے پوچھا۔

"ضرورت تھی عنزہ، ہم نے اس کے ساتھ بدتمیزی کی۔ وہ کچھ بھی کرسکتا تھا ہم پر کوئی بھی کیس لگا کر پیپر کینسل کرسکتا تھا وہ بہت بڑا آدمی ہے عنزہ۔ کبھی کبھی کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔"

"ارے کرتا ہے تو کرے ہم کیوں ڈریں ان بڑے لوگوں سے اور تمہیں معافی مانگ کر کیا ملنا تھا۔ ہاں بولو" عنزہ کو اس کا معافی مانگنا بہت برا لگا تھا۔

"عنزہ! تم اگر فیل ہوگئی تمہارے ماں بابا ہیں جو تمہیں پڑھا دیں گے لیکن میں نے تو خود کمانا ہے اور خود پڑھنا ہے۔ یہ پیسے آسانی سے نہیں کمائے جاتے یہ مجھ سے پوچھو نگی۔"

اس کی بات سن کر عنزہ کو دکھ اور شرمندگی ہوئی اور تھوڑے سے فاصلے پر کھڑے عباد شاہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جو محض اس کی دھمکی سے وہ چھوٹی سے لڑکی دکھی ہوگئی تھی۔ اس لیے وہ چلتے ہوئے ان کے پاس آیا۔

"ایکسکیوز می مس۔"

انہوں نے آواز کے تعاقب میں مڑ کر دیکھا جہاں وہ کھڑا تھا۔

"لٹل گرل، آپ ٹینشن نہ لیں وہ دھمکی صرف ان محترمہ کو ڈرانے کے لیے تھی آپ کا بھلا پیپر ہم کیوں کینسل کریں گے اس لیے آپ ٹینشن فری ہو جائیں۔" وہ ہنستے ہوئے عنزہ کے غصے بھرے چہرے کو دیکھتے بولا۔

"بائی دا وے مائی نیم از عباد شاہ اینڈ یور گڈ نیم پلیز۔" اس نے ہاتھ زینیا کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تو ہم کیا کریں آپ کا نام عباد شاہ ہو یا پھر ارشاد شاہ۔ ہمیں کیا چلو۔ کھنا۔" وہ زبردستی زینی کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے گئی اور اس کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔

''ارشاد شاہ۔ ہاہاہاہاہاہاہا۔'' اس نے منہ ہی منہ میں اس کا دیا نام بڑبڑایا اور پھر اس نے قہقہہ لگا دیا۔

☆......☆......☆

''مے آئی کم ان۔''

''یس۔'' اس نے مصروف سے انداز میں آنے والے کو اجازت دی لیکن نگاہوں کو لیپ ٹاپ کی سکرین پر ہی مرکوز رکھا اور پھر کچھ ٹائپ کرنے لگا۔

''روپالا وہ ڈاکومنٹس جو میں نے تمہیں دیے تھے ان کو بھی میں ایڈیٹ کرلوں اور فائل بھی دو جن پر سگنیچر ہونے تھے۔'' وہ اپنے کام میں مگن تھا۔ اس نے نہیں دیکھا تھا کہ کیبن کے اندر آنے والی اس کی سیکرٹری تھی یا کوئی اور۔

''آبان! کیسے ہو؟''

اس نے لیپ ٹاپ سے نظریں اٹھائیں اور سامنے دیکھا جہاں نائلہ کھڑی تھی۔

''ارے نائلہ، تم ہو بیٹھو کھڑی کیوں ہو اور اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ میں نے سنا تھا اسفند سے کہ تمہیں بخار تھا۔'' اس نے خوش گوار لہجے میں اس سے پوچھا۔ نائلہ پچھلے دو دنوں سے بخار ہونے کی وجہ سے آفس نہیں آئی تھی اور آج آتے ہی وہ اس کے کیبن میں آئی۔

''سن کر تم کونسا آئے تھے۔'' اس نے شکوہ کیا۔ اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا جسے آبان کو پہلو بدلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''معذرت چاہتا ہوں دراصل پچھلے کئی دنوں سے مصروفیت کی وجہ سے اس طرف دھیان نہیں گیا اب تم ٹھیک ہو ناں۔'' اس نے وضاحت دیتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

''ٹھیک ہونے ہی تو آئی ہوں تمہارے پاس۔''

اس کی بات پر وہ حیران ہوا۔

"لیکن میں بزنس مین ہوں ڈاکٹر نہیں نائلہ۔" آبان نے اسے باور کروایا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

"لیکن میرا مرض ایسا ہے کہ اس کا علاج تمہارے علاوہ دنیا کے کسی بھی ڈاکٹر کے پاس نہیں۔"

اس کی آنکھوں کی تحریر لہجے میں تڑپ کو وہ خوب سمجھ رہا تھا۔ وہ کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں تھا جو اس کی باتوں کا مطلب نہ جانتا ہو۔

"میرے خیال میں نائلہ تمہیں گھر جانا چاہیے۔ تمہیں مینٹلی ریسٹ کی ضرورت ہے۔" وہ ترش لہجے میں بولا۔

"نہیں آبان، آج میں ایسے نہیں جاؤں گی اور نہ ہی تمہیں جانے دوں گی۔"

وہ جو اٹھ کر جانے لگا تھا، نائلہ جلدی سے اس کے آگے آ کھڑی ہوئی۔ وہ اس کے سامنے بالکل کوئی بچی لگ رہی تھی۔ آبان کو اس کی اس حرکت پر غصہ آیا۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ اس کا نرم نازک ہاتھ اس کے ہونٹوں کو چھونے ہی لگا تھا جب وہ جلدی سے پیچھے ہٹا۔

"یہ کیا حرکت ہے نائلہ۔" وہ غصے سے چیخا تھا۔

"آبان! آج تم کچھ بھی کہو لیکن میں آج چپ نہیں رہوں گی میں تمہیں بتاؤں گی میں تم سے کتنا پیار کرتی ہوں آبان، کتنا پیار کرتی ہوں۔ جب تم میری طرف نہیں دیکھتے میں تڑپ جاتی ہوں۔ جب تم ہنستے نہیں مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ جب تم میرا ہاتھ جھٹک دیتے ہو میری روح چھلنی چھلنی ہوتی ہے مجھے تمہارا پیار چاہیے آبان شاہ مجھے تم چاہیے آئی لو یو سو مچ۔ پلیز میرے ساتھ اجنبیوں جیسا سلوک مت کرو آبان شاہ بہت تکلیف ہوتی ہے مجھے۔

ایسے لگتا ہے جیسے میرا دل پھٹ کر باہر آجائے گا۔“

آنسو اس کی ہرنی جیسی آنکھوں سے بہتے ہوئے گالوں پر لڑھک گئے تھے۔ چہرے پر تکلیف کے واضح آثار تھے۔ آبان شاہ خاموش سکتے کی کیفیت میں اسے دیکھ رہا تھا پھر نظریں جھکا گیا۔ وہ اسے کیا کہتا جو خود اس راستے کا مسافر تھا وہ نہ تو اسے ڈانٹ سکتا تھا کہ تم نے کیوں کی مجھ سے محبت...... کیونکہ اس پر تو کسی کو اختیار نہیں ہے۔ یہ تو ایک ایسا آزاد پنچھی جذبہ تھا جو کسی پر بھی کسی بھی وقت اس کے دل میں ابھر سکتا تھا اس پر کس کا قابو تھا اور نہ ہی وہ اس کی حوصلہ افزائی کر سکتا تھا۔

”میں تو خود ایک سراب ہوں۔ ایک ایسا کانٹیدار پھول ہوں جس کی خواہش میں سوائے اذیت کے کچھ نہیں ملے گا۔ میرے دل میں جو محبت کا خانہ ہے ناں وہ تو بہت پہلے ہی پر ہو چکا ہے۔ اب اس دل میں کسی اور کی کہاں جگہ نکلتی ہے۔ اس لیے میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔“ وہ اسے کہتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ پیچھے وہ بے آب مچھلی کی طرح تڑپتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ انگلش کی کتاب کو اپنے سامنے کھولے بیٹھی ہوئی تھی لیکن اس کے خیالوں کے ریشم دھاگے کہیں اور ہی الجھے ہوئے تھے۔ اس کا دھیان کتاب پر بالکل بھی نہیں تھا۔ وہ پچھلے دو گھنٹے سے ایسے ہی بیٹھی ہوئی تھی ایک لفظ بھی اس نے نہیں پڑھا تھا۔ اس کی یہ کارروائی پلنگ پر بیٹھی نانو دیکھ رہی تھیں۔ انہیں وہ آج کافی خاموش اور الجھی الجھی سی لگی ہوئی تھی۔ نہیں تو پہلے وہ ایسے کبھی خاموش نہیں بیٹھتی تھی۔ انہیں اس کی فکر ہوئی۔ اس کی زندگی میں ایک وہی تو تھیں فکر کرنے والیں اور کون تھا اس کے لیے پریشان ہونے والا۔

”زینیا پتر! کیا سوچ رہی ہو؟ تمہارا دھیان کدھر ہے؟“ نانو اٹھ کر اس کے پاس آئیں

اور اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے بولیں۔ان کی آواز سے اس کے خیالوں کے سارے دھاگے ٹوٹ گئے اور ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"زینی! بول کیوں نہیں رہی تم؟ ٹھیک تو ہو؟" نانو نے اس کی طرف سے جواب نہ پا کر جھنجوڑا جو انہیں ٹکی ٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں نانو اماں۔ مجھے کیا ہونا ہے بھلا اچھی بھلی تو ہوں۔" وہ کھنکتے لہجے میں گویا ہوئی بالکل ایسے جیسے وہ کب سے بول رہی تھی۔

"اچھا اچھی بھلی ہو تو کیا سوچ رہی تھی اتنی دیر سے؟ میں کب سے دیکھ رہی تھی کہ تم نے ایک لفظ نہیں پڑھا کتاب تو تم نے گود میں کھولی ہوئی ہے لیکن دھیان تمہارا کہیں اور ہے۔کیا بات ہے؟"

زینیا نے انہیں دیکھا جو اس کے لیے پریشان تھیں اس نے اپنے آپ کو کوسا کیا ضرورت تھی اس طرح ایکٹ کرنے کی لیکن اس میں بھی اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان ان باتوں کو سمجھتا سمجھتا الجھ جاتا ہے اور اس الجھن کو سلجھانے کے لیے اسی طرح بیٹھے بیٹھے ہی سوچنے لگ جاتا ہے۔

"نانو! کیا میری ماں واقعی ایک بری عورت ہے؟ کیا واقعی اس کے غیر محرموں کے ساتھ ناجائز تعلق تھے؟ کیا واقعی انہوں نے میرے باپ کو اسی وجہ سے چھوڑا تھا؟"

وہ کچھ کھوئی کھوئی سی ان سے پوچھ رہی تھی۔نانو اماں اس کے سوالوں سے ٹھٹکیں۔اس نے آج تک کبھی بھی ان سے اپنی ماں کے بارے میں نہیں پوچھا۔وہ تو ماں اور باپ دونوں کے ذکر سے ہی نفرت کرتی تھی لیکن آج اس کے منہ سے یہ سوال سن کر ان کا حیران ہونا لازم تھا۔

"نہیں زینیا! تمہاری ماں ایسی نہیں تھی اور نہ ہے اس کا کسی کے ساتھ بھی اس طرح کا

تعلق تھا۔ وہ اپنی پسند سے شادی کرنے کے جرم میں یہ سزا بھگت رہی ہے۔" نانو اماں نے دکھ بھری آواز میں جواب دیا جیسے اس کے سوال کا جواب بہت پہلے ہی تیار کر کے رکھا ہو۔ ان کی بات پر اس نے اگلا سوال اٹھایا۔

"تو نانو، اگر انہوں نے میرے باپ سے پسند کی شادی کی تھی تو پھر اسے نبھایا کیوں نہیں؟ کیوں علیحدہ ہو گئیں۔ کیوں میری زندگی تباہ کر دی؟ کیوں انہوں نے دوسری شادی کی جب وہ میرے باپ سے اتنی محبت کرتی تھیں جس کے لیے انہوں نے آپ سب کو چھوڑ دیا۔ ان کی محبت ختم ہو گئی؟ دیکھیں آج سب مجھ میں اس عورت کو ڈھونڈتے ہیں نانو، سب کو لگتا ہے میں بھی اسی طرح کی ہوں آخر کو اس کی بیٹی جو ہوں۔" آہستہ آہستہ اس کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔ اس کے لہجے میں ماں کے لیے بدگمانی اور نفرت سی تھی۔ اس کے اندر کا کئی سالوں کا غبار چھٹ پڑا تھا لیکن مجال ہے اس کی آنکھوں میں آنسو بھی آیا ہو۔ آواز میں دکھ تھا چہرے پر غم کے آثار تھے۔ آنکھیں ویران تھیں۔ وہ تھک چکی تھی ممانی اور اس کے رشتے داروں کی باتیں سن سن کر۔

عنزہ جو اس کے پاس آ رہی تھی اس کی آواز سن کر دروازے میں ہی رک گئی تھی۔

"فانیا! دیکھو آ کر تمہارے کیے کی سزا آج تمہاری بیٹی بھگت رہی ہے۔ لوگ بیٹی میں ماں کا عکس ڈھونڈتے ہیں۔ یہ معاشرہ ہی ایسا ہے اگر ماں بری تھی تو لوگ بیٹیوں کو بھی برا ہی سمجھتے ہیں۔ چاہے وہ جتنی مرضی نیک، باکردار کیوں نہ ہو۔ کہتے ہیں جیسی ماں تھی بیٹی بھی ویسی ہو گئی۔ یہ تو دنیا والوں کے اپنے بنائے ہوئے مفروضے تھے جو کے جھوٹے تھے وہ اپنے اندازے لگائے جاتے ہیں یہ نہیں سوچتے جس پر اندازے لگاتے ہیں اس کی روح کیسے چھلنی چھلنی ہوتی ہے اس پر کبھی انہوں نے اندازہ نہیں تھا لگایا اور لگاتے بھی کیوں بے رحم لوگ جو ہیں۔"

نانو خاموش تھیں۔ ان کے پاس جیسے اس کے کسی بھی سوال کا جواب نہیں تھا ان کی بڑی آنکھوں میں دکھ کے آنسو امڈنے لگے تھے۔

''زینی! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔''

عنزہ فوراً اس کے پاس آئی۔ وہ بھی حیران تھی کہ آج وہ بھی زندگی میں پہلی بار زینیا کے منہ سے اس کی ماں کا ذکر سن رہی تھی۔

''چلو اٹھو میرے کمرے میں آؤ مجھ سے اکیلے میں پڑھا نہیں جا رہا۔'' عنزہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے لے گئی وہ اس کا دھیان بٹانا چاہتی تھی۔ جس میں وہ کامیاب بھی ہو گئی تھی۔ عنزہ، زینیا کو کبھی بھی دکھ میں دیکھ نہیں سکتی تھی اس سے کوئی بری بات کرے تو اس کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ وہ زینیا سے بے انتہا پیار کرتی تھی۔ وہ دونوں بہنیں بھی تھیں اور دوستیں بھی۔ ایک دوسرے کے ہوتے ہوئے کبھی کسی تیسرے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

☆......☆......☆

تنہا ہوں تو اپنی میری کوشش بھی ہے اس میں

اور کچھ میری تقدیر کی سازش بھی ہے اس میں

اوپر سے فقط راکھ کا اک ڈھیر سہی دل

نیچے کہیں تھوڑی ابھی آتش بھی ہے اس میں

یہ روح کا سناٹا نہیں اتنا بھی خاموش

اک شور سا کرتی ہوئی خواہش بھی ہے اس میں

یہ زندگی ایک پیاس کا صحرا ہی نہیں ہے

ہر لمحہ تیرے درد کی بارش بھی ہے اس میں

جامد نہیں اتنا بھی لہو میری رگوں میں
باقی ابھی موہوم سی گردش بھی ہے اس میں
یہ میری غزل تیرے ہی برنگوں کا بیاں ہے
اس پر سے میرا رنگ نگارش بھی ہے اس میں

(انیس حسن)

وہ آفس سے نکل کر گھر آ گیا تھا۔ نائلہ کی باتوں سے وہ کافی ڈسٹرب ہوا تھا۔ اسے تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ کوئی ایسا بھی مسئلہ ہو سکتا تھا اور اس کے لیے اسے دکھ بھی تھا کہ اس پاگل لڑکی نے کیسا روگ پال لیا تھا۔ وہ بھلا اسے کیا دے سکتا تھا۔ اس کی سانسیں تو کسی اور کی امانت تھیں۔ سانسیں ہی کیوں وہ خود سر سے پاؤں تک کسی اور کی امانت تھا۔ اس کے دل پر تو کسی اور کا راج تھا، کسی اور کی حکمرانی تھی اور بہت سخت حکمرانی تھی جو اس کو بہت پسند تھی اس دل پر وہ ہمیشہ اسی ملکہ کی راجدانی چاہتا تھا۔ بھلا پھر اس کے دل میں سخت حکمرانی ہونے کے باوجود کوئی اور کیسے اس کے دل میں داخل ہو سکتا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھا سکائپ پر اپنے کسی کلائنٹ سے بات کر رہا تھا جب موبائل کی بیپ آن ہوئی اس نے ایک نظر موبائل کو دیکھا جس کی سکرین پر ماں کالنگ جگمگا رہا تھا۔ آبان نے اپنے کلائنٹ سے معذرت کر کے کال کاٹی اور پوری طرح موبائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''السلام علیکم ماں۔'' اس نے فون اٹھاتے ہی انہیں سلام کیا۔ دوسری طرف جویریہ شاہ کی جیسے روح تک شانت ہو گئی ہو اس کی آواز سن کر اس کے منہ سے ماں سن کر اور آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی۔

''وعلیکم السلام بیٹا! کیسے ہو آبان میری جان۔'' ان کے لہجے میں اپنے بیٹے کے لیے

میٹھاس ہی میٹھاس تھی۔ ویسے بھی مائیں تو میٹھی مٹی سے گندھی ہوتی ہیں جن کے سارے وجود میں اولاد کی محبت خون بن کر سر کو لیٹ کر رہی ہوتی ہے۔

''الحمدللہ ماں میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں۔ آپ کیسی ہیں؟ گھر میں سب کیسے ہیں؟ بابا کیسے ہیں؟ فرحان بھائی، رانیہ بھابھی، عالی نوین اور میرا چھوٹا بوائے ہنی کیسا ہے؟'' اس نے سب کا ایک ہی سانس میں پوچھ لیا تھا۔ جس پر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں۔

''سب ٹھیک ہیں میری جان، تم سناؤ بہت یاد آتی ہے تمہاری۔ تمہیں روبرو دیکھے لگتا ہے جیسے زمانہ ہو گیا ہے۔'' انکی آنکھوں سے آنسو جو کب سے بہنے کے لیے تیار تھے قطرہ قطرہ کر کے ٹپکنے لگے تھے۔

''اوو ماں، آپ روئیں تو مت۔'' اسے ان رونا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''روؤں نہیں تو...... کیا کروں آبان؟ تم ہی بتاؤ۔''

''ماں! آپ مجھے ملنے آجائیں۔ تین چار مہینے میرے پاس رہیں میں بھی آپ سے بہت اداس ہو گیا ہوں ماں۔'' وہ اداس لہجے میں انہیں مشورہ دیتے بولا جو انہیں پسند نہیں آیا تھا۔

''نہیں اس دفعہ ہم میں سے کوئی نہیں آئے گا آبان اس دفعہ تم آؤ گے۔ اپنی ضد چھوڑ دو بیٹا اور واپس آجاؤ۔'' بات کرتے کرتے وہ التجا پر اتر آئیں۔

ماں کے دل کو کہاں قرار ملتا ہے جب سب بچوں میں سے ایک بچہ اس سے دور ہو۔ وہ بالکل اسی طرح اپنے اسی بچے پر بھی ممتا لوٹانا چاہتی ہے جس طرح وہ اپنے سب بچوں کو اپنی نرم آغوش میں لے کر اپنا پیار لوٹاتی ہے۔ وہ کب چاہتی ہے کہ اس کا بچہ اس سے دور رہے اس کی نظروں سے دور ہو۔ لیکن یہاں پر انہوں نے نا چاہتے ہوئے بھی اپنا بیٹا اپنے ہاتھوں سے دور کر دیا تھا۔

''ماں! آپ جانتی ہیں کہ میں نہیں آسکتا۔''

”کیوں نہیں آسکتے آبان؟ کیوں؟“ وہ چلائیں۔

”ماں......“ اس نے بات کرنا چاہی جب وہ غم غصے سے بولیں۔

”آبان! تم ایسی لڑکی کے لیے اپنوں کو تکلیف دے رہے ہو جو کئی سال پہلے مرچکی ہے اور تمہیں اس حقیقت کو قبول کرنا ہوگا آبان وہ مرچکی ہے بھول جاؤ اسے۔ اس کا روگ پالنا چھوڑ دو۔“ وہ بول رہی تھیں اور وہ ساکت جامد بیٹھا آنسو بہا رہا تھا۔ یکدم ہی اس کا سانس جیسے اکھڑنے لگا تھا اتنے بڑے کولنگ والے فریشڈ کمرے میں حبس بڑھ سی گئی۔ اس نے موبائل بند کردیا تھا۔ جویریہ شاہ نے نا چاہتے ہوئے بھی اس کے پرانے زخم ادھیڑ دیئے تھے جن سے ابھی تک خون رس رہا تھا جن پر ابھی بھی درد ہوتا تھا۔

”کیسے یقین کرلوں؟ کیسے بھول جاؤں اسے؟ وہ تو میرے دل میں دھڑکن بن کر دھڑکتی ہے۔ سانسوں میں بسی ہوئی ہے۔ اگر وہ مرچکی ہے تو میری سانسیں کیوں چل رہی ہیں۔ میری سانسوں کو اسی دن رک جانا چاہیے تھا جب سب نے کہا تھا آبان ہم تمہاری پرنسز کو بچا نہیں سکے۔ تب رک جانی چاہیے تھی میری سانسیں۔“

وہ غم کی تصویر بنا ہوا تھا۔ دل جیسے درد سے پھٹ رہا تھا۔ وہ سانسیں جن میں کوئی اور بستا تھا وہی سانسیں تیز ہوگئیں لیکن اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔

یکدم وہ اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے سے نکل کر ہال سے ہوتا ہوا باہر آیا۔ تیز سانس لینے لگا اور پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ پیرس میں ہلکی شام اتر آئی تھی اور ساتھ میں بوندا باندی بھی ہو رہی تھی جیسے آسمان بھی آبان شاہ کے دکھ میں آنسو بہا رہا تھا۔

وہ فل سپیڈ سے اپنی گاڑی کو روز مینشن سے نکال کر باہر سڑک پر لے آیا تھا۔

☆......☆......☆

''السلام علیکم آنٹی! نائلہ کدھر ہے؟'' اسفند یار نے مائدہ آنٹی جو کہ نائلہ کی خالہ تھیں انہیں

سلام کیا اور ساتھ ہی اس کا پوچھا۔

''وعلیکم السلام بیٹا، اتنی بھی جلدی کیا ہے اندر آؤ نائلہ بھی اندر ہے۔'' انہوں نے اسے اندر

آنے کا راستہ دیا۔ باہر بارش ہونے کی وجہ سے وہ تھوڑا بھیگ چکا تھا۔

''آنٹی! نائلہ اپنے کمرے میں ہے کیا؟''

''ہاں، تم جاؤ اس کے پاس میں تمہارے لیے کافی لے کر آتی ہوں۔'' انہوں نے اسے کہا

اور خود کچن کی طرف چلی گئیں۔ مائدہ آنٹی اسے اور آبان شاہ کو بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔

وہ بالکل انہیں بیٹوں کی طرح عزیز تھے۔ ان کے خود دو بیٹے تھے جو ابھی چھوٹے تھے۔

''ویسے حد ہے یار، میں وہاں آفس میں بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا تھا کہ میڈیم ابھی آتی ہیں

لیکن نہیں تم تو جس طرح بنا بتائے گئی تھی اسی طرح واپس بھی آ گئی۔ حد ہے بے مروتی کی۔

ویسے تم بتانا پسند کرو گی کہ کیا ایمرجنسی آ گئی تھی تمہیں جو مجھ سے ملے بغیر ہی واپس آ گئی؟'' وہ

آتے ہی بولنا شروع ہو چکا تھا۔ یہ دیکھے بنا کہ وہ کس حالت میں ہے۔ آج جب وہ اسے بنا

بتائے دو دن کی چھٹی کے بعد آفس گئی تھی اور آبان کے کیبن سے ہو کر اسے ملے بغیر واپس

آ گئی تھی لیکن اسفند نے اسے عجلت میں آفس سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ اس کے لیے

پریشان تھا اس لیے اب وہ اس کے گھر میں موجود تھا۔

''اووو ہیلو میڈیم! میں تم سے بات کر رہا ہوں۔'' جب اس کی طرف سے کوئی جواب نہ

ملا تو اسفند نے بیڈ پر گھٹنوں میں منہ دیئے بیٹھی نائلہ کو جھنجھوڑا اور جیسے ہی اس نے چہرہ اوپر اٹھایا

وہ تو دنگ ہی رہ گیا تھا۔

بکھرے بال جو چوبیس گھنٹے ایک سٹائل کے ساتھ بندھے رہتے تھے، ہرنی جیسی آنکھیں

رو رو کر سوجی ہوئی تھیں، ناک لال گلابی ہوئی تھی۔ اسفندیار کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

”تم رو رہی ہو؟ کیوں؟ کیا ہوا نائلہ؟ کیوں رو رہی تھی تم؟ کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟“ اس کے آنسو دیکھ کر پریشان ہوا اور ایک سانس میں کئی سوال پوچھتا چلا گیا۔

”کچھ نہیں ہوا۔“ بھرائی ہوئی آواز میں جواب آیا۔

”اچھا کچھ نہیں ہوا تو ان آنکھوں میں آنسوؤں کی وجہ۔“ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا گیا جس پر وہ نظریں چرا گئی۔

”بس ویسے ہی۔“ آنسو تو ابھی بھی تھم نہیں رہے تھے اس نے اسے ٹالنا چاہا۔

”نائلہ! تم نے مجھے دودھ پیتا بچہ سمجھا ہوا ہے جو ایسے ٹال رہی ہو۔ تم مجھے شرافت سے بتاتی ہو یا میں آنٹی سے پوچھوں؟“ اس نے اسے دھمکی دی۔ وہ ایسا ہی تھا اپنے دوستوں کی پریشانیوں میں پریشان ہونے والا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بے چین ہونے والا۔ بہ ظاہر وہ ذرا لاپرواہ رہنے والا لڑکا تھا لیکن کسی کا دکھ وہ اپنا دکھ محسوس کرتا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر جانے لگا جب اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بیڈ پر بٹھا دیا اور زار و قطار سے رونے لگی۔ اس کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوا۔

”نائلہ! تم مجھے پریشان کر رہی ہو یار۔ بتاؤ گی کیا ہوا؟ مجھے ان آنسوؤں کی زبان سمجھ میں نہیں آتی۔“ وہ بولا۔

”اسفی! وہ کسی اور کو چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے اس کے دل پر کسی اور کا راج ہے۔ اسفی، میں کہتی تھی کہ شاید وہ جانتا ہوگا میں اس سے کتنا پیار کرتی ہوں لیکن وہ تو سرے سے ہی انجان تھا۔ اسفی، آبان شاہ کے دل پر کسی اور کی راجدھانی ہے کیا وہ اسے بہت چاہتی ہے؟ کیا اس لڑکی کی محبت میں میری محبت سے زیادہ طاقت ہے؟ جو آبان شاہ کے دل پر بستی ہے۔ اسفی، وہ

میرا نہیں ہے وہ کسی اور کا ہے اسفی۔" آنسو بہاتی آنکھوں میں کرب سا تھا جسے اسفندیار کو ٹھٹکا دیا تھا اس کے آنسو اسے اپنے دل پر گرتے محسوس ہو رہے تھے۔

"نائلہ! تم نے آبان سے......"

"ہاں اسفی! میں نے آبان شاہ کو بتا دیا کہ میں اسے چاہتی ہوں۔" وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر آنسو بہانے لگی۔ اسفندیار کو اس کے آنسو تکلیف دے رہے تھے۔ وہ اسے اسی تکلیف سے تو بچانا چاہتا تھا۔ اسی کرب سے بچانا چاہتا تھا جس کرب کی آگ میں وہ اب جل رہی تھی۔

"پاگل لڑکی! تمہیں اسی دکھ سے تو بچانا چاہا تھا۔ کہا تھا کہ ایسا مت کرنا لیکن تم نے میری بات نہیں سنی۔" خود اس کی آنکھوں سے ایک آنسو کا موتی ٹوٹ کر زمین پر بچھے روئی کے کارپٹ میں جذب ہوا تھا۔

"اسفند! اگر میں اسے نہ بتاتی تو میں نے ساری زندگی اسی پچھتاوے سے گزار دینی تھی کہ کاش میں نے اس وقت اسے بتا دیا ہوتا۔ کاش میں اسے اپنے دل کے پرت کھول کر دکھا دیتی جس میں اس کے لیے شدت جذبات کا ایک سمندر بہتا ہے ایک صرف کاش رہ جانا تھا۔" وہ اس کے کندھے سے اپنا سر اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اس سے اپنے دل حال بتا کر وہ سکون میں تھی لیکن سامنے والے کا سکون اس کی اداس ہرنی جیسی آنکھوں نے کب کا غارت کر دیا تھا۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور اٹھ کر بیڈ کے سامنے بچھے میٹرس پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں مائدہ آنٹی چائے کی ٹرالی گھسیٹتے ہوئے اندر لے آئیں اور ادھر ان کے داخل ہوتے ہی نائلہ جلدی سے واش روم میں فریش ہونے چلی گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ مائدہ آنٹی اس کے لیے پریشان ہوں۔

''اور سناؤ اسفی بیٹا! کافی دیر بعد تم نے چکر لگایا ہے۔ مجھے تو لگا شاید تم ہمارے گھر کا راستہ بھول گئے ہو۔'' انہوں نے کافی بناتے ہوئے اسے طنزاً کہا جس پر وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''ارے نہیں آنٹی، گھر کا راستہ تو یاد تھا بس مصروفیت اتنی ہے کہ کبھی کبھی اپنا آپ بھی بھولا ہوا لگنے لگتا ہے۔''

''اچھا!!!!!...... یہ بات اسفندیار کر رہا ہے جو مصروفیت سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔'' وہ حیران ہوتے ہوئے بولیں۔

''آنٹی! اب میں اتنا بھی نکما نہیں ہوں۔'' وہ ان کے ہاتھ سے کافی کا کپ پکڑتے بولا۔

''اور ویسے بھی آنٹی، آبان شاہ کے ہوتے ہوئے کوئی فارغ رہ سکتا ہے خاص طور پر اسفندیار۔ بالکل بھی نہیں۔''

''اوووو، ہاں آبان سے یاد آیا۔ وہ کیسا ہے اسے بھی اپنے ساتھ لے آنا تھا۔''

''جی انشااللہ اگلی دفعہ آبان کو بھی لے کر آؤں گا۔'' وہ ہنستے ہوئے نائلہ کو دیکھ کر بولا جو پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔

''چلو تم لوگ بیٹھو میں ڈنر لگاتی ہوں اور تم ڈنر کر کے جانا ایسے اٹھ کر مت چلے جانا۔'' وہ اسے حکم دیتے اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ کمرے میں چند سیکنڈز کے لیے خاموشی چھا گئی جسے اسفند کے آئی فون کی بیل نے توڑا تھا۔ جیسے ہی اسفند نے فون اٹھایا اور دوسری طرف اسے ہلا دینے والی خبر ملی تھی۔

''واٹ؟ کدھر ہے وہ؟ کیسا ہے؟ ہاں میں آ رہا ہوں۔'' فکر پریشانی جیسے آثار اس کے چہرے پر واضح تھے۔

''اسفی کیا ہوا؟'' وہ جو پریشانی میں اسے نظرانداز کر کے نکل رہا تھا نائلہ نے پوچھا۔ جب

وہ بولا۔ ”آبان کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے، وہ ہوسپٹل میں ہے۔“

نائلہ تو اس کے منہ سے یہ سن کر پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ کر رہ گئی کہ یہ کیا بول رہا تھا وہ۔ پھر نائلہ بھی اس کے ساتھ ہوسپٹل جانے کے لیے نکل گئی۔ دونوں کے دل سے اپنے عزیز دوست کی سلامتی کے لیے دعائے خیر نکل رہی تھی۔

☆......☆......☆

نوین شاہ اپنے کمرے کے ٹیرس پر بچھے میٹرس پر بیٹھی امر بیل ناول پڑھنے میں غرق تھی۔ جب بارہ سال کے دو ایک جیسی شکل والے خوبصورت سے بچے خاموشی سے دبے پاؤں اس کے پیچھے آئے اور فوراً اسکے ہاتھ سے ناول چھین لیا۔ وہ جو مکمل طور پر پڑھنے میں غرق تھی یکدم آنے والی آفت پر چیخ مار کر اٹھ کھڑی ہوئی لیکن جیسے ہی اس کی نظر اپنے دو شیطان کزنوں پر پڑی خوف والی کیفیت غصے میں بدل گئی۔

”اف، آپی کتنا شور مچاتی ہیں آپ۔“ ان میں سے ایک نے ناک چڑاتے ہوئے کہا۔

”شازی! میری بک واپس کرو۔“ وہ غصے سے اس کی طرف بڑھی لیکن اس نے بک کو دوسرے کی طرف اچھال دیا جس نے بڑی مہارت سے اسے کیچ کیا تھا۔

”پہلے آپ ہمارے ساتھ کھیلیں پھر ہم آپ کی بک واپس کریں گے۔“ وہ اب دونوں آگے پیچھے اس کے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔ وہ بھی بھاگتی ہوئی ان کے پیچھے آئی۔ وہ تو اتنے مزے سے عمر جہانگیر اور علیزے کی سٹوری پڑھ رہی تھی جو اس نے ابھی آدھی ہی پڑھی تھی جب ان شیطان بچوں نے اس کے کمرے پر دھاوا بول دیا تھا۔ وہ دونوں امتحان دے کر فارغ تھے اور دوستوں کے ساتھ کھیلنے کے بعد وہ اس کے پیچھے ہو جاتے تھے اور کھیلنے کے لیے کہتے۔

''شازی، شابی پلیز، میری بک مجھے واپس کر دو۔ میں بعد میں تم لوگوں کے ساتھ کھیلوں گی۔'' وہ ان کی منت کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں پہلے آپ ہمارے ساتھ کھیلیں گی پھر ہم آپ کی یہ بک دیں گے۔''

''نہیں کھیلوں گی میں تم شیطانوں کے ساتھ ورنہ بہت برا حشر کروں گی یاد رکھو گے۔'' اس نے اب دھمکی دی۔

حویلی کے وسیع لان میں وہ ان دونوں کے پیچھے بھاگ رہی اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف باری باری بک اچھال رہے تھے۔

''آپ ہمارے ساتھ نہیں کھیلیں گی تو ہم آپ کی بک کے ساتھ کھیل لیتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟'' شازی نے اپنا خیال ظاہر کیا جس سے شابی پوری طرح متفق تھا۔

''یہ تم لوگوں کا فٹ بال نہیں جس کے ساتھ یہ کیچ کیچ کھیلو گے۔''

''ہمارا فٹ بال نہیں تو آپ کا ناول تو ہے ناں۔ اور ویسے بھی فٹ بال سے کھیلنے میں وہ مزہ کہاں جو بہن کے ناول کے ساتھ کھیلنے میں مزہ ہے۔ کیوں شابی۔'' شازی نے نوین شاہ کو چڑاتے ہوئے شابی سے کہا۔ ان دونوں کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی انہیں ہمیشہ نوین شاہ کو تنگ کرنے میں مزہ آتا تھا۔

''میری بک مجھے واپس کر دو ورنہ بہت برا کروں گی۔''

''اچھا۔'' وہ حیران ہونے کی ایکٹنگ کرتے بولے۔

''ویسے آپی، آپ کیا برا کریں گی ذرا ہمیں بھی تو کر کے دکھائیں، ہم بھی دیکھیں ذرا کہ ہماری آپی کیا برا کرتی ہیں۔''

''آپ کہیں اپنا ناول پانے کے لیے خودکشی تو نہیں کریں گی'' شازی اندازہ لگاتے بولا۔

''ارے نہیں یار ہماری آپی ایسی نہیں ہیں۔'' شابی نے اس کے اندازے کو جھٹلایا۔

''شازی! تم نہیں جانتے یار یہ لڑکیاں ناول پانے کے لیے......'' اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کرتا، نوین نے چپل اتار کر زور سے نشانہ اس کی کمر پر لگایا۔ وہ بلبلا اٹھا۔

''ہائے آپی، آپ نے تو میری کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ ہائے اللہ بہت درد ہو رہا ہے۔'' وہ دہائی دیتے ہوئے مصنوعی واویلہ کر رہا تھا اور شازی اسے جوتا پڑتے دیکھ کر وہاں سے بھاگ کر پورچ کی طرف آ گیا تھا۔

''دیکھا شازی، میں کہہ رہا تھا ناں یہ لڑکیاں اپنا ناول لینے کے لیے اپنے بھائیوں کی کمر بھی توڑ دیتی ہیں۔'' وہ کمر پر ہاتھ رکھتا ہوا اس کی طرف آیا۔

''میں نے اس کی کمر توڑی ہے، تمہارا سر توڑ دوں گی شازی۔ اگر تم نے میرا ناول مجھے واپس نہ کیا تو۔'' وہ خونخوار نگاہوں سے اسے وارن کرتے ہوئے بولی۔

''آپی! آپ اس ناول کے لیے ہمیں یعنی اپنے بھائیوں کو ماریں گی۔ افسوس۔ آج کل بھی کیا زمانہ آ گیا ہے۔ بہنیں ایک ناول کے لیے اپنے بھائیوں کو ماریں گی۔'' شازی صدمے سے بولا اور ساتھ ہی مصنوعی رونے والی شکل بھی بنائی۔ نوین کا تو دل کیا ان ڈرامے بازوں کے خوبصورت چہروں کا حشر نشر ہی کر دے لیکن وہ اس کے ہاتھ نہیں آ رہے تھے ورنہ اپنی خواہش پوری کر لیتی۔

''بالکل۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو شازی اور ویسے بھی آج ہماری بہن ہوتی تو ہم سے کتنا پیار کرتی۔ وہ ہمارے ساتھ کھیلتی، ہماری ہر بات مانتی، ہمیں ہوم ورک کر کے دیتی، ہمیں مما کی ڈانٹ سے بچاتی، کسی کی چپلوں سے بچاتی۔'' شابی رونے والی شکل بناتا ہوا شازی کے کندھے پر سر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ ان دونوں نے نوین کی طرف سے پیچھا کر لیا تھا اسی موقعے کا

فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ان کے قریب آئی۔

''اور پھر وہ تم دونوں کے کان پکڑ کر خوب چھیتی لگاتی۔'' وہ دونوں کے زور سے کان پکڑتے ہوئے بولی۔

''آآآآآآآآ......آپی پلیز درد ہو رہا ہے کان تو چھوڑیں۔'' وہ دونوں بلبلاتے ہوئے بولے۔

''بالکل بھی نہیں، جتنی دیر تم دونوں نے مجھے تنگ کیا ہے میرا ناول پکڑے رکھا اتنی ہی دیر میں تم دونوں کے کان پکڑے رکھوں گی اور اب کوئی چوں چراں مت کرے۔''

''آپی! آپ ہمارے کان پکڑے رکھیں گی تو پھر اپنا ناول کیسے پڑھیں گی۔'' شازی بولا۔

''وہ تو میں بعد میں پڑھ لوں گی۔ تم دونوں کو پہلے سزا دینا لازمی ہے۔'' وہ دونوں کے کان زور سے مروڑتے ہوئے بولی جس سے دونوں کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ اتنے میں آگے پیچھے فرقان شاہ اور عثمان شاہ کی گاڑیاں پورچ میں آ کر رکیں۔ وہ دونوں گاڑی سے اتر کر ان کی طرف ہی چلے آئے۔

''بھئی نوین بیٹا، اب کیا شرارت کر دی ہے ہمارے بیٹوں نے جو آپ ان کے کان پکڑے کھڑی ہیں۔'' فرقان شاہ اور عثمان شاہ کو دیکھتے اس کی گرفت ان کے کانوں سے ڈھیلی ہوئی۔

''تھینک گاڈ بڑے بابا آپ آ گئے ورنہ اس چڑیل آپی نے تو آج ہمارے کان کو ہاتھی کے کان بنا دینا تھا۔'' شابی اپنے کان کو کھجاتے ہوئے بولا۔

''بابا جانی! یہ دونوں شیطان مجھے تنگ کر رہے تھے۔'' نوین شاہ نے بھی شکایت لگائی۔

''بھئی کیوں بچو آپ اپنی آپی کو کیوں تنگ کر رہے تھے۔'' عثمان شاہ روٹھی روٹھی سی نوین

شاہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے بولے۔

''بابا! یہ چڑیل آپی جو ہے ناں بہت ہی بری ہیں۔ہم نے ان سے بالکل بھی بات نہیں کرنی۔'' وہ دونوں اس سے روٹھ کر اندر چلے گئے۔ پیچھے سے وہ بھی ہنستے ہوئے اندر کو بڑھ گئے تھے۔اب گھنٹوں نوین شاہ کو اپنی روٹھی حسیناؤں (شانی،شازی) کو منانے کا کام کرنا تھا۔

مقصود شاہ اور حلیمہ شاہ کے تین بچے تھے۔سب سے بڑے فرقان شاہ تھے،ان سے چھوٹی ساجدہ شاہ تھیں۔اور سب سے چھوٹے اور لاڈلے عثمان شاہ تھے۔

مقصود شاہ بہت ہی نرم دل، نہایت ہی پیار محبت کرنے والے انسان تھے۔غریبوں اور مسکینوں کے لیے وہ دریا دل تھے۔یہی وجہ تھی انہوں نے اپنے آبائی گاؤں کے لوگوں کے لیے بہت کچھ کیا تھا۔گاؤں کی سڑکیں بنوائیں، ہوسپٹل بنوائے۔بچوں کے سکول کالج تعمیر کروائے۔ہر ضرورت مند کی جتنا ہو سکتا وہ ان کی مدد کرتے تھے۔ان کے بچے بھی ان کی ہی طرح کے تھے۔ان میں کوئی بھی غرور نہیں تھا۔

ان کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔مال، دولت جدی پشتوں سے ملی تھی اور اپنا خود کا بھی کاروبار بنایا تھا جسے فرقان شاہ نے سنبھالا تھا۔انہوں نے فرقان شاہ کی شادی اپنی بہن کی بیٹی جویریہ سے کی تھی جو بچپن میں انہوں نے ان سے مانگ لیا تھا اور ساجدہ شاہ کی شادی بھی اپنی بہن کے چھوٹے بیٹے سے کر دی تھی جبکہ عثمان شاہ کو بھی ان کی بہن کی چھوٹی بیٹی طیبہ پسند کرتی تھی جس کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے اس کی بھی شادی اپنی بہن کے گھر کر دی تھی۔یوں وہ دونوں بہن بھائی ہمیشہ کے لیے ساتھ ہو گئے تھے۔

فرقان شاہ تو شادی کے بعد ہی باہر شفٹ ہو گئے تھے۔ان کے تین بیٹے فرحان شاہ، آبان شاہ اور عباد شاہ تھے اور ایک بیٹی نوین شاہ تھی۔سال میں ایک دو دفعہ وہ پاکستان ضرور آتے

تھے۔ابھی سب بچے چھوٹے ہی تھے جب مقصود شاہ اور حلیمہ شاہ خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔
عثمان شاہ کے جڑواں دو بیٹے تھے۔شعیب شاہ اور شاہ زیب شاہ جو بارہ سال کے تھے اور دونوں انتہائی شرارتی تھے۔شاہ ہاوس میں سب کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بے انتہا پیار تھا۔ایک دوسرے کے لیے فکر مند ہونا ان کے خون میں شامل تھا۔چوٹ کسی ایک کو لگتی درد سب کو ہوتا تھا۔ایسا پیار تھا ان سب میں۔

☆......☆......☆

وہ دونوں جیسے ہی پیپر دے کا فارغ ہوئیں، زاہرہ بیگم نے زینیا کو گھر کی تفصیلی صفائی کرنے کے لیے کہہ دیا تھا اور ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ صبح کی گھر کی صفائی میں مصروف تھی اور ساتھ ہی اس نے کپڑے دھونے والی مشین لگائی ہوئی تھی۔عنزہ بھی اس کی مدد کر رہی تھی جس پر زاہرہ بیگم اسے کتنی دفعہ کوس چکی تھیں لیکن وہ بھی عنزہ تھی، ان کی بات ایک سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی تھی۔زاہرہ بیگم اپنی بیٹیوں کو کام کرنے نہیں دیتی تھیں، سارے کام زینیا سے ہی کرواتی تھیں لیکن عنزہ زینیا کے ساتھ مل کر ہنسی خوشی اس کی مدد کرتی تھی۔
وہ صبح کی لگی ہوئی تھیں۔شام ہو گئی تھی وہ چھت سے سوکھے ہوئے کپڑے اتار کر سیڑھیاں اتر رہی تھی جب اس کی نظر سامنے لگے بڑے سے آلو بخارے کے پودے پر پڑی جو کل تک آلو بخاروں سے بڑھا ہوا تھا لیکن اب اس پر ایک بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔اس نے جلدی سے سارے کپڑے صحن میں بچھی چارپائی پر رکھے اور پودے کے پاس آئی اور خاموشی سے پودے کے آگے پیچھے پھر کر اس پر سے آلو بخارے ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگی۔
یکدم سے وہ اونچی آواز میں رونا شروع ہو گئی۔صحن میں اپنے تخت پر بیٹھی نانو اماں کا تو

یکدم سے اس کی آواز سن کر دل ہول اٹھا تھا۔

''زینیا! کیا ہوا؟ رو کیوں رہی ہو۔'' انہوں نے وہی فکرمندی سے اس سے پوچھا جواب وہیں زمین پر بیٹھ کر آنسو بہا رہی تھی۔

''زینی کیا ہوا یار۔ تم رو کیوں رہی ہو؟'' عنزہ بھی وہیں اس کے پاس آ گئی۔ اسے تو بالکل بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ رو کیوں رہی ہے۔

''تو کیا میں اب رو بھی نہیں سکتی۔ میری اتنی محنت سے پالے ہوئے آلو بخاروں کو وہ تمہارے کچھ لگتے لگائے کھا گئے ہیں بھوکے کہیں کے۔ تمہیں پتہ ہے میں نے اسے اپنے پیسوں سے خریدا تھا۔ روزانہ اسے پانی دے دے کر بڑا کیا۔ اس دفعہ اس پر پھل پڑا تھا میں کتنی خوش تھی۔ لیکن تمہارے بہن بھائیوں اور کزنوں نے ایک بھی آلو بخارہ اوپر نہیں چھوڑا۔ ارے ایک کچا آلو بخارہ بھی چھوڑ دیتے تو مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا۔'' وہ آنسو بہاتے بولی تھی۔ ابھی وہ کل ہی تو انہیں دیکھ کر اتنا خوش ہو رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ ایک دن اور رکھ کر پھر انہیں توڑے گی۔ فریج میں رکھ کر ٹھنڈا کر کے سب کو دے گی لیکن اسے کیا پتہ تھا کہ سب کھا لیں گے۔ بس وہی انہیں کھانے سے محروم رہے گی۔

''زینی!'' وہ اپنا دکھڑا جسے سنا رہی تھی وہ تھوڑے فاصلے میں کھڑی خوشی سے چلائی۔ زینیا اپنا رونا بھول کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''خوش ہو جا میرے گلاب جامن ایک آلو بخارہ مل گیا اور وہ بھی پکا ہوا۔'' وہ اس کے سامنے چھوٹا سا گول مٹول آلو بخارہ کرتے ہوئے بولی۔

''مجھے نہیں کھانا۔ دو اپنے ان کزنوں کو جنہوں نے کبھی کچھ نہیں دیکھا بھوکے چور کہیں کے۔'' وہ غصے سے بولتی وہاں سے اٹھی اور چارپائی سے کپڑے اٹھا کر کمرے میں آ گئی۔

اس کا غصہ سوا نیزے پر چڑھ چکا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ زاہرہ بیگم کی بہن کے بچوں کا قیمہ بنا دیتی۔

دو دن سے زاہرہ بیگم کی بہن ان کے پاس رہنے آئی تھی جو پنڈی بیاہی ہوئی تھیں۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں اور چاروں انتہائی بدتمیز اور شرارتی قسم کے تھے زینیا کو وہ زہر لگتے تھے۔ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ بدتمیزی سے بات کرتے تھے حالانکہ وہ اس سے چھوٹے تھے۔

''زینی! اب کچھ کھانے کے لیے بھی پکا لو گی یا پھر تمہارا باپ کسی ہوٹل سے بھیجے گا۔'' وہ جو باہر صحن میں جا رہی تھی جب ہال میں اپنی بہن کے ساتھ بیٹھی زاہرہ بیگم بولیں۔ وہ جس کا پارہ پہلے ہائی تھا بس بھڑکنے کے لیے ہوا کی ضرورت تھی جو اسے زاہرہ بیگم نے دے دی تھی۔

''میرا باپ کیوں بھیجے گا آپ کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے ہیں جو آپ نہیں پکا سکتیں۔''

''ہائے ہائے زاہرہ، یہ چھوکری کیسے بات کر رہی ہے۔ نی لڑکی تمہاری نانی نے تجھے ذرا بھی بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی۔'' زاہرہ بیگم کی بہن بولیں جس پر چلاتے ہوئے بولی۔

''میرے نانو تک جانے کی ضرورت نہیں ورنہ میں لحاظ نہیں کروں گی کہ آپ مجھ سے بڑی ہیں اور میری نانو نے مجھے جو سکھایا ہے بہت اچھی طرح سکھایا ہے۔ ذرا خود کو دیکھیں آپ نے اپنے بچوں کو کیا سکھایا ہے۔ بدتمیز چور کہیں کے۔ یہی سب کچھ تو آپ نے انہیں سکھایا چوری کرنا بدتمیزی کرنا۔''

اسے اپنے آلو بخاروں کا دکھ نہیں بھول رہا تھا۔

''بدتمیز لڑکی! تجھے شرم نہیں آتی میری بہن پر الزام لگاتی ہو۔'' زاہرہ بیگم نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ہال میں داخل ہوتے عمر نے اس منظر کو خوب انجوائے کیا تھا۔

''آپ کے کان جو آپ کی طرح گندے ہیں ناں انہیں ذرا صاف کروائیں مامی۔ میں نے آپ کی بہن پر الزام نہیں لگایا۔'' وہ ان دونوں کو زخمی شیرنی کی طرح گھورتے ہوئے بولی اور وہاں سے ہٹ گئی۔ پیچھے سے زاہرہ بیگم اسے اور اس کی ماں کو کوسنا شروع ہو چکی تھیں۔ اور اس کا ساتھ ان کی بہن دے رہی تھی۔

☆......☆......☆

اسے جیسے ہی ہوش آیا تو کمرے میں نگاہیں دوڑائیں۔ وہ اس وقت ہوسپٹل کے کمرے میں موجود تھا۔ اس کی نگاہ بیڈ کے پاس رکھے سٹول پر بیٹھے وجود پر ٹھہر گئی جو شاید سر کو بیڈ پر ٹکائے سو رہا تھا۔ اس کا چہرہ آبان کو نظر نہیں آ رہا تھا اسے لگا شاید اسفندیار ہے۔

''اسفی۔'' اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن جسم پر آئی چوٹوں کے باعث اٹھ نہ سکا اور کراہتے ہوئے واپس لیٹ گیا اسی وقت پاس بیٹھے وجود کی بھی آنکھ کھل گئی۔

''بھائی جان! آپ کو ہوش آ گیا شکر ہے خدا کا۔ آپ نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔'' وہ عباد شاہ تھا اس کا چھوٹا اور پیارا بھائی۔ آبان شاہ اسے دیکھتا رہ گیا کتنا پریشان تھا وہ اس کے لیے۔ آنکھیں روئی روئی لگ رہی تھیں۔ وہ اسے دیکھ کر حیران بھی ہوا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں عابی۔ تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔''

عابی نے اسے سہارا دے کر بٹھایا تھا۔ آبان شاہ نے پیار سے اس کے ماتھے پر آئے بالوں کو پیچھے کر کے بالکل ایک باپ کی طرح اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ عباد شاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان سب بہن بھائیوں میں ایسا ہی پیار تھا۔

''آپ کو پتہ ہے بھیا پورے دو دن بعد جا کر آپ کو ہوش آیا ہے۔ اتنی چوٹیں آپ کو آئی ہیں۔'' وہ اس کے بازوں اور سر پر بندھی پٹی کر طرف اشارہ کر کے بولا۔

"پھر بھی آپ کہتے ہیں آپ ٹھیک ہیں۔"

"میں واقعی ٹھیک ہوں عابی میرے بھائی ڈونٹ وری۔" وہ اپنے پیارے بھائی کی آنکھوں میں آنسو صاف کرتے بولا۔

"بھیا! آپ کو کچھ ہو جاتا تو...... ہمارا کیا ہوتا۔ آپ جانتے ہیں ناں ہم سب آپ سے کتنا پیار کرتے ہیں۔" وہ بالکل کسی بچے کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔

"مجھے کچھ نہیں ہونا تھا عباد شاہ۔ یہ معمولی چوٹیں آبان شاہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔" اس کے لہجے میں کیا تھا عباد شاہ بس دیکھ کر رہ گیا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ ہمیشہ دکھ میں مبتلا ہو جاتا تھا۔

"اچھا تم بتاؤ تم کب آئے ہو؟" وہ اس کا دھیان بٹاتے ہوئے بولا۔

"مجھے جیسے ہی یہ خبر ملی تھی میں فوراً آپ کے پاس چلا آیا۔ یقین مانیں بھیا پاکستان سے پیرس تک سفر میں کیسے طے کیا میں بیان نہیں کر سکتا۔ میرا دل کر رہا تھا میں فوراً آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔ میرے دل سے یہی دعا نکل رہی تھی کہ میں جب اپنے بھیا کو دیکھوں وہ مجھے پہلے کی طرح اچھے سوٹڈ بوٹڈ ملیں لیکن آپ یہاں بستر پر لیٹے مجھے ملے۔" وہ روتے ہوئے اسے اپنی دو دن پہلے والی کیفیت بتا رہا تھا۔ آبان نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔

"اچھا چپ کرو اب میں ٹھیک ہوں۔" وہ اسے تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ "یہ بتاؤ ماں کو تو نہیں ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتایا؟"

"بھیا! آپ کے بارے میں کوئی خبر ان سے چھپ سکتی ہے۔" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے آنسو صاف کرتے بولا۔ "آبان شاہ بزنس کی دنیا میں کیسے جھنڈے گاڑ رہا ہے وہ آجکل کیا کر رہا ہے آپ کے بارے میں ہر نیوز کو وہ سنتی ہیں۔ پھر آبان شاہ کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں انہیں کیسے معلوم نہیں ہوگا۔ وہ تو بابا سے آپ کے پاس آنے کی ضد کر رہی ہیں لیکن

میں نے ان سے وعدہ کیا ہے اب آیا ہوں تو بھائی جان کو ساتھ لے کر آؤں گا۔آپ میں سے کسی کو بھی یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ اسے وضاحت دیتے بولا۔

''تم نے ان سے جھوٹا وعدہ کیوں کیا عابی۔ جبکہ تم جانتے ہو کہ میں نہیں جاگوں گا۔'' وہ پیچھے تکیے سر اٹکاتے ہوئے بولا۔

''فی الحال آپ آرام کریں اس بارے میں بعد میں بات ہوگی۔ میں ذرا اسفی بھیا کو دیکھ لوں وہ کب سے باہر نکلے ہوئے ہیں میں انہیں بھی بتادوں کہ آپ کو ہوش آگیا ہے۔'' وہ بات کو ٹالتے ہوئے وہاں سے نکل گیا اور پیچھے سے وہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

رات کا وقت تھا۔سب صحن میں بچھی چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔دو دن بعد شب برات تھی جس وجہ سے وقار احمد کی بڑی بیٹی عالیہ بھی آئی ہوئی تھی جس کی شادی کو تین سال ہوگئے تھے۔اس کی شادی زاہرہ بیگم کے اکلوتے بھائی کے بیٹے سے ہوئی تھی۔ان کا دو سال کا ایک بیٹا بھی تھا اور زاہرہ بیگم کی بہن بھی ابھی یہاں تھی۔ان کا اس دفعہ شب برات یہاں کرنے کا ارادہ تھا۔

وہ کچن سے نکل کر اپنے لیے پلیٹ میں چاول ڈال کر نانو کے پاس آکر بیٹھی ہی تھی جب فاروق نے بدتمیزی سے اسے آواز دی۔ جو چھت پر اپنے خالہ کے بچوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

''زینی! میں نے تمہیں کب سے چاول لانے کے لیے بولا ہوا ہے تم ابھی تک اوپر نہیں آئی۔''

''میں تمہاری نوکر نہیں خود آکر لے جاؤ اور ویسے بھی اب چاول ختم ہوگئے ہیں۔'' وہ غصے

سے بولی۔ وہ اس سے کئی سال چھوٹا تھا لیکن وہ ہمیشہ دوسروں کے دیکھا دیکھی بدتمیزی سے زینی ہی بلاتا تھا جس پر اسے غصہ ہی آتا تھا۔

''یہ جو ہاتھ میں پکڑی ہیں۔ وہ کیا ہے اوپر دے کر جاؤ اسے۔'' اس کی خالہ کی بڑی بیٹی بدتمیزی سے تحکم آمیز لہجے میں بولی۔ زینیا نے اپنے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ کی طرف دیکھا جسے وہ بہت مشکل سے اپنے لیے بچا پائی تھی۔ اس کو دوپہر میں بھی کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا اور اب خود پکا کر جو کھانے کو نصیب ہوا تھا کیا وہ بھی اس سے لے لیا جائے گا سوچتے ہوئے اس کا دل بھر آیا تھا۔

''یہ میرے ہیں۔ تم لوگوں نے اپنے حصے کے کھا لیے ہیں۔'' وہ بولی۔ اتنے میں فاروق اور اس کی کزن نیچے آ چکے تھے۔ سب اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے۔

''فاروق بیٹا! یہ اب زینیا کے ہیں تم لوگوں نے اپنے کھا لیے ہیں ناں۔'' نانو فاروق کو اس کے ہاتھ سے پلیٹ چھینتے دیکھ کر بولیں۔

''تو دادی مجھے اور بھوک لگی ہے یہ میرا گھر ہے جتنا مرضی میں کھاؤں۔ اس کا نہیں یہ اپنے باپ کے گھر جائے۔ اب کیا یہ ادھر ہی ہمیشہ کے لیے ڈیرا جمائے بیٹھی رہے گی۔'' وہ اس کی ہاتھ سے پلیٹ چھین کر لے گیا۔ وہ اسے خالی نگاہوں سے جاتا دیکھتی رہ گئی۔ اتنی نفرت، اتنی بے رخی، اس سے آٹھ سال چھوٹا بچہ اسے اسکی اوقات بتا کر چلا گیا تھا۔ اس نے کیا بگاڑا تھا جو دن بہ دن سب کے دلوں میں اس کے لیے نفرت ہی نفرت بڑھ رہی تھی۔

نانو خود فاروق کے منہ سے ایسی باتیں سن کر دنگ تھیں۔ وہ کیا کر سکتی تھیں زاہرہ بیگم کی تو یہ کرم نوازیاں تھیں۔ انہوں نے تو ہمیشہ اپنے بچوں اور شوہر پر کنٹرول رکھا تھا وہ ان کی ہی بات سنتے تھے وہ جو کہتے بس وہی وہ کرتے تھے۔ وہ چپ چاپ باہر سے اٹھ اندر گرمی میں پنکھے کو

لگائے بغیر اندھیرے میں آکر لیٹ گئیں۔

''دادو! یہ زینی کدھر گئی ہے۔'' عنزہ نے کچن سے باہر آتے ہی ان سے پوچھا جو الگ تھلگ کچن کے باہر چھوٹی سی چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

''بیٹی، وہ اندر چلی گئی ہے تم ذرا اسے دیکھ لو۔''

''دادو کیا ہوا؟ آپ رو رہی ہیں؟ بتائیں ناں کسی نے کچھ کہا ہے؟'' وہ فکرمندی سے ان کی آنکھوں سے آنسو گرتے دیکھ کر بولی۔ جس پر انہوں نے اسے سب بتا دیا اور وہ غصے سے بلبلاتی ہوئی چھت پر چلی گئی جہاں زینی کے پلیٹ والے چاول ان شیطانوں نے بلیوں کو ڈال دیئے تھے۔ اب چھت کے منڈیر پر بیٹھے ہنس رہے تھے۔ کیا کچھ اس نے اس وقت محسوس کیا تھا وہ بیچاری جو صبح کی کچھ کھائے بغیر کاموں میں جتی ہوئی تھی اس کے منہ سے نوالہ چھین کر یوں پھینک کر اس کا مذاق بنا رہے تھے۔

وہ آناً فاناً ان کے پاس آئی اور زور سے فاروق کے منہ پر تھپڑ رسید کیا۔

''شرم نہیں آتی تمہیں، بدتمیز کہیں کے۔ کیوں زینی کے ساتھ بدتمیزی کی۔'' وہ اس پر چلائی اور خونخوار نگاہوں سے اپنے کزنوں کو دیکھا جو چپ کھڑے اسے ہی گھور رہے تھے۔

''اور خبردار، تم لوگوں نے زینی کے ساتھ بدتمیزی کرنے کوشش کی ورنہ ہاتھ سے پکڑ کر اپنے گھر سے باہر نکال دوں گی۔''

''انہیں کیوں نکالیں گی آپ، اس چڑیل کو نکالیں نا وہ کیوں ہمارے گھر رہتی ہے۔ اپنے ماں باپ کے گھر جائے۔ ہم اس کے کیا لگتے ہیں۔'' فاروق بدتمیزی کی ساری حدیں پار کرتے بولا۔ عنزہ نے اسے دیکھے بغیر دو تین تھپڑ مار کر اس کے گال لال کر دیئے تھے۔

''میرے ساتھ چلو اور زینی سے معافی مانگو۔'' وہ اس کے رونے کی پرواہ کیے بغیر بولی۔

”میں نہیں مانگوں گا۔ ابھی جا کر امی کو بتاتا ہوں آپ نے اس کی وجہ سے مجھے مارا ہے۔“
وہ روتے ہوئے چھت سے نیچے اتر آیا۔ عنزہ کو پتہ تھا اب کیسا تماشہ لگنا تھا اس لیے وہ نیچے آئی اور زینیا کے کمرے میں آ گئی جہاں وہ اوندھے منہ لیٹی ہوئی تھی۔
”زینی اٹھو دیکھو کون آیا ہے۔“ وہ لائٹ آن کرتے ہوئے بولی۔ زینی فوراً اٹھی۔ پتہ نہیں کون آ گیا ہے۔
”کون آیا ہے؟“ وہ اکیلی عنزہ کو وہاں کھڑا دیکھ کر پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔
”میں آئی ہوں تمہیں نظر نہیں آ رہی کیا۔“ وہ اس کے نزدیک آتے ہوئے بولی۔
”کیوں آئی ہو چلی جاؤ یہاں سے۔“
”دیکھو تو سہی، میں تمہارے لیے کیا لے کر آئی ہوں۔“ وہ جو واپس لیٹنے لگی تھی اس کے ہاتھ میں سفید رنگ کا باول دیکھ کر رک گئی۔
”کھیر۔“ وہ لذیذہ کھیر کی خوشبو سونگھتے ہوئے خوشی سے بولی۔
”ہاں کھیر، یہ میں نے تمہارے لیے بنائی تھی اور بہت مشکل سے چھپا چھپا کر رکھی ہے۔“ وہ اس کے آگے رکھتے ہوئے بولی۔
”اچھا اسی لیے آج سب کو فریج کے پاس نہیں آنے دے رہی تھی۔“ وہ مزے سے کھیر کھاتے بولی۔ لذیذہ کھیر زینیا کو بہت پسند تھی جسے وہ اپنا ہر غم بھلا کر کھاتی تھی۔ جہاں وہ کھیر دیکھتی وہیں وہ پاگل ہو جاتی۔ دور سے اس کی خوشبو سونگھ کر اسے پتہ چل جاتا تھا یہاں کھیر بن رہی ہے۔
”عنزہ! مجھے کبھی کبھی ایسے لگتا ہے جیسے......“
”جیسے اگر لذیذہ کھیر نہ ہوتی تو تمہارا پیدا ہونا بے کار جاتا۔“ اس کو ٹوک کر عنزہ نے اس کا

مخصوص بولے جانے والا فقرہ مکمل کیا جو وہ کھیر کھاتے ہوئے بولتی تھی۔وہ دونوں ہنسنے لگی تھیں۔

''چلو تم بھی میرے ساتھ کھاؤ۔ایسے زیادہ مزے آئے گا۔'' پھر وہ دونوں ایک ہی چمچ سے ایک دوسرے سے کھیر کھلانے لگیں۔ان کا پیار ایسا ہی تھا جب بھی کسی ایک موڈ خراب ہوتا دوسرا اسے اپنی باتوں سے،اپنی مستیوں سے منٹوں میں ٹھیک کر دیتا تھا۔جیسے اب زینیا تھوڑی دیر پہلے والی کیفیت کو بھول کر اس کے ساتھ ہنس بول رہی تھی۔

☆......☆......☆

پھر وہ چار سال بعد پاکستان آیا تھا۔اس دفعہ اس کی ساری فیملی آئی تھی۔اس نے آتے ہی اپنی پرنسز کو پہچان لیا تھا۔جب وہ گیا تھا تب وہ بالکل چھوٹی سی تھی لیکن اب وہ چار سال کی ہو گئی تھی وہ خود بھی تو اس دفعہ کافی بڑا ہو کر آیا تھا۔

وہ اسے پاس بلاتا تھا لیکن وہ اس سے کافی دور بھاگتی تھی۔ہر وقت وہ اکیلی اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیلتی رہتی یا پھر دادو کی آغوش سے نہیں نکلتی تھی۔وہ دور سے ہی ان سب کو کھیلتے ہوا دیکھتی تھی۔آبان شاہ اپنے سب کزنوں اور بہن بھائیوں کے ساتھ کھیلتا اور اسے بھی بلاتا لیکن وہ ڈر کر وہاں سے چلی جاتی تھی۔

پھر کوئی مہینہ لگا تھا ان کے ساتھ گھلنے ملنے میں اور اس ایک مہینے میں بھی وہ سب سے زیادہ آبان سے گھلی ملی تھی۔وہ اس کے ساتھ ڈھیر ساری باتیں کرتا،اس کو کہانیاں سناتا اور اس کے ساتھ کھیلتا۔آج بھی وہ اس کے ساتھ کسی کو بھی کھیلنے نہیں دیتا تھا اپنے علاوہ کسی بچے کے پاس نہیں جانے دیتا تھا اور وہ بھی سوائے اسکے کہاں کسی کے ساتھ بات کرتی تھی۔

فرحان اور عباد شاہ نے بھی بہت کوشش کی اس کے ساتھ کھیلنے،اس کے ساتھ بات کرنے

کی، کبھی چاکلیٹ کا لالچ دیتے اور کھلونوں کا لیکن وہ تو ان کے سامنے بالکل گونگی ہو جاتی تھی جیسے کبھی نہ بولی ہو۔ دراصل وہ بہت ڈری سہمی سے رہنے والی تھی۔

آبان شاہ اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اس کے آنے سے اس میں بھی بدلاؤ آ گیا جسے دیکھ کر دادا جان اور دادی جان بہت خوش ہوتے تھے۔ وہ اس کی چھوٹی چھوٹی چوٹ پر تڑپ اٹھتا تھا اور کوئی اس کی پرنسز کو کچھ کہہ دیتا تو اس کی تو خیر نہیں ہوتی تھی پھر۔

اس دن بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ اس کے ساتھ کھیل رہی تھی جب ماہ رخ جو اس کے ماموں کی بیٹی تھی اس نے اس کی پرنسز کو دھکا دے دیا تھا جس وجہ سے اس کے سر پر چوٹ آئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کی چہرے پر تھپڑ مارا تھا۔

''تم نے میری پرنسز کو مارا آئی ول کل یو۔'' وہ اس پر چلا کر بولا۔

ماہ رخ کے رونے سے جویریہ شاہ اور طیبہ شاہ جو سامنے بیٹھی ہوئی تھیں فوراً ان کی طرف آئیں۔ ماہ رخ اپنے باپ کی اور پھوپھیوں کی بہت لاڈلی تھی اسی وجہ سے کوئی بھی اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دیتا تھا۔

''پھوپھو جانی! آبان نے مجھے مارا۔'' طیبہ شاہ کے ساتھ لگی ہچکیوں سے روتے ہوئے بولی۔

''آبان! بری بات تم نے ماہ رخ کیوں مارا۔'' جویریہ شاہ نے اسے ڈپٹا لیکن وہ بھی آبان شاہ تھا۔

''آپ پہلے اس سے یہ پوچھیں اس نے میری پرنسز کو کیوں مارا۔''

''آبان!'' جویریہ شاہ نے اس کی گال پر تھپڑ رسید کیا۔ وہ عاجز آ چکی تھیں اس کی منہ سے ہر وقت پرنسز کا نام سنتے سنتے۔

”جان سے ماردوں گی تمہاری پرنسز کو، اب اگر تم نے اس کی وجہ سے ماہ رخ کو کچھ کہا۔“ وہ خونخوار نگاہوں سے اسے وارن کرتے بولیں۔ وہ جو جویریہ شاہ کے غصے سے ڈر کر آبان کے پیچھے ڈری سہمی سی کھڑی تھی ان کے پاس آئی۔

”ملی ماں جان نے طوط نہیں تیا یہ ماہ اوکھ نے مدھے دتا دیا تھا۔“ (بڑی ماں جان نے کچھ نہیں کیا ماہ رخ نے مجھے دھکا دیا تھا) وہ اپنی توتلی زبان میں صفائی دیتے ہوئے بولی۔ اسے لگا کہ شاید آبان کو اسے گرانے کی وجہ سے ڈانٹ پڑ رہی ہے۔ اسے آبان کا نام نہیں تھا بلانا آتا۔ آبان نے بہت کوشش کی اسے اپنا نام سکھانے کی لیکن وہ بہت کوشش کے بعد میں وہ اسے جان کہنا سیکھی تھی اس کے بعد وہ نام اس کی زبان پر ایسا پکا ہوا کہ سب آبان کو جان کہہ کر ہی بلانے لگے تھے۔

”تم دفعہ ہو جاؤ ساری فساد کی جڑ تو تم ہو۔“ طیبہ شاہ کے لہجے میں اس کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔ جویریہ شاہ آبان کو وہاں سے لے گئی اور ملازمہ کو کہہ کر اس کو بھی اندر بجھوا دیا تھا۔

دادی جان کی وفات کی بعد دادا جان بہت اداس اور بیمار رہنے لگے تھے۔ فرقان شاہ واپس جانا چاہتے لیکن دادا جان نے انہیں روک لیا۔ یہ کہہ کر بچوں کو ابھی کچھ دن رہنے دیں ان کے پاس۔ لیکن جویریہ شاہ آبان کو واپس بھیجنا چاہتی تھی لیکن اس نے اس دفعہ بھی بہت ضد کی تھی۔ اس دفعہ دادا جان نے اس کا اتنا پیار اور اس کا لگاؤ دیکھ کر ان دونوں کی سالگرہ پر اس کی پرنسز کو اس کے نام کر دیا تھا۔ اس کی پانچ سالہ پرنسز دلہن بنی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس دن دادا جان نے اس کا ہمیشہ خیال رکھنے کا وعدہ لیا تھا۔ اس دس سالہ معصوم سے بچے پر انہوں نے ایک بہت بڑی ذمے داری ڈالی جس سے وہ تب بے خبر تھا جس ذمہ داری کو وہ تب نہیں سمجھتا تھا وہ بس اتنا سمجھتا تھا کہ اسکی پرنسز اب ہمیشہ اس کے پاس رہے گی۔ وہ اب صرف

اور صرف اس کی ہے۔ دادا جان جانتے تھے وہ آبان شاہ ہے، شاہوں کا خون تھا وہ کوئی غیر معمولی بچہ نہیں تھا جسے کم عمری میں ذمہ داری دی جاتی اور جوانی میں اسے بوجھ سمجھ کر پھینک دیتا اور ویسے بھی فرقان شاہ اور عثمان شاہ خود دونوں بہت خوش تھے لیکن وہ یہ کہاں جانتے تھے کہ ان کے لاڈلے پوتے کی زندگی کیسا پلٹا کھانے والی تھی۔

اس کی پرنسز کو واقعی ماردیا تھا اس نے تو کبھی اس سے بات نہیں کی تھی۔ وہ تو اپنی پڑھائی ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ سب پاکستان میں شفٹ ہو چکے لیکن اسے وہاں پڑھنے کے لیے چھوڑ دیا۔

لیکن جیسے ہی اس کا انتظار ختم ہوا تو پاکستان آیا تو اسے کیا خبر ملی تھی کہ اس کی پرنسز تو اسے ہمیشہ کے لیے انتظار کرنے کو چھوڑ گئی تھی۔ وہ عثمان چاچو سے لڑا تھا۔ بہت لڑا تھا ان سے بات کرنا چھوڑ دی بات کیا اس نے تو ہنسنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ وہ واپس آ گیا۔ ہر وقت خدا سے بس اسے مانگتا تھا۔ اسے لوگوں کی باتوں پر یقین نہیں آتا تھا۔ اسے ایسے لگتا جیسے سب جھوٹ بھول رہے ہوں۔ کوئی اس کے ساتھ کھیل رہا ہے۔

"بھائی جان۔" وہ جو ماضی میں کھویا تھا جب عباد شاہ نے اسے جھنجوڑا اور اسے حال میں لا کر ہی دم لیا۔

"آپ کو میرے ساتھ جانا ہی ہوگا مجھے نہیں پتہ میں دو دن کے بعد کی اپنی اور آپ کی ٹکٹ بک کروا چکا ہوں۔" وہ پچھلے تین چار دنوں سے کسی ضدی بچے کی طرح ضد کر رہا تھا۔ آبان شاہ دو دن بعد ڈسچارج ہو کر گھر آ گیا تھا لیکن اسے کام کرنے کی ابھی اجازت نہیں تھی۔ گھر میں ہی بیڈ ریسٹ کر رہا تھا اور وہ بھی عباد شاہ اور اسفندیار زبردستی کروا رہے تھے ورنہ وہ تو اگلے دن ہی آفس جانے کے لیے تیار تھا۔

”کیوں اپنی بے کار کی ضد پر اڑے ہوئے ہو۔تم جانتے ہو کہ میں نہیں جاؤں گا پھر کیوں اپنی انرجی ویسٹ کر رہے ہو۔“

”کیوں نہیں جائیں گے آپ وجہ بتائیں۔“ وہ جیسے آج ٹلنے والا نہیں تھا۔

وہ خاموش ہو گیا جیسے اس کے پاس کوئی جواب نہ ہو۔

”بھیا! آپ نے کیوں یہ روگ پال لیا ہے؟ کیوں تنہائی بھری زندگی گزارتے ہیں؟ کیوں ہم سب کو کسی ایک کی وجہ سے تکلیف دے رہے ہیں۔“

”عبادشاہ وہ کسی ایک جو تھی ناں وہ میرا سب کچھ تھی۔تم بھی سب کی طرح سمجھتے ہو وہ مرگئی ہے؟ کیا تم بھی وہ سب کہو گے جو ماں کہتی ہیں؟۔تمہیں بھی لگتا ہے عابی کہ وہ مرگئی ہو گی؟“ وہ کرب سے بولا۔آنسو کی لہر نیلے گہرے سمندر جیسی آنکھوں سے نکل رہی تھی۔عبادشاہ نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔اسے اپنا یہ بھائی دل و جان سے عزیز تھا۔

”نہیں بھیا، مجھے بالکل بھی نہیں لگتا وہ مری ہو گی مجھے بھی یقین ہے کہ وہ زندہ ہو گی۔“ وہ اسے تسلی دیتے ہوئے یقین بھرے لہجے میں بولا۔اب وہ انہیں کیا بتاتا کہ ان کی پرنسز واقعی میں زندہ ہے وہ کہاں ہے یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

”بھیا! میں چاہتا ہوں آپ پاکستان چلیں وہاں ہم اسے مل کر ڈھونڈیں گے۔آپ وہاں چل کر رہیں ہمارے ساتھ۔کیا پتہ ہو وہ اپنے ہی وطن میں سانسیں لے رہی ہو۔بھیا، پلیز آپ کو اس کی قسم ہے اگر آپ کو یقین ہے کہ وہ زندہ ہے تو میرے ساتھ جانا ہو گا آپ کو۔“ اس کا لہجہ مضبوط تھا اس دفعہ جیسے وہ پکا ارادہ کر کے آیا ہو اسے اپنے ساتھ لے جانے کا۔

وہ خاموش سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے کوئی فیصلہ نہ کر پا رہا ہو۔

”بھائی جان۔“ عباد نے اسے بلایا۔

''ہاں۔''

''بھائی۔'' دوسری دفعہ بلایا گیا۔

''ہاں۔''

''بھیا'' پھر بلایا گیا۔

''ہاں بولو بھی عابی کیا بات ہے۔''

''بھیا۔''

''عباد شاہ! اب اگر تم نہ بولے تو میں تمہیں کمرے سے باہر پھینک دوں گا۔'' وہ زچ ہوتے بولا۔ حد ہوتی ہے کوئی بات بھی ہوتی ہے بلاوجہ ہی بھائی بھائی کہہ رہا تھا۔

''بھیا مجھے بھی اس کی بہت یاد آتی ہے۔'' وہ مسکینی سی صورت بنا کر بول ہی پڑا۔ آبان نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''کس کی یاد آرہی۔''

''اسی کی گولڈن بالوں والی پرنسز کی جو میری بھابھی ہیں جو پتہ نہیں کہاں گم ہو گئی ہیں۔''

اس کی بات سن کر وہ ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا جب عباد شاہ اس کے پیچھے دوڑتا اسکے گولڈن بالوں کی چٹیاں بنانے کی کوشش کرتا لیکن وہ فوراً اس کی گرفت سے نکل بھاگتی۔ عباد شاہ کو اس کے گولڈن بال بہت پسند تھے۔ وہ تو اکثر ماں کو چھوٹی نوین کے بالوں ڈائی کروانیکا مشورہ دیتا تھا۔

''ویسے بھیا، اگر کبھی وہ آپ کے سامنے آئے تو آپ اسے پہچان جاؤ گے؟'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''ہاں پہچان لوں گا۔''

''سوچ لیں کیونکہ اب شاید وہ اکیس بائیس کی ہوگی ہے کوئی چار سال کی بچی نہیں جس کی تصویر آپ کے والٹ میں ہے۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''تم فکر مت کرو میں پہچان جاؤں گا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''اتنی محبت ہے آپ کو اس سے؟'' آبان نے ناسمجھی سے اسے دیکھا جیسے وہ جانتا نہ ہو کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔

''کیوں تمہیں کوئی شک ہے۔''

''نہیں بالکل بھی نہیں۔ ویسے اس کی محبت نے آپ کو دیا ہی کیا ہے سوائے دکھ، تکلیف، تنہائی، کرب، آنسو کے سوائے دیا ہی کیا ہے۔'' پتہ نہیں وہ اس سے کیا پوچھنا چاہتا تھا۔

''عباد! محبت کچھ لینے کے لیے نہیں کی جاتی یہ تو بس ہو جاتی ہے۔ بس اس میں کسی کے مقدر میں رونا، تڑپنا، تنہائی کرب لکھ دیا جاتا ہے اور کسی کو ساری خوشیاں مل جاتی ہیں۔ کوئی اسے پا کر بھی خالی ہاتھ رہ جاتا ہے اور کسی کو یہ ملتی ہی نہیں۔

تم جانتے ہو عباد، اس سے محبت مجھے کب ہوئی جب اس کا مطلب نہیں جانتا تھا اس کی محبت نے اگر مجھے تنہائی، رونا، تڑپنا، سسکنا، تکلیف دی ہے ناں تو بہت کچھ سکھایا بھی ہے۔ اس کی محبت میرے دل میں ایک ننھی کونپل کی طرح اگی تھی جو رفتہ رفتہ ایک ایسے پیڑ میں بدل گئی ہے جس کی جڑیں میرے اندر اس قدر پھیل چکی ہیں کہ انہیں کاٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اس کی محبت نے تو مجھے خدا کے آگے جھکنا بھی سکھا دیا ہے اس دو جہاں کے آگے رونا، تڑپنا، مانگنا سکھا دیا ہے جو اپنے بندوں کو مانگنے کیلئے بلاتا ہے۔ وہ کہتا کہ ہم اس سے مانگیں وہ ہماری ہر دعا قبول کرتا ہے اور یہ سکھا دیا ہے کہ ہم بندے لوگ بچپن سے جوانی تک جوانی سے بڑھاپے تک جتنے مرضی منصوبے بنا لیں ہونا تو وہی ہوتا ہے جس پر خدا پاک نے ''کن'' لکھا

ہوتا ہے۔اس کے کن کے بغیر مٹی کا ذرہ تک نہیں ہل سکتا۔" وہ بول رہا تھا اور وہ اسے بغور سن رہا تھا۔

"اوو و یار! باتوں میں پتہ نہیں چلا ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔" پھر وہ اٹھا اور لنگڑاتا ہوا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔اور عباد شاہ بھی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ سکول سے گھر تک پیدل چلتے چلتے تھک چکی تھی۔اوپر سے سورج کی منہ زور تپش اس کے دماغ کو جیسے جھلسا رہی تھی۔اس گرمی میں اس کا بہت برا حال تھا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہیں سڑک پر کسی سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ جائے لیکن ہائے ری یہ قسمت، سڑک پر کوئی ایسا درخت بھی نہیں تھا۔

اگر عنزہ ہوتی تو وہ اب تک اسے کتنی دفعہ کوس چکی ہوتی کہ کنجوسی چھوڑو اور کوئی رکشہ پکڑو لیکن نہیں جی، زینیا میڈیم جو اپنا ایک پیسہ بھی خرچ کرے۔عنزہ تو اسی وجہ سے اس سے چڑتی تھی لیکن بقول عنزہ کے وہ بھی ڈھیٹ تھی۔

روڈ ھو کر جیسے ہی وہ اپنے گھر کی گلی میں مڑی۔اس نے سکھ کا سانس لیا۔ایک دو گھر چھوڑ کر اس کا گھر نظر آ رہا تھا۔گلی میں اکا دوکا لوگ آتے جا رہے تھے۔وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتی گزر رہی تھی۔

"زینیا۔زینیا بات سنو یار۔" وہ جو بیرونی دروازے کے قریب پہنچی عجلت بھری آواز میں پیچھے مڑ کر ادھر ادھر دیکھا لیکن آواز دینے والا وجود اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ارے زینی میں یہاں ہوں ادھر دیکھو۔" آواز دینے والے کو شاید اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اسے نظر نہیں آ رہی اس لیے اس سے مخاطب ہوئی۔زینیا کی نظر اپنے گھر کے سامنے والی کوٹھی

کی دوسری منزل کی کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی رافعہ پر پڑی تھی جس نے ابھی اسے آواز دے کر روکا تھا۔

''ہاں بولو رافعہ کیا بات ہے۔'' وہ تھکاوٹ سے چور لہجے میں وہیں کھڑے اس سے مخاطب ہوئی۔

''یار! ذرا نزدیک آؤ نا، اتنا لاؤڈلی مجھ سے بولا نہیں جاتا۔''

زینیا اس کی بات پر جھنجلاتی ہوئی ذرا دیوار کے نزدیک گئی۔ کھڑکی کافی اونچی تھی اور زینیا کو اس پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ حد ہے ایک تو وہ تھکی ہاری آئی اوپر سے اس میڈم کے نخرے بھی ختم نہیں ہو رہے۔

''ہاں اب بولو اور ایک سیکنڈ میں اپنی بات ختم کرو میرے پاس ٹائم نہیں اتنا۔'' وہ جھنجھلاتے ہوئے سر کو ذرا اوپر اٹھا کر بولی۔ وہ بھی اپنے نام کی طرح تھی۔ اس کی تھکاوٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

''میں تو کہتی ہوں اندر آ جاؤ مجھے تم سے......''

''رافعی! تم نے بات کرنی ہے تو یہیں پر کرو ورنہ میں چلتی ہوں۔'' وہ غصے سے گویا ہوئی۔

''اچھا اچھا ٹھیک ہے یار غصہ تو مت ہو۔ سکول سے آ رہی ہو تم؟''

اس کے سوال پر زینیا کا دل کیا ہاتھ میں پکڑا پیپروں کا بنڈل اس کے سر پر دے مارے جو اسے وہاں گرمی میں کھڑا کر کے فضول سوالات پوچھ رہی تھی۔ لیکن وہ اس سے اونچا کھڑی تھی ورنہ وہ جس قدر تھکی ہوئی تھی اسے مارنے پر بھی باز نہ آتی۔

''ہاں۔'' وہ زچ ہو گئی تھی۔ اس کی اتنی لمبی تمہید سے پتہ نہیں میڈم اصل بات کب کریں گی۔

''اچھا زینی یار! یہ بتاؤ تم نے میرے کپڑے سلائی نہیں کیے ابھی؟ پتہ ہے دو مہینے ہو گئے ہیں تمہیں کپڑا دیا تھا۔ ایک گاؤن سلائی کرنے کے لیے اور تم ہو، سب کو کر دیتی ہو ایک صرف میں ہی بیچاری ہوں جس کے ساتھ تمہیں پتہ نہیں کیا دشمنی ہے۔'' وہ منہ بسورتے ہوئے صدمے سے اسے یاد دہانی کرواتے ہوئے بولی۔

''بی بی! کوئی دشمنی نہیں ہے میری تمہارے ساتھ۔ تم نے یہ بکواس کرنی تھی حد ہے۔'' وہ منہ چڑاتے ہوئے بولی اور ساتھ ہی گھر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

''زینی۔ زینی یار بات تو سنو۔ اچھا رات کو میں گھر آؤں گی۔'' وہ گھر کے اندر داخل ہو چکی تھی اور پیچھے سے اس نے دہائی دی جسے زینیا نے نظر انداز کیا۔

عنزہ کے بعد ایک رافعہ ہی تھی جس کے ساتھ اس کی تھوڑی بہت بنتی تھی۔ وہ اس سے سینئر تھی اور آجکل پڑھائی سے فارغ ہو کر کسی کمپنی میں سیکرٹری کی حیثیت سے کام کر رہی تھی۔ آئے دن نت نئے جوڑے بنواتی رہتی تھی جو وہ زینیا سے ہی سلائی کرواتی جس پر عنزہ غصہ ہوتی۔ اسے تو رافعہ بالکل بھی اچھی نہیں لگتی تھی حالانکہ وہ بھی زینیا کا بہت خیال کرتی تھی لیکن عنزہ میڈم تو زینیا کو کسی اور لڑکی سے بات کرتے دیکھ کر جل بھن جاتی تھی۔

اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی پیچھے وہ بھی چلی آئی۔ زینیا نے ایک نظر اسے دیکھا اور اپنی چادر اتاری اور پلنگ پر سوار ہو گئی۔

''کیا کہہ رہی تھی وہ چڑیل تم سے۔'' عنزہ کی غصے سے بھری آواز اس کی کانوں سے ٹکرائی۔ وہ چھت سے اسے رافعہ کے ساتھ بات کرتے دیکھ چکی تھی۔

''کون چڑیل؟ کس چڑیل کی بات کر رہی ہو؟'' وہ جان کر بھی انجان بنی اور سر پر بازو رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ اس کی لاعلمی پر عنزہ کا میٹر گھوم گیا۔

”زینی! اب زیادہ مت بنو مجھے پتہ ہے تم جانتی ہو۔ مجھے بتاؤ کیا کہہ رہی تھی وہ۔“

”اوہو عنزہ۔“ وہ اس کی بے چین صورت دیکھ کر اٹھ گئی۔

”یو نو واٹ مجھے کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے میں تمہارا شوہر ہوں۔ جسے تم یعنی میری بیوی کسی لڑکی سے باتیں کرتا دیکھ کر تم میں جیلسی والی فیلنگز پیدا ہو جاتی ہیں۔ حد ہے عنو یار، جس طرح تم میری دوست ہو وہ بھی میری دوست ہے اور اس طرح کے سوالات اپنے میاں سے پوچھا کرنا۔ میں تمہاری دوست، بہن، ہمراز سب کچھ تو ہوسکتی ہوں لیکن خدا کی قسم سے میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں جو تم مجھے اپنا شوہر بھی مان لو۔“ وہ تھوڑا اچڑ کر ہنستے ہوئے بولی اور ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی اور عنزہ شاک کی کیفیت میں اسے ہنستا ہوا دیکھ رہی تھی اور دیکھتی جا رہی تھی۔

”کیا ہوا اب۔ کہاں کھو گئی ہو۔“ اسے خاموش کھڑا دیکھ کر اس نے استفسار کیا۔

”زینی! کیا رافعہ بھی جیسے میں صرف تمہاری دوست ہوں ویسے ہی وہ بھی تمہاری دوست ہے۔“ وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔ عنزہ تب سے اسی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔

”اف، میرے خدایا لڑکی تمہیں ہو کیا جاتا ہے۔“

”زینی بتاؤ ناں۔“ وہ اپنے سوال پر بضد تھی۔

”عنزہ! کیا تمہیں ایسا لگتا ہے؟“ اس نے الٹا اس سے پوچھا جس پر وہ کھلکھلاتے ہوئے بولی۔

”نہیں کیونکہ عنزہ زینیا کے لیے کیا کیا کر سکتی ہے کوئی بھی نہیں جانتا زینیا بھی نہیں۔“ اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ آنکھوں میں چمک تھی۔ ہونٹوں پر مسکان تھی۔ زینیا کو بے اختیار ہنسی آئی اور پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

”کیا کرسکتی ہے عنزہ میرے لیے؟“

”بہت کچھ۔“ وہ جذب کے عالم میں بولی۔

”مثلاً؟“ زینی نے پوچھا۔

”مثلاً میں تمہاری طرف آنے والی ہر بڑی سی بڑی مصیبت کا سامنا کروں گی زینی دیکھ لینا۔“ اس کا اتنا ہی کہنا تھا کہ زینیا کی ہنسی کا فوارہ پھوٹا۔

”عنو عنو، میری جان کتنے ڈائیلاگ بولتی ہو تم۔ ناول پڑھ پڑھ کر ناں تمہیں سارے ڈائیلاگ رٹ چکے ہیں۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

”میں کوئی ڈائیلاگ نہیں بول رہی۔“ وہ اس کی بات کا برا مناتے ہوئے بولی۔

”اچھا جی۔ ویسے تو بڑے بڑے دعوے کر رہی ہو۔ اتنا نہیں ہو سکا کہ میں تھکی ہاری آئی ہوں دو گھونٹ پانی کے ہی پلا دے لیکن ناجی میڈم کی زبان رکے تو پھر ہی کچھ اور سوچے گی ناں۔“ اس کی بات پر عنزہ ہنسنے لگی اور ہاتھ میں پکڑی پانی کی بوتل اس کے سامنے لہرائی۔

”دیکھنا آپ کے لیے ہی یہ پانی ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔“

”ہاں لیکن مجھے رافعی کے ساتھ بات کرتے دیکھ کر دینا بھول گئی تھی جل ککڑی۔“ وہ طنز کرتے بولی۔

”نانو کدھر ہیں؟ نظر نہیں آ رہیں۔“ وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

”پتہ نہیں میں تو سوئی ہوئی تھی ابھی باہر آئی ہوں۔“ عنزہ نے اس سے گلاس پکڑتے ہوئے وضاحت دی۔ زینیا اٹھ کر کمرے سے باہر آئی۔ عنزہ بھی اس کے پیچھے تھی لیکن ڈرائنگ روم سے آتی آواز پر سوالیہ نگاہوں سے عنزہ کو دیکھنے لگی۔

”ماموں لوگ آئے ہیں سارہ کی شادی کا کارڈ دینے۔“ اس نے اپنی کزن کا نام لیتے

ہوئے بتایا پھر کچن میں وہ داخل ہوئی لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر زینیا تو دنگ رہ گئی۔

"نانو یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟" صدمے سے چور لہجے میں وہ آگے بڑھی اور ان کے ہاتھ سے بیلنا لے کر شلف پر پٹخ دیا۔

"بیٹا! وہ مہمان آئے ہیں ناں تو میں ان کے لیے کھانا بنا رہی تھی۔" بوڑھی ہڈیاں جنہیں آرام کی ضرورت تھی انہیں کچن میں کھڑے ہو کر کام کرتے دیکھ کر زینیا کا دل خون کے آنسو رونے پر مجبور تھا۔ وہ اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے زبردستی انہیں وہاں سے نکال کر کمرے میں لے آئی۔

زینیا جانتی تھی وہ گھر پر نہیں تھی اس لیے ممانی نے انہیں کھانا بنانے کا کہہ دیا ہوگا۔

"تم کہاں مری ہوئی تھی جب تمہاری اماں نے میری نانو کو کھانا بنانے کا حکم صادر کیا تھا۔" وہ شرمندہ سی کھڑی عنزہ پر دھاڑی تھی۔ انہیں پلنگ پر بیٹھا کر ٹھنڈے پانی کا گلاس ان کی طرف بڑھایا وہ پسینے میں بھیگی ہوئی تھیں۔

"نانو آپ کو کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی۔ یہ لوگ تو ہر دوسرے دن ٹپکے ہوتے ہیں۔" وہ ان کا پسینہ پونچھتے ہوئے بولی۔

"بیٹا مہمان تو خدا کی رحمت ہوتے ہیں ان کی خدمت کرنا ثواب کا کام ہے زینیا، ایسے نہیں بولتے تمہاری ممانی ان کے ساتھ مصروف تھیں اس لیے میں نے ہانڈی روٹی کرنے کا سوچا۔" وہ اسے وضاحت دیتے ہوئے بولیں۔

"ممانی کی اپنی بیٹیاں مر کھپ گئی ہیں جو وہ انہیں نہیں بول سکتی تھیں۔" وہ خونخوار نگاہوں سے عنزہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"زینی بیٹا......" اس سے پہلے وہ کچھ بولتیں اس نے انہیں ٹوک دیا۔

''آپ بس آرام کریں میں کرلوں گی سارے کام۔ ممانی اور ان کی بیٹیوں کے ہاتھ پر چھالے جو نکلے ہوئے ہیں اس لیے ان کی بھی خدمت کرنا مجھ پر فرض ہے۔'' وہ طنز کرتے ہوئے بولی۔ عنزہ کی زبان تو تالو سے جا لگی تھی۔ ''اور آپ بے فکر ہو کر آرام کریں میں کسی کو کچھ نہیں کہوں گی، آپ بس آج کے بعد کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائیں گی ورنہ زینی آپ سے ناراض ہو جائے گی ہمیشہ کے لیے۔''

وہ دل کی مریضہ تھیں اور انہیں زیادہ تر آرام کی ضرورت تھی۔ اس وقت وہ سب کچھ بھول چکی تھی۔ بھول چکی تھی کہ وہ بھی تھکی ہوئی ہے۔ پھر وہ انہیں آرام کرنے کا کہہ کر خود کچن میں آ گئی۔

''زینی! سوری مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ ماما دادو کو کھانا بنانے کے لیے کہہ دیں گی اور میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں سوئی ہوئی تھی مجھے نہیں پتہ تھا۔ پلیز تم مجھ سے ناراض مت ہو۔'' وہ اپنی ماں کے کیے پر شرمندہ تھی اور اسے صفائی دیتے ہوئے بولی۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں عنزہ، اب مجھے ایموشنل کرنے کی کوشش مت کرو۔ بلکہ یہ سلاد اور رائتہ بناؤ ورنہ یہ بیلنا تمہارے سر پر دے ماروں گی۔'' وہ غصے سے اسے حکم دیتے ہوئے بولی۔ جس پر وہ سکھ سانس لیتے ہوئے اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔ اپنی ماں کی بے حسی پر افسوس تو اسے بھی بہت تھا لیکن وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ اگر ان کی حمایت کرے تو پھر بھی زینیا کو ہی باتیں سنائی جاتی تھیں اس لیے وہ بھی زیادہ خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھتی تھی۔

پھر دونوں نے آدھے گھنٹے میں سارا کام ختم کیا۔ کیونکہ نانو اماں نے تقریباً سارا کھانا وغیرہ بنا دیا تھا اور پھر مہمانوں کے آگے کھانا عنزہ نے ہی لگایا تھا وہ خود نانو کے پاس آ گئی تھی اور ان کے پاس آ کر لیٹ گئی۔

''کھانا کھالیا میری جان نے۔'' وہ پیار سے اس کی چوٹی سے نکلی لٹوں کو اندر کرتے ہوئے بولیں۔

''نہیں میری بھوک تو آپ کو کچن میں کام کرتے ہی دیکھ کر ختم ہو گئی تھی۔ بھلا یہ کوئی آپ کی عمر ہے کام کرنے کی۔ پہلے ہی آپ بیمار رہتی ہیں اوپر سے بڑے مزے سے کام کر رہی تھیں آپ۔'' وہ کسی طور پر بھی یہ بات بھول نہیں پا رہی تھی۔

''لڑکی! تجھے کیا لگتا ہے میں بوڑھی ہو گئی ہوں۔ میں ابھی بھی بہت کام کر سکتی ہوں۔ مجھے کمزور مت سمجھو بہت طاقت ہے ابھی بھی ان ہاتھ پاؤں میں۔ یہ تو آج کل کی لڑکیاں ہیں جو ایک کام کر کے ہی تھک کر بستر پر بیٹھ جاتی ہیں۔ ہمارے زمانے کی لڑکیاں کیسے بھاگ دوڑ کر کام کرتی تھیں تمہیں نہیں پتہ۔'' وہ اس کا دھیان بٹاتے ہوئے بولیں۔

''ہاں پتہ ہے کئی دفعہ آپ اپنے زمانے کے قصے سنا چکی ہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے بولی۔ان کی بتائے ہوئے قصے تقریباً اسے رٹ چکے تھے۔

''اچھا اب اٹھ اور جا کر پہلے نماز پڑھو پھر کھانا کھا لینا۔ظہر کی نماز تم نے نہیں پڑھی ناں؟'' انہوں نے اس سے پوچھا جو ہمیشہ نماز میں ڈنڈی مارنے کی کوشش کرتی تھی لیکن وہ اسے ڈنڈی مارنے نہیں دیتی تھیں۔

''نانو! میں تھک گئی ہوں۔ مجھے سونا ہے۔'' وہ چھوٹے بچوں کی طرح منہ بسورتے ہوئے بولی۔

''پہلے نماز پھر کوئی دوسرا کام۔ تمہیں کتنی دفعہ سمجھایا ہے زینیا، نماز مت چھوڑا کرو۔ گھر آ کر فوراً نماز پڑھا کرو لیکن تم میری بات سنتی ہی نہیں۔ جب چھوٹی تھی تب تو میرے کہے بغیر ہی نماز پڑھ لیتی تھی اب پتہ نہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے۔'' وہ حیران تھیں اب اکثر انہیں خود اسے

نماز کے لیے کہنا پڑھتا تھا اور وہ ہمیشہ سستی کا مظاہرہ کرتی تھی۔

"چلو اٹھو بھی۔" انہوں نے اسے زبردستی اٹھایا اور وہ اٹھ کر واشروم میں گھس گئی۔ اگلے آدھے گھنٹے بعد وہ نماز پڑھ کر دوبارہ لیٹ گئی تھی۔ وہ کافی تھک چکی تھی اس لیے لیٹتے ہی اس پر نیند غالب ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

عباد شاہ نے اسے اپنے ساتھ پاکستان لا کر ہی دم لیا تھا۔ وہ دونوں اس وقت اسلام آباد کے انٹرنیشنل ائرپورٹ کے باہر کھڑے تھے۔ آج اس نے کئی سال بعد اس پاک سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ عباد شاہ اس کے ساتھ ساتھ ہی چل رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھا کہ وہ اپنے بھائی جان کو واپس لانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ بلیک پینٹ کوٹ پہنے گھنے براؤن بالوں کا سپائس بنائے ہوئے بلیک سن گلاسز سے اپنی گہری بلیو آنکھوں کو چھپائے ہوئے وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیارا لگ رہا تھا۔ اردگرد چلتے ہوئے لوگوں کی اگر ایک بے اختیار نظر اٹھتی تو دوبارہ دیکھنا نہیں بھولتے تھے۔ اس کے سپاٹ چہرے سے عباد شاہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کی اس وقت محسوسات کیا ہیں۔ وہ خوش ہے یا ناخوش، وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے حویلی فون کر کے ڈرائیور کو گاڑی لانے کا کہہ دیا تھا۔ فی الحال اس نے گھر میں اپنے آنے کی خبر کسی کو بھی نہیں دی تھی۔

"عابی! کیا مجھے ادھر ہی کھڑا رکھنے کا ارادہ ہے یا کوئی کیب بک کرواؤ گے۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں بھائی آپ کو شرم آ رہی ہے؟" اس کی شرارتی رگ پھڑکی، آبان شاہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

”میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنے لوگ آپ کو دیکھ رہے ہیں اس لیے آپ شرما رہے ہوں گے۔“ وہ شرارت آمیز لہجے میں گویا ہوا۔

آبان شاہ نے تاسف سے سر ہلایا۔ ”فضول ہی بولتے رہنا۔“

”آہاں۔“ وہ نفی میں سر ہلاتے مزید بولا۔ ”بھائی فضول نہیں بول رہا۔ جہاز میں بھی ہماری سیٹ کے پیچھے جو لیڈی بیٹھی تھیں وہ تو آپ کو دیکھ کر بار بار ماشاء اللہ کہتی جا رہی تھیں اور ایئر ہوسٹس جو اتنی خوبصورت تھی وہ بھی آپ کو ہی تکتی جا رہی تھیں حالانکہ بھائی میں بھی کوئی کم پیارا نہیں ہوں پھر بھی لوگ آپ کو ہی دیکھتے جا رہے ہیں اٹس ناٹ فیئر۔“ وہ بالکل چھوٹے بچے کی طرح منہ بسورتے ہوئے بولا تھا۔ آبان شاہ کو اس کی بات پر ہنسی آئی لیکن اس نے ہنسی کو ضبط کیا۔ اسے وہ کہیں سے بھی ایک قابل ڈاکٹر نہیں لگتا تھا اس کی باتیں اور حلیے سے دیکھ کر وہ ایک سٹوڈنٹ لگتا تھا۔

”عباد شاہ! اگر آپ کی فضول گوئی ختم ہو گئی ہو تو ذرا پتہ کریں ڈرائیور کہاں تک پہنچا ہے۔“ وہ اس کی مسکین صورت کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

”گاڑی تو سامنے کھڑی ہے۔ آپکی ہی باتیں ختم نہیں ہو رہیں اب میں کیا کر سکتا ہوں۔“ وہ سنجیدہ سا بولتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ آبان شاہ حیرانگی سے اس کے الزام پر اسے دیکھ کر ہی رہ گیا۔ وہ بھی سر جھٹک کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

”السلام علیکم سردار چچا۔“

”ارے وعلیکم السلام آبان پتر آپ۔“ سردار چچا جو ان کے خاندانی ڈرائیور تھے وہ اسے کافی عرصے بعد دیکھ کر حیران ہوئے اور آبان کی طرح ہی انہوں بھی اسے پہچان لیا تھا۔ آبان شاہ آگے بڑھ کر ان کے سینے سے لگا۔ کتنے عرصے بعد وہ ان سے ملا تھا۔ سردار چچا کی آنکھوں

میں بھی اس کے اتنے پیار سے آنسو آ گئے تھے۔اور ویسے بھی اس نے کبھی بھی ملازموں کو کمتر نہیں سمجھا تھا یا پھر انہیں ملازم نہیں سمجھا تھا وہ تو انہیں ایک خاندان کی طرح ہی ٹریٹ کرتا تھا۔

''ارے واہ چچا! آپ نے تو بھائی جان کو بہت جلدی پہچان لیا ہے۔'' عباد شاہ آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے بولا۔اس کی بات پر وہ ہنس پڑے۔

''میں کیسے نہیں پہچانتا۔ان کی گرمجوشی سے تو بچپن سے واقف ہوں۔بچپن میں بھی جب کبھی یہ آتے تو ایسے ہی سینے سے لگ جاتے تھے۔'' وہ ماضی کو یاد کرتے ہوئے بولے۔

''ارے واہ بھیا یعنی آپ نے سردار چچا کو بھی نہیں بخشا۔مجھے تو لگتا ہے بچپن میں یہ آپ کے گرل فرینڈ بن کے رہتے ہوں گے۔'' وہ شرارت سے اسے آنکھ مارتے ہوئے بولا۔وہ بس کسی طریقے سے اسے ہنسانا چاہتا تھا لیکن وہ بھی آبان شاہ تھا،اس کی فضول گوئی کو نظرانداز کرنے والا۔

''زبان کم ہی استعمال کرو اور آگے آکر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالو۔سردار چچا میرے ساتھ بیٹھیں گے۔'' وہ حکم دیتے ہوئے بولا۔

''یعنی مجھے آپ کا ڈرائیور بننا ہوگا۔لیکن بھائی آپ بھول رہے ہیں آپ کا یہ معصوم سا بھائی بھی آپ کے ساتھ ہی اتنا لمبا سفر کر کے آیا ہے۔'' ساری شرارت کو بھلائے اس کے چہرے پر مسکینیت طاری ہو گئی تھی جسے آبان شاہ نے خاطر میں نہیں لایا تھا۔

''اچھا لیکن قینچی کی طرح چلتی زبان سے لگتا تو نہیں تم تھکے ہو گے۔''

''ارے تھکنے کی بات کس نے کی ہے میں نے جہاز میں سفر کیا ہے کوئی بس میں تو نہیں جو میں تھک جاؤں گا۔''

بے دھیانی میں وہ یہ بات کر کے خود ہی پھنسا تھا۔

''بالکل تم نے ٹھیک کہا تم کہاں تھکے ہو اس لیے شرافت سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالو۔''

''آبان بیٹا! رہنے دیں عباد بابا تھک گئے ہوں گے۔'' سردار چچا ان کو بحث کرتا دیکھ کر درمیان میں بولے۔

''ارے چچا یہ نہیں تھکتا آپ بس میرے ساتھ بیٹھیں۔ میں ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔''

عباد شاہ نے برے برے منہ بنا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ آبان شاہ اور سردار چچا پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

''اور سنائیں چچا سب ٹھیک ہے گھر میں سب کیسے ہیں۔ چاچی اور بچوں کا سنائیں۔'' آبان نے ان سے سب کی خیریت پوچھی۔

''اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہیں۔ آپ سناؤ بچہ کافی عرصے بعد واپس آئے ہو۔ اگر مقصود صاحب زندہ ہوتے تو وہ کبھی بھی آپ کو اتنا عرصہ ولایت میں نہ رہنے دیتے۔ جانتے ہیں ناں وہ آپ سے کتنا پیار کرتے تھے۔'' وہ انہیں یاد دہانی کرواتے ہوئے بول رہے تھے۔ وہ کیسے بھول سکتا تھا اس کے پیارے دادا جان اس سے کتنا پیار کرتے تھے۔

''جی اگر وہ زندہ ہوتے تو شاید میں بہت پہلے سب کی طرح ہی واپس آ گیا ہوتا۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

''چلیں اب آپ آ گئے ہیں دوبارہ مت جائیے گا۔'' ان کی بات پر اس کے لبوں سے ہلکی سی ایک بھولی بسری سے مسکان لہرائی تھی۔

کالی کالی راتوں سے ہونے لگی ہے دوستی
کھویا کھویا ان راہوں میں اب میرا کچھ بھی نہیں

وہ جو باتوں میں مشغول تھے اچانک گاڑی میں اونچی آواز میں عباد شاہ نے گانا لگادیا جس پراس نے خاصی ناگواریت سے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔

''عابی! بند کرو اسے۔'' لہجہ خاصہ سخت تھا۔

''بھائی! کیا اب میں گانا بھی نہیں سن سکتا۔ مجھے ڈرائیور بنا کر خود تو اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ باتوں میں مشغول ہیں اور میں بیچارہ معصوم سا ڈرائیور میوزک بھی آن نہیں کرسکتا کیا؟''

سارے جہاں کی مسکینیت اس وقت عباد شاہ کے چہرے اور لہجے میں عیاں تھی جسے آبان شاہ نے یکسر نظر انداز کیا اور گھمبیر لہجے میں بولا۔

''بالکل بھی نہیں۔ ڈرائیور کا کام ہے دھیان سے گاڑی چلانا نہ کہ میوزک کی طرف دھیان دینا۔''

عباد شاہ نے میوزک کو بند کرتے ہوئے بیک ویو مرر سے اپنے پیارے بھائی کو دیکھا جو اسے کسی ہٹلر سے کم نہیں لگتا تھا۔ ویسے بھی آج ان کا موڈ بہت خراب تھا۔ پھر اس نے کوئی بات نہیں کی تھی بس خاموشی سے پھولے پھولے منہ سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

مسلسل دو گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد جب وہ حویلی پہنچے تو شام کا وقت ہو گیا تھا۔ آسمان پر اڑتے پرندے اپنی منزل کی طرف جا رہے تھے۔ گاڑی حویلی کے پورچ میں آکر رکی جہاں پہلے ہی مختلف ماڈل کی تین چار گاڑیاں کھڑی تھیں۔

آبان شاہ گاڑی سے اتر آیا۔ گہری نیلی آنکھوں سے سیاہ چشمہ ہٹ چکا تھا۔ کوٹ کو بازو پر لٹکائے ہوئے وہ حویلی کو چاروں اور دیکھ رہا تھا۔ ماضی کی کئی حسین یادوں میں وہ کھو گیا۔ حویلی میں سب کچھ بدل گیا تھا۔ پہلے سے بھی زیادہ اسے خوبصورت بنا دیا گیا تھا۔

''ویلکم ٹو سویٹ ہوم برو۔''

عباد شاہ کی آواز پر اس نے اسے دیکھا۔ پورچ سے کچھ فاصلے پر لان میں بیٹھے شابی ،شازی اور نوین کی نظر جیسے ہی ان پر پڑی تو غور سے دیکھتے رہے۔ کافی غور سے دیکھنے کے بعد شابی بولا۔

”یار! یہ عابی بھیا کے ساتھ کون ہے؟“

شازی آبان کو پہچان چکا تھا۔”ارے یہ تو اپنے بھائی جان ہیں۔“

پھر وہ دونوں بندروں کی طرح اچھلتے کودتے شور مچاتے ان تک پہنچے تھے۔ نوین شاہ کو تو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ واقعی اس وقت اپنے گھر اپنوں کے بیچ آ چکا ہے۔ وہ بھی خوشی اور حیرت کی ملی جلی کیفیت سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

شابی اور شازی کے شور سے حویلی کے در و دیوار کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ وہ واپس لوٹ آیا ہے۔ ان کا شور سن کا سب گھر والے باہر آ چکے تھے اور سامنے آبان کو ان کے درمیان کھڑا دیکھ کر سب خوشی کے مارے حیران ہو گئے۔

”مما۔“ وہ سب سے پہلے آنسو بہاتی جویریہ شاہ کی طرف بڑھا۔ جویریہ شاہ نے اسے اپنے سینے سے لگایا۔ وہ کتنا لمبا لگ رہا تھا ان سے لیکن ان کے لیے وہ بالکل چھوٹا سا بچہ تھا۔ اسے دیکھ کر اس کو پیار کر کے جیسے ان کی ممتا کو سکون مل گیا تھا۔

”آہاں بیگم! ہم بھی اپنے شہزادے سے ملنے کے لیے لائن میں کھڑے ہیں کیا ہمیں موقع ملے گا؟“ فرقان شاہ جویریہ شاہ سے مخاطب ہوئے جو ارد گرد سے بیگانہ اپنے لاڈلے کا سر منہ چوم رہی تھیں۔ ان کی بات پر وہ ہنس پڑیں۔ پھر وہ باری باری سب سے ملنے لگا۔

”ہائے کتنے بے مروت لوگ ہیں یہ شاہ حویلی والے، مجال ہے کسی ایک نے بھی سوکھے منہ سے میرا شکریہ ادا کیا ہو جس نے اتنی مشکل مہم سر کی ہے۔“ عباد شاہ زیادہ دیر خاموش رہے

ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا وہ جو خاموشی سے سب کا میل ملاپ دیکھ رہا تھا فوراً بولا۔

''اوہو میرے چھوٹے شہزادے آپ کو کوئی بھول سکتا ہے آپ تو ہماری......'' ابھی ان کا فقرہ مکمل نہیں ہوا تھا، جب نوین شابی شازی فرحان بھائی اور ان کی بیوی نے یک زبان ہو کر ان کا فقرہ مکمل کیا۔

''ڈرامہ کوئین ہیں۔''

جس پر فضا میں سب کے قہقہے گونجے۔ سوائے آبان شاہ کے، بس اس کے چہرے پر ایک مسکان سی تھی جسے سب نے محسوس کیا تھا۔

''ایک منٹ ایک منٹ گائز۔ اس یادگار پل کی کیوں نہ ایک سیلفی ہو جائے۔'' وہ جیسے ہی اندر کی طرف بڑھنے لگے جب انہیں حد درجہ سیلفی کے شوقین شابی کی آواز پر رکنا پڑا۔ پھر کیمرے کی آنکھ میں سب کا ہنستا مسکراتا چہرہ قید ہو گیا۔

☆......☆......☆

''زینی! مجھے تم نے اس مہینے کے پیسے نہیں دیئے۔ وجہ پوچھ سکتی ہوں کیوں نہیں دیئے۔'' وہ رات کو کپڑے استری کر رہی تھی جب زاہرہ بیگم نے غصے سے پوچھا۔ ان کی بات پہ زینی بولی تو کچھ نہیں تھی، ہاں دل میں سوچ کر رہ گئی تھی۔

''کتنی چول ممانی ہے میری۔ مجال ہے جو یہ چولیاں مارنا چھوڑے۔ مجھ غریب کے پاس جو بھی مہینے بعد لے دے کر چار پیسے آتے ہیں وہ بھی ہتھیا لیتی ہیں۔ بھلا انہیں پیسوں کی کمی ہے جو مجھ سے لیتی ہیں۔ ہائے زینی تمہاری قسمت۔''

''بی بی! میں تم سے بات کر رہی ہوں۔'' اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر انہوں نے اسے جھنجوڑا۔

”جی۔“ وہ محض اتنا ہی بولی تھی۔

”کیا جی مجھے کل تک پچھلے ماہ کے اور اس ماہ کے بھی پیسے چاہئیں۔ سمجھی۔“ وہ تڑخ کر بولیں۔ ان کا لب ولہجہ غصے اور نفرت سے بھرا ہوا تھا۔

”آپ کو پیسے کہاں سے دوں؟ مجھے سیلری نہیں ملی۔ اور ویسے بھی اب میں آپ کو پیسے نہیں دے سکتی۔ میری پڑھائی کے اخراجات بہت ہیں اور ساتھ میں مجھے نانو کی میڈیسن بھی لانی ہے۔“

”کیا کہا لڑکی، تو اب مجھے منع کرے گی تیری ہمت کیسے ہوئی۔ مت بھولو تمہارا باپ تمہیں لاوارثوں کی طرح چھوڑ چکا تھا اور ماں تمہاری تو اس سے پہلے ہی کہیں رفو چکر ہو چکی تھی۔ پھر بھی اتنی اکڑ دکھاتی ہو۔ ارے میں چاہوں ناں تو ابھی اور اسی وقت تجھے گھر سے باہر نکال دوں۔“ وہ اسکی بالوں کی چوٹی کو اپنی مٹھی میں قید کرتے ہوئے بولی۔ بال کھینچے جانے کی وجہ سے وہ ہلکا سا سسکی۔

”ممانی میرے بال چھوڑیں۔“ درد سے آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئی تھیں۔ وہ اکثر جب کوئی سامنے نہیں ہوتا تھا ڈانٹ کے ساتھ ساتھ اس پر ہاتھ بھی اٹھا لیتی تھیں۔

”آج کے بعد اپنی یہ اکڑ مجھے مت دکھانا ورنہ اسے نکالنے میں دو منٹ بھی نہیں لگاؤں گی۔“

وہ بے بسی سے کچھ نہ بول سکی۔ یہی بے بسی تو انہیں سکون بخشتی تھی جب جب وہ ان کے سامنے خاموش ہو جاتی تھی۔ آنکھیں آنسو سے بھر جاتی تھیں تب تب انہیں لگتا تھا کہ وہ فانیا کو مات دے رہی ہیں۔ وہ فانیا مرزا جو انہیں کسی خاطر نہیں لاتی تھیں۔ اسے تکلیف دے کر وہ اپنی انا کو قرار پہنچاتی تھیں۔ اس بھول میں کہ وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔

پھر آنکھوں میں آنسو لیے دل میں شکوہ لیے کپڑوں کے ڈھیر کو استری کیا۔

''ماں بابا کہاں ہیں آپ دونوں؟ کیا آپ دونوں کو یاد نہیں آتی میری؟ کیا آپ کو یاد بھی ہوگا؟ آپ کی ایک بیٹی بھی ہے۔ چھوڑ دیا جسے آپ نے اس ظالم دنیا کی بھیڑ میں۔ کیا کوئی ایسا بھی کرتا ہے؟ ماں باپ تو اپنے بچوں کو تپتی دھوپ سے بچاتے ہیں۔ ان کو ذرا سی تکلیف ہو تو وہ تڑپ اٹھتے ہیں۔ آپ دونوں نے تو مجھ سے اپنا سایہ ہی چھین لیا۔ دھکیل دیا مجھے تپتی دھوپ میں۔ کیا آپ کو بھی محسوس نہیں ہوتا آپ کی زینیا کو کیسے تکلیف دی جاتی ہے۔ کوئی لفظوں کے تیر چلاتا ہے تو کوئی نظروں کے وار کرتا ہے۔ میری روح چھلنی چھلنی ہوتی ہے۔ کبھی آئیں تو سہی۔ کبھی دیکھیں تو سہی۔ کبھی محسوس تو کریں۔ کبھی یاد تو کریں۔ جب ضرورت ہی نہیں تھی میری تو پیدا ہی کیوں کیا؟ کیوں دنیا کی بھیڑ میں یتیموں کی طرح چھوڑ دیا۔''

وہ اکیلی صحن میں بیٹھی سکول کے بچوں کے پیپر چیک کرنے کے لیے بیٹھی تھی لیکن اس کا دھیان کہیں اور تھا۔ وہ خلا میں گھورتے ہوئے دل میں ماں باپ سے شکوہ کناں تھی۔ جیسے وہ دونوں اس کے سامنے بیٹھے ہوں۔ وہ اردگرد سے بیگانہ سیاہ آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی جس پر چاند اپنی روشنی پھیلائے ہوئے تھا اور چھوٹے چھوٹے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔

اس وقت وہ گھسے پرانے سفید رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھی جو بالکل بھی نہیں لگتا تھا کہ یہ کوئی بہت پرانا سوٹ ہے۔ گرمی کی وجہ سے دوپٹے کو کندھے پر رکھے ہوئے۔ تھی گھٹنوں تک آتے بالوں کا بن بنائے ہوئے تھی جس سے کئی لٹیں اس چہرے کا دیدار کر رہی تھیں۔ چاندنی رات میں اس کی دودھیا رنگت چمک رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اداس چاند کا ٹکڑا ہو جو زمین پر اپنی روشنی پھیلانے آئی تھی۔ وہ اس بات سے انجان کوئی اسے اوپر والے کمرے میں موجود کھڑکی سے دیکھ رہا ہے اور اس کا حسن کیسے اس کے دماغ میں شیطانی سوچوں کو ابھارنے میں مشغول تھا اور ساتھ ہی شیطانی مسکراہٹ اس کے لبوں پر رینگ گئی تھی۔

وہ شاید مزید وہاں بیٹھی سوچتی رہتی جب بیرونی دروازہ کے کھٹکنے کی آواز آئی۔ وہ فوراً سے پیشتر اٹھی اور اٹھ کر دروازہ کھولنے چلی گئی۔

''شکر ہے تم نے دروازہ کھولا ورنہ تمہاری ممانی ہوتی تو ہزار باتیں سننی پڑنی تھیں۔'' دروازے پر رافعہ تھی۔

''تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟'' زینیا اسے رات کے اس پہر وہاں دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

''اتنی بھی رات نہیں ہوئی ابھی آٹھ ہی بجے ہیں۔ تم تو ایسے گھبرا رہی ہو جیسے رات کے بارہ ایک بج گئے ہوں۔'' وہ بولتی ہوئی آگے آگے چلتی زینیا اور نانو کے کمرے میں آ گئی۔ ان کا کمرہ ہال کے ایک سائیڈ پر تھا جہاں سے اس کے کمرے میں آنے جانے والا دکھائی نہیں دیتا تھا اس وقت سوائے نانو اور اس کے سب ہال میں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

نانو اپنے کمرے میں عشاء کی نماز ادا کر رہی تھیں۔

''کیا کر رہی تھی؟'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''کچھ نہیں تم بتاؤ کیا لینے آئی ہو؟''

''لینے تو کچھ نہیں آئی ہاں ایک درخواست کرنے آئی ہوں۔''

زینیا اس کی بات سمجھ گئی تھی۔ اس لیے بولی۔

''رافعی! میرے پاس ابھی ٹائم نہیں ہے۔'' وہ اب اسے کیا بتاتی اس کے کپڑے تو عنزہ میڈیم نے چھپائے ہوئے تھے۔ اس کا حکم تھا کہ وہ اس کے کپڑے نہیں سلائی کرے گی۔ جب زینیا نہ مانی تو مجبوراً اسے کپڑے چھپانے پڑے تھے۔ لاکھ کوششوں سے بھی اس نے نہیں دیئے تھے۔ اتنے میں وہ بھی کمرے میں آ گئی اور خاموشی سے آ کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"یار زینی! ایسے تو مت کرو مجھے پتہ ہے تمہارے پاس ٹائم ہوتا ہے۔ پلیز یار میری پیاری سہیلی نہیں۔" وہ منت سماجت پر اتر آئی اور اٹھ کر زینیا کے پاس آ گئی جو عنزہ کے بگڑتے زاویے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں وہ تمہاری دوست بالکل بھی نہیں سمجھی۔ اور اس خوش فہمی میں مت رہنا کہ وہ اب تمہارے کپڑے سلائی کرے گی جو پہلے کروائے ہیں پہلے ان کے پیسے نکالو ورنہ پھر یہاں سے نکلتی بنو۔" عنزہ تھوڑی دیر کے لیے بھی خاموش نہ رہ سکی اس لیے فوراً بولی۔

"تم چپ کرو چالاک لومڑی۔ میں اپنی دوست سے بات کر رہی ہوں تم سے نہیں۔" اگر عنزہ اس سے چڑتی تھی تو وہ بھی اسے چڑانے کی خوب کوشش کرتی تھی۔

"زینیا کی صرف میں ہی دوست، سہیلی سب کچھ ہوں۔" وہ گردن اکڑا کر بولی۔

"اف۔ چپ کرو یار کیوں تم دونوں میرا دماغ کھا رہی ہو۔" زینیا نے انہیں خاموش کروانے میں عافیت سمجھی جو بچوں کی طرح لڑ رہی تھیں۔

"دیکھو زینی تم اس کے کپڑے نہیں سلائی کرو گی۔" عنزہ بولی۔

"کیوں، کیا تمہیں بل آ رہا ہے؟ میں نے تم سے نہیں کروانے جو تمہیں نمک مرچ لگ رہی ہے۔"

"زینیا سے کروانا یا مجھ سے کروانا ایک ہی بات ہے۔ سمجھی۔"

"بالکل بھی نہیں اور میں نے سمجھنا بھی نہیں۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔

"رافعی! تم فکر مت کرو میں ایک دو دن میں تمہارے کپڑے سلائی کر کے تمہیں دے دوں گی۔" زینیا نے معاملہ رافع دفع کرنا چاہا۔

"زینی......" عنزہ نے تاسفی نگاہوں سے اپنے ملھنا کو دیکھا۔

"چپ کرو۔"

"شکریہ یار دراصل میں نے وہ کپڑے......"

اس سے پہلے وہ اسے بتاتی کہ اس نے کپڑے کسی موقع پر پہننے ہیں لیکن عنزہ نے درمیان میں ہی روک دیا۔

"اب اس نے کہہ دیا ہے ناں کہ وہ کر دے گی۔ اب نکلتی بنو یہاں سے ہم نے نہیں سننے تمہارے قصے کہانیاں۔"

"ہاں جا رہی ہوں چڑیل کہیں کی۔" وہ بھی ڈھیٹ تھی جتنی مرضی بے عزتی کروا لے آ پھر بھی جاتی تھی۔

"عنزہ! تم بہت بدتمیز ہو۔" اس کے جانے کے بعد زینیا نے اسے ڈپٹا۔

"تم تو میرے ساتھ نہ ہی بولو تو اچھا ہے تمہیں مجھ سے بالکل بھی پیار نہیں ہے۔" زینیا کے حامی بھرنے پر وہ روٹھ گئی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔"

اس نے کندھے اچکائے۔

"دیکھا دادو، اسے مجھ سے بالکل بھی پیار نہیں ہے۔ دیکھ لینا آپ اسے ایک دن جب میں نہیں ہوں گی ناں تب میرے پیار کا احساس ہوگا۔" وہ نانو اماں سے مخاطب ہوئی جو دعا مانگ کر ان دونوں پر پھونک مار رہی تھیں۔

"کدھر ہے کدھر ہے جلدی بتاؤ اٹھو جلدی بتاؤ کدھر ہیں۔" اس کی بات سن کر وہ جلدی سے بولی اور ساتھ ہی آگے بڑھ کر اسے پلنگ سے اٹھا۔ وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا؟"

''ارے تمہارے ناول کہاں ہیں؟ انہیں تو میں ٹھکانے لگاؤں تم تو دن بدن خراب ہوتی جارہی ہو لڑکی۔''

''دادو دیکھیں یہ ہر دفعہ میری باتوں کو ڈائیلاگ کا نام دے دیتی ہے اور میرے ناولز کو بیچ میں لے آتی ہے۔'' اس نے دادو کو شکایتی نگاہوں سے دیکھا۔

''نہ بھئی زینی بیٹا، ایسا مت کیا کرو۔'' نانو پیار سے عنزہ کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''نانو اسے بھی کہیں کہ مجھے ایموشنل مت کیا کرے۔'' وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔ پیچھے سے انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''دادو، کرنے کی تو بہت کوشش کرتی ہوں لیکن اتنی ڈھیٹ ہے ہوتی ہی نہیں۔'' وہ شرارت سے بولی جس پر وہ بے اختیار ہنس پڑیں تھیں۔

☆......☆......☆

جیسے ہی ساجدہ پھوپھو کو پتہ چلا تو وہ اپنی فیملی کے ساتھ اگلی صبح ہی شاہ ہاؤس موجود تھیں اسے دیکھ کر وہ بھی بہت خوش تھیں۔

''کتنا بدل گیا ہے میرا چاند، بچپن میں کیسے پٹر پٹر بولتا اور ہنستا رہتا تھا۔ اب تو ایسے جیسے زبان اور ہنسی دونوں کہیں کھو گئی ہوں۔'' ساجدہ پھوپھو جو صوفے پر اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔ ان کی آنکھوں میں سالوں پہلے والے آبان شاہ کا چہرہ گھوم گیا تھا۔ کتنا فرق تھا اب والے اور پہلے والے آبان شاہ میں جو پہلے آتا تو دو سیکنڈ بھی خاموش نہیں رہتا تھا لیکن اب وہ صرف مطلب کی بات کر رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ ایسا کیوں کر رہا تھا۔ یہ اسے خود بھی پتہ نہیں چل رہا تھا وہ بہت چاہنے کے باوجود بھی پہلے کی طرح گھل مل نہیں سکتا تھا۔

ماہ رخ جو ساجدہ پھوپھو کی بڑی بیٹی تھی۔ وہ کب سے آبان شاہ کے سامنے والے صوفے پر بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ کیا کوئی اتنا بھی پیارا ہوتا ہے شاہ فیملی میں ایک سے ایک مرد وجاہت سے بھرپور تھا۔ ہر کسی کی شخصیت بہت پرکشش تھی لیکن آبان شاہ میں ایسا کیا تھا وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔ کیسا طلسم تھا اس کے وجود میں جو ہر دفعہ اسے اپنی طرف کھینچنے پر مجبور کردیتا تھا۔ جب بھی اسے دیکھتی تھی اس کی شخصیت نئے سرے سے اسے اپنے حصار میں قید کرلیتی تھی اور وہ مغرور لڑکی تھی اسے دیکھ کر اور مغرور ہوجاتی تھی۔ یہ سوچ کر کہ وہ اس کا ہے اور اسی کا رہے گا۔ وہ اردگرد سے بیگانہ بس اسے ہی دیکھتی جارہی تھی۔ اس کی یہ حرکت ندیم شاہ کی نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے آبان شاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

”تو آبان بیٹا۔ اب کیا ارادہ ہے آگے؟ اب یہیں سیٹل ہونے کا ارادہ ہے ناں یا پھر ابھی بھی دل پیرس میں ہی اٹکا ہے۔“

”ارے نہیں ماموں جان، اب تو بھائی جان پکے پکے پاکستان میں سیٹل ہورہے ہیں۔“ جواب عباد شاہ کی طرف سے آیا تھا۔ جس نے کچھ زیادہ ہی چھوڑی تھی جس پر آبان شاہ اسے دیکھ کر ہی رہ گیا تھا۔

”ارے واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“ وہ سن کر خوش ہوئے۔ ساتھ میں باقی سب بھی بہت خوش تھے۔

”فرقان بھائی میں تو کہتا ہوں اب اس کی شادی کردیتے ہیں تاکہ یہ اگر یہاں سے جانا بھی چاہے تو جانہ سکے۔ اگر جائے بھی تو چند دنوں میں لوٹ بھی آیا کرے۔“ انہوں نے مشورہ دیا۔

”ہاں کیوں نہیں میرا بس چلے تو میں اسے آج ہی دلہا بنادوں۔“ ان کی بات پر جویریہ شاہ خوش ہوتے ہوئے بولیں۔ عباد شاہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کی

بات پر سب سے معذرت کرتا اٹھ گیا تھا۔ عباد شاہ نے اپنی ماں کو دیکھا جو سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ انجان بنی ہوئی تھیں۔ اپنے بیٹے کی دل حالت جانتے بوجھتے ایسا کر رہی تھیں۔ اسے بہت افسوس ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر اس کے پیچھے آ گیا۔

"بھائی جان، بھائی جان۔" وہ حویلی کے پچھلی طرف آ گیا جہاں شابی اور شازی پہلے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دیکھتے ہی فوراً اس کی طرف بھاگے۔

"تھینک گاڈ، آپ بڑوں کی گیدرنگ سے اٹھ کر آئے، ہم تو بور ہو رہے تھے۔ چلیں آئیں آ کر ہمارے ساتھ شطرنج کھیلیں۔"

"تم دونوں کو کھیل کے علاوہ کوئی اور کام بھی ہے کیا؟" پیچھے آتے عباد شاہ نے پوچھا۔

"اور آپ کو ڈرامہ کوئین بننے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے ہر وقت ڈرامے بازیاں ہی کرتے رہتے ہیں۔" بدلہ لینے میں وہ ماہر تھے۔ ان کی بات پر عباد شاہ نے رانیہ بھابھی کو دیکھا جو ہونٹوں پر شرارتی مسکان سجائے ہوئے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ اس وقت وہ پچھتا رہا تھا اپنی آئی ڈی میں انہیں ایڈ کر کے جنہوں نے سب کو بتا دیا تھا۔

"صحیح کہا ہے کسی نے کہ لڑکیوں کے پیٹ میں کوئی بات نہیں رہ سکتی جب تک کسی بات کا ڈھنڈورا پورے شہر میں پیٹ نہ لیں تب تک انہیں کھانا ہضم نہیں ہوتا۔"

"آپ کے کارنامے بھی کچھ اس طرح کے ہیں انہیں ہم چھپا کر بدہضمی بھی نہیں کروانا چاہتے۔" شابی دو بدو بولا۔ انہیں نوین شاہ اگر شیطان بولتی تھی تو صحیح بولتی تھی۔ بال کی کھال جب تک نہ اتار لیں تب تک سکون سے نہیں بیٹھتے تھے۔

آبان شاہ ان دونوں کو ہی دیکھ رہا تھا جو بالکل اس کا اپنا بچپن تھا۔ وہ بھی تو بچپن میں ایسا ہی شیطان ہوتا تھا۔

''بالکل ٹھیک کہا۔'' شازی کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔ شابی کی بات پر مہر لگاتے ہوئے بولا۔ ''ویسے تو آپ ڈاکٹر ہیں لیکن کام آپ کے لوفر لفنگوں جیسے ہیں۔''

اس کی بات پر جہاں سب کا مشترکہ قہقہہ گونجا تھا وہیں آبان شاہ بھی ہنس کر اپنے پیارے چھوٹے بھائی کو دیکھنے لگا۔ جو اپنی بے عزتی پر سب کو ہکا بکا دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا ایک بات کرنے کی اتنی بے عزتی۔

''دیکھو میرے بھائیو! مجھے معاف کرو۔ جو یہ آیا ہے ناں اس کی طرف ہوں اور اس کو تنگ کرو میری جان چھوڑو۔'' تقریباً اپنی جان چھڑتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

''ہماری ڈرامہ کوئین روٹھ گئی ہے۔'' اس کے جاتے ہی رانیہ بھابھی نے اونچی آواز میں کہا جسے اس نے بخوبی سنا اور صبر کا گھونٹ بھرتا ہوا اندر کی طرف چلا گیا۔

''یار تم لوگوں نے تو اسے ناراض ہی کر دیا ہے۔'' فرحان بھائی بولے۔

''کوئی بات نہیں ہمیں اپنی روٹھی حسینہ کو منانا بھی آتا ہے۔'' لڑکیوں کی آواز میں بات کرتے ہوئے شابی بولا۔

''شیطان کے تم دونوں نانے ہو نانے۔'' فرحان بھائی بولے تھے۔

''ہاہاہاہاہا۔ شابی یار مبارک ہو آج تو ہم نانے بھی بن گئے ہیں۔'' وہ دونوں آپس میں قہقہہ لگا کر بولے تھے جس پر انہوں نے تاسف سے سر ہلایا کی یہ دونوں کبھی نہیں بدل سکتے۔

''ویسے بھیا! آپ کیا لڑکیوں کی طرح خاموش خاموش سے بیٹھے ہوئے ہیں جیسے شرما رہے ہوں۔'' اب ان کا رخ آبان شاہ کی طرف تھا جو خاموش بیٹھا سب کو آپس میں ہنستے مسکراتے دیکھ خوش ہو رہا تھا۔

''ہاں بالکل بھابھی جان۔ بھیا بالکل آپ کی اس کزن کی طرح ایکٹ کر رہے ہیں جو

ہمارے گھر پہلی دفعہ آئی تھی۔" شاہ زیب شاہ یاد آنے پر رانیہ بھابھی کی طرف متوجہ ہوا۔

"ارے کیا نام تھا اس کا۔" وہ سر کھوجاتے ہوئے بولا۔

"رومی کی بات کر رہے تم۔" شانی بولا۔

اس کی بات پر شازی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں یار اسے کیسے بھول سکتے ہیں۔ وہ جب آئی تھی کتنا شرماتی تھی اور جب سب اکٹھے بیٹھتے تھے اپنا سر نیچے کیے کیسے ہلکا ہلکا سا ہنستی تھی جیسے ہنسنے پر بھی ٹیکس لگتا ہو۔ اور آبان بھیا بھی بالکل ویسے ہی ایکٹ کر رہے ہیں۔" وہ بات کرتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔

"بھیا! آپ ہنس سکتے ہیں یہاں پر کوئی بھی آپ سے ہنسنے کا ٹیکس نہیں لے گا۔ جتنا دل چاہے ہنس سکتے ہیں۔ اگر آپ نہیں ہنسے تو ہم دونوں آپ کا پورا پورا ساتھ دیں گے۔" بظاہر تو وہ سنجیدہ تھا لیکن لہجہ شرارت سے بھرا ہوا تھا۔

"شیطانو! کسی کو تو بخش دیا کرو۔" رانیہ بھابھی اپنی ہنسی کو روکتے ہوئے بولیں۔

"کیوں بخشیں ہم انہیں اتنے عرصے بعد تو یہ موقع ملا ہے۔"

شاید انہوں نے اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ بنا لیا تھا آبان شاہ جب سے آیا تھا ابھی وہ کھل کر مسکرا رہا تھا۔ اتنے میں طیبہ شاہ اور ماہ رخ وہاں آ گئیں۔

"بھئی رانیہ پکڑو اپنے بیٹے کو اس نے رو رو کر اپنا برا حال کر دیا ہے۔" طیبہ شاہ ننھے رائم کو پکڑاتے ہوئے بولیں۔

"لائیں بھابھی اسے مجھے دیں جب سے آیا ہوں یہ تو مجھے ملا ہی نہیں۔"

آبان شاہ کے کہنے پر انہوں نے رائم کو اسے پکڑا دیا جو رو رہا تھا۔ اس کے پاس جا کر وہ خاموشی سے ٹکٹکی باندھے اسے دیکھنے لگا۔

”ہیلو لٹل پرنس کیسے ہو۔“ وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولا۔”بھابھی یہ ڈیڑھ سال کا ہو گیا ہے ناں؟“

”ہاں۔کیوں؟“

”چلتا نہیں ابھی۔“

”نہیں بھائی ابھی یہ بس کچھوے کی طرح رینگتا ہی ہے۔“ شازی اسکی پیٹھ پر ہلکی سے چپت لگاتے ہوئے بولا۔

”ہاں میرا شہزادہ اپنے چاچو جان کے انتظار میں تھا وہ ان کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھے گا۔ کیوں میرے شہزادے ٹھیک کہاں نہ میں نے۔“ فرحان بھائی اپنے بیٹے کے ساتھ لاڈیاں کرتے ہوئے بولے جس پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا جیسے کہہ رہا ہو ہاں میں اپنے چاچو کی انگلی پکڑ کر ہی چلنا سیکھوں گا۔

”ارے آبان بیٹا! تم ماہ رخ سے نہیں ملے۔وہ کب سے کہہ رہی ہے تم نے اسے بلایا ہی نہیں۔“ طیبہ شاہ جو خاموش کھڑی تھیں اس کے آنکھوں کے اشاروں سے فوراً بولیں۔سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ان کی بات پر اس نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

”اچھا لیکن میں تو سب سے ملا تھا۔“ آبان شاہ یاد کرتے ہوئے بولا۔

”ہاں سب سے ملے تھے۔سب سے باتیں بھی کیں۔حال چال بھی سب کا پوچھا تھا لیکن مجھے تو تم نے دیکھا بھی نہیں تھا۔“ کب تک خاموش رہتی اس لیے فوراً شکوہ کرتے ہوئے بولی۔اس کی بات پر شازی اور شابی نے چھت پھاڑ دینے والا قہقہہ لگایا تھا۔آبان نے ایک دفعہ ان شیطانوں کو دیکھا پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”چلیں اگر آپ کہتی ہیں تو دوبارہ پوچھ لیتا ہوں کیا حال چال ہے آپ کا؟ ٹھیک ہیں

ناں؟" اس نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔ اس سے پہلے وہ خوش ہو کر جواب دیتی وہ شیطانوں کی زبان میں دوبارہ گدگدی ہوئی۔

"حال تو ٹھیک ہی لگ رہا ہے لیکن لڑکی کی چال میں تھوڑی خرابی لگ رہی ہے۔"

ان کی بات پہ طیبہ شاہ نے اپنے سپوتوں کو خونخوار نگاہوں سے دیکھا۔

"اوو اماں حضور، ایسے مت دیکھیں۔ میرا ننھا سا دل چھلنی چھلنی ہو رہا ہے۔" شابی کی نگاہ ان پر پڑی تو اداکاری کرتے ہوئے بولا۔

"شرم تو تم دونوں میں بالکل بھی نہیں انتہائی بدتمیز ہو تم دونوں۔ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ غصے سے بولیں۔ وہ ان کی شرارتوں سے سخت عاجز تھیں جو ہر کسی کو اپنی مستی کا سامان کر لیتے تھے۔ اگر وہ دو منٹ بھی وہاں رکتے تو مزید عزت افزائی ہونے کے امکان تھے اس لیے فوراً وہاں سے کھسک گئے تھے۔

☆......☆......☆

ہال میں اس وقت جویریہ شاہ: طیبہ شاہ اور ان کے بھائی ندیم شاہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کا موضوع گفتگو آبان کی ماہ رخ کے ساتھ شادی تھی۔

"بھیا! آپ فکر کیوں کر رہے ہیں، میں نے کہا ہے ناں کہ ماہ رخ میری ہی بیٹی بنے گی تو پھر آپ کیوں ٹینشن لے رہے ہیں۔ اب آبان آ گیا ہے ناں، دیکھیے گا آپ وہ شادی کے لیے بھی بہت جلد مان جائے گا۔" جویریہ شاہ نے ندیم شاہ کو تسلی دی جو ماہ رخ کے لیے پریشان تھے یا پھر انہوں نے خود کو تسلی دی تھی۔

"جویریہ! اگر وہ نہیں مانے بھی تو تمہیں اسے منانا ہوگا کیونکہ میری بیٹی اسے چاہتی ہے اور میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ میری بیٹی کی آنکھوں میں آنسو آئیں یا پھر اس کا دل ٹوٹے اس لیے

آبان کو ماننا ہی ہوگا۔" وہ حکم دینے والے انداز میں بولے تھے۔ وہ اپنی بیٹی سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ان کا ایک بیٹا تھا جو کہ پیدائشی معذور تھا جو نہ تو چل سکتا تھا اور نہ ہی بول سکتا تھا۔ وہ اپنے بیٹے سے بھی بہت پیار کرتے تھے لیکن جو پیار اور لاڈ ماہ رخ کو ملا تھا وہ شاید بیٹے کو نہیں مل سکا تھا۔

ماہ رخ میں جیسے ان کی جان بستی تھی۔ اس کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کو ماننا وہ اپنے لیے لازم سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی جب اس سے شادی کا پوچھا تو اس نے آبان شاہ کا نام لیا تھا جس پر انہیں جویریہ شاہ نے بھرپور تسلی دی تھی کیونکہ وہ خود بھی یہی چاہتی تھیں کہ ماہ رخ ان کے آبان کی ہمسفر بنے۔

"ایسا ہرگز نہیں ہوگا بھیا ہماری رخی کو کوئی دکھ نہیں ملے گا آبان جویریہ آپی کی ہرگز بات نہیں ٹالے گا۔" کب سے خاموش بیٹھی طیبہ شاہ نے بھی انہیں تسلی دی تھی۔

"ٹھیک ہے لیکن اس سے جلدی بات کرنا تا کہ شادی نہیں تو منگنی ہی کر دیں۔" وہ جیسے ان پر حکم صادر کر کے گئے تھے۔

رات کو جب جویریہ شاہ نے فرقان شاہ سے بات کی تو وہ بھڑک اٹھے تھے۔

"جویریہ! تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ تم اسے منا لو گی حالانکہ تم جانتی ہو تمہاری ساری کوششیں بیکار ہیں۔ وہ ہرگز نہیں مانے گا پھر تم نے اتنی بڑی بے وقوفی کیسے کر دی۔ جب وہ نہیں مانے گا تو ماہ رخ پر کیا بیتے گی۔ تمہیں کبھی احساس ہوا ہے اس بات کا۔"

"کیوں نہیں مانے گا وہ جب اس کی ماں اس سے بات کرے گی تب اسے ماننا ہی ہوگا۔ وہ اپنی ماں کی بات ہرگز نہیں ٹالے گا دیکھ لینا آپ۔" وہ سوچ چکی تھیں کہ اسے کیسے منانا ہے اس لیے ان کا لہجہ مضبوط تھا۔

”چلو ٹھیک ہے کرلو تم اپنی سی کوشش۔ لیکن میں تمہیں بتا دوں کہیں کسی کی چاہت کو پورا کرتے کرتے اپنے بیٹے کا دل مت توڑ دینا جویریہ کہ تمہیں بعد میں پچھتانا پڑے۔“ وہ گلوگیر لہجے میں کہتے ہوئے آنکھیں موند کر لیٹ گئے اور دل ہی دل میں انہوں نے اپنے بیٹے کی خوشیوں کی دعا کی تھی۔

جویریہ شاہ بھی مطمئن ہو کر لیٹ گئی تھیں۔ وہ اپنے فیصلے سے مطمئن تھیں لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کے بیٹے کی قسمت میں بہت پہلے ہی کوئی اور لکھا جا چکا تھا۔ بہت پہلے ہی اس کی قسمت کسی اور کے ساتھ لکھی جا چکی تھی جسے وہ چاہ کر بھی ہرگز مٹا نہیں سکتی تھیں۔ وہ لاکھ کوششیں کرلیں، ہزاروں سکیمیں تیار کرلیں، ہونا تو وہی تھا جو خدا نے اس کی قسمت میں لکھا تھا۔

☆.........☆.........☆

زینیا آج نانو کے ساتھ ان کی کسی کزن کے گھر آئی ہوئی تھی جن کی پوتی کی منگنی تھی نانو اسے زبردستی اپنے ساتھ لے آئی تھیں اور آدم بیزار سی زینیا ادھر آ کر بھی بور ہی ہو رہی تھی۔ نہ تو یہاں اس کی کسی کے ساتھ واقفیت تھی اور نہ وہ کوئی اتنی فرینک تھی جو جلد ہی سب میں گھل مل جاتی۔ نانو کی کزن تھی جسے وہ چھوٹی نانو کہتی تھی۔ ان کے بیٹوں کا گھر کافی بڑا تھا۔ خاص طور پر لان زینیا کو بہت پسند آیا تھا اور وہیں لان میں ہی ساری ارینجمنٹ کی ہوئی تھی۔ لان کے وسط میں سفید اور گلابی پھولوں کے ساتھ سٹیج کو سجایا گیا تھا۔ وہ اشتیاق بھری نگاہوں سے ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھی۔

لڑکے والے آئے تو سب ان کا ویلکم کرنے کے لیے بیرونی گیٹ کی طرف بڑھے لیکن اسے تو جیسے اس سب میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ وہیں ایک سائیڈ پر اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ کب منگنی کا فنکشن ہوا، کب کھانا لگا اسے پتہ ہی نہیں چلا۔ وہ وہاں بیٹھ بیٹھ کر تنگ آ چکی تھی۔ تقریباً

وہ کتنی دفعہ اندر جا کر نانو کو گھر جانے کے لیے بول کر آئی تھی لیکن وہ اٹھ ہی نہیں رہی تھی۔ چھوٹی نانو کی بہو کے لاکھ کہنے پر اس نے دو نوالے چائنیز رائس کے لیے تھے۔ وہ بھی اس نے بے دلی سے کھائے تھے۔ پتہ نہیں کیوں اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ہجوم سے اٹھ کر ایک تنہائی والے گوشے میں آ گئی۔

نانو جو باہر نکلنے کے لیے صوفے سے اٹھی تھیں سامنے ہال میں داخل ہوتے وجود کو دیکھ کر کھڑی کی کھڑی واپس صوفے پر ڈھے گئی تھیں۔

''فانیا'' ان کے منہ سے نکلا۔ سامنے سے آتی ان کی لاڈلی بیٹی فانیا بھی انہیں دیکھ چکی تھی۔

☆......☆......☆

''ارے واہ رخی آپی! آپ ابھی تک یہاں ہیں اپنے گھر جانے کا ارادہ نہیں ہے آپ کا؟''

شعیب اور شاہ زیب شاہ جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوئے وہاں بے چین سی پھرتی ماہ رخ کو دیکھ کر ان کی زبان میں کھجلی ہوئی۔ نوین شاہ نے انہیں شرم دلانے کے لیے ہلکی سی چپت لگائی لیکن وہ بھی اپنے نام کے تھے۔

''نہیں ابھی میں یہیں پر ہوں تم لوگ بتاؤ آبان کدھر ہے؟'' وہ ان کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولیں۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں شرارت لیے لاؤنج میں پڑے کاؤچ پر ہی ڈھیر ہو گئے۔

''اوہو تو آپ آبان بھیا کے لیے رکی ہوئی ہیں۔'' شابی پر سوچ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ جس پر اس نے بے اختیار گردن کو اثبات میں سر ہلایا۔

''اچھا لیکن وہ تو عابی بھیا کے ساتھ ہی اگلے دن لاہور چلے گئے تھے۔ آپ کو تو پتہ ہے

ناں وہ فارغ بیٹھنے والے انسان نہیں اس لیے وہ دو دن میں ہی فارغ رہ کر تنگ آ گئے تھے اس لئے بڑے ابو نے لاہور والی کمپنی ان کے سپرد کر دی ہے۔''

کہا تو اس نے سچ تھا لیکن وہ اپنی طرف سے اسے تنگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''کیا واقعی؟ لیکن مجھے تو کسی نے نہیں بتایا۔'' صدمے سے گری اس کی آواز آئی۔اس کی بات پر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔سامنے بیٹھی نوین شاہ اشاروں کنایوں میں اسے تنگ کرنے سے منع کر رہی تھی لیکن وہ شابی اور شازی ہی کیا جو باز آ جائیں۔

''ویسے روحی آپی! ہمیں ایک بات پتہ چلی ہے۔'' خاموش بیٹھا شازی کچھ سوچتے ہوئے اٹھا اور سامنے کھڑی ماہ رخ کے اردگرد چکر کاٹنے لگا اور سر پاؤں تک اس کا جائزہ لینے لگا تھا۔

''کیا؟'' سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''یہی کہ آپ ہمارے جان سے پیارے بھیا جان پر لائن مارنے کی کوشش کر رہی ہیں؟''

وہ صاف گوئی سے بولا۔

اس کی بات پر ماہ روخ نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔اس کی یہ چوری تو سب نے اسی وقت پکڑ لی تھی جب وہ ہر سال ان کے ساتھ صرف پیرس ہی اپنی چھٹیاں گزارنے جاتی تھی اور اس کی طرف بڑھنے کی کوشش بھی کرتی تھی جس کا سب کو اندازہ تھا۔لیکن شاہ زیب اور شعیب کو آج اسے تنگ کرنے کا موقع ملا تھا۔

''لیکن آپی! کیا آپ جانتی ہیں۔بھیا جان پر بہت پہلے ہی کسی نے بہت بڑا سا کراس مار دیا تھا نکاح کی صورت میں۔وہ کراس اسی قدر پکی روشنائی سے مارا گیا تھا کہ اسے ہٹانا بہت مشکل ہے۔انہیں تو وہ کراس مارنے والی کے علاوہ کوئی اور دیکھتا ہی نہیں اس لیے ان پر چھوٹی چھوٹی لائن مارنا بے کار ہی ہے۔'' وہ بات کرنے کے ساتھ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ

دیکھ رہا تھا۔

''اس لیے میرا مشورہ ہے......'' اس سے پہلے وہ بولتا کاٹ دار آواز کے ساتھ ایک زناٹے دار تھپڑ کی آواز گونجی۔

''اپنی بکواس بند کرو۔ آئندہ میرے منہ مت لگنا سمجھے میری بات۔'' اسے یہ بات ہمیشہ ہی غصہ دلاتی تھی۔ نوین شاہ اور شعیب شاہ دونوں ہکا بکا اسے دیکھتے رہ گئے جو تن فن کرتی وہاں سے نکل گئی تھی۔ وہاں سوائے ان تینوں کے کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے اس کے پاس آئے جو گال پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

''تم ٹھیک ہو۔'' ان دونوں نے اس سے پوچھا۔

''ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں بھلا مجھے کیا ہونا ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤ میں ان کے منہ کب لگا تھا؟'' آنکھوں میں شرارت لیے ہوئے مسکینیت سے بولا۔

''ہاہاہاہاہا۔ یار کسی کو نہ بتاؤ...... کہ مجھے تھپڑ پڑا ہے ورنہ میری کیا عزت رہ جائے گی۔'' وہ ڈرامہ کرتے ہوئے بولا تھا۔

''ویسے شازی، تم نے بالکل ٹھیک کہا اسے مجھے وہ خود بھی بھیا کے لیے پسند نہیں میرے بھیا ماہ رخ جیسی لڑکی کے مستحق نہیں ہیں جس میں حد درجہ غرور ہو۔''

ان تینوں کو اپنی اس کزن سے خاص چڑ تھی جو حد درجہ ماڈرن ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ مغرور تھی۔ ان تینوں نے دل سے دعا کی تھی کہ وہ ان کے بھائی کی زندگی میں ہرگز نہ آئے وہ ان کی بھابھی نہ ہی بنے تو اچھا تھا۔

کوئی کچھ چاہتا تھا، کوئی کچھ لیکن ہونا تو وہی تھا جو خدا پاک چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

عباد شاہ اس کے کمرے میں آیا تو وہ اندھیرا کیے اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے آ کر لائٹ آن کی تو دیکھا وہ سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی اجڑی حالت دیکھ کر وہ لڑکھڑایا لیکن یہ وقت اسے اپنے بھائی کو سنبھالنے کا تھا۔ وہ فوراً اس کے پاس آیا۔

''بھیا! کیا ہوا آپ ایسے کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ٹھیک تو ہیں ناں۔''

وہ فرش پر بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے ہوا تھا۔ وہ بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اسے وہ بالکل بھی ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

''عابی! میں بالکل بھی ٹھیک نہیں ہوں۔ میرا دل جیسے پھٹتا جا رہا ہے۔ بہت تکلیف ہو رہی ہے یہاں پر عابی۔'' وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح روتا ہوا اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دل پر رکھتے ہوئے بولا تھا۔ ''عابی! تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔ میں جیسا بھی جی رہا ہوں ایک امید کے ساتھ تو پھر کیوں مجھ کو زبردستی اس پر یقین دلایا جاتا ہے جس پر مجھے بالکل بھی یقین نہیں ہے۔ یہ دل مانتا ہی نہیں عابی۔ تو پھر بتاؤ آبان شاہ کیسے مان جائے۔'' وہ زاروقطار رو رہا تھا۔

''عابی! ماں کہتی ہیں میں اسے بھول جاؤں اور کسی اور کے ساتھ شادی کر کے اپنا گھر بسا لوں۔ لیکن جو دل میں بسی ہے جس کی آبان شاہ کے دل و جان پر اس کے دل پر حکمرانی کر رہی ہے۔ اسے کیسے باہر نکال دوں، اسے کیسے بھول جاؤں جس کا میرے دل میں رہنا مجھے اچھا لگتا ہے بے شک وہ نہیں ہے لیکن وہ میرے دل میں رہتی ہے عابی۔ میں کیا کروں میں کیسے ماں کی بات مان جاؤں۔''

''وہ کہتی ہیں وہ تمہارا بچپنا تھا آبان، بھول جاؤ اسے لیکن میں انہیں کیسے بتاؤں عابی وہ بچپنا ہی تو میری ساری زندگی تھا۔ عابی! میرے دل میں وہ اس وقت محبت کی صورت میں

اپنے پر پھیلا کر براجمان ہوگئی تھی۔ جب دس سال کی عمر میں مولوی صاحب نے مجھے کہا تھا کہ آبان شاہ کیا وہ تمہیں اپنے نکاح میں قبول ہے دادا جان نے کہا آبان، کیا تم اپنی پرنسز کا پرنس بن کر اس کا خیال رکھو گے، کیا اسے ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی میں شامل کرتے ہو۔ عابی، اسی دن وہ میرے اندر براجمان ہوگئی تھی لیکن عابی میں اس کا خیال نہیں رکھ پایا۔ چاچو کو کیا ضرورت تھی اسے خود سے دور کرنے کی۔ کیوں چاچو نے اسے خود سے دور کیا انہوں نے تو کہا تھا کہ وہ اس کا خیال رکھیں گے لیکن انہوں نے اسے مار ہی دیا عابی۔''

وہ رو رہا تھا۔ محبت کا دکھ کرب اس پر مبتلا تھا۔ اس نے محبت تو کی تھی لیکن کرب اور تکلیف کے علاوہ کچھ نہیں ملا تھا۔ اس کی باتیں عباد شاہ کو تکلیف دی رہی تھیں۔ اس کے پاس جیسے اس کے لیے کوئی لفظ نہیں تھا وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی خاموش تھا صرف ان کی زندگی کی خاطر وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

☆......☆......☆

زاہرہ بیگم کے بھائی کی بیٹی کی شادی تھی جس پر جانے کے لیے وہ آجکل تیاری کر رہے تھے۔ عنزہ زینیا کو بھی اپنے ساتھ جانے کے لیے تیار کر رہی تھی لیکن اس کا دل نہیں کر رہا تھا۔ نانو کے بہت کہنے پر وہ ان کے ساتھ ہی برات والے دن جانے کے لیے مان گئی۔

''زینیا پلیز چلو ناں، ہم انشاءاللہ آدھے گھنٹے میں واپس آجائیں گے پلیز یار۔''

عنزہ اسے اپنے ساتھ بازار لے جانا چاہتی تھی لیکن وہ مصروف تھی جس وجہ سے وہ اسے منع کر رہی تھی لیکن وہ بھی کہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی زینیا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے بازار سے کیا لینا تھا۔ شاپنگ وہ جو اس کی مکمل ہوگئی ہے اب پتہ نہیں کیا رہ گیا ہے اس لڑکی کا۔

''عنزہ میں نہیں جاسکتی، سمجھا کرو۔'' وہ تنگ آ کر بولی۔

"مجھے نہیں سمجھنا میں صرف تمہیں ساتھ لے جاؤں گی۔"

پھر لاکھ اسے منع کرنے پر وہ اسے زبردستی لے آئی تھی۔ وہ اسے لے کر شاپنگ مال آ گئی۔

"عنزہ۔" وہ تقریباً آدھے گھنٹے سے لاہور کے ایمپوریم مال میں گھوم رہی تھیں لیکن عنزہ تھی کہ بتا ہی نہیں رہی تھی کہ اس نے کیا لینا ہے۔ لیکن اب جب اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ سرے سے ہی وہاں اس کے ساتھ نہیں تھی۔

"حد ہوتی ہے، پتہ نہیں مجھے یہاں لا کر خود کہاں غائب ہو گئی ہے۔" اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ وہ جب بھی ان بڑے بڑے مالز میں آتی تھی عنزہ کے ساتھ ہی آتی تھی جب اس نے کوئی شاپنگ کرنی ہو۔

وہ مال کے دوسرے فلور پر بھی چلتے چلتے اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ ایک جگہ پر رک سی گئی۔ سامنے ایک دکان کے باہر ڈسپلے میں بہت خوبصورت سا ڈیکوریشن پیس بنا ہوا تھا جو کھلتے ہوئے گلاب کی صورت بنا ہوا تھا کھلتے ہوئے گلاب کی پتیاں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ڈائمنڈ کی بنی ہوں اور ان کے درمیان ایک خوبصورت سا کپل کھڑا تھا جس میں لڑکا لڑکی کے سر پر بوسہ دے رہا تھا۔ وہ بے اختیار وہاں پر رک گئی اور اسے پکڑ کر دیکھنے لگی۔ اسے وہ بہت ہی پسند آیا تھا۔ وہ اسے اٹھائے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ دور سے جتنا پیارا لگ رہا تھا نزدیک آ کر اس سے بھی خوبصورت لگ رہا تھا۔

"بھائی صاحب! یہ کتنے کا ہے؟" اس نے سیلز مین سے پوچھا جس کے منہ سے قیمت سن کر وہ دھک رہ گئی تھی۔

"پانچ ہزار۔"

"اللہ اللہ اتنا مہنگا۔" وہ جیسے ہی اسے واپس رکھنے کے لیے مڑی تھی پاس گزرتے وجود

سے ٹکرا گئی جس سے وہ ڈیکوریشن پیس زمین بوس ہو گیا۔ایک سیکنڈ تو ٹکرانے کے باعث اس کا سر گھوم گیا تھا لیکن جب ہاتھ سے پیس چھوٹا وہ خود گھوم گئی تھی۔

”اوو لڑکی، یہ تم نے کیا کر دیا۔“ سیل مین اس پر چلایا۔وہ تو ہکا بکا اسے زمین پر ٹوٹا بکھرا پڑا دیکھ رہی تھی۔

”سوری میں نے......“

”یہ تمہارا سوری ووری نہیں چلے گا تمہیں اس کی پیمنٹ کرنی ہو گی۔“ سیلز مین نے کرختگی سے اس کی بات ٹوکی۔اس کی بات سن کر اس کے تو چھکے ہی اڑ گئے تھے۔

”میں کیوں پیسے دوں، میں نے جان بوجھ کر تھوڑی توڑا ہے۔“ اس نے پیچھے مڑ کر اس نفوس کو غصے سے دیکھا جس کی وجہ سے یہ پھڈا پڑا تھا۔سیلز مین اسے کسی بھی صورت ایسے جانے نہیں دے رہا تھا۔وہ پریشان ہو گئی تھی۔لیکن جیسے ہی اس شخص کو جاتا ہوا دیکھا فوراً اس کے آگے ہو گئی اور غصے سے اس پر چلائی۔

”تمہاری وجہ سے یہ ٹوٹا ہے۔اس لیے اس کے پیسے بھی تم ہی دو گے۔“

”میری وجہ سے۔“ مقابل اس کے الزام پر حیران ہوا۔

”ہاں تمہاری وجہ سے دیکھ کر نہیں چل سکتے تم؟ اللہ نے یہ خوبصورت آنکھیں دیکھنے کے لیے بنائی ہیں۔اوپر سے کھمبے کی طرح اتنے لمبے ہو مجھ سے ٹکرا کر اتنے پیارے ڈیکوریشن پیس کو توڑ دیا۔“ اسے اس کے ٹوٹنے پر دکھ بھی ہوا تھا۔

”چلو پیسے نکالو اس کے۔“ وہ اسے کسی بھی طرح بخشنے والی نہیں تھی۔

”محترمہ! آپ نے پیسے دینے ہیں یا پھر میں پولیس کو بلاؤں۔“

سیلز مین زینیا سے بولا۔اس کی بات پر وہ حیران ہوتے ہوئے چلائی۔

”بھائی صاحب! ایک چھوٹے سے ڈیکوریشن پیس کے لئے آپ پولیس کو کال کریں گے۔ کچھ تو خدا کا خوف کریں۔“

”میرے پانچ ہزار کا نقصان کر کے آپ کہہ رہی ہیں میں خدا کا خوف کروں۔“

”آپ پیسے نکالیں۔“

”مجھ سے کیوں مانگ رہے ہو اس کھمبے سے مانگو جس کی وجہ سے یہ ٹوٹا ہے۔ جو کسی افلاطون کی طرح مجھ سے ٹکرایا تھا۔“ وہ آبان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی جو خاموش کھڑا سب دیکھ اور سن رہا تھا۔ سیلز مین نے دونوں کو دیکھا۔

”اووے مسٹر گونگے۔ تم کسی فیشن شو میں نہیں آئے ہو جو ایسے سٹائل مار کر کھڑے ہو پیسے نکالو“ وہ اسے خاموش کھڑا دیکھ کر بولی۔ وہ وائٹ شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس تھا اور دونوں ہاتھوں کو پینٹ کی پاکٹس میں ڈالے کھڑا تھا جس پر زینیا نے چوٹ کی تھی۔ آبان شاہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔ زندگی میں پہلی دفعہ کسی نے اس سے ایسے بات کی تھی۔

”اووو ہیلو مسٹر، ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔ میں کوئی فارسی نہیں بول رہی جو تمہیں میری بات کی سمجھ نہیں آ رہی۔“ وہ اس کے دیکھنے پر بولی۔ وہ گڑبڑا یا۔

پینٹ کی جیب سے اپنا والٹ نکالا اور خاموشی سے پانچ ہزار کا نوٹ سیلز مین کی طرف بڑھا دیا اور اس سے معذرت کر کے قدم آگے کو بڑھائے ہی تھے جب وہ فوراً بولی۔ وہ حیران ہوئی تھی جس خاموشی سے اس نے پیسے دیے تھے۔

”کہاں جا رہے ہو؟“ وہ دوبارہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”مجھ سے ٹکرا کر...... سب کچھ درہم برہم کر کے کہاں جا رہے ہو؟“

آبان نے اسے ایسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو اب کیا کر دیا ہے میں نے۔

''سوری بولو مجھے۔''

''وہ کیوں؟''

''یہ سوال تمہیں پوچھنا نہیں چاہیے تھا۔لیکن پھر بھی بتا دیتی ہو۔تمہارے ٹکرانے سے میرا سر توڑ کر رکھ دیا ہے تم نے ڈیٹس وائے یو شڈ سے سوری ٹومی۔''

وہ اس کی نئی فرمائش پر حیران ہوا۔وہ حیران تھا کہ کون تھی یہ لڑکی جو اسے حیران پر حیران کر رہی تھی۔

''شکر ہے زینیا تم مجھے مل گئی ہو۔''عنزہ اسے ڈھونڈتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

''تم چپ کرو بعد میں میں تم سے بھی پوچھتی ہوں۔''وہ عنزہ کو کہتے ہوئے دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''سوری محترمہ۔''وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

''شکر ہے تم بولتے ہو ورنہ میں تو تمہارے کان پکڑانے والی تھی۔''وہ اس کی خاموشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بولی۔وہ دل ہی دل میں کوس رہا تھا جب وہ عباد کے کہنے پر اس کے ساتھ آیا تھا۔اور یہ پاگل لڑکی اس کی خاموشی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی تھی۔

''اچھا اب تم جا سکتے ہو۔''وہ اس پر عظیم احسان کرتے ہوئے بولی اور اس کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

''تم مجھے یہاں اس لیے لے کر آئی تھی۔کمینی لڑکی مجھے یہاں لا کر خود غائب ہو گئی تھی۔'' اس کے جاتے ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کون تھا یہ۔''وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دور جاتے آبان شاہ کی طرف اشارہ کرتے بولی۔

”مجھے کیا پتہ وہ کون تھا۔“اس نے کندھے اچکائے۔

”باتیں تو تم ایسے کر رہی تھی جیسے تمہارے چاچے کا پتر ہو۔“

”ہاہاہاہا۔فنی۔“پھر اس نے سب بتایا جس پر ہنستے ہوئے بولی۔

”شرم تو تمہیں نہیں آئی۔“

”اس میں شرم والی کونسی بات ہے۔وہ مجھ سے ٹکرایا تھا میں تو اسے واپس اسکی جگہ پر رکھنے لگی تھی۔“

”تم مجھے یہ بتاؤ تم کہاں دفعہ ہو گئی تھی۔“اس نے بات کو ٹالتے ہوئے دوبارہ اس سے پوچھا جس پر وہ بولی۔

”تم چلو میرے ساتھ میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔“

”مجھے کچھ نہیں دیکھنا۔اس لیے اب گھر چلو۔“

”تمہارے تو اچھے بھی دیکھیں گے چلو میرے ساتھ۔“وہ اسے کھینچتے ہوئے جوتوں والی شاپ میں لے گئی۔

”ادھر بیٹھو۔“عنزہ نے اسے ادھر بٹھایا۔

”بھائی ذرا وہ جوتا تو دکھائیں۔“عنزہ نے سیلز مین کو جوتا نکالنے کے لیے کہا جو وہ تھوڑی دیر پہلے پسند کر کے گئی تھی۔

”زینی اسے پہن کر دیکھو۔“عنزہ نے اس کے پاؤں کے پاس ایک پیارا سا جوتا رکھتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“

”پہنو تو سہی زینی۔“اس کے کہنے پر زینیا نے اپنی بلیک سینڈل اتاری اور اس جوتے کو پہنا۔

"واہ زینی کتنی پیاری لگ رہی ہے۔ یہ تو۔"

سکین کلر کی فلیٹ سی سینڈل جس کے پیچھے پتلی سی سٹریپ بنی ہوئی تھی اور ایک سٹریپ پاؤں کے اوپر آتی تھی جس پر پانچ چھ سٹونز لگے ہوئے تھے۔ زینیا کے سفید دودھیا پاؤں پر وہ جوتا بہت جچ رہا تھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔ ایسے لگ رہا ہے جیسے تمہارے لیے ہی بنی ہو۔" عنزہ نے دل میں ماشاءاللہ کہتے ہوئے اسے بولا جس پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"باز مت آنا آنا اپنے ڈائیلاگ بازی سے۔"

"کس نے کہا میں یہ جوتا لے رہی ہوں۔" وہ اسے سائیڈ پر لا کر پوچھنے لگی۔

"عنزہ وقار نے۔"

"تو عنزہ وقار کو معلوم نہیں کہ زینیا کی اتنی اوقات نہیں یہ مہنگے ترین جوتے اور کپڑے پہنے۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔

"زینی......"

زینیا نے اسے ٹوکا۔

"عنزہ! پلیز تم تو ایسے ایکٹ کرتی ہو جیسے کچھ جانتی نہ ہو۔ میں جا رہی ہوں اگر تم نے آنا ہوا تو آ جانا۔" وہ دکان سے باہر نکل آئی تھی۔

"زینیا! میں سب جانتی ہوں لیکن وہ جوتا میں نے تمہارے لیے پسند کیا تھا۔ وہ میں تمہیں گفٹ کرنا چاہتی ہوں زینی۔" وہ اس کے پیچھے آتے ہوئے بولی۔ کتنے شوق سے اس نے وہ جوتا اس کے لیے پسند کیا تھا اس کی سینڈل ٹوٹ گئی تھی اس لیے عنزہ نے سوچا کہ وہ اسے گفٹ کرے گی اسی لیے آج وہ اسے اپنے ساتھ لے کر آئی تھی تاکہ اس کے سائز کی لے سکے لیکن

زینیا کی بات پر وہ دنگ رہ گئی تھی۔ دل جیسے دکھ سے بھر گیا آنکھوں میں جیسے کسی نے مرچیں پھینک دی ہوں۔ کیا کہہ گئی تھی وہ۔

''عنزہ! تم جانتی ہو مجھے خیرات میں ملی ہوئی چیز پسند نہیں۔''

وہ اس کے خلوص کو اس کے پیار کو نظر انداز کر گئی تھی۔ وہ وہیں کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس کے قدم وہاں جم سے گئے تھے۔

☆......☆......☆

کیا کہہ گئی تھی وہ اسے۔ کیا وہ اسے ایسا سمجھتی تھی؟ کیا اس نے میرے پیار میرے خلوص کو ہمدردی کا نام دینا چاہا تھا؟ کیا وہ نہیں جانتی عنزہ وقار اس سے کتنا پیار کرتی ہے اس نے اتنا پیار اپنے بہن بھائیوں سے نہیں کیا جتنا وہ زینیا سے کرتی تھی۔ اس کی باتوں سے وہ دل برداشتہ ہوئی تھی لیکن وہ ہمت کر کے دوبارہ دکان کے اندر چلی گئی۔

☆......☆......☆

''حد ہوتی ہے عابی! کہاں چلے گئے تھے؟'' آبان شاہ جو پارکنگ ایریا میں کھڑا عباد شاہ کا انتظار کر رہا تھا اسے دیکھ کر بولا جو کافی حد تک اکتایا ہوا تھا۔ وہ اس کا لال بھبھوکا چہرہ دیکھ کر مسکرا کر رہ گیا تھا۔

''اپنی بتیسی کو اندر کرو ورنہ توڑ کر ہاتھ میں رکھ دوں گا۔'' آبان اسے ہنستا دیکھ کر بولا تھا۔

''لگتا ہے کافی غصے میں لگ رہے ہیں میرے بھائی جان۔ سب خیریت ہے ناں برو۔'' لبوں پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔

وہ ایک تو عباد کی وجہ سے غصے میں تھا جو اسے زبردستی آفس سے اٹھا کر شاپنگ کے لیے لے آیا تھا۔ دوسرا زینیا کی بدتمیزی سے اس کے غصے میں چار گنا اضافہ ہوا تھا۔ یہ الگ بات تھی

کہ وہ چپ چاپ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔
”ویسے بھائی! وہ لڑکی کون تھی جو آپ کے ساتھ بات کر رہی تھی۔“ عباد شاہ دور سے اسے زینیا کے پاس کھڑا دیکھ چکا تھا وہ اسے تنگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ان دونوں نے اسے بھی بددعاؤں سے نوازا ہوگا۔ ان کے ساتھ ہونے والی ملاقات وہ بھولا نہیں تھا۔ اس کی بات پر آبان شاہ نے اسے دیکھا۔
”تم میری جاسوسی کر رہے تھے؟“
”ارے نہیں برو، میری اتنی مجال۔ وہ تو میں نے آپ کو اس سے بات کرتے دیکھا تو پوچھ لیا۔“ وہ صاف گوئی سے بولا۔
”میں اس سے بات نہیں کر رہا تھا۔“ اس نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔
”اچھا۔“ وہ اچھا پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ”پھر وہ آپ سے بات کر رہی ہوگی۔ کیا بات کر رہی تھی کہیں وہ بھی تو نہیں دوسری لڑکیوں کی طرح آپ پر فدا ہوگئی۔“
”عباد شاہ! تم کیا کھاتے ہو جو اتنا فضول ہانکتے رہتے ہو۔ مجال ہے جو تم خاموش رہ جاؤ۔“
”یہ راز میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے آپ مجھے بتائیں وہ لڑکی کون تھی اور کیا کہہ رہی تھی۔“ وہ اسے بخشنے والا نہیں تھا۔ وہ اس کی بات پر تنگ آکر بولا۔
”اف عابی، مجھے کیا پتہ وہ لڑکی کون تھی۔“
”اچھا بات تو آپ اس سے ایسے کر رہے تھے جیسے بہت پرانی جان پہچان ہو۔“ وہ طنز کرتے ہوئے بولا۔
آبان شاہ نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے اسے زینیا کے ساتھ ہونے والی ٹکر سے سارا

واقعہ بتا دیا جیسے اس کے لہجے میں غصہ تھا۔ اس کے بتانے پھر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا کہ اردگرد کے لوگ اسے ہنستا ہوا دیکھنے لگے۔

''یہ کیا طریقہ ہے عابی۔'' ناگواری سے بولا۔

''بھیا! آپ اتنے معصوم ہیں۔ اوہ مائی گاڈ۔ بھیا آج اگر آپ کی پونسز یہاں ہوتی ناں تو وہ بھی آپ کی حرکت پر خوب ہنستی۔ یعنی ایک لڑکی آپ سے ٹکرائی۔ پہلے آپ سے پانچ ہزار نکلوائے بعد میں سوری بھی بلوایا۔ اور آپ کتنے بھلے مانس ہیں کہ اس کی بات بھی مان لی۔ ہاہاہاہاہاہاہا۔ بھائی! لگتا ہے اسی لیے آپ کو غصہ آ رہا ہے اس پر اتار نہیں سکے مجھ پر اتار رہے ہیں واہ بھیا واہ۔''

ہنس ہنس کر وہ دوہرا ہو رہا تھا۔ آبان شاہ اسے پاگلوں کی طرح ہنستا دیکھ کر گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا اور اس سے بولا۔

''تم یہاں پر کھل کر ہنستے رہو۔ جب تھک گئے تو آ جانا۔'' خفت سے اس کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے۔

''ارے نہیں بھیا، اگر میں یہاں پر رک گیا تو آپ کے یہ بگڑتے زاویے کون دیکھے گا۔'' وہ جلدی سے آ کر اس کے برابر والی سیٹ پر براجمان ہو گیا تھا۔ پھر وہ مال سے گھر تک سارا راستہ اسے تنگ کرتا رہا تھا۔

''ویسے بھائی! لڑکی میں ہمت ہے جس نے آپ کو اتنا کچھ بول دیا ہے۔ آپ کو بددعا وغیرہ تو نہیں دی اس نے خاص کر جو وہ لڑکی اس کے ساتھ تھی؟'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا کہ کہیں انہوں نے اسے تو نہیں اپنی بددعاؤں سے نوازا۔ اس کی بات پر آبان شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا ایسے جیسے سرے سے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ وہ اپنے دھیان میں گاڑی

ڈرائیو کر رہا تھا۔

"بھائی! میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔" اس نے گاڑی پورچ میں آ کر روکی جب اسے اترتے دیکھا تو اس نے دہائی دی۔

"کرتے رہو میں نے تمہاری زبان نہیں پکڑی۔"

وہ اتر کر اندر چلا گیا۔

"لیکن آپ میری بات سن نہیں رہے۔"

"میں فضول باتیں نہیں سنتا۔" وہ اسے دوبدو جواب دیتے ہوئے بولا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ پیچھے وہ اسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔

"یا اللہ میرے بھائی کو بولنا سکھا دے اور اس کا غصہ کم کر دے ان کی پرنسز یہ غصہ کیسے سہے گی۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اوپر دیکھتے ہوئے بولا پھر اس نے اس کے پیچھے جانے میں غلطی نہیں کی تھی۔ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆......☆......☆

"عنزہ! کیا بات ہے بیٹا۔ کیوں ایسی رونی شکل بنائی ہوئی ہے۔" وہ واپس آ کر ان کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی اور اندر ہی اندر پتہ نہیں کیا سوچ رہی تھی۔ تنگ آ کر انہوں نے اس سے پوچھا۔ پھر کیا تھا ان کے پوچھنے پر اس نے انہیں سب بتا دیا جس پر وہ خاموش رہ گئی تھیں۔

انہیں یاد تھا جب وہ چھوٹی تھیں تو کیسے گلی محلے کے بچے اسے باتیں کرتے تھے۔ صبا اور عمر کے دوست اسے تنگ کرتے تھے۔ وہ اکثر اپنے دوستوں کو کہتے کہ یہ یتیم ہے، ہم اسے خیرات دیتے ہیں، ہم اپنے پرانے کپڑے جوتے وغیرہ اسے دیتے ہیں جس پر وہ اس پر ہنستے ترس کھاتے اپنی پرانی چیزیں اسے دیتے۔ وہ چھوٹی سی تھی جب ان باتوں سے اس کا دل دکھتا

تھا۔ وہ جو پہلے صبا اور عنزہ لوگوں کے کپڑے پہنتی تھی اس کے بعد وہ اپنے گھسے پرانے پہن لیتی تھی۔ اگر ایک جوتا ٹوٹ جائے تو اسے خود ہی سلائی کر کے پہن لیتی تھی لیکن کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا اور نہ ہی کسی سے کوئی تحفہ وغیرہ لیتی تھی۔ چاہے وہ عنزہ ہی کیوں نہ ہو۔ آج بھی اگر اسے کوئی چیز دے رہا ہو تو وہ سمجھتی تھی کہ یہ مجھ پر ترس کھا رہا ہے۔

یہی بات تھی اس نے عنزہ کے خلوص سے دیئے ہوئے تحفے کو قبول نہ کر سکی تھی۔ جس نے عنزہ کو دکھی کر دیا تھا۔

"عنزہ! تم تو اچھی طرح جانتی ہو پھر بھی تم نے یہ غلطی کی۔" دادو بولیں۔

"دادو! آپ بھی یہ کہہ رہی ہیں۔ میں نے تو صرف اسے گفٹ دینا چاہا لیکن اس نے تو اسے خیرات ہی سمجھ لیا ہے۔ دادو! وہ ہمیشہ میرے پیار کو ہمدردی کا نام دے دیتی ہے۔ امی اس کے ساتھ ایسا کرتی ہیں اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مجھے کیوں غلط سمجھتی ہے۔"

وہ ان کی گود میں سر رکھ کر رو رہی تھی۔ زینیا کی بات نے اسے بہت تکلیف دی تھی ایسا پہلی دفعہ نہیں ہوا تھا پہلے بھی ایک دو دفعہ وہ ایسا کہہ چکی تھی۔ پھر دادو نے زینیا کو بھی سمجھایا بجھایا تو پھر جا کر وہ اس سے تحفہ لینے کے لیے راضی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ ان کی بات مانتی تھی۔ جب بھی وہ اسے پیار سے سمجھاتیں وہ ان کی بات مان جاتی تھی۔ اب بھی وہ مان گئی۔ انہوں نے اپنی طرف سے ہلکی سی کوشش کی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان دونوں کے پیار میں کمی آئے۔ وہ اکٹھی اچھی لگتی تھیں۔ ہنستی اچھی لگتی تھیں منہ بسورتے بالکل بھی نہیں۔ اس لیے وہ اکثر ان دونوں کو سمجھاتی رہتی تھیں۔ انہیں وہ دونوں عزیز تھیں۔

"یہ بس پہلی اور آخری دفعہ ہے آئندہ اگر تم نے ایسی کوئی فضول چیز مجھے دینی چاہی تو میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔" وہ اسے وارن کرتے ہوئے بولی جس پر وہ دونوں مسکرا کر رہ گئی

تھیں۔ان دونوں کا پیار ایسا ہی تھا۔

''یہ تو وقت بتائے گا ڈیئر۔''عنزہ نے دل میں سوچا تھا۔

☆......☆......☆

وہ آفس میں بیٹھا ہوا تھا جب نائلہ کا فون آیا تھا۔

''السلام علیکم۔''فون اٹھا کر اس پر سلامتی بھیجی۔

''وعلیکم السلام آبان شاہ کیسے ہو؟''دوسری طرف سے اس کی چہکتی ہوئی آواز آئی تھی۔

''شکر الحمدللہ میں ٹھیک ہوں۔تم سناؤ کیسی ہو؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔تم تو وہاں جا کر بھول ہی گئے ہو آبان۔''اس نے ساتھ ہی شکوہ کیا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔''

''تو کیسی بات ہے آبان۔اسفی کو تو تم روزانہ فون کرتے ہو بس مجھ سے ہی بات نہیں کرتے۔کیوں آبان شاہ۔''اس کے لہجے میں واضح شکوہ اور دکھ تھا۔اس کی بات پر آبان شاہ خاموش ہو گیا۔

''آبان!کیا میرے اظہارِ محبت سے ہماری دوستی میں بھی فرق آ گیا ہے؟''تھوڑے وقفے بعد وہ بولی۔وہ اس سے بے تکا سوال پوچھ رہی تھی۔

''نائلہ!تم میری دوست ہو اور بہت اچھی دوست ہو۔مجھے افسوس ہے میں تمہارے دکھ کا سبب بنا۔''

اسے بہت افسوس تھا لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا اس دن کے بعد اس کے ساتھ کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔پاکستان آنے کے بعد بھی اسفی سے ہی بات کرتا تھا اسے تو ایک دفعہ بھی کال

نہیں کر سکا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ تمہاری طرف سے مجھے کچھ تو ملا ہے آبان شاہ میں نے اسے بھی ہنس کے قبول کیا ہے۔" وہ کرب سے ہنسی تھی۔ آبان شاہ اس کا دکھ محسوس کر سکتا تھا لیکن اس کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا تھا۔

"نائلہ میں......"

"نہیں آبان شاہ، تمہیں سوری جیسے الفاظ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں تمہاری غلطی تو نہیں ہے ناں جو تم شرمندہ ہو رہے ہو۔" وہ اسکی بات کاٹ کر بولی تھی جیسے جانتی ہو وہ کیا کہنے والا تھا۔

"ویسے میری دعا ہے شاہ، جس سے تم پیار کرتے ہو وہ تمہیں مل جائے۔ تمہارے چہرے کی مسکراہٹ لوٹ آئے۔"

محبت نے محبت کو دل سے دعا دی۔ یہ محبت تھی جس میں وہ چاہتی تھی اس کا محبوب خوش رہے نا کہ اپنی محبت کی ناکامی میں اسے بددعا دے۔ آبان کے دل سے بھی اس لڑکی کے لئے دعا نکلی تھی۔

"اب واپس کب آ رہے ہو؟" دوسری طرف سے اس نے پوچھا جس پر وہ ٹھنڈی سانس لے کے کر رہ گیا تھا۔

"کوشش کروں گا کہ جلدی آؤں۔ میرا وہاں بہت سا کام پینڈنگ ہے جسے بہت جلد نبٹانا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے انتظار رہے گا۔" دونوں طرف الوداعی لہجے میں کہا گیا۔

☆......☆......☆

اس نے جیسے ہی فون بند کیا، کب کے رکے آنسو آنکھوں سے لڑھک گئے تھے۔اس دن کے بعد اس نے اس کی خواہش نہیں کی تھی بس کی تھی تو دعا کی تھی۔اس کے حصے کی خوشیاں اسے مل جائیں۔اس کی ہنسی خوشی جس کے ساتھ جڑی ہے اسے وہ مل جائے۔کیا تھا تو صبر کیا تھا۔خدا سے صبر مانگا تھا۔صبر کرنا لازمی تھا۔لاحاصل کی خواہش کرنا لازمی نہیں تھا اس سے کیا فائدہ ہونا تھا۔رہنا تو پھر بھی اس نے خالی ہاتھ تھا۔صبر کرنا لازمی تھا۔وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھی جو اپنی محبت پانے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں چاہے وہ غلط طریقہ استعمال کریں یا درست۔

جو یہ بھول جاتے ہیں دینے والا خدا ہے جسے چاہے دیتا ہے جسے چاہے دے کر چھین لیتا ہے وہ پاک خدا آزماتا ہے ہے کون شکر کرتا ہے تو کون صبر کرتا ہے۔وہ ان لوگوں میں سے تھی اگر مل جائے تو شکر کر کے اسے قبول کر لیتے ہیں اگر نہ ملے تو پھر بھی صبر کر کے اپنے رب کے فیصلے کو قبول کر لیتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ پاک ہستی خوب جانتی ہے کہ اس کے بندے کی بھلائی کس میں ہے کس میں نہیں۔وہ اگر آپ کو دکھ دیتا ہے تو سکھ بھی وہی عطا کرتا ہے۔اگر آپ کو آزمائش میں ڈالتا ہے تو اس میں ثابت قدم رہنے کا حوصلہ بھی دیتا ہے۔بس خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں تو ساری پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔صبر بھی آجاتا ہے سکون بھی مل جاتا ہے۔

اسے بھی اپنے خدا پر کامل یقین تھا۔

وہ تمہیں عطا نہیں کرتا

جو لگے تمہیں اچھا

بلکہ

وہ تمہیں اس سے نوازتا

جو لگے اسے اچھا

☆......☆......☆

''یار زینی پلیز مان جاؤ ناں۔ کیا تم میری اتنی سی بات نہیں مان سکتی؟'' وہ اس کی منت کرتے ہوئے بولی۔

اس کی کزن کی شادی تھی اور عنزہ اسے اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتی تھی لیکن زینیا مسلسل انکار کر رہی تھی۔

''عنزہ! میں نہیں جاسکتی وہاں تمہارے سارے رشتے داروں نے آنا ہے تو میں ان کی باتیں نہیں سن سکتی سو پلیز تم مجھے مجبور مت کرو۔''

وہ حق پر تھی جہاں زاہرہ بیگم کے رشتے ہوتے ہیں وہاں اس کے آر پار وہ اپنی باتوں کے تیر چلاتے تھے۔ وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی کیونکہ اگر وہ تھوڑی دیر بھی اس کے پاس بیٹھتی اس نے اپنی بات منوا لیتی تھی لیکن وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔

عنزہ نے برا سا منہ بنا کر نانو کی طرف دیکھا جنہوں نے اسے تسلی دی۔

''عنزہ! تم فکر مت کرو میں اسے برات والے دن اپنے ساتھ لے کر آؤں گی بچہ۔ تم فکر نہ کرو۔''

وہ اس کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھیں اس لیے اسے منانے کی انہوں نے حامی بھر لی تھی۔

وہ سب گھر والے مہندی والے دن ہی وہاں جا رہے تھے۔ نانو ٹھیک نہیں تھیں جس وجہ وہ بس برات والے دن کے لیے راضی ہوئی تھیں۔ آج کل وہ پریشان بھی تھیں۔ اس دن انہیں زینیا کی ماں یعنی اپنی بیٹی فانیا کو دیکھا اور اس سے ملی تھیں۔ کتنا وہ بدل گئی تھی۔ ظاہری حسن تو

اس کا ویسے ہی تھا لیکن پہلے والا غرور ختم ہو چکا تھا۔ وہ جتنے دیر بھی ان کے پاس بیٹھی تھی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے خشک نہیں ہوئی تھیں۔

وہ ان سے معافی مانگتی رہی تھی ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ شوہر کی پہلی بیوی سے دو بچے تھے جن کی وہ ماں تھی اور وہ ان کے بچے تھے۔ لیکن اپنی بیٹی کو پیار کرنے کے لیے اسے دیکھنے کے لیے وہ ترس رہی تھیں، پچھتا رہی تھیں کہ وہ اسے غصے میں اس کے باپ کے پاس چھوڑ آئی تھیں۔

جب احساس ہوا تب تک دیر ہو چکی تھی۔ تب انہیں معلوم ہوا کہ ان کی بیٹی تو بچپن میں ہی مر چکی تھی۔

"ماں! میں اس سے پیار کرنا چاہتی تھی۔ میں نے تو اسے بولنا بھی نہیں سکھایا ماں۔ میں نے تو اسے جی بھر کے دیکھا بھی نہیں تھا۔ ماں، دیکھیں مجھے کتنی بڑی سزا مل چکی ہے۔ ماں یہ گلٹ نہیں جاتا۔ ہر وقت وہی ننھا سا لال گلابی چہرہ میرے خواب میں آتا ہے اور مجھ سے پوچھتا ہے آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ ماں بابا میرے خواب میں آتے ہیں اور کہتے ہیں فانیا تم نے ہمارے ساتھ تو جو کیا سو کیا کم از کم اپنی اولاد کا تو احساس کرتی۔ وہ مجھے بے حس کہتے ہیں ماں۔ واقعی میں بہت بے حس ہوں۔ مجھے یہ خواب سونے نہیں دیتے۔ مجھے معاف کر دیں ماں خدا کا واسطہ ہے میری بیٹی، میری زینی۔" وہ ان کے قدموں میں بیٹھی زارو قطار رو رہی تھیں۔ وہ بالکل بھی نہیں روتی تھیں وہ تو رلاتی تھیں لیکن خود نہیں روتی تھی لیکن آج کیسے وہ تڑپ رہی تھیں پچھتا رہی تھی۔

اور وہ ان کی بات پر حیران بھی ہوئیں اور دکھ بھی ہوا جس پر وہ فوراً غصے سے بولیں۔

"کس نے کہا ہے تمہیں زینی مر گئی ہے؟ شرم نہیں آئی تمہیں اپنی زندہ بیٹی کو مار رہی ہو۔"

”زندہ......کیا زینی زندہ ہے؟“ انہوں نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا اور ان کی طرف دیکھا۔

”ہاں۔لیکن تم نے اور اس کے باپ نے تو اس زندہ کو مار دیا ہوگا۔“

انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

”ماں آپ سچ کہہ رہی ہیں کہ زینی زندہ ہے۔“ وہ حیران تھیں۔خوش تھیں ان کی بات سن کر۔

”لیکن ماں! اس کے باپ نے ایسا کیوں کہا کہ وہ مر گئی ہے؟ اور آپ کو کیسے پتہ وہ زندہ ہے۔“ کئی سوال تھے جو ان کے دماغ سے ابھر رہے تھے۔وہ ان کی بات سن کر شاک میں مبتلا ہو گئی تھیں۔کیا کوئی باپ اتنی نفرت کرتا ہے۔وہ سوچنے پر مجبور تھیں۔

”اس کے باپ نے ایسا کیوں کہا اس کا مجھے نہیں پتہ لیکن...... مجھے اتنا پتہ ہے میری زینی زندہ ہے ان ہاتھوں سے اسے جوان کیا ہے۔“ وہ دکھ سے ان کے سامنے اپنے ہاتھ کرتے ہوئے بولی تھیں۔

”ماں! کہاں ہے وہ مجھے اس سے ملا دیں۔میں اسے دیکھنا چاہتی، اسے پیار کرنا چاہتی ہوں۔“

وہ اس سے ملنے کے لیے بے چین ہو رہی تھیں۔اس بات سے بے خبر کہ ان کی بیٹی ان سے ملنا نہیں چاہتی۔

”تم اسے دیکھ لو لیکن میں ملوا نہیں سکتی جب تک میں اس سے پوچھ نہ لوں۔“

وہ جانتی تھیں، زینی کا ری ایکشن کیا ہوگا اسے کتنا دکھ ہوگا اس لیے پہلے سے وہ اسے سچویشن کے لیے پہلے سے تیار کرنا چاہتی تھیں۔لیکن وہ اسے دور سے دیکھ کر اسے ملنے کے

لیے مچل رہی تھیں لیکن انہوں نے ایسا نہیں ہونے دیا تھا۔
وہ سوچ سوچ کر پریشان تھیں کہ پتہ نہیں زینیا کیسا ردعمل دے گی اسی ڈر سے تو وہ بات نہیں کر پا رہی تھیں۔انہوں نے ارادہ کیا تھا وہ اس سے آج ہی بات کریں گیں۔

☆......☆......☆

فانیا مرزا نے جب سے اپنی بیٹی کو زندہ سلامت دیکھا وہ بہت خوش تھیں جیسے انہیں جینے کی کوئی وجہ مل گئی ہو۔وہ جو پچھلے کئی سالوں سے پچھتاوے کی آگ میں جھلس رہی تھیں اسے دیکھ انہیں ایسا لگا کہ انہیں اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنے کا موقع مل گیا تھا
وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں کہ زینیا کے باپ نے اس سے جھوٹ کیوں کہا تھا۔
کیوں کہا تھا کہ وہ مر گئی ہے۔وہ تو اپنی بیٹی سے بہت پیار کرتا تھا پھر اس نے اسے ماں کے حوالے کیوں کر دیا تھا۔یہ ایک ایسی پہیلی تھی جو صرف ایک انسان سے ہی مل کر سلجھ سکتی تھی اور وہ انسان تھا عثمان شاہ۔زینیا کا باپ۔
باقی باتیں بعد میں وہ اس پر ہی بہت خوش تھیں کہ وہ اب اپنی بیٹی سے ملیں گی۔وہ بہت خوش تھیں اتنی خوش تھیں کہ خوشی انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ چلا چلا کر سب کو بتائیں کہ ان کی بیٹی زندہ ہے ان کی گڑیا زندہ ہے۔
انہوں نے اپنے بیٹے اور بیٹی کو بتایا تو وہ بھی ان کی طرح ہی بہت خوش ہوئے تھے۔ہمدان جوان کے شوہر تھے۔فی الحال ان کی ابھی ان سے بات نہیں ہوئی تھی انہیں یقین تھا وہ بھی بہت خوش ہوں گے۔
''مام! پھر آپ انتظار کس بات کا کر رہی ہیں۔چلیں ناں پھر ہم اپنی چھوٹی بہن کو لینے چلتے ہیں۔'' ان کی بیٹی خوشی سے بولی تھی۔بے شک وہ ان کے بچے نہیں تھے لیکن وہ بالکل سگی

ماں کی طرح ان سے پیار کرتی تھیں۔

''یس مام۔ شہلا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' دانیال نے اپنی چھوٹی بہن کی بات پر ان سے کہا۔

''انتظار ہی تو نہیں ہو رہا مجھ سے۔''

''تو کس نے کہا ہے انتظار کریں۔ چلیں اٹھیں ابھی لے کر آتے ہیں اسے۔'' دانیال ان کے پاس آ کر بولا جس پر اس سے پیار کرتے ہوئے بولی تھیں۔

''نہیں میری جان ابھی نہیں کل جائیں گے۔ ماں نے کہا تھا وہ اسے پہلے بتائیں گی پھر میں اس سے ملوں۔'' انہوں نے اصل وجہ بتائی۔

''چلیں پھر ٹھیک ہے۔ میں آپ کو کل لے جاؤں گا۔'' دانیال نے انہیں لے جانے کی حامی بھری جس پر انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو نانو پر نظر پڑی جو پتہ نہیں کیا سوچ رہی تھیں۔ زینیا ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''نانو! کیا سوچ رہی ہیں آپ؟'' اس کی آواز پر گہری سوچ سے ہڑبڑائیں۔

''زینی! تم۔ اچھا ہوا بچے تم فارغ ہو گئی مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' انہوں نے آخر کار ہمت کر ہی لی تھی۔

''جی نانو، کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی۔'' وہ متفکر بھرے لہجے میں ان سے پوچھ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ زینی! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

"جی نانو میں سن رہی ہوں کیا بات ہے۔"

"بیٹا! میری زندگی کا کوئی پتہ نہیں۔ آج میں ہوں تو کل نہیں۔ اس لیے میں چاہتی ہوں تم اپنوں کے پاس چلی جاؤ بیٹا جہاں تمہاری جگہ ہے۔"

وہ ان کی بات پر ٹھٹکی تھی۔ ان کے لہجے میں کیا تھا جو زینیا نے آج تک محسوس نہیں کیا تھا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟" زبان جیسے ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ پھر انہوں نے اسے سب بتا دیا جسے سن کر وہ ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔

"میری جگہ ان کی زندگیوں میں تھی ہی نہیں اسی لیے تو ان دونوں نے لاوارثوں کے طرح مجھے چھوڑ دیا۔ اب اگر وہ جگہ میرے لیے بنا بھی لیں گے تو پھر بھی میرے دل میں گنجائش نہیں رہتی۔ آج تو آپ نے ایسی بات کی ہے اماں، آئندہ یہ بات آپ نے سوچنی بھی نہیں۔ ورنہ میں خود کو کچھ کر بیٹھوں گی۔"

بات کرتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔ اپنے ماں باپ کے بارے میں سوچ کر اسے نفرت دکھ اور بھی پتہ نہیں کیا کیا محسوس ہوتا تھا۔

"زینیا بیٹا......" انہوں نے اسے سمجھانا چاہا لیکن اس نے انہیں ٹوک دیا۔

"نانو! آپکی زینی ہر بات مانتی ہے اور مانتی رہے گی لیکن یہ بات ہرگز نہیں مانے گی۔ کبھی بھی نہیں۔" لہجہ مضبوط تھا۔ وہ یہ کہہ کر فوراً کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

ساری رات ان کی بات نے اسے سونے نہیں دیا تھا۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹ رہا تھا۔ بچپن سے آج تک جو اس نے زندگی گزاری ایک فلم کی طرح اس کی اس کے دماغ کی سکرین سے چل رہی تھی۔ اس نے آج تک کبھی کسی سے اپنے ماں باپ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ جب کبھی ان کو یاد کرتی دل میں ہی اپنے دکھ کو دفنا دیتی لیکن کبھی کسی سے ذکر نہیں کیا، جب

دوسرے بچوں کو دیکھتی ان کے ماں باپ اپنے بچوں سے پیار کرتے تو اس کے اندر احساس کمتری خوب انگڑائی لیتی تھی۔ وہ روتی نہیں تھی وہ اپنا دکھ کسی سے نہیں کہتی تھی سب کچھ اپنے دل میں دبائے رکھتی تھی۔

صبح جب سکول کے لیے نکلنے لگی تو وہ بالکل فریش تھی۔ اس کے چہرے سے کوئی ایسی تحریر رقم نہیں تھی جس سے اندازہ لگا سکتے کہ وہ رات بھر جاگ کر سوچتی کڑھتی رہی ہے۔

"اچھا نانو! میں چلتی ہوں۔ آپ آرام کریں آج میں کوشش کروں گی کہ جلدی آ جاؤں۔ اور آتے ہوئے آپ کی میڈیسن بھی لے آؤں گی۔" وہ اپنے بیگ میں پیپرز وغیرہ رکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔ پھر وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر نکل آئی۔

☆......☆......☆

وہ ابھی کلاس لے کر فارغ ہوئی تھی جب پیون نے آ کر اسے پرنسپل کا پیغام دیا۔ وہ حیران ہوئی تھی کہ بھلا پرنسپل نے اسے کیوں بلایا پھر خیال آیا کہ شاید اس کی سیلری اسے دینی ہو، یہی سوچ کر اس نے آفس کی طرف قدم بڑھائے۔

جب آفس پہنچی تو اس نے اندر جانے کی اجازت لی۔

"یس کم ان۔"

جیسے اجازت ملی وہ اندر آئی۔ اس نے دیکھا سامنے تیس پینتیس سال کا شخص پرنسپل کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ان کے سکول کا نیا پرنسپل تھا جس سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔

"بیٹھ جائیں مس زینیا۔" کافی رعب دار آواز سے کہا گیا تھا۔ ان کے کہنے پر وہ ٹیبل کے سامنے پڑی کرسی پر ٹک گئی۔

"سر آپ نے بلایا۔" وہ پر اعتماد لہجے میں بولی۔
"یس مس بیوٹی! ہم نے ہی تو آپ کو بلایا۔ جب سے ہم آئے سب ٹیچرز سے ملاقات ہوئی ہے لیکن آپ سے نہیں ہو پائی۔ آج آپ کو دیکھا تو سوچا کیوں نہ آپ سے ملاقات کی جائے۔" وہ اس کا سر سے پاؤں تک جائزہ لے رہا تھا۔ زینیا اس کے لہجے سے ٹھٹکی اور نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ فوراً نگاہ جھکا گئی تھی۔
"ویسے جب میں نے آپ کو دیکھا تو مجھے ایسے لگا جیسے آپ میٹرک کی سٹوڈنٹ ہوں گی۔ مجھے کافی حیرانگی ہوئی ہے اتنی چھوٹی سی ٹیچر۔"
اس کی فالتو کی باتوں سے اسے تپ چڑ رہی تھی۔
"سر! اتنی بھی چھوٹی نہیں ہوں۔ بائیس سال کی ہوں میں۔" وہ تپ کر بولی جس کا وہ برا منائے بغیر ہنستے ہوئے بولا۔
"اوہ مس زینیا، آپ کتنی معصوم ہیں۔" وہ اب اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "ویسے آپ کا نام بھی بالکل آپ کی طرح ہے۔"
"زینیا یار بچ کے رہنا۔ وہ سر بہت چھچھورا قسم کا انسان ہے۔" زینیا کے کانوں میں اپنی کولیگ کی آواز گونجی جس نے آتے وقت اسے وارن کیا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر نکلنے کی تول رہی تھی جب وہ فوراً بولا۔
"ارے زینیا! آپ کھڑی کیوں ہو گئی ہیں۔ بیٹھیں ناں۔"
"نہیں سر میں چلتی ہوں۔" وہ اس کی ہوس بھری نگاہوں سے دور جانا چاہتی تھی۔
"ابھی تو نہیں جانے دوں گا۔ ابھی مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" وہ بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑ کے بولا تھا۔ زینیا نے بپھری شیرنی کی طرح اسے دیکھا۔

"کمینے انسان! میرا ہاتھ چھوڑ تیری اتنی ہمت، تو میرا ہاتھ پکڑتا ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑوانے کی سعی کی لیکن اس کی نازک کلائی اس کے مضبوط ہاتھوں کے سامنے کچھ نہیں تھی۔ وہ اس کی بات کو نظر انداز کر کے نزدیک ہو کر بولا تھا۔

"زینیا! تم بہت پیاری ہو۔ تمہارے حسن نے مجھے گھائل کر دیا ہے۔ اس لیے اس حسن کو اخراج بخشنے کے لیے میرے پاس تمہارے لیے ایک آفر ہے۔ مجھے امید ہے تم میری آفر کو قبول کرو گی۔" وہ مکروہ مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

زینیا وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی اس کی کوئی بات نہیں سننا چاہتی تھی۔ اگر اسے پتہ ہوتا کہ یہ اتنا گرا ہوا انسان ہو گا وہ کبھی یہاں نہ آتی۔

"اپنی ایک رات صرف ایک رات میرے نام کر دو تمہیں اتنی دولت دوں گا کہ یہ ٹکے ٹکے کی نوکریاں نہیں کرنا پڑیں گی تمہیں۔"

اس کی بات سن زینیا کے چہرہ ایسا تھا جیسے سارے جسم کا خون وہی آ کر منجمد ہو گیا ہو۔ اسی لیے اس کی گھٹیا آفر کو کاٹتے ہوئے اس نے ہاتھ میں جو پیپر ویٹ ٹیبل سے اٹھایا تھا وہ اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ وہ درندہ صفت نما انسان بلبلا اٹھا تھا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی گھٹیا انسان، مجھ سے ایسی بات کرنے کی میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" اس نے وہی پیپر ویٹ اٹھا کر زور سے اس کے سر پر دے مارا۔ وہ بلبلاتا ہوا وہیں بیٹھتا چلا گیا۔

"آئندہ سوچ سمجھ کر کسی کا ہاتھ پکڑنا اور اپنی گھٹیا آفر دینا گھٹیا انسان۔" وہ اس پر تھوک کر یہ کہتے ہی پیر پٹختے وہاں سے نکل آئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جیسے کسی نے لال مرچ ڈال دی ہوں۔ آنسو لڑھکتے جا رہے تھے۔

ایک رات صرف ایک رات۔

دولت۔

ٹکے ٹکے کی نوکریاں۔

اس کے کانوں اسی گھٹیا انسان کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ وہاں ایک سیکنڈ بھی نہیں تھی رکی تھی اور سکول سے باہر نکل آئی۔ اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی اس نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی نوکری بھی جا سکتی تھی کچھ بھی اس کے ساتھ ہو سکتا تھا۔ اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ یہ بھی نہیں تھا کہ آج اس نے نانو کی میڈیسن لینی تھی۔

وہ گھر لوٹ آئی تھی۔ گھر میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ آج سب زاہرہ بیگم کے بھائی کے گھر گئے ہوئے تھے۔

وہ بے فکر ہو کر اپنے کمرے میں آ گئی لیکن جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے ایک عورت اور لڑکے کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس نے ارد گرد دیکھا نانو وہاں نہیں تھیں۔

"آپ کون؟ اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

اسے دیکھ کر وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"زینیا! میری بیٹی۔ میری گڑیا۔ ادھر میرے پاس آؤ۔" فانیا مرزا نے اسے اپنے پاس بلایا۔ زینیا سمجھ گئی تھی وہ کون ہیں۔ اتنے میں نانو بھی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"زینیا پاس جا کر ملو۔ یہ تمہاری ماں ہے۔" نانو نے پاس آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ وہیں کھڑی انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگانا چاہا لیکن زینیا نے ہاتھ کو جھٹک دیا اور پیچھے ہٹی۔

"اووو تو یہ عورت ہے جس کا مجھے ساری زندگی طعنہ دیا گیا ہے۔" وہ چہرے پر استہزائیہ

مسکراہٹ لیے ان کا جائزہ لے رہی تھی۔

''زینیا بیٹا! مجھے معاف کردو۔ میں بہت بری ماں ہوں۔ ایک دفعہ میرے پاس آجاؤ میری ممتا تمہیں پیار کرنے کے لیے ترس گئی ہے بیٹا خود کو مجھ سے دور مت کرو۔'' بات کرتے کرتے ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

''آپ واقعی ایک بہت بری ماں ہیں۔ ایک بہت بری بیوی ہیں اور ایک بہت بری بیٹی ہیں۔ سمجھی آپ۔ اور میں کیا آپ کو خود سے دور کروں گی۔ سالوں پہلے آپ نے اور آپ کے سابقہ شوہر نے مجھے خود سے دور کردیا تھا۔ اب آپ آگئی ہیں جب مجھے آپ کی ضرورت نہیں۔ نہ آپ کی اور نہ آپ کے شوہر کی اس لیے آپ جاسکتی ہیں اور پلیز آئندہ یہاں مت آیئے گا۔ میں نہیں چاہتی میری نانو کی آپ جیسی عورت کی وجہ سے مزید بے عزتی ہو۔''

وہ اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ آج کا دن ہی اس کے لیے برا تھا۔ اس نے بہت تحمل سے ان کا سامنا کیا تھا ورنہ وہ ہمیشہ دل میں کہتی تھی کہ جب کبھی اپنے ماں باپ کا سامنا کرے گی تو وہ ان سے چیخ چیخ کر پوچھے گی کہ انہوں نے اسے خود سے دور کیوں کیا؟ ان سے ڈھیروں سوال کرے گی لیکن آج جب وقت آیا تھا تو اس نے پتہ نہیں کیوں نہیں کچھ پوچھا۔ وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔

وہ ہال میں آکر صوفے پر ٹیک لگائے بیٹھ گئی تھی۔

''فانیا......'' وہ جو اس کے پیچھے جانے لگی تھیں نانو نے روک لیا تھا۔

''اس کے پیچھے مت جاؤ۔ اور یہاں سے چلی جاؤ۔ تمہارے بھائی کو پتہ چلا تو وہ بہت غصہ ہوگا۔''

ان کے کہنے پر انہوں نے دکھ سے اپنی ماں کو دیکھا جو انہیں کہہ کر زینیا کے پیچھے چلی گئی

تھیں۔وہ انہیں جاتا دیکھتی رہ گئی تھیں۔

دانیال جو کب سے خاموش کھڑا تھا آگے بڑھا کران کے پاس آیا۔

"مام چلیں۔" اس نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"دانی وہ......" رونے سے ان کی آواز رندھ گئی تھی۔

پھر وہ جاتے ہوئے کتنی بار پیچھے مڑ کر دیکھا تھا انہوں نے اس امید سے کہ وہ آئے گی پیچھے لیکن وہ کیوں آتی۔ خود ہی تو انہوں نے اسے اپنے سے دور کیا تھا اب پتہ نہیں وہ انہیں معاف کرتی بھی یا نہیں۔ وہ خالی دامن لیے ہی وہاں سے چلی گئی تھیں۔

☆......☆......☆

"ہیلو دلہے میاں کیسے ہو۔" عباد شاہ سٹیج پر بیٹھے عادل کے پاس آیا۔

"تھینک گاڈ مجھے لگا شاید تم نہیں آؤ گے۔" وہ اس کے گلے ملتے ہوئے بولا تھا۔

"ارے یار اب ایسی بھی بات نہیں۔ اپنی شادی نہیں تو یاروں کی شادی تو کھا سکتا ہوں ناں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"آبان! بھائی نہیں آئے تمہارے ساتھ؟" وہ اسے اکیلا دیکھ کر بولا۔

"آئے ہیں۔ وہ دیکھو۔" عباد شاہ نے تھوڑے فاصلے پر سٹیج کی طرف آتے آبان شاہ کی طرف اشارہ کیا جو سیاہ شلوار قمیض میں نظر لگ جانے کی حد تک پیارا لگ رہا تھا۔

"واہ پرسنیلٹی ہو تو آبان بھائی کی طرح۔" عادل نے اسے دیکھ کر کہا۔

مہندی کے فنکشن میں سب لڑکوں نے سفید رنگ کی شلوار قمیض پہنی اور گلے میں پیلے رنگ کی پٹی لٹکائی ہوئی تھی لیکن وہ ان سب سے علیحدہ نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر حد درجہ سنجیدگی اس کی پرسنیلٹی کو مزید پرکشش بنا رہا تھا۔ کئی نظروں کا مرکز وہ بن رہا تھا۔ وہ چلتا ہوا سٹیج کی

طرف بڑھ گیا۔

"السلام علیکم۔" سٹیج پر آ کر اس نے اس پر سلامتی بھیجی اور ساتھ ہی اس کے بغلگیر ہوا۔

"وعلیکم السلام۔ آبان بھائی کیسے ہیں؟" عادل نے ان سے علیحدہ ہوتے پوچھا۔

"الحمدللہ میں ٹھیک۔ تم سناؤ شادی کی بہت مبارک ہو۔"

"اوہو بھائی ابھی شادی نہیں ہوئی کل شادی ہے سو یہ مبارک بھی کل دینا آپ۔" عباد شاہ نے اسے ٹوک دیا۔

"ویسے بھیا دیکھ رہے ہیں آپ میرے سب دوستوں کی شادی ہوگئی ہے ایک میں ہی بیچارہ سنگل پیس بچا ہوں جس کی شادی کا دور دور تک کوئی امکان نہیں۔ کسی کو مجھ پر ترس نہیں آتا۔ یہ جو ہے جو مجھے کہہ رہا تھا عید کے بعد شادی ہوگی لیکن اس سے بھی صبر نہیں ہوا اور عید سے مہینہ پہلے ہی شادی کر رہا ہے۔" آبان کو مخاطب کر کے اس نے اپنا دکھڑا سنایا۔

"اووو میرے شہزادے تم کیوں رو رہے ہو۔ تم لڑکی پسند کرو کل ہی اپنے ساتھ تیرا نکاح کروا دوں گا۔ کیوں بھیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟" عادل نے مشورہ دینے کے ساتھ آبان سے پوچھا جس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں تو کرلوں گا۔ تم ذرا ان سے نبٹو میں اپنی ہونے والی بیوی کو تلاش کرلوں۔" وہ یہ کہتے ہی سٹیج سے اتر گیا تھا۔

☆......☆......☆

آج عنزہ کی کزن کی مہندی تھی۔ کمبائن فنکشن تھا اور کافی ہلہ گلا مچا ہوا تھا لیکن اسے زینیا کے بغیر بالکل بھی مزہ نہیں آرہا تھا مہندی کی رسم ہو رہی تھی ابھی وہ اٹھ کر اندر آگئی۔ وہ اپنے ہی دھیان میں جا رہی تھی جب اندر سے آتے وجود کے ساتھ ٹکرا گئی۔ اس سے پہلے وہ زمین

بوس ہوتی مقابل نے سہارا دے کر اسے پکڑ لیا۔

''کھول لیں آنکھیں آپ صحیح سلامت ہیں میڈم۔'' جس نے خوف کے مارے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں اپنے نزدیک جانی پہچانی آواز سن کر پٹ سے آنکھیں کھولیں اور اپنے سامنے عباد شاہ کو دیکھ کر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھی۔

''ہیلو محترمہ، یہ آپ کا بیڈ نہیں ہے جو مزے سے آرام فرما رہی ہیں۔'' وہ جو ابھی بھی اس کی بانہوں میں تھی اس کی بات سمجھ کر جلدی سے سنبھلی اور سیدھی ہو کر ایک جھٹکے سے اسے پیچھے کیا۔

''بدتمیز انسان تمہاری ہمت کیسے ہوئی۔ مجھے ہاتھ لگانے کی۔'' وہ چلائی۔

''اووو ہیلو مس ایکس وائے زی۔ مجھے تم سے ٹکرانے کا کوئی شوق نہیں۔ ایک تو میں نے آپ کو گرنے سے بچایا دوسرا مجھ پر الزام لگا رہی ہو۔'' وہ تو اس کا الزام سن کا حیران تھا۔

''تو تم نے اندھوں کی طرح نہیں چلنا تھا ناں اگر دھیان سے چلتے تو مجھ سے ٹکراتے نہیں اور میں گرتی نہیں جب میں گرتی ہی نہیں تم مجھے بچاتے ہی نہیں۔ لیکن تم (تم پر زور دیتے ہوئے بولی) نہیں جی نہیں تمہیں تو شوق ہے تمہاری تو عادت ہے۔ یہ بہانے سے خوبصورت لڑکی کے ساتھ ٹکرائیں گے پھر وہ گرے گی تو اسے سہارا دیں گے۔ بہانے سے اس کے قریب تو جائیں گے۔ ارے جاؤ جاؤ سمجھتی ہوں میں تم جیسوں کی اسکیمیں چھچھورے کہیں کے۔'' وہ ہکا بکا کھڑا اس کی اتنی لمبی تقریر سن رہا تھا۔ جیسے ہی وہ خاموش ہوئی وہ فوراً بولا۔

''ارے جاؤ جاؤ میں بھی سمجھتا ہوں تم جیسوں کی سکیمیں۔ یہ جو تم نے اتنی لمبی تقریر سنائی ہے ناں دراصل تم نے خود اس پر عمل کرنا ہے اسی لیے فر فر بول رہی ہو۔''

''ارے جاؤ بندر کہیں کے۔ پتہ نہیں کہاں سے اپنی منحوس شکل لے کر میرے سامنے آ گئے

ہو۔'' وہ بات ختم کر کے وہاں سے ہٹ گئی وہ جو اس کی بات سن چکا تھا اس سے پہلے وہ اسے سبق سکھاتا وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

''اس نے مجھے بندر بولا ناں اب دیکھنا میں تمہیں کیسے مزہ چکھاتا ہوں۔'' وہ دل ہی دل میں بولا تھا اور آبان شاہ اور عادل کی طرف چلا گیا۔

☆......☆......☆

زینیا اس کے ساتھ جانے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھی لیکن نانو کے مجبور کرنے پر وہ تیار ہو گئی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ عنزہ کے لیے چلی جاؤ۔ اسے کہیں دکھ نہ ہو اسی لیے وہ جا رہی تھی اوپر سے اسے جاب کی الگ سے ٹینشن تھی۔

آج برات کا دن تھا۔ عنزہ اسے تیار کر کے سیدھی ہال میں ہی لے آئی تھی۔ اس نے پنک اور وائٹ کمبینیشن کی فراک پہنی ہوئی تھی اور بالوں کی چوٹی بنا کر اس کے اندر اندر وائٹ موتی لگائے ہوئے تھے۔ میک اپ کے نام پر اس نے کچھ نہیں لگایا تھا۔ نہ ہی کاجل اور نہ ہی لپ سٹک، نہ کوئی جیولری پہنی ہوئی تھی۔ پاؤں میں عنزہ کی دی ہوئی سینڈل پہنی تھی۔ وہ بالکل سادگی میں بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ایسے جیسے کوئی حور ہو۔

وہ وہیں ہال کے آخر میں پڑی کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ارد گرد سے آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ عنزہ کو شاید کسی نے بلایا تھا۔ وہ وہاں پر نہیں تھی۔ تقریباً اسے گئے ہوئے آدھا گھنٹہ ہوا تھا۔ وہ بیٹھ بیٹھ کر جب تھک گئی تو اٹھ کر برائیڈل روم کی طرف آ گئی

ابھی وہ تھوڑا سا آگے بڑھی ہی تھی جب کسی نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا جس سے وہ اپنا بیلنس قائم نہ رکھ سکی اور نیچے گر گئی تھی۔ گرنے کے باعث زینیا کی چیخ نکل گئی تھی۔ ساتھ ہی اسے تکلیف کا احساس ہوا لیکن اس نے پرواہ کیے بغیر اس حرکت کرنے والے انسان کو دیکھا تو

غم و غصے سے وہ اس پر چلائی۔

"تم...... تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی۔" وہ اٹھ کر اسے گریبان سے پکڑ کر بولی۔

"ابھی تم نے میری ہمت دیکھی کب ہے جانِ من۔ چلو آؤ تجھے آج میں اپنی ہمت سے ملاقات کرواتا ہوں۔" وہ اپنے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ لیتا اسے بازو سے کھینچتا ہوٹل کے پچھلے دروازے سے اسے گیراج تک لے آیا۔

"عمر! یہ کیا حرکت ہے چھوڑو مجھے۔" وہ ڈر کے مارے چلائی تھی۔ ساتھ ہی مدد طلب نگاہوں سے اردگرد دیکھا جہاں کسی بھی ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس نے اپنا بازو اس کے شکنجے سے چھڑوانا چاہا لیکن ساری کوشش اس کی مضبوط گرفت میں کمزور پڑ گئی تھی۔ وہ اسے کھینچتا ہوا اپنی گاڑی تک لایا اور گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر بولا۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" انداز حکم دینے والا تھا۔

"نہیں بیٹھوں گی تم ہوتے کون ہو مجھ پر حکم چلانے والے۔" وہ غصے سے چلائی اور ساتھ ہی ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوایا تھا۔

"گاڑی میں بیٹھتی ہو یا پھر میں تمہیں اپنے طریقے سے بٹھاؤں۔" وہ اس کے نزدیک ہو کر اس کے بالوں کو اپنی گرفت میں لیتے ہوئے بولا۔ اس کے جسم میں درد کی لہر سی دوڑ گئی تھی۔

"چھوڑو مجھے ذلیل انسان۔ تمہیں شرم نہیں آتی ایسی حرکت کرتے ہوئے۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔ زینیا کو اس وقت اس سے گھن محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دل ہی میں اپنے خدا سے اس مصیبت سے بچنے کی دعا مانگنے لگی۔

مشکل ترین وقت میں ایک وہی تو ہے جسے مدد کے لیے پکاریں تو مدد کرتا ہے اپنے بندوں

کی مشکل کو آسان کرتا ہے۔ اسے حوصلہ دیتا ہے مشکل حالات سے لڑنے کا چاہے حالات جیسے بھی ہوں وہ اپنے بندوں کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

”عابی! یہ تو وہی لڑکی ہے جو مجھ سے اس دن مال میں ٹکرائی تھی۔“

آبان شاہ اور عباد شاہ جو گاڑی سے اتر کر اندر کی طرف جا رہے تھے جب اس کی نظر زینیا پر پڑی جس کے بال عمر کی مٹھی میں ہونے کے باعث چہرے کی رنگت لال سرخ ہو گئی تھی اور آنکھوں میں آنسو قطار کی صورت میں بہہ رہے تھے۔ نا جانے کس احساس کے تحت اسے کوئی گڑبڑ محسوس ہوئی تھی۔

”ہاں یہ تو وہی لڑکی ہے جس نے آپ سے سوری بھی بلوایا اور پانچ ہزار بھی نکلوائے۔ واہ بھیا کیا یادداشت ہے آپ کی۔ ہاں ہاں آپ بھولیں گے بھی کیسے۔ زندگی میں پہلی دفعہ جو ایسی لڑکی سے ٹکر ہوئی تھی کیوں صحیح کہا ناں؟“ عباد شاہ اس کی بات پر زینیا کو دیکھ کر شرارت سے بولا۔

اس سے پہلے وہ کوئی اور بات کرتے جب زناٹے دار تھپڑ کی آواز سنائی دی تھی۔ ان دونوں نے اس طرف دیکھا جہاں اپنی گال پر ہاتھ رکھے پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے دیکھا وہ کیسے دوبارہ اسے اس کی بالوں کی چوٹی سے پکڑ کر گاڑی میں بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دونوں بھائی آگے بڑھے۔

”اووو مسٹر چھوڑو اسے۔ یہ کیا طریقہ ہے کسی لڑکی سے پیش آنے کا۔ شیم آن یو۔“ عباد شاہ نے آگے بڑھ کر زینیا کو اس کی گرفت سے رہائی دلائی۔ عمر نے حیرانگی سے اسے دیکھا اور پھر غصے سے اسے سے بولا۔

”کیوں؟ تم کون ہوتے ہو مجھے طریقہ سکھانے والے۔ میں جو مرضی کروں۔ تمہیں کیوں

اتنی تکلیف ہو رہی ہے؟"

"میں کون ہوں یہ بتانے کا ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے اور نہ ہی میں ضروری سمجھتا ہوں۔ ہاں ایک لڑکی کے ساتھ زبردستی کرنے اس پر ہاتھ اٹھانے کا انجام کیا ہے یہ ضرور بتانا پسند کروں گا۔" وہ اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی پاکٹ میں گھساتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تھا۔

آبان شاہ نے حیرانگی سے ہر وقت شرارت کرنے والے اپنے بھائی کو سنجیدہ دیکھا تھا جو کم ہی سنجیدہ ہوتا تھا۔

"تمہاری ایسی کی تیسی تم مجھے انجام بتاؤ گے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں پرائے پھڈے میں اپنی ٹانگ گھسانے کا انجام۔"

اس نے کھڑے ہی اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس کے خوبصورت سے چہرے پر دو گھونسے دے مارے تھے۔ وہ لڑکھڑایا تھا آبان شاہ نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔

"بھیا۔" کسی چھوٹے بچے کی طرح اس نے آبان کو دیکھا۔ اس سے پہلے وہ دوبارہ اس پر ہاتھ اٹھاتا جب آبان شاہ نے راستے میں ہی اس کا ہاتھ روک لیا تھا۔ جبکہ اس سارے چکر میں زینیا عمر کی توجہ اپنی طرف ہٹا دیکھ کر بغیر سوچے سمجھے وہاں سے کھسک گئی تھی

"مسٹر اپنے ہاتھ پر اور غصے پر قابو رکھو ورنہ......"

وہ اس کی بات کاٹتے غرایا تھا۔

"کیا ورنہ؟ ورنہ کیا۔ کیا کر لو گے تم۔ بولو۔ جواب دو۔"

"ہاتھ اٹھانا مجھے بھی آتا ہے اور غصہ کرنا بھی جو دونوں میرے خیال میں تم جیسے سنگل پسلی کے لیے صحیح نہیں ہوں گے۔"

اس کی بات پر عباد شاہ کا قہقہہ گونجا تھا۔ اس نے بہت ہی دھیمے اور ٹھنڈے مزاج سے اس

کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے اس پر چوٹ کی تھی جو اس جیسے سر پھرے انسان کو غصہ دلانے کے لیے کافی تھا۔

”تم مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے تیری بہن کی تو۔“ وہ اس کی بہن کو گالی دیتے اس پر زخمی شیر کی طرح دھاڑا تھا لیکن اس کے مقابل بھی آبان شاہ تھا جو اس کے منہ سے نکلنے والی گالی نے اس کے غصے کو آواز دی تھی۔ وہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اس کے منہ پر مکے برساتا چلا گیا۔ وہ کہاں یہ برداشت کر سکتا تھا کہ کوئی اس کی ماں بہن کو گالی دے۔ ایک سیکنڈ میں اس کی مار سے عمر کی ابتر حالت ہو چکی تھی۔

”بھیا چھوڑ دیں میرے خیال میں اتنی ڈوز کافی ہے اس کے لیے۔ بیچارہ مر جائے گا۔“ عباد شاہ نے اپنے ہاٹ بھیا کو کول کرنا چاہا تھا۔

”جس گندی زبان سے تم نے آبان شاہ کی بہن کو گالی دی ہے شکر کرو میں نے وہ کاٹ نہیں دی ورنہ میں تمہارا اور تمہاری زبان کا وہ حشر کرتا کہ تم جیسا ہر لڑکا کسی کی ماں بہن کو گالی نکالنے سے پہلے دس بار سوچتا۔“ وہ اس کی گردن کو اپنے کسرتی بازوؤں میں دبوچتے ہوئے بولا۔

عمر کو اس وقت اس سے کافی خوف محسوس ہوا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ واقعی اس کی جان لے لے گا۔ آبان نے ایک ہاتھ سے اس کی گاڑی دروازہ کھول کر اسے اندر پٹخ دیا تھا۔

”میری بات یاد رکھنا، خدا بہتر انصاف کرتا ہے اگر آج تو کسی کی بیٹی کو عزت پیار مان دو گے تو کل کو تمہاری بیٹی کو بھی یہ سب ملے گا۔ اگر تم کسی کی بیٹی کے ساتھ برا سلوک کرو گے یہ سمجھ کر وہ کمزور ہے اس نے تمہیں کیا کہنا ہے۔ وہ تو تمہیں کچھ نہیں کہے گی لیکن خدا انصاف ضرور کرے گا اور وہ بہتر انصاف کرنے والا ہے اس لیے خدا سے ڈرو۔“ وہ اسے سمجھا کر اٹھا۔ کوٹ کے بٹن بند کیے اور آگے کی طرف قدم بڑھائے جب عباد شاہ بولا۔

''ارے یہ لڑکی کہاں گئی؟''

اس کی بات پر آبان شاہ نے چاروں طرف دیکھا جس کی خاطر وہ لڑ رہے تھے وہ محترمہ سرے سے ہی غائب تھیں۔ عجیب لڑکی تھی۔ اس نے سوچا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' ابان اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''لیس افکورس۔ آپ نے کیا مجھے نازک پری سمجھا ہوا ہے؟ جو ذرا سے تھپڑ سے غلط ہو جاؤں گا۔'' وہ منہ بسور کے بولا۔

''اگر تمہاری ڈرامے بازی بند ہو گئی ہو تو اندر چلیں۔'' آبان شاہ نے معصوم سی شکل بنائے ہوئے اپنے بھائی کو دیکھا پھر اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''کیا میں ڈرامہ کر رہا ہوں؟ کیا واقعی؟'' وہ خود سے ہی بڑبڑایا اور پھر اسے دیکھا جو اندر کی طرف جا رہا تھا۔ عباد شاہ بھی اس کے پیچھے ہو لیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ اندر ہی اندر بہت ڈر گئی تھی۔ وہ عنزہ کو ڈھونڈتی ہوئی برائیڈل روم میں آئی اور اسے وہیں بیٹھا دیکھ کر اشارے سے باہر بلایا تھا۔ وہ دور سے ہی اس کی اڑی ہی رنگت دیکھ کر فوراً باہر آئی۔

''زینیا کیا ہوا؟ اتنا پسینہ کیوں آیا ہوا ہے تمہیں؟ اور یہ تمہارے چہرے پر یہ نشان کیسا ہے؟'' وہ اسے لے کر سائیڈ پر ہو گئی اور ایک سانس میں کئی سوال پوچھ ڈالے تھے۔ زینیا کی ملائی جیسی رنگت پر لال گلابی نشان دیکھ کر جو عمر کے تھپڑ کا نشان تھا۔ زینیا نے ڈر کے مارے بات کو رخ دوسری طرف کیا تھا۔

''عنو! تم نے اگر ایسا ہی کرنا تھا تو مجھے ساتھ کیوں لائی تھی مجھے اکیلا چھوڑ کر خود یہاں آ کر

بیٹھ گئی ہو۔" ناچاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں اور شکایت بھرے لہجے میں بولی تھی۔عنزہ ٹھٹکی اور اسے دیکھا۔اسے کچھ غلط ہونے احساس ہوا لیکن مقابل بھی زینیا تھی۔

"کیا ہوا میرے ٹکھنا؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟ سوری میری جان میں بس۔" عنزہ نے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔دور ہال کے کونے میں فون سنتے آبان شاہ نے بہت دلچسپی سے یہ منظر دیکھا اور دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔تم اب بس جلدی گھر جانے کی کرو۔یار میں یہاں بہت بور ہو رہی ہوں۔" وہ اپنے آپ کو سنبھالتے بولی۔وہ اسے کسی ایسی بات کا احساس نہیں ہونے دینا چاہتی جس سے اس کی کسی کے سامنے سبکی ہو۔

"اتنی جلدی ابھی تو میں نے شادی کا کھانا بھی نہیں کھایا اور تم کہہ رہی ہو گھر چلیں پہلے کھانا تو کھالو" عنزہ اس کی بات پر حیران ہوتے بولی۔نکاح کے بعد کھانا لگ چکا تھا۔سب مہمان کھانا کھا رہے تھے عنزہ نے اسے زبردستی بٹھایا تھا

زینیا کا بالکل بھی دل نہیں کر رہا تھا کچھ بھی کھانے کو اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس بھیڑ سے کہیں دور بھاگ جائے جہاں اس کے علاوہ کوئی نہ ہو۔

"ارے زاہرہ! یہ تمہاری بیٹی کے ساتھ لڑکی کون ہے؟" کہیں یہ فانیا کی بیٹی تو نہیں؟" زینیا کے کانوں سے کسی عورت کی آواز ٹکرائی جو شاید زاہرہ بیگم سے مخاطب تھی۔زینیا کا ان کی طرف پیچھا تھا۔اس نے مڑ کر دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

"یہ تو فانیا سے بھی کئی زیادہ پیاری ہے۔کتنی معصومیت ہے اس کے چہرے پر۔" اس عورت کو زینیا شاید زیادہ ہی پسند آ گئی تھی

"چہرے پر مت جاؤ شاہدہ۔ لچھن تو بالکل اس کے اپنی ماں کی طرح ہی ہیں یا پھر یہ سمجھ لو اس سے کئی حصے آگے ہوگی۔ اگر حسن میں اپنی ماں سے زیادہ پیاری ہے تو دوسرے کاموں میں بھی اس سے آگے ہوگی۔ ناجانے ایک وقت میں کتنوں کے ساتھ ہے۔" یہ زاہرہ بیگم کی بہن تھی جو اپنا زہر اگل رہی تھی۔ زینیا کے چہرے کا ایک رنگ جارہا تھا ایک آرہا تھا۔ اس کا دل کررہا تھا اس کے کردار پر بات کرنے والی ان عورتوں کے چہرے نوچ لے۔ ان سے جا کر پوچھے کہ کب انہوں نے مجھے کسی کے ساتھ دیکھا۔ یہ سوچ کر ہی اس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ جاتی تھی۔

ہوتے ہیں کچھ لوگ جو اگر کسی کو ناپسند کرتے ہیں تو بلاوجہ ان پر الزام لگاتے رہتے ہیں وہ انہیں کبھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔ چاہے جو مرضی ہو انہوں نے ایک ہی پوائنٹ اس کے لیے سیٹ کردیا ہوتا ہے اس پوائنٹ سے وہ چاہ کر بھی ہٹ نہیں سکتے۔

"عنزہ! پلیز گھر چلو۔" وہ اٹھتے ہی عنزہ سے بولی وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

"اچھا رکو میں ثنا کو مل آؤں اور ساتھ میں پاپا سے بھی بات کرتی ہوں کہ وہ ہمیں چھوڑ آئیں۔" وہ اسے یہ کہتے ہوئے سٹیج کی طرف بڑھ گئی جہاں اب فوٹو سیشن ہورہا تھا۔ زینیا بھی اس کے پیچھے آئی۔ سٹیج سے تھوڑی دور ہٹ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

"ویسے بہت ہی بے مروت ہو آپ؟" وہ اپنے ہی دھیان میں کھڑی تھی جب اپنے پیچھے آنے والی آواز سے اچھل ہی تو پڑی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا سامنے عباد شاہ اپنے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آپ تو بغیر شکریہ کہے ہی وہاں سے بھاگ آئیں۔ اسٹرینج۔" وہ شرارت بھرے لہجے میں بولا تھا۔ اس کی بات پر زینیا کو شرمندگی ہوئی۔ وہ واقعی ٹھیک کہہ رہا تھا لیکن اس وقت اسے

کچھ بھی سجھائی نہیں دیا تھا۔ وہ بس اپنی جان چھوٹنے پر شکر کرتی وہاں سے بھاگ آئی تھی۔

"سوری اینڈ تھینکس مجھے بچانے کے لیے۔" وہ شرمندہ شرمندہ سی معذرت کرتی اس کا شکریہ ادا کر گئی تھی۔

"شکریہ تو آپ کو میرے بھیا کا کرنا چاہیے اصل مزہ تو انہوں نے چکھایا ہے۔ ویسے آپ اس ایگریسو مین کو جانتی تھیں؟" اس کا اشارہ عمر کی طرف تھا۔ زینیا اس کی بات سمجھ کر خاموش رہی وہ اسے کیا بتاتی۔

"کھنا چلو اا آ۔" اتنے میں عنزہ بولتی ہوئی وہاں آئی اور اسے زینیا کے پاس کھڑا دیکھ کر حیران ہوئی۔

"تم۔" وہ چلائی۔ وہ مسکرایا۔

"دیکھ لو میری پرسنیلٹی کتنی اٹریکٹیو ہے کوئی ایک دفعہ مل لے تو دوسری دفعہ خود ہی کھینچا چلا آتا ہے۔" وہ شوخی سے کوٹ کے کالر کو تھوڑا سا اوپر کرتے بولا۔

"واقعی تم نے ٹھیک کہا۔ بندر ہوتے ہی اتنے اٹریکٹیو ہیں کہ ہر کوئی ان کی طرف کھینچا چلا آتا ہے۔ خاص طور پر بچے تو ان کے تماشوں سے خوب ہی مزہ لیتے ہیں تو کیوں نہ پھر ایک ڈانس ہو جائے۔ سارے مہمان بھی خوش ہو جائیں گے اور شادی کا مزہ بھی دوبالا ہو جائے گا۔" وہ آنکھوں میں شرارت لیے اس پر طنز کر گئی۔ عباد شاہ کے اس کی بات سمجھ کر مسکراتے لب سکڑ گئے۔

زینیا اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنسی اور ہنستی چلی گئی آس پاس کئی لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ وہ کم ہنستی تھی لیکن ہنستی تھی تو محفل کو لوٹ لیتی تھی۔

"تم نے مجھے بندر کہا؟" وہ صدمے سے چلایا۔

”میں نے تو نہیں کہا اب تم خود کو بندر سمجھو اس میں میں کیا کر سکتی ہوں بھلا۔“ وہ کندھے اچکا کر بولی۔

”چلو مکھنا۔“ وہ زینیا کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے ہٹی۔ اس کی شکل دیکھ کر عنزہ کو خود ہنسی آ رہی تھی۔

”تم اس کے پاس کیا کر رہی تھی۔ قسم سے مجھے یہ بہت ہی زہر لگتا ہے۔“ عنزہ ناک چڑھاتے بولی۔ اس بات سے بے خبر کہ وہ بھی ان کے پیچھے تھا۔

”تم تو جیسے مجھے روح افزا لگتی ہوناں۔ آئی مجھے زہر کہنے والی۔“ وہ اس کی بات سن چکا تھا اس لیے فوراً دوبدو بولا تھا۔

”اوئے مسٹر تم سمجھتے کیا ہو خود کو۔ نہ جان نہ پہچان تا کے دامہمان۔“ وہ غصے سے بولی۔

”اچھا تو تم چاہتی ہو میں تم سے جان پہچان بڑھاؤں۔ ہمم۔“ وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھتا بولا۔ ”ویسے کوئی مضائقہ بھی نہیں تم سے جان پہچان بڑھانے کا۔“

”ارے چل جا یہاں سے میرا دماغ نہ کھا۔“ وہ جان چھڑاتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

”ویسے تمہارے پاس دماغ بھی ہے۔ حیرانگی والی بات ہے۔“ وہ شرارت سے بولا۔

”اف، کیا مسئلہ ہے آپ کا؟“ زینیا ان کی نوک جھونک سے جھنجھلا اٹھی تھی۔ آخر کو قفل ٹوٹا ہی تھا۔

”کس کا میرا؟“ وہ دونوں بیک وقت بولے۔

”تم دونوں کا۔ میرے خیال میں، میں چلتی ہوں۔ تم دونوں ایک دوسرے کے بال پکڑو، اچھی طرح لڑ لو جب تک دل نہیں بھر جاتا چھوڑنا مت۔“ وہ یہ کہتے ہی وہاں سے پیر پٹختی نکل گئی تھی۔

''لوفر۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کرناک بھوں چڑھاتی اس کے پیچھے چلی گئی۔وہ ہنستے ہوئے دور سے اسے جاتا دیکھ کررہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

زینیا کی نوکری چھوٹ چکی تھی۔وہ بہت پریشان تھی۔آجکل وہ نئی نوکری کی تلاش میں تھی لیکن جہاں بھی جاتی ایجوکیشن نامکمل دیکھ کرریجیکٹ کردیتے یا پھر سفارش پرآئی ہوئی لڑکیوں کو وہ جگہ مل جاتی۔وہ پریشان تھی۔اپنی پریشانی وہ کسی سے شیئرنہیں کررہی تھی۔ممانی بھی اس سے پیسے مانگ رہی تھیں۔وہ انہیں کیا بتائے یہی سوچ کراس کا دماغ شل ہورہا تھا۔

آج بھی وہ رافعہ کے کہنے پرجس کمپنی میں وہ کام کرتی تھی وہاں انٹرویودے کرآئی تھی لیکن اسے وہاں سے بھی کوئی خاص امید نہیں تھی۔وہ اپنے دکھتے سرکے ساتھ جیسے گلی کا موڑ مڑی توسامنے کا منظر دیکھ کراس کی ہوائیاں ہی اڑگئی تھیں۔

''فاروق۔'' وہ آگے بڑھی جہاں فاروق کو دوتین لڑکے مل کرپیٹ رہے تھے۔وہ اکیلا لہولہان اپنا آپ چھڑوانے کی کوشش کررہا تھا۔

''اوئے چھوڑواسے کیا کررہے ہو؟'' زینیا نے شور مچایا۔اسے چھڑوانے کی کوشش کی۔

''کیوں ماررہے ہومیرے بھائی کو۔'' زینیا نے ان میں سے ایک لڑکے کو پکڑکراس کے چہرے پرزناٹے دارتھپڑرسید کیااورباقی بھی فاروق کو چھوڑکراس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''اس نے میرے بھائی کا سرپھاڑا ہے اس لیے ہم زندہ نہیں چھوڑیں گے۔'' ان میں سے ایک لڑکا غصے سے بولا اورزمین پرہانپتے ہوئے فاروق کی طرف دوبارہ متوجہ ہوا۔

''میں تمہارا سرپھاڑدوں گی اگردوبارہ اسے ہاتھ لگایا تو۔بھاگو یہاں سے ورنہ وہ حشر کروں گی کہ یادرکھوگے۔'' اس نے وہاں سے اینٹ اٹھائی اوررعب دارلہجے میں بولی وہ تینوں

ڈر کر بھاگ گئے تھے۔ وہ اینٹ کو وہیں پھینک کر درد سے کراہتے فاروق کی طرف بڑھی۔

''زیادہ درد ہو رہا ہے؟'' وہ اسے زمین سے اٹھاتے بولی۔

وہ اس وقت بھول گئی تھی کہ یہ وہی فاروق ہے جو اس کے ساتھ بدتمیزی کرتا ہے۔ جو اس کے حصے کا کھانا جانوروں کو ڈال دیتا تھا۔ اسے صرف اتنا یاد تھا کہ وہ تکلیف میں ہے۔ اس کو بھی تکلیف ہوئی تھی بے شک وہ اسے کچھ نہ سمجھے وہ ہے تو اس کا کزن تھا خون کا رشتہ تھا اور اپنے جب تکلیف میں ہوں تو سخت سے سخت دل بھی پگھل جاتا ہے۔ وہ اسے رکشہ کروا کے تھوڑے سے فاصلے پر چھوٹے سے بنے کلینک میں لے آئی تھی۔

☆......☆......☆

مغرب کی اذان ہوئی تو وہ گھر کے نزدیک بنی مسجد میں نماز پڑھنے چلا گیا تھا۔ واپس آ کر وہ گھر کے پچھلی طرف بنے سوئمنگ پول کے نزدیک بنی کرسیوں پر بیٹھا تھا جب فرحان شاہ اس کے پاس آئے تھے۔

''ہیلو مائی پرنس کیا ہو رہا ہے؟ اب طبیعت کیسی ہے؟'' فرحان شاہ اس کے پاس بیٹھتے بولے۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں بھیا۔ آپ نے اور عابی نے تو مجھے بچہ ہی بنا دیا ہے۔'' آبان شاہ کی بات پر فرحان شاہ ہنس پڑے تھے۔

''کیا کریں آپ سے پیار ہی اتنا ہے کہ آپ کی تھوڑی سی چوٹ پر ہم تڑپ اٹھتے ہیں۔''

آبان شاہ کو کل سے بخار تھا۔ عباد شاہ نے فرحان شاہ جو دو دن پہلے ہی ان کے پاس آئے تھے۔ اسے گھر میں قید کر کے رکھا تھا۔ اسے کام سے مکمل چھٹی دی ہوئی تھی فرحان شاہ نے خود آفس کو سنبھالا ہوا تھا۔

”چلو زیادہ پریشان نہ ہو۔ کل چلے جانا آفس میں نے تمہاری نئی سیکرٹری اپائنٹ کر دی ہے۔ کل سے وہ بھی جوائن کر رہی ہیں۔“ فرحان شاہ اسے خاموش دیکھ کر بولے۔
وہ جانتے تھے کہ وہ زیادہ مصروف رہنا پسند کرتا ہے۔ فارغ رہنے سے وہ اچھا خاصا جھنجھلا جاتا تھا۔ اسے چپ دیکھ کر انہوں نے اسے تسلی دی۔
”ویسے بھائی پرانی سیکرٹری آپ کو پسند نہیں آئی تھی کیا جو آتے ہی اسے نکال باہر کیا آپ نے۔“ ان کی طرف آتے عباد شاہ کے کانوں میں ان کی آواز پڑ چکی تھی جسے سن کر وہ ان کے پاس آتا شرارتی لہجے میں بولا۔
”نہیں یہ سیکرٹری ابان کو پسند آ جائے گی۔“ اسے دیکھ کر فرحان شاہ کے لبوں پر بھی مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔
”ویسے ہائی بھیا کیسی ہے سیکرٹری پہلے کی طرح تو نہیں جو دیکھتے ہی بھیا پر لٹو ہو گئی تھی۔“
”نہیں بہت اچھی ہے اور بہت ڈیسینٹ سو بری کیوٹ سی۔“
”آآآآ بھیا آپ تو ایسے بتا رہے ہیں جیسے سیکرٹری نہ اپائنٹ کی ہو، بھیا کے لیے لڑکی پسند کر لی ہو ناٹ بیڈ۔“ وہ حیرانگی سے بولا۔ وہ مسلسل اسے تنگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
”ارے یار یہ کام تو اس نے بہت پہلے خود ہی کر لیا تھا۔ کہاں کسی کو موقع دیا کہ ہم اس کے لیے کسی کو پسند کریں۔“ وہ بیچاری سی شکل بنا کر بولے جیسے انہیں بہت افسوس تھا۔
”بھائی! یہ تو فضول بولتا ہی ہے۔ آپ بھی بولتے ہوں گے سوچا نہیں تھا۔“ آبان شاہ ان کی بات پر چڑتے ہوئے بولا۔
”آپ سوچیں گے کیسے جبکہ آپ کی سوچوں میں تو ہر وقت آپ کی پرنسز ہوتی ہے۔“ عباد شاہ نے جیسے اسے یاد دلایا۔

''بالکل عابی ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' فرحان شاہ اس کی بات سے متفق ہوا جس پر آبان شاہ کندھے اچکاتے لاپرواہی سے بولا۔

''تو میں نے کب کہا کہ یہ غلط کہہ رہا ہے۔ اٹس ہنڈرڈ پرسن ٹرو۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔ پیچھے ان دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اسے جاتا دیکھ کر رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆

وہ فاروق کو لے کر جس وقت گھر پہنچی اندھیرا ہو چکا تھا۔ زاہرہ بیگم گھر پر نہیں تھیں۔ وہ اپنے بھائی کی طرف گئی ہوئی تھیں۔ زینیا نے دل ہی دل میں شکر کیا ورنہ ان سے صلواتیں سننا پڑتیں۔ اسے سامنے کوئی بھی نظر نہیں آیا سب اندر تھے شاید۔

''اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ میں تمہارے لیے کھانا لے کر آتی ہوں۔'' وہ پیار سے اسے دیکھتے بولی۔ پھر وہ جانے لگی تھی جب اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کیا ہوا؟ کچھ چاہیے۔'' زینیا کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا؟''

''معافی۔'' وہ سر جھکائے منمنایا تھا۔

''ارے وہ کس لیے؟ تم نے کیا کیا جو معافی مانگ رہے ہو؟''

''میں ہمیشہ آپ کے ساتھ بدتمیزی کرتا ہوں، آپ کو تنگ کرتا ہوں لیکن آپ بہت اچھی ہیں۔ آپی آئندہ میں آپ کو کبھی تنگ نہیں کروں گا نہ بدتمیزی کروں گا۔''

وہ اپنے کیے پر نادم تھا اس لیے معافی مانگ رہا تھا۔ زینیا کو آج اس نے پہلی دفعہ آپی بولا تھا۔ وہ خوشی اور بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔

''تم بھی بہت اچھے ہو۔اور سوری بولنے کی بھی ضرورت نہیں۔تم نے مجھے آپی بول دیا ہے یہی میرے لیے کافی ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔اس میں بھلا اس کا کیا قصور تھا۔وہ وہی سب کرتا تھا جو اسے سکھایا گیا تھا۔زاہرہ بیگم نے اپنے سب بچوں کے دلوں میں اس کے لیے نفرت اور بدگمانیاں ہی پیدا کی تھیں۔عنزہ کے سوا سب اس سے دور رہتے تھے۔اسے ناپسند کرتے تھے۔

وہ اسے کمرے میں بھیج کر اپنے کمرے میں آئی، دیکھا نانو نماز پڑھ رہی تھیں۔وہ اپنا بیگ رکھ کر کچن میں آ گئی تھی۔چولہے پر ہانڈی دیکھی تو اسے سمجھ آ گئی تھی کہ عنزہ ہانڈی پکا چکی ہے۔اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''تھینکس عنو۔'' وہ زیرِلب مسکرائی اور آٹا دیکھا جسے اس نے ہی گوندھ کر رکھا تھا۔زینیا کو اس پر بے شمار پیار آیا تھا۔اس کا کام آسان ہو گیا تھا۔وہ روٹیاں بنانے لگی۔ابھی ایک توے پر ڈالی ہی تھی جب رافعہ اسکو آوازیں دیتی ہوئی آئی۔

''رافعہ! میں کچن میں ہوں ادھر آ جاؤ۔'' اس نے وہیں سے جواب دیا۔

''زینی۔زینی! سب سے پہلے مجھے کچھ کھلاؤ ابھی اور اسی وقت۔'' وہ آتے ہی بولی۔

''کیوں؟ تم اپنے گھر سے بھوکی آئی ہو؟ جو زینیا تمہیں کچھ کھلائے اور ویسے بھی آج جمعرات نہیں ہے، کل آنا۔پھر ضرور کچھ نہ کچھ تمہیں کھلائیں گے۔'' جواب پیچھے سے آیا تھا اور جواب عنزہ کی طرف سے تھا جو رافعہ کی آواز سنتے ہی کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

''آ گئی ہے لڑاکا عورت۔اسے کچھ اور کام نہیں ہے سوائے مجھ سے لڑنے کے علاوہ۔'' رافعہ زینیا کو دیکھتے بولی۔

''کیا کہا تم نے۔'' عنزہ اس کے نزدیک آتی بولی۔

''بس۔بس یار اب تم دونوں لڑنا مت شروع ہو جانا۔'' زینیا نے ان کی لڑائی بڑھتی دیکھ کر کہا۔نہیں تو ادھر ہی جنگ چھڑ جانی تھی۔

''قسم سے زینی مجھے تمہاری بہت فکر ہوتی ہے پتہ نہیں تمہارا کیا بنے گا۔تمہارے شوہر کو پتہ نہیں یہ کیسے برداشت کرے گی تمہارے آس پاس۔کیا پتہ یہ تمہاری شادی ہی نہ ہونے دے اور کیا پتہ یہ بھی کہہ سکتی ہے کہ یہ بھی تمہارے ساتھ رخصت ہو کر جائے گی۔'' رافعہ نے اپنا خدشہ بیان کیا۔جسے سن کر زینیا مسکرا دی تھی اور عنزہ تو غصے سے لال پیلی ہو گئی۔

''تمہیں زینی کی فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں اپنی فکر کرو۔'' وہ ناک چڑاتے بولی۔

''کیا کروں زینیا مجھے پیاری جو بہت ہے۔قسم سے اگر میرا کوئی بھائی کنوارہ ہوتا ناں تو اسے ہی اپنی بھابی بناتی۔'' رافعہ نے اپنی خواہش ظاہر کی تھی۔

''پھر تو اچھا ہوا تمہارے بھائیوں کی شادی ہو گئی ہے۔میں تو کبھی بھی ایسا نہ ہونے دیتی۔''

''رافعی یار، اب بس بھی کر دو وہ بات بتاؤ جو بتانے آئی تھی۔'' زینیا ان کی بک بک سے تنگ آ کر بولی۔

''ہاں یار وہ بات تو میں بھول ہی گئی۔'' وہ ماتھے پر ہاتھ مارتے بولی۔

''مبارک ہو زینی تمہیں جاب مل گئی یار۔یہ دیکھو تمہارا اپائنٹمنٹ لیٹر۔'' رافعہ نے خوشی سے اسے گلے لگایا اور ہاتھ میں پکڑے لیٹر کو اس کی طرف بڑھایا۔زینیا بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔اسے تو امید بھی نہیں تھی لیکن خدا کے آگے کسی کی کہاں چلتی ہے۔وہ اپنے بندوں کی مصیبت میں پھر بھی مدد کرتا ہے چاہے وہ نا امید ہو جائے لیکن وہ مدد کر کے ایک نئی امید کے در کھول دیتا ہے۔اس کا بندہ اس کی رحمت سے مایوس، نا امید نہ ہو بلکہ اس سے مانگے، اس کے

سامنے ہاتھ پھیلا کر مانگے تو وہ ضرور نوازے گا۔

عنزہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے لیٹر کو پکڑا اور دیکھنے لگی۔

"مجھے آفس سے کال آئی تھی شاید تم نے میرا نمبر دیا تھا۔ کہ تم سلیکٹ ہو گئی ہو۔ پھر میں نے کہہ دیا کہ مجھے ہی تمہارا اپائنٹمنٹ لیٹر بھیج دیں میں تمہیں دے دوں گی۔" رافعہ نے وضاحت دی۔

"بہت شکریہ رافی۔" زینیا نے دل میں اللہ کا شکر کرتے رافعہ کا شکریہ کیا۔

"مجھے شرمندہ مت کرو۔ کیا تم مجھے دوست نہیں سمجھتی اگر سمجھتی ہو تو ایسا نہ کہتی۔" وہ خفگی سے بولی۔

"تم بہت اچھی دوست ہو۔ بلکہ خدا نے مجھے بہت ہی دو اچھی دوستوں سے نوازا ہے۔ جو میرے لیے فکر مند رہتی ہیں۔" زینیا نے دونوں کو گلے لگایا۔ اس کی آنکھوں میں ننھے سے موتی چمکے تھے۔ قسمت دور کھڑی اس چھوٹی سی لڑکی پر مسکرا رہی تھی۔

"مبارک ہو زینی۔" عنزہ چہرے پر مسکراہٹ لاتے بولی۔ اسے اس سے شکوہ تھا کہ اس نے اسے نہیں بتایا تھا لیکن اس کی خوشی کے لئے اپنے شکوے کو بھلائے اس کی خوشی میں شامل ہوئی۔

"سوری جانو، میں نے تمہیں نہیں بتایا کہ میری پہلی جاب چھوٹ چکی ہے۔" وہ جانتی تھی اس کے دل میں شکوہ تو ابھرا ہو گا اس لیے وہ شرمندگی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ اس کے گال پر پیار کرتے بولی۔

"اچھا زینی میں چلتی ہوں کل صبح تیار ہو جانا میرے ساتھ ہی جانا۔ او کے۔" رافعہ اس کی گال کو تھپکتے ہوئے باہر نکل گئی۔ عنزہ نے اسے جاتا دیکھا تو زینیا سے بولی۔

”اتنی بری بھی نہیں ہے یہ۔ اچھی ہے تھوڑی سی۔“

زینیا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”بہت بدتمیز ہو سامنے اس کے لڑائی کرتی ہو اور پیچھے سے صفتیں۔“

”کیا کروں یہی تو میری خاصیت ہے۔“

پھر وہ اسے کچن سے بھیج کر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

اگلے دن صبح نو بجے وہ رافعہ کے ساتھ اس کمپنی میں تھی جہاں وہ کل انٹرویو دے کر گئی تھی۔

”زینی! تمہیں پتہ ہے ہمارے نئے ایم ڈی آئے ہیں۔ پہلے ایم ڈی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ بہت سخت ہیں اتنے سخت ہیں کہ اس کمپنی کی پرانی سیکرٹری کو آتے ہی فائر کر دیا۔“ رافعہ اپنے کیبن میں داخل ہوتے اس کی انفارمیشن میں اضافہ کرنا نہ بھولی تھی۔

”آہائے، اس بیچاری کیا قصور جو تمہارے ایم ڈی نے اسے آتے ہی فائر کر دیا؟“ زینیا اس کی بات پر تھوڑی پر افسوس سے ہاتھ رکھتے بولی۔ اسے اس لڑکی سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

”اس لڑکی کا کیا قصور تھا۔ پتہ ہے کیا قصور تھا؟“

”نہیں۔ کیونکہ میں تب یہاں پر نہیں تھی۔“ وہ جھنجلا کر بولی۔ بھلا اسے کیا پتہ تھا اب وہ بتا ہی رہی تھی تو سیدھی طرح بتاتی، سسپنس پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

”یار! آبان شاہ ہے ہی اتنا ہینڈسم ہے کہ اسے دیکھ کر لڑکا بھی لٹو ہو جائے۔ وہ تو پھر دل پھینک سیکرٹری تھی جو ہر آئے دن اپنا بوائے فرینڈ بدلتی تھی۔ آبان شاہ کو دیکھ کر وہ ایسا پھسلی جیسے اس کی ہیل کے نیچے کیلے کا چھلکا پھینک دیا ہو۔“ وہ پرا ایکٹ کر کے اسے بتا رہی تھی جیسے کوئی

اس نے فلم دیکھی ہو۔

''اب یہ صاحب کون ہیں؟''

''کون صاحب؟'' رافعہ نے الٹا اس سے سوال کر ڈالا تھا۔

''ارے یہی جس کا نام لے رہی ہوں، آبان شاہ یہ کون ہے؟''

''وہ ہمارے باس ہیں ڈیئر۔'' وہ کرسی پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گئی۔

''زینی یار! بہت ڈیشنگ ہے وہ۔ میرا دل کرتا ہے اسے پٹا کر تمہارا جیجوں بنا لوں۔'' رافعہ حسرت بھرے لہجے میں بولی۔ زینیا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''رافعی! تم تو ایسی نہیں تھی۔ تم بھی اب ایسے چھچھورے کام کرنے لگی۔'' زینیا کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

''ارے یار وہ ہے ہی اتنا ہینڈسم۔ دیکھ کر نیت خراب ہو گئی ہے۔'' وہ ڈھٹائی سے بولی۔

''اگر تمہارے باس کو تمہاری نیت کا علم ہو جائے وہ تمہیں بھی دو دن یہاں ٹکنے نہ دیں گے۔'' زینیا نے اس وارن کیا۔

''اور میں بھی ان کے پاؤں پکڑ کر کہوں گی سر یہاں سے بے شک خارج کر دیں لیکن اپنی زندگی میں داخل کر لیں۔'' وہ کسی فلم کی ہیروئین کی طرح ایکٹنگ کر کے بتا رہی تھی۔

''ہاں وہ تو جیسے کر لیں......''

''آپ لوگ یہ سب کرنے آتی ہیں یہاں۔'' زینیا کی بات ابھی منہ میں ہی تھی جب پیچھے سے رعب دار آواز پر دونوں نے اچھل کر دیکھا۔ رافعہ تو آبان شاہ کو اس کے کیبن کی دہلیز پر کھڑا دیکھ کر ہڑبڑا اٹھی تھی اور زینیا اسے دیکھ کر حیرت میں مبتلا ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ دو دفعہ ہوئے ٹکراؤ کو وہ کیسے بھول سکتی تھی۔

''نہیں سر، وہ میں تو۔'' رافعہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اب کیا بولے۔ زینیا کو اس کی حالت دیکھ کر مزہ آیا۔ پہلے کیسے پٹانے کی باتیں کر رہی تھی اور اب جیسے منہ میں زبان ہی نہ ہو۔

''مس رافعہ! آپ اگر پوری توجہ سے کام کریں گی تو مجھے یقین ہے کام اچھا ہوگا۔ اور مس آپ۔'' آبان شاہ زینیا کی طرف متوجہ ہوا جو سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس کے مخاطب کرنے پر زینیا نے اسے دیکھا اسی وقت آبان نے اسے دیکھا تھا اور تحکم خیز لہجے میں بولتا ہوا جو احساس اسکی آنکھوں کو دیکھ کر پیدا ہوا تھا مار دیا۔

''آپ میرے کیبن میں آئیں۔'' وہ کہتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

''یار زینی! سر نے کچھ سنا تو نہیں ہو گا یار۔'' اس کے جاتے ہی رافعہ نے اپنا رکا ہوا سانس لیتے کہا تھا۔

''مجھے کیا پتہ، تم بھی تو آگے پیچھے سے اندھی ہو کر بولے جا رہی تھی۔ اب لگتا ہے بھگتنا مجھے پڑتا ہے۔'' وہ منہ بسورتے بولی۔

''اب مجھے بتاؤ تمہارے باس کا کیبن کدھر ہے۔'' پھر وہ رافعہ سے پوچھ کر اس کے کیبن میں آئی جو سیکنڈ فلور پر تھا۔ وہ لفٹ کے ذریعے جیسے ہی اوپر آئی تو ایک ہال نما کمرہ بنا ہوا تھا جس میں کتنے ہی لوگ کمپیوٹرز کے آگے بیٹھے اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ زینیا کنفیوز ہوئی اور سیدھا آہستہ آہستہ چلتی آبان شاہ کے کیبن کی طرف آئی۔

''مے آئی کم ان سر۔'' گلاس ڈور اندر کی طرف دھکیلتی اس سے اجازت مانگی۔

''یس کم اِن۔'' مصروف سے انداز میں جواب آیا۔

زینیا نے اندر قدم بڑھائے بہت ہی پیاری خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ اس نے چاروں اور نظر دوڑائی، بہت ہی نفاست اور شاندار طریقے سے آفس کو سیٹ کیا ہوا تھا۔ وہ

دل میں اسے داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔

"آپ نے اگر کمرے کا جائزہ لے لیا ہو تو بیٹھیں تا کہ ذرا کام کی بات ہو جائے۔" وہ جو پہلے پی سی پر کچھ کام کر رہا تھا مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا جو کمرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھی، اس کی آواز پر ہڑبڑائی اور اس کے ٹیبل کے سامنے پڑی گھومنے والی دو کرسیوں میں سے ایک پر ٹک گئی۔ اسی ہڑبڑاہٹ میں ہاتھ میں پکڑی فائل دھڑام کر کے زمین پر گری تھی۔ آبان شاہ نے اسے دیکھا۔

"اف، زینی یہ کیا کر رہی ہو؟" وہ منہ ہی منہ میں اپنے آپ سے مخاطب ہوئی۔

"کیا اب بات کر لیں۔" جب وہ مکمل طور پر سیٹ ہو کر بیٹھ گئی تب وہ سپاٹ لہجے میں بولا جس پر زینیا نے اثبات میں سر ہلایا اور دل میں بولی۔

"پتہ نہیں کونسی بات کرنی ہے۔ اللہ خیر کرے۔ اللہ جی، کہیں یہ وہ بات تو نہیں پوچھے گا۔ یا پھر اس دن مجھے بچانے کے لیے شکریہ نہیں بولا تھا۔ یا پھر مال میں پانچ ہزار نکلوائے تھے اس سے اور سوری بھی بلوایا تھا کہیں وہ۔ نہیں اللہ پلیز اسے پچھلی ملاقاتیں بھول جائیں۔" وہ دل میں بولی۔

"تو مس زینیا آپ جاب کیوں کرنا چاہتی ہیں؟"

اس کی بات پر زینیا نے اپنے خیالوں کو جھٹکا۔

"ظاہری بات ہے پیسوں کے لیے سر اور کس لیے کروں گی۔" وہ جو اس سے کسی اور جواب کی توقع کر رہا تھا یہ جواب سن کر اسے دیکھا اور بولا۔

"تو آپ پیسوں کے لیے جاب کرتی ہیں۔ چاہے وہ جس مرضی کی جاب ہو۔ دوسرے لفظوں میں آپ پیسوں کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔" وہ اپنی کرسی سے اٹھا۔ اس کی بات پر

ناجانے کیوں وہ غصہ ہوا تھا۔ وہ اس کی طرف آیا۔

"کیا کیا کرسکتی ہیں آپ پیسوں کے لیے۔" وہ اس کے نزدیک آیا۔ زینیا اس کے خطرناک ارادے سے بھانپ گئی۔ خوف سے ننھے قطرے اس کے لال گلابی چہرے کو گلال کر گئے۔

"میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔ میں عزت والی جاب کرنا چاہتی ہوں کوئی ایسی ویسی نہیں۔" اس کی آنکھوں سے دو موتی آنسو کے ٹوٹ کر گرے تھے کہ اس نے بھی دوسروں کی طرح اسے غلط سمجھا تھا۔ ناجانے کیوں آبان کو اس کی آنکھوں میں کرب سا محسوس ہوا تھا۔ ناجانے کیسا احساس تھا جو وہ سمجھ نہیں پارہا تھا اس کی آواز میں دکھ تھا۔

وہ اٹھ کر جانے لگی جب وہ بولا۔

"کہاں جارہی ہیں؟"

"مجھے یہ جاب نہیں چاہیے۔" اعتماد سے بولی۔ وہ کم پیسوں والی نوکری کرلے گی لیکن ایسا کوئی کام نہیں کرے گی جس سے اس کی عزت کا سودا ہو۔

"کیوں؟"

اس کے پوچھنے پر پتہ نہیں کیوں اس کی آنکھوں سے آنسو لڑھک گئے۔

"میں ایسی نوکری پسند نہیں کرتی جس میں میری عزت کو خطرہ ہو جہاں مجھے عزت نہ ملے۔ اور نہ ہی میں ایسی لڑکی ہوں جو پیسوں کے لیے ایسے کام کرتی ہے۔"

وہ یہ الفاظ کیسے ادا کررہی تھی یہ وہی جانتی تھی یا پھر اس کا خدا کہ وہ اندر ہی اندر کس تکلیف سے گزر رہی تھی۔ آبان شاہ کو شرمندگی نے گھیر لیا تھا بھلا کیا ضرورت تھی ایسا سوال پوچھنے کی آج سے پہلے تو اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔

”مس زینیا! میں معذرت چاہتا ہوں آپ سے میں نے ایسا سوال کیا۔ آپ ہی اس جاب کی حقدار ہیں اور میں وعدہ کرتا ہوں آپ کو یہاں عزت ہی ملے گی۔ کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو آپ کو اس نگاہ سے دیکھے جس سے آپ اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھیں۔ یہ آبان شاہ کا آپ سے وعدہ ہے۔ مجھ پر یقین رکھیں۔“ وہ مضبوط لہجے میں بولا تھا۔

اس کی اچھی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی خاصیت تھی کہ جب وہ سمجھتا کہ غلطی اس کی طرف سے ہوئی ہے وہ فوراً معذرت کر لیتا تھا۔ زینیا نے اس کی طرف دیکھا۔

”میں آپ کے کردار کا ٹیسٹ لے رہا تھا۔ دراصل یہاں کچھ لڑکیاں محض انجوائے منٹ یا پھر ٹائم پاس کے لیے کام کرنے آتی ہیں۔ جو کام کی طرف کم اور دوسری ایکٹیویٹی کی طرف دھیان زیادہ دیتی ہیں۔ لیکن مجھے ایسے ورکرز سے سخت نفرت ہے۔ مجھے اپنی کمپنی کیلئے ایسی امپلائی چاہیے جو نہ صرف میرے سامنے ایمانداری سے کام کریں بلکہ میری غیر موجودگی میں بھی پوری ایمانداری سے کام کریں۔ اس لیے میں آپ کا ٹیسٹ لے رہا تھا۔“

اس کے ذہن میں ابھرتے سوالوں کو شاید وہ سمجھ چکا تھا اس لیے وضاحت دینا اس نے ضروری سمجھا تھا تاکہ وہ اسے غلط نہ سمجھے۔

”اب آپ جائیں رافعہ آپ کو آپ کا کام سمجھا دے گی۔ اگر پھر بھی سمجھ نہ آئے تو مجھ سے پوچھ لینا۔“

اجازت ملتے ہی وہ فوراً وہاں سے نکلی تھی۔ آبان شاہ گلاس ڈور سے اسے دور جاتا دیکھتا رہا تھا جب تک وہ لفٹ میں داخل نہیں ہوگئی اس کی نگاہ نہیں پلٹی تھی۔

”یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا مولا، یہ تو مجھے کس امتحان میں ڈال رہا ہے۔ میرا دل اتنا بے چین کیوں ہو رہا ہے۔ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔“ وہ اپنے آپ سے بولا اور اپنی کرسی پر

ڈھے گیا تھا۔ وہ اپنی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ دھڑکنوں کے شور کو سمجھ نہیں رہا تھا۔ پتہ نہیں اس کی دھڑکنیں اسے کیا پیغام دینا چاہتی تھیں۔

☆......☆......☆

زینیا کو اس کے ساتھ کام کرتے ہفتہ ہو گیا۔ اس دن کے بعد اس نے دوبارہ اس سے اس قسم کی بات نہیں کی تھی اور جو اس نے کہا تھا وہ سچ کر دکھایا تھا۔ اسے واقعی سارے عزت سے دیکھتے تھے۔ سب عزت کرتے۔ وہاں ہر کوئی ایک دوسرے کی عزت کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ کام بھی سمجھ گئی تھی۔ وہ ایک ہفتے میں تھوڑا بہت اسے جان گئی تھی۔ وہ کام کے معاملے میں بہت سخت تھا۔ تھوڑی سی غلطی پر اچھی خاصی بے عزتی کر دیتا تھا۔ زینیا نے کبھی بھی اسے فالتو بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ مسلسل کام کرتے ہی پایا جاتا تھا۔ کبھی اس کی کسی جگہ میٹنگ ہوتی تھی کبھی کسی کلائنٹ سے میٹنگ ہوتی۔ اور جب بھی کوئی کام میں غلطی کرتا تو اس کی سختی آ جاتی تھی۔

زینیا خود کتنی دفعہ بے عزت ہونے سے بچی تھی۔ وہ سخت صرف اپنے کام کے معاملے میں ہی تھا۔ ویسے اس نے دیکھا تھا وہ بہت نرم مزاج کا تھا۔ اخلاق کا بھی اچھا تھا۔ ہر ایک کی عزت کرنے والا تھا۔ زینیا اس سے کافی حد تک متاثر ہوئی تھی۔

ابھی بھی وہ عنزہ کے لیپ ٹاپ پر کوئی ڈاکومنٹس بنانے میں مصروف تھی۔ رات کا ایک بجنے والا تھا لیکن اس کا کام تھا کہ ختم ہونے کو نہیں آ رہا تھا۔ کل آفس میں آؤٹ آف کنٹری سے آبان شاہ کے کلائنٹ آ رہے تھے جن کے ساتھ بہت ہی امپورٹنٹ ڈیل ہونے جا رہی تھی اور زینیا اسی پر کام کر رہی تھی۔

گھر پر اس وقت سب سو رہے تھے۔ وہ صحن میں بیٹھی ہوئی تھی وہیں بیٹھ کر کام کر رہی تھی

اوپر سے نیند بھی اس پر طاری ہو رہی تھی۔ اتنے میں کسی طوفان کی طرح بیرونی دروازہ کھٹکا تھا۔ وہ ڈر گئی پتہ نہیں اس وقت کون ہوگا۔ یہ سوچتے ہی اس نے لیپ ٹاپ کو سائیڈ پر رکھا اور ڈرتے ڈرتے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

''ک......ک......کون؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''میں ہوں دروازہ کھولو۔'' غصے سے بھری آواز آئی جس سے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوئے تھے۔ وہ اللہ کا نام لے کر دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ اندر داخل ہوا اور دروازے کی کنڈی لگائی۔ وہ جانے لگی جب اس نے اس کا دوپٹہ پکڑ لیا۔

''رکو سویٹ ہارٹ کہاں جا رہی ہو۔'' وہ اسے جھٹکے سے اپنی طرف کھینچتے بولا۔ اسے پتہ تھا سب سو رہے ہیں کیوں نہ وہ موقع کا فائدہ اٹھاتا۔ اس میں اس وقت شیطان حاضر تھا۔ وہ شیطان جو اچھائی برائی میں فرق کو بھول جاتا تھا۔

''چھوڑو مجھے۔'' زینیا کو اس شیطان سے وحشت سی محسوس ہوئی۔ اس نے اپنا آپ چھڑوانے کی کوشش کی۔

''وہ کیا ہے ناں مجھے لگتا تھا کہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ لیکن اب مجھے ایسے لگتا جیسے مجھے تم سے پیار ہو گیا ہے۔ تمہاری اس بھولی سی صورت سے ان سنہری آنکھوں سے تمہاری یہ لچکتی کمر سے۔'' اور بھی پتہ نہیں وہ اس سے کیا کیا بے ہودہ باتیں کر رہا تھا زینیا کو ایسا لگا جیسے کوئی پگھلا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال رہا ہے۔

''کیوں کر رہے ہو ایسا، پلیز چھوڑ دو مجھے۔ تمہیں خدا کا واسطہ ہے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔'' شیطان سے بھیک مانگی اپنی عزت کی بھیک۔ وہ چہرے پر مکروہ مسکراہٹ لیتا ہوا اس کے چہرے پر جھکا جب پتہ نہیں کہاں سے اس میں اتنی طاقت آئی ایک جھٹکے سے اسے

پیچھے دھکیل کر اس کے چہرے پر کھینچ کر تھپڑ رسید کیا تھا۔
سب اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے کسی کو کچھ خبر نہیں تھی باہر کیا ہو رہا تھا۔
"تمہاری تو......آج تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔آج جو یہ تھپڑ مارا ہے ناں اس کا بدلا لے کر رہوں گا۔" وہ بپھرے شیر کی طرح اپنے خطرناک ارادے لیے اس کی طرف بڑھا۔
"یا اللہ۔" جیسے ہی اس نے آگے بڑھ اس کی چادر اتار کر پھینکی زینیا کے منہ سے بے اختیار خدا کا نام نکلا۔
"چل آج تجھے میں بتاتا ہوں۔آج کونسا یار تمہیں بچانے آئے گا آج کوئی بھی نہیں آئے گا۔" وہ ہوس کا پجاری شیطان صفت اس کو بالوں سے کھینچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لے کر جا رہا تھا زینیا کی چیخ اس کے اندر ہی دم توڑ گئی تھی۔
"عمر! یہ کیا کر رہے ہو چھوڑو اسے۔"
نانو جو زینیا کو کمرے میں نہ پا کر اسے ڈھونڈتی ہوئی باہر آئی تھیں سامنے کا منظر دیکھ ان کا تو جیسے رگوں کا خون رک گیا تھا۔
"نانو۔نانو! مجھے بچا لیں پلیز نانو، مجھے اس سے بچا لیں یہ بہت برا انسان ہے نانو۔یہ آپ کی زینی کو مار دے گا نانو۔" عمران کے ڈر سے اسے وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔زینیا نانو کو دیکھ کر اپنا ضبط کھو بیٹھی۔
"اٹھو میری بچی۔اٹھو۔" انہوں نے اپنی کمزور بانہوں سے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور اس کی چادر اٹھا کر اس پر اوڑھی اور کمرے میں لے آئیں۔اس کی سسکیاں ابھر رہی تھیں۔
"نانو! میں ایسی نہیں ہوں۔وہ کیوں میرے ساتھ ایسا کرتا ہے۔" وہ روتے ہوئے ان سے پوچھ رہی تھی۔وہ کیا کہتی دکھ سے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل کر جھریوں نما چہرے میں

جذب ہو رہے تھے۔

''عمر! یہ تم کیا کرنے جا رہے تھے۔ ارے کمبخت تم اتنے اندھے ہو گئے ہو تمہیں اچھائی اور برائی کا پتہ نہیں چلتا۔ کچھ اور نہیں تو کم از کم یہ سوچ لیتے تمہاری پھوپھی کی بیٹی ہے تمہاری بہنوں جیسی۔ تم اس قدر گھٹیا پن پر اتر آؤ گے سوچا نہیں تھا۔'' وہ اندر ہی اندر اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔ انہوں نے زینیا کو دیکھا جو اب رو رو کر چپ ہو گئی تھی۔ ساری رات ان دونوں نے اپنی سوچوں میں گزاری تھی۔ وہ دونوں ڈر گئی تھیں۔ انہیں سمجھ آ گئی تھی کہ اس کی عزت وہاں محفوظ نہیں تھی اس لیے انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا۔

☆......☆......☆

''کہاں ہیں مس زینیا، وہ ابھی تک آئی کیوں نہیں۔ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ آج کتنی اہم میٹنگ ہے۔'' آبان شاہ زینیا کو آفس میں نہ پا کر آگ بگولہ ہوا تھا۔

''مس رافعہ آپ انہیں کال کریں کہ اگلے دس منٹ میں وہ یہاں ہوں۔'' اس نے رافعہ کو کہا۔

''سر زینی کے پاس موبائل نہیں ہے۔'' وہ ہلکا سا منمنائی تھی۔ وہ جو غصے سے چکر کاٹ رہا تھا اس کی بات پر رکا اور اسے دیکھا۔

''ان کے پاس تو دماغ بھی نہیں ہے۔ جسے وہ استعمال کر سکیں۔'' یہ کہتے ہی وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''آپ جا سکتی ہیں۔'' اور ساتھ ہی اسے جانے کا حکم صادر کیا۔ جانے کی اجازت جیسے ہی ملی وہ فوراً باہر کو بھاگی تھی۔

☆......☆......☆

''اسفی! تم پاکستان جا رہے ہو مجھے بتایا کیوں نہیں؟'' نائلہ نے آتے ہی اسے پوچھا۔ جو شاید کسی کام میں مصروف تھا اس نے ایک نظر اسے دیکھا جو غصے سے بھرا چہرہ لیے اسے ہی

دیکھ رہی تھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے اگر نہ بتاؤں تو......ویسے بھی اب شاید تمہیں میری ضرورت نہیں رہی۔''

اسفندیار کے لہجے میں دکھ تھا۔نائلہ نے اسے دیکھا جو اسے آجکل بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا اسفی؟'' وہ آنکھوں میں آنسو لیے اسے پوچھ رہی تھی۔اس کا ایک وہی تو دوست تھا جس کے ساتھ وہ ہر دکھ درد، اپنی ہر خوشی بانٹتی تھی۔اب وہ بھی چھوڑ کر چلا جائے گا یہی سوچ کر اس کا دل درد سے بھر گیا۔

''رہنے دو اب میرے پاس تمہیں مطلب سمجھانے کا وقت نہیں ہے۔'' وہ بے رخی سے بولا۔

''اسفی۔'' صدمے سے وہ چلائی تھی۔

''اسفی کیا ہو گیا ہے، ناراض ہو مجھ سے پلیز بتاؤ نا کیا بات ہے؟'' وہ منت کر رہی تھی۔ہوتا ہے کوئی ہماری زندگی میں ایسا جسے ہم چاہ کر بھی ناراض نہیں کر سکتے ذرا سا بھی بات نہ کرے تو ہمیں فکر ہوتی ہے نا جانے اسے کونسی ہماری بات بری لگی ہے یہی حال نائلہ کا تھا۔اسفندیار نے اسے دیکھا۔

''جب اتنی پرواہ ہے میری تو کیوں ناراض کرتی ہو، کیوں میری بات نہیں مان لیتی، کیوں اسے نہیں بھول جاتی، کیوں محبت کو جان کا روگ بنا لیا ہے۔'' اس کے دل میں شکوہ ابھرا تھا۔وہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکا تھا۔

''آئی پرامس میں بالکل ویسا کروں گی جیسا تم کہو گے۔آفٹر آل تم میرے دوست ہو۔میں تمہاری بات ٹالوں گی تو نہیں ناں۔'' اس کی بات پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

''ہاں بالکل میں نے کب کہا میں تمہارا شوہر ہوں۔دوست ہی ہوں۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''ویسے اگر میں تمہارا شوہر ہو جاؤں تو اچھا رہے گا۔کتنی فرمانبردار ہو۔ایسی بیوی قسمت

والوں کو ہی ملتی ہے کیا خیال ہے؟ آنکھوں میں شرارت لیے وہ اپنی ہی ہانکے جا رہا تھا۔ جب اس نے اس کے کان کو زور سے کھینچا تھا۔

''اسفی کے بچے۔'' وہ دانت کچکچاتے بولی۔

''قسم لے لو ایک بھی نہیں یار ابھی تک تو سنگل ہوں میں تم بچوں کی بات کر رہی ہو۔'' وہ اپنا کان چھڑواتے بولا تھا۔

''اچھا بتاؤ پاکستان کیوں جا رہے ہو؟'' اس نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے دوبارہ پوچھا۔

''ارے یار، ابھی کب جا رہا ہوں۔ ابھی تو ایک مہینہ ہے لیکن تم تو ایسے آئی ہو جیسے میں جانے کے لیے تیار کھڑا ہوں۔'' وہ ہنستے بولا تھا۔

''چلو میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔''

''اچھا واقعی۔'' وہ حیران ہوا تھا اس کی بات سن کر۔

''ہاں، کیوں میں نہیں جا سکتی کیا؟''

''بالکل جا سکتی ہو۔'' اس کی حیرانگی کسی طور بھی کم نہیں ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

اگلے دن وہ جیسے ہی آفس پہنچی تو اس کی عدالت میں حاضر تھی۔

''کہاں تھیں کل آپ؟'' آبان نے ڈائریکٹ اس سے پوچھا۔''میں نے آپ کو شروع دن سے ہی بتا دیا تھا مس زینیا کہ میں کام کے معاملے میں لاپرواہی برداشت نہیں کروں گا۔ لیکن آپ کو شاید میری بات سمجھ میں نہیں آئی تھی، آپ نے سوچا میں مذاق کر رہا تھا آپ کو اندازہ بھی ہے کل آپ کی وجہ سے ہمیں کتنا نقصان ہوا۔ اگر آپ ایسے ہی کرتی رہیں تو چل گئی

پھر ہماری کمپنی۔" اسے دیکھتے ہی آبان شاہ کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا تھا۔ زینیا خاموش کھڑی تھی۔

"اب آپ خاموش کیوں کھڑی ہیں۔ کوئی جواب دیں گی یا پھر میں ہی بولتا رہوں گا۔" وہ اسے بت بنا کھڑا دیکھ کر بولا تھا۔

"سر! جب آپ مجھے موقع دیں گے میں تب ہی بولوں گی ناں۔ آپ تو آتے ہی ایک سو بیس کی سپیڈ پر شروع ہو گئے۔ مجھے بولنے کا موقع دیا ہی کب جو میں بولتی۔"

اس کی اتنی صاف گوئی پر آبان شاہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"اچھا تو کیا بولنا ہے آپ نے۔ کچھ رہتا ہے بولنے کے لیے جواب بولیں گی۔" اس نے بڑے آرام سے پوچھا۔ پھر بولا۔" اب آپ کچھ بھی نہ بولیں اب کیا فائدہ جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا اب آپ جا سکتی ہیں۔"

اس کے کہنے پر وہ کندھے اچکا کر باہر نکل گئی تھی۔

"پتہ نہیں سر شاید سٹھیا گئے ہیں۔ پہلے کہتے ہیں بول نہیں رہی جب بولنے لگی تو کہتے کیا فائدہ۔ بھلا فائدہ نہیں تھا تو پوچھا کیوں؟" وہ منہ میں بڑبڑاتی ہوئی اپنے کیبن میں آئی۔ جب رافعہ آ گئی۔

"زینی یار! کل کہاں تھی تم۔ بندہ بتا ہی دیتا ہے پتہ ہے سر کل کتنا غصہ ہو رہے تھے۔" وہ آتے ہی بولنا شروع ہو گئی تھی۔

"ہاں پتہ چل گیا ہے۔" وہ بولی۔

"لیکن تم تھی کہاں۔ گھر میں سب ٹھیک ہے ناں۔" رافعہ نے اس سے پوچھا۔

"زینی بتاؤ کیا ہوا؟" رافعہ کو اس کی فکر ہوئی کیونکہ اس کے چہرے پر اس نے پریشانی کے

واضح آثار دیکھے تھے۔وہ اسے کیا بتاتی اس دن رات کو نانو نے اتنی ٹینشن لی تھی کہ ان کا بلڈ شوٹ کر گیا۔ایمرجنسی میں انہیں ہوسپٹل ایڈمٹ کرنا پڑا تھا جس وجہ سے وہ اگلے دن آفس نہ آسکی تھی۔

وہ پہلے ہی دل کی مریضہ تھیں۔ڈاکٹر نے ان کا علاج آپریشن بتایا تھا جس کی فیس کم از کم دس بارہ لاکھ تھی۔جس وجہ سے وہ آپریشن سے انکاری تھیں اور میڈیسن سے ہی کام چلا رہی تھیں۔زینیا کو ان کی بہت فکر تھی اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اپنی نانو کو ایک سیکنڈ میں ٹھیک کر دے۔رافعہ کو اس نے اپنی پریشانی بتائی جسے سن کر اس نے اسے کمپنی سے لون لینے کا مشورہ دیا تھا۔

”نہیں رافعی، میں ایسا نہیں کر سکتی اتنی زیادہ رقم میں شاید پوری زندگی نہ چکا سکوں۔“

”زینی! تم یہ مت سوچو، تم نانو کے بارے میں سوچو اور آبان سر تمہاری ضرور مدد کریں گے۔ایک دفعہ بات تو کرو۔“ رافعہ کے لہجے میں جیسے یقین بولا تھا۔

وہ خاموش ہو گئی تھی۔اس نے آج تک کبھی کسی سے دس روپے ادھار نہیں مانگے تھے۔بارہ لاکھ۔یہ سوچ کر ہی وہ اس کی ساری سوچیں جیسے محدود ہو جاتی تھیں۔اس کے کیبن میں آتے ہی آبان شاہ کے قدم اس کی بات پر رک گئے۔وہ بغیر اندر گئے ہی واپس آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

زینیا کا اس دن کے بعد سے عمر سے سامنا نہیں ہوا تھا۔وہ شہر سے باہر گیا تھا تب تک وہ سکون میں تھی۔جب تک وہ یہاں نہیں تھا اور وہ نہ اس کے بارے میں سوچنا چاہتی تھی۔وہ صرف نانو کی صحت کے لیے فکر مند تھی لیکن نانو کی ایک ہی رٹ تھی کہ وہ اپنی ماں کے پاس چلی جائے۔جو وہ چاہ کر بھی نہیں کر سکتی تھی۔فانیا مرزا ایک دفعہ پھر آئی تھیں۔اس دفعہ زاہرہ بیگم اور

وقار صاحب بھی گھر پر تھے اور ان کے آنے سے زاہرہ بیگم نے خوب ہنگامہ کیا تھا اس کے بعد بھی وہ وہاں رکی ہوئی تھی۔ یہ صرف وہ جانتی تھی کہ وہ کیسے رہ رہی ہے۔

”آج تم آفس نہیں جاؤ گی سمجھی میری بات۔“ وہ اپنے کمرے میں تھی جب زاہرہ بیگم اس کے پاس حکم دیتے ہوئے بولی۔

”وہ کس خوشی میں؟“

”صبا کو دیکھنے کچھ لوگ آرہے ہیں اس لیے گھر کے سارے کام کرنے ہیں اور کھانا وغیرہ بنانا ہے۔تم چلی جاؤ گی تو پیچھے سے یہ سب وہ تمہاری ماں آکر کرے گی۔“

زاہرہ بیگم بات بات پر اس کی ماں کا نام نہ لے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔وہ اس پر حکم صادر کر کے چلی گئی۔

”واہ جی ہر کوئی مجھ پر ہی حکم چلانے کو آتا ہے اب میں کیا کروں آفس نہ گئی تو وہاں وہ غصے کا نانا مجھے نہیں چھوڑے گا۔اگر چلی گئی تو یہاں زاہرہ نامی بلا میری جان عذاب میں کر دے گی۔“ وہ کمرے کی چیزیں پٹخ پٹخ کر رکھتے ہوئے بولی تھی۔پھر اسے چھٹی کرنی ہی پڑی تھی۔

”اصولاً تو یہ سب کام تمہاری اس فیشن کے پوٹلی بہن کو کرنا چاہیے جس کے سسرال والے آرہے ہیں اسے دیکھنے۔“ وہ کباب کو فرائی کرتی عنزہ سے بولی جو سلاد بنا رہی تھی۔وہ دونوں صبح سے کام کر رہی تھیں جبکہ جسے دیکھنے آرہے تھے وہ صبح سے اپنے آپ کو لشکا رہی تھی۔

مہمان آئے تو صبا تو دلہن کی طرح اپنی ماں کے ساتھ ان کے سامنے سج کر بیٹھ گئی تھی۔

”یہ سب اب کون لے کر جائے گا۔“ عنزہ بولی۔

”تمہاری اماں صاحبہ کا حکم ہوا ہے کہ یہ سب بھی میں ہی ان کے سامنے پیش کروں۔آخر کو بتانا تو ہے ناں کہ ان کے پاس ایک عدد ملازمہ بھی ہے۔لیکن جو بھی ہو تمہاری اماں میں عقل

بالکل بھی نہیں ہے اس طرح کے موقع پر مائیں اپنی بیٹیوں کو آگے کرتی ہیں تا کہ دیکھنے والے ان کی بیٹی کو پہلی نظر میں پسند آئے لیکن تمہاری اماں حضور کی کیا ہی باتیں ہیں۔'' وہ جیسے ہی ٹرالی دھکیلتی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اس نے اخلاق نبھاتے ہوئے سب کو سلام کیا تھا۔

وہ کل چار لوگ تھے۔لڑکے کی ایک بہن، ماں باپ اور بھابھی۔اس کے سلام پر انہوں نے اندر داخل ہوتی زینیا کی طرف دیکھا۔ہلکے سے لان کے پرینٹڈ سوٹ میں دوپٹے کو اچھی طرح سر پر ٹکائے وہ سادگی میں بھی نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔اس نے ٹرالی سے چیزیں نفاست سے میز پر سجائیں۔

''یہ والی زیادہ پیاری ہے ناں۔'' زینیا کے کانوں میں ایک سرگوشی سی ٹکرائی۔وہ اٹھ کر جانے لگی جب لڑکے کی ماں نے اسے اپنے پاس بلایا۔

''بیٹی ادھر آؤ میرے پاس آکر بیٹھو۔''ان کی بات پر صبا نے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔وہ زینیا کو اپنے پاس بٹھائے اس کا پورا انٹرویو لے رہی تھیں۔اور زاہرہ بیگم اندر ہی اندر غصے سے پیچ وتاب کھا رہی تھیں۔ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ زینیا کو وہاں سے غائب کر دیں۔

☆......☆......☆

جویریہ شاہ کے فون کال پر وہ دونوں بھائی اسلام آباد پہنچے تو وہاں جا کر پتہ چلا کہ آج نوین شاہ یعنی ان کی چھوٹی بہن کا نکاح تھا جس کی منگنی دو سال پہلے ایس پی وہاب ملک جو کہ فرحان شاہ کے دوست کا بیٹا تھا اس کے ساتھ ہوئی تھی اور آج نکاح تھا اور رخصتی دو ماہ بعد تھی۔وہ دونوں جتنا حیران ہوتے کم تھا ساری حویلی مہمانوں سے بھری تھی۔ہر ایک کے چہرے پر خوشی تھی نوین شاہ شرمائی شرمائی سی بہت پیاری لگ رہی تھی۔اس کی سہیلیاں اور سب سے بڑھ کر شانی اور شازی اسے خوب تنگ کر رہے تھے۔

نکاح ہو چکا تھا اور اسے لا کر سٹیج پر وہاب ملک کے پہلو میں لا کر بٹھا دیا گیا۔
''ہیلو ڈیئر کیسے ہو؟'' یہ ماہ رخ تھی جو آبان شاہ کو سٹیج کے پاس کھڑا دیکھ کر اس کے پاس چلی آئی۔آج تو اس کی چھاپ ہی نرالی تھی۔پاؤں تک نیٹ کی بنی گاؤن سلیولیس بازو، بالوں کو جوڑے کی شکل میں قید کیے اور فل میک اپ میں مقابل کو بہکانے کا فل انتظام کیے ہوئے تھی لیکن اس کے مقابل بھی آبان شاہ تھا جس نے ایک نگاہ کے بعد دوسری غلط نگاہ نہیں ڈالی تھی۔
''ہیلو ڈیئر کزن، ہم بھی یہاں پر موجود ہیں۔ہم سے بھی ہائے ہیلو کر لیں یا پھر ہم سے کلام کرنے پر ٹیکس لگتا ہے۔'' عباد شاہ جو اس کے قریب ہی کھڑا تھا اپنے بھائی کو اس مشکل سے نکالا۔ماہ رخ نے اس کی طرف دیکھا۔
''اووووو تو تم بھی آئے ہو؟'' وہ ایک ادا سے بولی جس پر عباد شاہ اپنی ہنسی ضبط کرتے بولا۔
''جی کیوں آپ کو امید نہیں تھی کیا؟ یا پھر آبان بھائی کے علاوہ کسی اور کو دیکھنا آپ کو پسند نہیں۔''
اس کی بات پر وہ شرمائے بغیر بولی۔
''یس آف کورس آبان شاہ جہاں ہوتا ہے وہاں ماہ رخ کو کچھ اور دکھائی نہیں دیتا سوائے آبان شاہ کے۔''
اس کی بات پر آبان شاہ ناگواری سے گردن ہلاتا وہاں سے ہٹ گیا۔
''ہاں وہ تو پتہ چل گیا ہے مجھے۔'' عباد شاہ ٹھنڈی سانس لیتے بولا۔
''لیڈیز اینڈ جینٹل مین۔اب آپ سب کے لیے ہے ایک سرپرائز جس سے سب ہی

انجان ہیں۔" جویریہ شاہ مائیک لے کر سٹیج پر آ کر بولیں۔ سب انتظار کر رہے تھے کہ ایسا کونسا سرپرائز ہے جو وہ دینا چاہ رہی تھی۔

"تو سرپرائز یہ ہے کہ آج میرے بیٹے آبان شاہ کی منگنی بھی ہے۔" وہ آبان شاہ کے پاس آ کر بولیں۔ سب حیران تھے اور اس کے اوپر جیسے انہوں نے بم پھوڑا تھا اس نے بے یقینی سے اپنی ماں کو دیکھا۔

"کس کے ساتھ؟" سب نے تجسس کے مارے پوچھا۔ کسی کو اس ان دیکھی لڑکی سے جلن محسوس ہوئی اور کسی نے رشک محسوس کیا جو آبان کے ساتھ منسوب ہونے والی تھی۔

جویریہ شاہ نے ندیم شاہ کے ساتھ کھڑی ماہ رخ کو پکڑ کر آبان کے ساتھ لا کر کھڑا کیا۔

"یہ ہو گی میرے آبان کی دلہن۔" ان کی بات پر ساری محفل میں تالیاں گونجی تھیں۔

لیکن اس کے اندر جیسے کچھ چھن سے ٹوٹا تھا۔ ٹانگوں میں جیسے جان نہیں رہی تھی تب تو ایسے تھا جیسے اس کی سانس رک جائے گی۔ جب جویریہ شاہ نے اس کے ہاتھ میں انگوٹھی دی اسے پہنانے کے لیے۔ اس نے کبھی ماں کو دیکھا اور کبھی اس انگوٹھی کو۔ آنکھوں میں ایک گہرا دکھ رقم تھا جسے دیکھ کر بھی ماں انجان بن گئی۔

"آبان! یہ ہماری عزت کا سوال ہے۔ یہاں اس وقت بڑے سے بڑے بزنس مین اور منسٹر آئے ہیں جو کہ تمہارے بابا کے دوست ہیں ہماری عزت کی لاج رکھنا آبان۔" انہوں نے بغیر اپنے بیٹے کی دکھ کی پرواہ کیے اس پر جیسے گہرا وار کیا تھا۔ عباد شاہ کو دکھ ہوا تھا اتنا کہ اس کا بھی وہاں کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

زاہرہ بیگم نے گھر میں ہنگامہ برپا کیا ہوا تھا اور صبا نے رو رو کر برا حال کیا ہوا تھا۔

”وقار صاحب! میں آپ کو بتا دیتی ہوں اگر آپ کی بہن کی بیٹی اب یہاں رہی تو میں کچھ کر بیٹھوں گی۔ پہلے ماں نے جینا حرام کیا ہوا تھا اب بیٹی۔“

”وہ تمہیں کیا کہتی ہے جو تم اس سے تنگ ہو۔“

”واہ جی واہ! آپ کی بیٹی کی جگہ وہ آپ کی بھانجی پسند کر گئے اور آپ کہتے ہیں کہ وہ تمہیں کیا کہتی ہے۔ ارے...... میری بیٹی کم پیاری تھی جو وہ اسے پسند کر گئے۔“

انہیں صدمہ ہوا اچھا خاصا رشتہ ہاتھ سے چلا گیا تھا وہ بھی زینیا کی وجہ سے۔

”تو کس نے کہا تھا مجھے ان کے سامنے لانے کے لیے۔ عقل نام کی چیز تو آپ میں ہے ہی نہیں اور آپ کی بیٹی کا رشتہ نہیں ہوا اس میں میرا نہیں آپ کا قصور ہے۔ سمجھ میں آیا۔ اب دوبارہ مجھ پر الزام لگایا تو پھر دیکھ لینا آپ۔“ وہ غصے سے بولی جب سے مہمان گئے تھے وہ اس کا سر کھا رہی تھیں۔ زینیا کا ضبط جواب دے گیا تھا ان کی باتیں سن سن کر۔

”دیکھا، گز بڑی اس کی زبان ہے بالکل اپنی ماں پر گئی ہے۔“

”حد ہو گئی ہے آپ کی روٹی ہضم نہیں ہوتی کیا میری ماں کا نام لیے بغیر۔“ وہ غصے سے بولتی وہاں سے نکل گئی تھی۔

”وقار صاحب! میں چاہتی ہوں آپ کوئی لڑکا ڈھونڈیں اور اس کی شادی کر دیتے ہیں جب تک یہ یہاں رہے گی میں سکون سے نہیں بیٹھ سکتی۔“ زاہرہ بیگم نے ایک حل پیش کیا تھا زینیا سے اپنی جان چھڑوانے کا کیونکہ وہ جان گئی تھیں کہ ان کے بیٹے کی نیت بھی اس پر خراب ہو رہی ہے جو وہ ہرگز نہیں چاہتی تھیں اس لیے انہوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا جس میں کامیاب بھی ہو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ وہاں فنکشن میں کیسے کھڑا تھا یہ بس وہی جانتا تھا یا پھر اس کا خدا۔ اس کے اندر ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ وہ فنکشن ادھورا چھوڑ کر ہی وہاں سے نکل کر آ گیا تھا۔

"یہ میں نے کیا کیا۔ اپنے ان ہاتھوں سے۔" وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے بولا جس ہاتھ سے اس نے ماہ رخ کو انگوٹھی پہنائی تھی۔ پھر سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

"واہ آبان شاہ واہ، کیا کہتے تھے تم اور کیا کیا تم نے۔" اس کے اندر سے جیسے آواز آئی تھی۔

"نہیں میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔" وہ غصے سے اپنے ہاتھ کو زور سے آئینے پر مارتے غرایا تھا۔ چھن سے آئینے کے ٹوٹنے کی آواز آئی اور ہاتھ میں شیشہ لگنے کی بدولت دھار کی صورت میں لہو بہنے لگا تھا۔

"بھائی۔" اندر آتے عباد شاہ تڑپ کر اس کی طرف بڑھا۔

"یہ کیا کیا آپ نے؟" وہ رومال سے اس کے ہاتھ سے بہتے خون کو روکتے بولا۔ اپنے جان سے پیارے بھائی کو اس حال میں دیکھ کر اس کا دل جیسے کٹ گیا تھا۔

"یہ تو کچھ نہیں ہے میرے بھائی، میرے دل میں جھانکو ذرا اس کی کتنی کرچیاں ہوئی ہیں کوئی نہیں جانتا۔ عابی! سنو کیا تمہیں ان کرچیوں کی آواز سنائی دی۔ نہیں آئی ہوگی۔ آئے گی بھی کیسے کیونکہ یہ تو دل ہے ناں اس کے ٹوٹنے سے تو درد ہوتا ہے یار آواز نہیں آتی۔ درد رگوں میں خون بن کر دوڑتا ہے عابی۔" وہ زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ وہ کرب، تکلیف کی تصویر بنا ہوا تھا۔ فرقان شاہ جو اس کے کمرے میں آ رہے تھے وہیں رک گئے اور بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر دکھ میں مبتلا ہو گئے تھے۔

"عابی! مام نے ایسا کیوں کیا یار۔ وہ جانتی ہیں کہ میں ایسا کرنے کے بارے میں سوچ

بھی نہیں سکتا لیکن انہوں نے سب کے سامنے مجھے مجبور کر دیا۔ عابی، میں کچھ نہ کر سکا نہ کوئی احتجاج نہ کوئی شکوہ کچھ بھی نہیں۔'' وہ کسی بچے کی طرح تڑپ رہا تھا جیسے کوئی اس سے اس کی زبردستی چیز چھینی جا رہی تھی۔ عباد شاہ کے پاس جیسے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ اس کا غصہ سوا نیزے پر چڑھ گیا تھا۔ وہ اٹھا اور اس کے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ اس کا رخ جویریہ شاہ کے کمرے کی طرف تھا۔

''آپی! آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔ آبان نے ماہ رخ کو انگوٹھی پہنا دی۔ او مائی گاڈ۔ میں کتنی خوش ہوں آپ کو اندازہ بھی نہیں ہے۔'' اندر سے طیبہ شاہ کی خوشی سے بھری آواز آئی جس نے عباد شاہ کے قدم روک دیئے۔

''خوش تو میں بھی بہت ہوں۔ تم دیکھنا، آج اگر میں نے منگنی کروائی ہے ناں تو دیکھنا ٹھیک دو ماہ بعد شادی بھی ہو گی۔'' وہ مغرور سے لہجے میں بولیں جیسے انہیں یقین ہو وہ جو کہہ رہی ہیں وہ ضرور کر کے دکھائیں گی۔

''واہ۔ واہ۔ کیا بات ہے۔'' ان کی بات سن کر وہ تالی بجاتا اندر آیا۔

''کیسی ماں ہیں آپ جو جان کر بھی انجان بن رہی ہیں جو بیٹے کے ارمانوں کا خون کر کے اپنی خوشی کو انجوائے کر رہی ہیں۔ شرم آنی چاہیے آپ کو مام شرم آنی چاہیے۔''

''عباد'' اس کی بات پر جویریہ شاہ کا ہاتھ اٹھا اور اس کے گال پر رسید کر دیا تھا۔

''تمہاری اتنی جرأت تم ماں سے ایسی بات کرو۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''آپ ٹھیک نہیں کر رہیں مام۔ بالکل بھی ٹھیک نہیں کر رہیں۔'' اپنی ماں کی بے حسی پر اسے دکھ ہوا تھا۔

''کیا ٹھیک نہیں کر رہی۔ بولو جواب دو، کیا ٹھیک نہیں کر رہی۔ ارے پیار کرتی ہے ماہ رخ

تمہارے بھائی سے اور کیا چاہیے اسے۔ خوش رہے گا وہ اس کے ساتھ۔"

"اچھا بھتیجی کا پیار نظر آ گیا اپنے جگر کے گوشے کا پیار نظر نہیں آیا آپ کو مام۔ یا پھر دیکھ کر بھی نظر انداز کر رہی ہیں۔ آپ کی بھتیجی کا پیار پیار ہے تو آپ کے اپنے بیٹے کا پیار مذاق ہے کیا۔ وہ بیس سالوں سے جس سے پیار کرتے ہیں اس کی تڑپ نہیں محسوس کر رہیں مام۔ کیوں کر رہی ہیں ایسا کیوں اپنے بیٹے کو مارنے پر تلی ہیں؟"

وہ ان سے اب پوچھ رہا تھا۔ آبان شاہ کا رونا تڑپنا اسے تکلیف دے رہا تھا۔

"مام! جسے وہ چاہتے ہیں پلیز انہیں وہ لا کر دے دیں ورنہ آپ اپنا بیٹا کھو دیں گی۔ آپ کا بیٹا مر جائے گا مام۔ جائیں جا کر ایک دفعہ دیکھیں انہیں۔ وہ کیسے تڑپ رہے ہیں مام۔ میرا بھائی مر جائے گا ماما پلیز اس پر اتنا ظلم مت کریں۔"

عباد شاہ رو رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا آج وہ پہلی دفعہ رویا تھا۔ وہ تو بچپن میں بھی کبھی نہیں رویا تھا لیکن آج اسے اس کے بھائی کی تکلیف نے رلا دیا تھا۔ ان کا دل جیسے مٹھی میں بند ہو گیا تھا۔ وہ اپنے بھائی کی خوشیوں کی بھیک مانگ رہا تھا۔ وہ اس وقت کہیں سے بھی شرارتیں کرنے والا عباد شاہ نہیں لگ رہا تھا وہ کوئی چھوٹا بچہ لگ رہا تھا جو کسی چیز کے لیے ضد کر رہا تھا۔

"مام آپ نے اگر ایسا نہ کیا تو پھر دیکھنا میں کیا کروں گا۔ میں اپنے بھیا کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ اب وقت آ گیا ہے کچھ کرنے کا۔ اپنے بھائی کی خوشیاں لوٹانے کا۔"

وہ اٹھا اور مضبوط لہجے میں کہتا باہر نکل گیا اور پیچھے ان کے لیے جیسے خطرہ چھوڑ گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ دو دن بعد آفس آئی تو پتہ چلا کہ آبان شاہ بھی دو دن آفس سے غیر حاضر تھے۔ آج ان کی میٹنگ تھی جس کے لیے وہ پریزنٹیشن تیار کر رہی تھی اسی کے بارے میں وہ اس سے بات

کرنے آفس آئی تو سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے ہاتھ سے فائل گر گئی تھی۔

"سر۔ سر آپ کو کیا ہوا؟ آپ ٹھیک تو ہیں۔" وہ اسے زمین پر گرا دیکھ کر پریشانی سے اس کی طرف بڑھی۔ آبان شاہ نے اسے دیکھا چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

"سر اٹھیں۔ آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔"

اس نے اپنی حساس طبیعت سے مجبور ہو کر اسے سہارا دیا اور کمرے میں پڑے ڈبل سائز کے کاؤچ پر لا کر بٹھایا۔ نا جانے اس کے لمس میں ایسا کیا تھا جو آبان شاہ اس کو دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اسے سہارا دینے کے چکر میں اس کے سر پر ہر وقت ٹکی ہوئی چادر ہلکی سی سر سے سرکی اور سنہری بالوں کی کئی لٹیں اس کے چہرے کو چھونے لگی تھی۔

اپنے اوپر نظروں کی تپش کو محسوس کر کے زینیا نے اس کی طرف دیکھا جو ٹکٹکی باندھے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی گہری بلیو آنکھیں جو سمندر کی طرح گہری تھیں جس میں ڈوب جانے کو دل کرتا۔ زینیا نے ایک گہرا دکھ سا محسوس کیا تھا اسے ایسا لگا جیسے اس شخص کا بہت گہرا دکھ ہو۔

"پرنسز۔" آبان شاہ کے منہ سے بے اختیار یہ لفظ نکلا جس پر وہ فوراً سنبھلی۔

"میں آپ کے لیے میڈیسن لے کر آتی ہوں۔" وہ کمرے سے نکلی آبان شاہ نے اسے جاتا دیکھا اور اپنی طبیعت کی پرواہ کیے بغیر اٹھا۔

"یہ مجھے کیا ہوا۔ اس لڑکی میں ایسا کیا تھا جس کے چھونے سے مجھے ایسا احساس ہوا تھا اس کی آنکھیں اس کے بال تو بالکل۔" وہ اپنے آپ سے بولا وہ جس میں پہلے چلنے کی ہمت نہیں اب ایسا تھا جیسے کسی نے جادو سے اس کے جسم میں طاقت ڈال دی۔ وہ آفس کے ساتھ والے کمرے میں گیا جہاں ریک میں پڑی ساری فائلز کو دیوانہ وار اٹھا کر ایک ایک کر کے

کھول کر دیکھنے لگا۔

ایک فائل کے ڈاکومنٹس پر اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔ وہ دیکھتا رہا تھا۔ وقت کی رفتار جیسے تھم سی گئی اس کی دھڑکنیں جیسے تیز ہو گئی ہوں۔ آنکھیں بس اس پر مرکوز تھیں۔

نام: زینیا شاہ

والد نیم: عثمان شاہ

ڈیٹ آف برتھ 2 فروری 1997ء

وہ یہ ڈیٹ کیسے بھول سکتا تھا۔

''مس زینیا کو فوراً میرے آفس میں بھیجو۔'' اس نے کمرے میں آئے پیون کو کہا اور خود بے چینی سے چکر کاٹنے لگا۔ اگلے دو منٹ میں وہ اس کے سامنے تھی۔

''سر یہ لیں آپ یہ میڈیسن کھائیں تو آپ کا بخار تھوڑا ہلکا ہو جائے گا۔'' وہ آتے ہی اس کی طرف میڈیسن بڑھاتے ہوئے بولی۔

کونسی میڈیسن، کس کی میڈیسن یہ سب کہاں سجھائی دے رہا تھا۔ اسے اس وقت سب بھول گیا تھا وہ جانتا تھا تو بس اتنا کہ وہ اس کی پرنسز ہے۔

''تم۔ تم میری پرنسز ہو ناں۔'' وہ دیوانوں کی طرح اس کی طرف بڑھا اور اس کے ایک ایک نقش کو چھو کر دیکھنے لگا۔ یقین کرنے لگا کہ یہ جیتا جاگتا سچ ہے کوئی جھوٹ تو نہیں۔ زینیا ہکا بکا ہوئی اور فوراً پیچھے ہٹی۔ اس نے پھر اپنے دل کی تسلی کے لیے اس کو بازوؤں سے پکڑا اور قمیض کے بازو اوپر کرنے لگا جب وہ چلائی۔

''سر! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ چھوڑیں۔''

لیکن اس کا احتجاج کون سن رہا تھا جب اس نے نہ چھوڑا تو اس نے زناٹے دار تھپڑ اس کی

گال پر رسید کر دیا تھا۔ وہ نہیں سمجھی تھی وہ ایسا کیوں کر رہا اور نہ سمجھنا چاہتی تھی۔

"آپ کو میں نے دوسرے مردوں سے مختلف سمجھا تھا لیکن آپ بھی ویسے ہوں گے میں نے کبھی سوچا نہیں تھا سر۔" بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔ آنسو آنکھوں سے لڑھکتے گئے۔ وہ آنکھوں میں آنسو اور دل میں دکھ لیے نہ صرف وہاں سے نکلی تھی بلکہ اس کی کمپنی سے ہی نکل آئی تھی۔

وہ تو بس چپ چاپ کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہ گیا تھا لیکن وہ اسے ایسے نہیں جانے دے سکتا تھا اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ ہی اس کی پرنسز ہے اس لیے وہ کسی کو فون کرتا اس کے پیچھے نکلا تھا۔

☆......☆......☆

وہ روتی دھوتی جیسے ہی گھر پہنچی تو سامنے فانیہ مرزا کو بیٹھے دیکھ کر وہ آگ بگولہ ہو گئی تھی وہ آج بھی اسے لینے آئی تھیں۔

"آپ کتنی ڈھیٹ عورت ہیں، کتنی دفعہ منع کیا ہے مجھے نہیں جانا آپ کے ساتھ پھر کیوں آجاتی ہو آپ۔" وہ غصے سے کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر بولی۔

"تو ٹھیک ہے اگر تم اپنی ماں کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تو جہاں ہم تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں وہاں چپ چاپ شادی کر کے سسرال چلی جاؤ کیونکہ اب ہم بھی تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتے۔" اس سے پہلے وہ کچھ بولتیں زاہرہ بیگم نے اپنا حربہ آزمایا۔

"ٹھیک ہے میں شادی کے لیے تیار ہوں آپ جب کہیں گی میں شادی کر لوں گی لیکن اس عورت کے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گی۔" وہ نفرت سے ان کی طرف دیکھتے بولی۔

"لیکن بیٹی میں......"

اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں بات کرنے سے روکا۔

"نہیں ہے کوئی آپ کی بیٹی۔ آپ کی بیٹی اسی دن مر گئی تھی جس دن آپ مجھے چھوڑ کر چلی

گئی تھیں۔ سمجھی آپ۔ اس لیے پلیز میری زندگی پہلے ہی عذاب ہے اسے اور عذاب مت بنائیں یہاں سے چلی جائیں۔" وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے بولی۔ اتنی نفرت اتنی بے رخی سے ان کا دل کٹ سا گیا

"زینی تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔"

وہ لوگ صحن میں ہی تھے جب عنزہ نے اسے آکر بتایا جو دروازہ کھٹکنے پر کھولنے گئی تھی۔ زینیا نے سامنے دیکھا تو حیران رہ گئی کیونکہ عنزہ کے پیچھے آبان شاہ تھا۔ سب نے آنے والے کو حیرانگی سے دیکھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" وہ غصے سے بولی۔

"آپ زینیا شاہ ہوناں۔ عثمان شاہ کی بیٹی۔ فانیا مرزا کی بیٹی۔" آبان شاہ نے اس کی بات کو نظرانداز کر کے اس سے پوچھا جس پر زینیا سمیت سب نے اسے حیرانگی سے دیکھا۔ بھلا یہ کیوں پوچھ رہا تھا اور یہ ہے کون۔ سب انجان تھے۔ زاہرہ بیگم تو اتنے وجیہہ لڑکے کو دیکھ کر حیران تھیں لیکن وہ زیادہ دیر چپ نہ رہ سکیں اور اس کی بات کا جواب دیتے بولیں۔

"ہاں یہ بیٹی تو عثمان شاہ اور فانیا کی ہے لیکن مصیبت ہم پر ڈالی ہوئی ہے۔ لیکن تم کون ہو یہ بتاؤ۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

وہ ہاتھ ہلاتے بولیں لیکن اگلے ہی پل سب کو سانپ سونگھ گیا۔ سب دنگ رہ گئے تھے جب وہ زاہرہ بیگم کے منہ سے نکلنے والے لفظوں کو سنتے ہی وہی پر سجدے میں چلا گیا تھا۔ سب حیران تھے کہ یہ کیا کر رہا ہے۔ وہ کیا جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب کا شکر ادا کر رہا تھا۔ اس کے رب نے اسکی دعائیں رنگ لائی تھیں۔ پانچ منٹ بعد جب وہ اٹھا تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ نظریں زینیا پر مرکوز تھیں۔ خوشی کے آنسو اس کی خوبصورت چمکتی آنکھوں سے

لڑھک رہے تھے۔ جب دعائیں پوری ہوتی ہیں جب امیدیں پوری ہوتی ہیں ایسے ہی بالکل ایسے ہی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکلتے ہیں۔ اپنے خدا کا شکر ادا ہوتا ہے اس عظیم ہستی کے لیے شکر کے کلمات جاری ہوتے ہیں۔

وہاں موت کی سی خاموشی چھائی تھی جسے نانو کی نحیف آواز نے توڑا تھا۔

''بیٹا تم کون ہو؟ ہم نے تمہیں پہچانا نہیں؟''

ان کی بات پر اس نے مسکراتے ہوئے موبائل پر عباد شاہ کو میسج کیا اور پھر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''میں کون ہوں؟'' اس نے زینیا کی طرف دیکھا جو لاپروائی سے کھڑی تھی۔

''میں مقصود شاہ کا پوتا، فرقان شاہ کا بیٹا، عثمان شاہ کا بھتیجا، زینیا شاہ کا شوہر آبان شاہ ہوں۔'' اس نے ٹھہر ٹھہر کر اپنا پورا تعارف کروایا۔ سب پر بم گرایا تھا زینیا تو لفظ شوہر پر دنگ تھی۔ آنکھیں پھاڑے وہ اسے دیکھنے لگی تھی۔ یہ کیا کہہ رہا تھا۔ سب ساکت و جامد ہو گئے تھے۔ زینیا کا سکتہ ٹوٹا۔

''مسٹر آبان شاہ! آپ کیا بکواس کر رہے ہیں اندازہ بھی ہے آپکو۔'' زینیا نے چبا چبا کر لفظ ادا کیے تھے۔

''دیکھا میں کہتی تھی ناں ایک نہ ایک دن یہ اپنا اصل رنگ ضرور دکھائے گی۔ دیکھا میں نے کہا تھا ناں۔'' اس سے پہلے آبان شاہ زینیا کی بات کا جواب دیتا زاہرہ بیگم نے اپنا ہی شور مچا دیا تھا۔

''معاف کیجیے گا آنٹی اس میں میری پرنس (وہ پرنسز کہتے کہتے رکا تھا) آئی مین زینیا کا کوئی قصور نہیں۔ ہمارا نکاح بچپن میں ہی ہو گیا تھا اس بارے میں صرف ہماری فیملی ہی جانتی

ہے۔اور مجھے پتہ ہے آپ سب کو یقین نہیں ہے لیکن بہت جلد آ جائے گا جب میں اپنی فیملی کے ساتھ زینیا کو لینے آؤں گا۔" آبان شاہ نے زاہرہ بیگم کی بات پر غور کرتے وضاحت دی تھی پھر وہ زینیا کے قریب آیا۔

"میں کیسے آپ کو بتاؤں کہ کتنا آپ کو اپنے خدا سے مانگا۔اپنے پیارے مولا کا کیسے شکر ادا کروں سمجھ نہیں آ رہا۔" وہ اس کے چہرے کو نگاہوں کے حصار میں لیے بولا۔ساتھ میں آنکھیں اشکبار تھیں۔

"اچھا اب چلتا ہوں لیکن کل سب کے ساتھ آپ کو لینے آؤں گا۔" وہ آنسو صاف کرتے بولا۔چاہتا تو وہ اب اسے ایک لمحہ بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں تھا۔لیکن اسے یقین تھا اب ملن ضروری تھا۔

"رکو آبان شاہ۔" وہ جانے لگا جب وہ غصے سے چلائی تھی۔

"آج یہاں آئے ہو تو آئندہ نہ یہاں پر آنا اور نہ ہی اپنے خاندان کو یہاں لانا۔کل انہیں میری ضرورت نہیں تھی آج مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔" یکدم ہی اس کی آواز اونچی ہوئی۔لہجے اور آنکھوں میں نفرت سی سما گی تھی۔وہ نفرت بھری نگاہ فانیا مرزا اور اس پر ڈالتے منظر سے ہٹ گئی تھی۔ان دونوں نے اسے جاتا دیکھا۔آبان کے دل میں ایک امید تھی وہ سب پر ایک نگاہ ڈالتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

"ماما! پلیز چپ کر جائیں آپ جب سے آئی ہیں بس روئے جا رہی ہیں کچھ تو بتائیں کیا ہوا ہے؟" دانیال انہیں چپ کرواتے بولا جو جب سے زینیا سے مل کر آئی تھیں بس روئے جا رہی تھیں۔

”دانی! وہ مجھ سے بہت نفرت کرتی ہے بیٹا وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتی۔ لیکن میں اسے چھونا چاہتی ہوں اسے اپنے سینے سے لگانا چاہتی ہوں لیکن وہ مجھ سے......“ رونے کے باعث ان کی آواز رندھ گئی تھی جس وجہ سے سارے لفظ جیسے آنسو میں دب گئے تھے۔ انہوں نے روتے ہوئے اپنا سر دانیال کے کندھے پر رکھ دیا تھا۔

”ماما! وہ آپ سے نفرت نہیں کرتی۔ کوئی بھی اولاد اپنے والدین سے نفرت کیسے کر سکتی ہے۔ ان کا وقتی غصہ ہے مجھے امید ہے ان کا وہ غصہ بھی جلدی ختم ہو جائے گا۔ آپ حوصلہ کریں۔ یہ غلط فہمی آپ دل سے نکال دیں کہ وہ آپ سے نفرت کرتی ہیں۔“ دانیال ان کے آنسو صاف کرتے بولا۔

”دانی! وہ بہت ضدی ہے وہ کبھی بھی مجھ سے نہیں ملے گی۔“

”ماما! میری پیاری ماما۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں وہ سب ٹھیک کر دیں گے اب آپ جلدی سے رونا بند کریں اور بے فکر ہو جائیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

اس نے دل ہی دل میں زینیا سے بات کرنے کی ٹھانی تھی کیونکہ وہ انہیں روتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بے شک وہ اس کی سگی ماں نہیں تھیں لیکن ماں تھیں۔ ان دونوں بہن بھائیوں کو انہوں نے اپنی اولاد سے بڑھ کر پیار دیا تھا۔ کبھی بھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی اب اسے بھی ایک اچھے بیٹے کا فرض نبھانا تھا ایک ماں کو اس کی اولاد سے ملوانا تھا۔

”عثمان شاہ! تم نے اچھا نہیں کیا۔ میری بیٹی کو مجھ سے جدا کر کے۔ تم نے بہت برا کیا۔ اگر تم نے اسے اپنے پاس رکھنا نہیں تھا تو مجھ سے کیوں چھینا تھا اسے۔“ وہ دل میں عثمان شاہ سے مخاطب ہوئیں۔ ان کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ جب گھر پہنچا تو لاؤنج میں عباد شاہ کو چکر کاٹتے پایا جو نا جانے کب سے پریڈ کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اس کی طرف بڑھا۔

’’اف بھائی، اتنا انتظار۔ پتہ ہے آپ کے انتظار میں چکر کاٹ کاٹ کر میری ٹانگیں تھک گئی ہیں۔ اور آپ اکیلے آئے ہیں آپ کی پرنسز کدھر ہے؟‘‘ وہ اس کے پیچھے دیکھ کر بولا جیسے اس کے پیچھے چھپی ہو۔

’’بھائی میں آپ سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔‘‘ وہ جو اس کی بات کو نظر انداز کر کے اس کے سامنے سے ہٹ کر صوفے پر جا بیٹھا تھا۔

’’میں آپ کا تو نہیں اپنی بھابھی کا انتظار کر رہا تھا اور آپ اکیلے ہی منہ اٹھا کر آ گئے ہیں۔‘‘ وہ اس کے پاس ہی منہ بسورتے بولا تھا۔

’’بھائی کہاں ہے میری بھابی؟‘‘ وہ چلایا تھا۔ اسے کسی طور پر بھی صبر نہیں تھا۔

’’میری جیب میں......‘‘ ابان اس کی بات کو مذاق کا رنگ دیتے بولا۔ عباد شاہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا۔

’’کیا وہ اتنی چھوٹی ہیں کہ آپ کی جیب میں پوری بھی آ گئیں۔‘‘

’’عباد! تم بھی ناں وہ اپنے گھر پر ہے یار۔‘‘

’’بھیا ان کا گھر تو یہ ہے آپ انہیں ساتھ کیوں نہیں لائے۔‘‘ عباد شاہ کی بات پر اس کے کانوں میں زینیا کی آواز گونجی تھی۔

’’اور آپ نے وہاں آنے سے کیوں منع کیا تھا آپ کا میسج ملتے ہی میں فوراً ہوسپٹل سے نکلا تھا اور پھر آپ نے منع بھی کر دیا۔ کیوں بھیا؟‘‘

عباد شاہ بہت خوش تھا اور اندر ہی اندر تجسس میں بھی تھا کہ بھیا کو وہ مل بھی گئی پھر بھی اسے

اپنے ساتھ نہیں لے کر آئے۔

''یار! اتنا بے صبرا پن اچھا نہیں۔کل انشا اللہ بابا جان آجائیں پھر انہیں اکٹھے لے کر آئیں گے۔'' آبان شاہ نے کمزور سی دلیل دی تھی۔اس نے زینیا کی آنکھوں میں نفرت سی محسوس کی تھی جو وہ ہر گز نہیں چاہتا تھا۔

''بھیا! ویسے وہ دکھتی کیسی ہے؟ کیا وہ بالکل بچپن کی طرح ہے کیوٹ سی؟ قد لمبا ہے یا چھوٹا اور بال کیا وہ ابھی بھی سنہرے ہیں؟'' عباد شاہ کو کسی بھی طرح سکون نہیں مل رہا تھا تب ہی ایک سانس میں سارے سوال اکٹھے ہی پوچھ ڈالے۔اس کے سوالوں پر آبان شاہ کے عنابی لبوں پر مسکراہٹ سی رینگ گئی تھی۔

''بھیا کچھ تو بتائیں یار۔'' اسے وہاں سے اٹھتا دیکھ کر عباد شاہ نے دہائی دی تھی۔

''کل خود ہی دیکھ لینا۔'' وہ ہنستے ہوئے زینے طے کر گیا اور وہ اس کے ہونٹوں پر کھلتی سچی مسکان کو دیکھ رہ گیا۔

''یہ جان بھیا بھی ناں عجیب ہیں۔پہلے اپنی پرنسز کے لیے کیسے تڑپتے تھے اور اب ملی ہے تو ساتھ لے کر ہی نہیں آئے۔ویسے اللہ تعالیٰ جی جس طرح آج میرے بھیا مسکرا رہے ہیں اسی طرح وہ مسکراتے رہیں اب ان کی زندگی بہاروں سے بھر دینا اللہ جی بہت تڑپ لیا انہوں نے۔'' اس نے سچے دل سے پیارے مولا سے دعا مانگی تھی۔لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا اصل امتحان تو اب شروع ہونا تھا۔

☆......☆......☆

وہ اپنے کمرے میں آیا، لائٹ آن کی تو پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا تھا۔آج وہ بہت مسرور تھا۔اسے ہر چیز اچھی لگ رہی تھی۔وہ چلتا ہوا کمرے میں پڑے بڑے سے امریکی طرز کے

بنے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا۔اس کی نظر آئینے میں ابھرتے اپنے وجود پر پڑی ۔گہری بلیو آنکھیں اس کے ملنے پر چمک رہی تھیں۔شنگرفی لبوں پر خوبصورت سی مسکان سجی تھی۔

میرا یار جو مجھ سے بچھڑا تھا

آج وہ مجھ کو ملا تھا

روٹھی سی اک مسکان لبوں پر آئی تھی

انکھوں کے دیپ بھی جلنے لگے تھے

دل کی دھڑکن بھی بڑھنے لگی تھی

خوشیوں کی نوید مجھ کو ملی تھی

میرا یار جو مجھ سے بچھڑا تھا

آج وہ مجھ کو ملا تھا

''تم تو کہتے تھے اسے دیکھ کر ہی پہچان جاؤ گے پھر کیوں نہیں پہچانا تم نے وہ تمہارے سامنے تھی کتنی دفعہ ملی تھی پھر ایک ہفتہ اس نے تمہارے ساتھ کام بھی کیا پھر بھی نہیں پہچان پائے۔تم تو اسے پہلی نظر میں دیکھ کر پہچان جانے کے دعوے دار تھے۔''اس نے خود سے سوال کیا تھا۔

''ہاہاہاہا۔'' اچانک ہی قہقہے کی آواز گونجی۔وہ اس کا عکس تھا جو اس پر ہنس رہا تھا۔

''ارے او بگلے، ذرا بتانا کتنی دفعہ اسے غور سے دیکھا تم نے۔''

''غور سے تو کبھی نہیں دیکھا۔ہاں اس کی موجودگی سے مجھ کو عجیب سا احساس ہوتا تھا جسے میں نے نظر انداز کر دیا تھا ہر دفعہ۔''

''کسی اپنے کو پہچاننے کے لیے غور سے دیکھنا لازم نہیں، اس کے محسوسات ہی کافی ہوتے ہیں۔ احساس ہی کافی ہوتا ہے۔''

اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا جس سے اس نے اسے چھوا تھا۔ وہ کوئی خواب نہیں حقیقت تھی۔ وہ کوئی اور نہیں اس کی اپنی تھی۔ ہاں وہ آبان شاہ کی پرنسز تھی۔ آج وہ بہت خوش تھا اور اس کی خوشی کا اندازہ اس کے خوبصورت سے چہرے پر کھلنے والی مسکان تھی جو کوئی بھی اس وقت دیکھ لیتا تو دیوانہ ہو جاتا ہے۔

اپنی اس خوشی کا شکر ادا اس نے وہاں سے نکلنے کے بعد خدا کے حضور مسجد میں جا کر نماز شکرانہ سے ادا کیا تھا۔ پھر مغرب کی نماز پڑھ کے وہ واپس آیا تھا اس کے بعد وہ حویلی میں خبر کرنا نہیں بھولا تھا۔

☆......☆......☆

''نانو! میں آپ کو بتا دیتی ہوں۔ اگر یہ لوگ واپس یہاں آئے ناں تو میں یہاں سے بھی کہیں چلی جاؤں گی پھر سب کو سکون مل جائے گا۔ اور مجھے پتہ ہے اب آپ بھی مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتیں۔'' زینیا نانو کے پاس آ کر بیٹھی اور لہجے میں ہٹ دھرمی اور غصہ لیے بولی۔ وہ اسے دیکھنے لگیں جس کے چہرے کے تاثرات غصے سے بھرے تھے۔ اس کی بات پر وہ خاموش ہو گئی تھیں۔ وہ اسے سمجھا کر تھک چکی تھیں لیکن وہ بھی اپنی ہی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔

اس نے اپنے باپ اور تایا کے ساتھ ملنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ وہ بیچارے تو اگلے دن ہی ان کے در پر تھے۔ آبان شاہ بھی ان کے ساتھ تھا لیکن وہ سرے سے ہی ان کے سامنے نہیں آئی تھی۔ اس نے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ ایک دن نہیں روزانہ وہاں آتے تھے اس سے ملنے۔ اسے اپنے ساتھ لینے لیکن وہ ایسے تھی جیسے بے حس ہوگئی ہو۔ نانو کی کہی بات بھی اس پر اثر نہیں کر رہی تھی۔ نہ ہی وہ ان کے سامنے آتی اور نہ ہی ان کے ساتھ جانے پر راضی تھی۔

دوسری طرف زاہرہ بیگم بھی اسے اب اپنے گھر پر رکھنے کی روادار نہیں تھیں۔ وہ الگ سے اسے وہاں سے نکالنے کے درپے تھی۔ آخر کو ان کے بیٹے نے جس زینیا سے شادی کا مطالبہ کیا تھا وہ جو شروع سے ہی اس سے نفرت کرتے آیا تھا اب اسی نفرت میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات اس نے صرف ابھی اپنی ماں سے کی تھی اسی لیے تو انہیں آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ کبھی بھی ایسا نہیں چاہتی تھیں اسی لیے وہ اسے کسی بھی طرح اپنے گھر سے نکالنا چاہتی تھیں۔

اب تو انہوں نے زینیا کا کچن میں کیا گھر میں کسی بھی چیز کو ہاتھ لگانے پر پابندی لگا دی تھی اور اپنے شوہر کو گھر چھوڑنے کی دھمکی دے کر چپ کروا دیا ہوا تھا۔ اور نانو الگ بیمار تھیں اسی لیے وہ چاہتی تھیں کہ وہ اپنے گھر کی ہو جائے تاکہ وہ سکون سے مر تو سکیں ورنہ جس طرح کی ان کی طبیعت تھی انہیں ایسے لگتا تھا، جیسے وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکیں گی۔ اس لیے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک دفعہ اپنی زینیا کو وہ سچے دل کے ساتھ خوش ہوتے دیکھنا چاہتی تھیں اور یہ خوشی تب ہی ممکن تھی جب وہ اپنی ضد کو اپنی نفرت کو ختم کرے گی۔

اس پر حد سے زیادہ پریشانی سوا تھی جو اسے اور غصہ دلا رہی تھی۔ وہ چڑچڑی سے ہوگئی تھی۔

''زینی! قسم سے مجھے یقین نہیں آ رہا وہ ہینڈسم سا بندہ جس کے ساتھ تمہاری مال میں ٹکر ہوئی تھی وہ تمہارا شوہر ہوگا یار۔'' عنزہ خوش ہوتے بولی۔ اس کی نگاہوں میں اس دن والا واقعہ گھوم گیا تھا۔

”اپنی بکواس بند رکھو۔کوئی نہیں ہے میرا شوہروہر۔میں نہیں مانتی اس نکاح کو۔اور نانو، میں کسی اندھے لنگڑے سے شادی کرلوں گی لیکن اس گھر میں نہیں جاؤں گی۔آپ بھی ان لوگوں کی باتوں میں آرہی ہیں۔“وہ بات کرتے کرتے ان کی طرف متوجہ ہوئی جو تکلیف سے نڈھال لیٹی ہوئی تھیں۔

آبان شاہ جو آج بھی وہاں آیا تھا اس کی بات پر اس کے قدم چوکھٹ پر ہی رک گئے تھے اس کی نظر زینیا پر پڑی۔

”ارے آبان بھائی آپ۔“عنزہ کی نظر جب اس پر پڑی تو ایک نظر زینیا کو دیکھ کر بولی جس نے اس کی بات پر فوراً وہاں دیکھا۔

”اسلام علیکم۔“اس نے اندر آتے ہی سب کو سلام کیا۔

”وعلیکم السلام بیٹا۔“نانو نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔وہ ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

”ماں جی کیسی ہیں؟“

”تم بتاؤ،تم اتنے ڈھیٹ کیوں ہو جب میں نے منع کردیا تھا پھر کیوں ہر دفعہ آتے ہو۔بار بار یہاں پر ایک دفعہ کی بات تم پر اثر نہیں ہوتی کیا؟“

اس سے پہلے نانو اس کی بات کا جواب دیتیں وہ غصے سے ساری تمیز اخلاق کو بالائے تاک رکھ کر اس پر غصے سے چڑھ دوڑی۔آبان شاہ اس کی بات کا برا منائے بغیر مسکرایا جیسے وہ جیسا مرضی اس کے ساتھ سلوک کرے جتنا مرضی غصہ کرے وہ تو پھر بھی اسے چاہے گا۔

عنزہ نے اور نانو نے بھی حیرت سے اسے دیکھا

”زینیا! یہ تم کس طرح بات کر رہی ہو؟“اس کی بدتمیزی پر انہیں دکھ ہوا تھا۔”بیٹا! تمہارا شوہر ہے۔“

''نہیں ہے میرا شوہر یہ، سمجھیں اگر ہے بھی تو اسے بولیں کہ مجھے طلاق دے۔ آج اتنے عرصے بعد میری یاد آ گئی ہے سب کو جب مجھے کسی کی ضرورت نہیں پہلے تو سب مر چکے تھے نہ کوئی ماں زندہ نہ کوئی باپ۔ اب شوہر بھی زندہ ہو گیا۔'' اپنے اندر کا زہر وہ باہر اگل رہی تھی یہ دیکھے بغیر کہ ان کے دل پر کیا اثر ہو رہا ہے۔

''زینیا! زینی، ایسے مت بولو بیٹا۔ ایسے مت کہو۔'' وہ جو پہلے ہی بیمار تھیں اس کی باتیں، اس کا لہجہ اس قدر ان پر اثر انداز ہوا کہ دل کے بائیں طرف ہاتھ رکھتے وہ وہی لڑھک گئی تھیں۔

''نانو!'' زینیا ان کی طرف بڑھی۔ اسے بھی فکر لاحق ہوئی جس سے وہ آگے کو ہوا۔ اس نے اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا تھا۔

''ہاتھ مت لگاؤ میری نانو کو۔ میں جان سے مار دوں گی تمہیں۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔'' وہ چلائی تھی اور نانو کے چہرے کو تھپتھپانے لگی۔ آبان شاہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ کس قدر اس کے اندر نفرت اور بدگمانی بھری ہوئی تھی لیکن یہ وقت اس بات کو سوچنے کا نہیں تھا۔

''زینیا! یہ وقت غصہ کرنے کا نہیں۔ پلیز انہیں ایمرجنسی ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔ دیکھیں ان کا رنگ کیسے زرد پڑ رہا اس لیے انہیں فوراً ہوسپٹل لے کر جانا ہوگا پلیز آپ بات سمجھنے کی کوشش کریں۔'' آبان شاہ نے ان کے بے ہوش زرد چہرے پر نظر ڈالتے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہاں زینی، یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' عنزہ بولی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے پھر اس نے دیکھا آبان شاہ نانو کے کمزور وجود کو اپنی بانہوں میں اٹھا کر باہر نکل گیا۔ وہ دونوں بھی اس کے پیچھے بھاگی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ اپنے کمرے میں اندھیرا کیے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں ان کی اپنی بیٹی کی تصویر تھی۔ ان کی گڑیا، ان کی پری تھی۔ ان کی پیاری بیٹی جسے قسمت نے، کچھ انہوں نے خود اسے اپنے سے دور کر دیا۔ آج وہ اسے اپنے پاس لانا بھی چاہتے تھے تو وہ ان سے دور چلی گئی تھی

جب پتہ چلا کہ وہ زندہ ہے۔ اتنے سال انہوں نے ایک جھوٹ میں کسی کی رچی سازش میں گزار دی تھی۔ وہ ایک جھوٹ تھا وہ ایک سازش تھی۔ وہ کتنے تڑپے تھے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سب کچھ تہس نہس کر دیں۔

ہوتا ہے بہت دکھ ہوتا ہے جب ہم اپنی زندگی کا کچھ حصہ دھوکے میں گزار دیتے ہیں۔

"عثمان! آپ کمرے میں اندھیرا کیوں کیے بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ رو کیوں رہے ہیں۔" طیبہ شاہ کمرے کی لائٹ آن کرتے بولیں اور انہیں روتا دیکھ کر پوچھے بغیر نہ رہ سکیں پھر ان کے ہاتھ میں زینیا شاہ کی بچپن کی تصویر دیکھ کر وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھیں۔

"تم تینوں بہن بھائیوں نے اچھا نہیں کیا۔ طیبہ! زندگی برباد کر دی ہے میری۔" وہ شکوہ کرتے ہوئے بولے۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو سیدھی طرح بولو ناں، یہ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو۔"

"یہ انجانے پن کا ناٹک بند کرو تمہارے کرتوت کھل چکے ہیں۔ میری زندہ بیٹی کو تم لوگوں نے مار ڈالا۔ وہ بھی اس لیے کہ میں اس سے نہ ملوں۔ برا کیا تم لوگوں نے۔ بہت برا کیا میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا طیبہ، کبھی نہیں۔" غم و غصے سے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔ طیبہ شاہ انہیں روتا دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

عباد شاہ کی وجہ سے انہیں ایمرجنسی ٹریٹمنٹ دیا گیا۔ ہوش تو انہیں آ گیا تھا لیکن ان کا

آپریشن ہونا باقی تھا۔جس کے لیے آبان شاہ نے لندن سے ڈاکٹر بلائے تھے۔ان کی حالت کافی تشویش ناک تھی اور زینیا، وہ جب سے ہوسپٹل آئی تھی پریشانی کے باعث بس چکر ہی کاٹ رہی تھی۔اسے اس وقت فکر تھی تو بس اپنی نانو کی اور اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

فرقان شاہ اور عثمان شاہ بھی سن کر وہاں آگئے تھے۔عثمان شاہ نے جب اسے دیکھا تو ان کا دل کیا کہ وہ بھاگ کر آئے اور ان کے سینے سے لگ جائے۔وہ اسے تسلی دینا چاہتے تھے۔وہ ان کے سامنے تھی لیکن بہت دور تھی۔سات سال کی تھی وہ جب انہوں نے اسے اپنے سے دور کیا تھا اور آج......

”زینیا بیٹا! آپ حوصلہ کرو، آپ کی نانو بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔آپ دعا کریں اللہ تعالیٰ انہیں صحت و تندرستی دے۔“فرقان شاہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا جب وہ ان پر ان کے پیچھے کھڑے عثمان شاہ پر تیکھی نگاہ ڈال کر سائیڈ پر کھڑی ہوگئی۔اس بات کا اشارہ تھا کہ اس کا ان کے ساتھ کوئی سروکار نہیں۔

”بھیا! یہی آپ کی پرنسز ہے ناں اور میری بھابھی بھی۔“عباد شاہ آج اسے پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا اور حد درجہ حیران بھی بہت ہوا تھا۔

”اف بھائی، یہ تو بہت ہی پٹاخہ قسم کی لڑکی ہے۔خاص کر کے وہ جوان کے ساتھ کالی چڑیل ہے وہ تو کچھ زیادہ ہی......“بات کرتے کرتے اس نے دانتوں تلے زبان دی کیونکہ آبان شاہ اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔اس کے پٹاخہ کہنے پر اس نے اسے غصے سے دیکھا۔

”وقت کی نزاکت کو تم کب سمجھا کرو گے عباد شاہ، کبھی تو اپنی حس مزاح کو پھڑکنے سے روکا کرو۔“آبان شاہ نے اسے شرمندہ کرنا چاہا جو اتنی مشکل وقت میں بھی باز نہیں آیا تھا۔

''بھائی! میں مذاق کب کر رہا ہوں۔ میں تو سنجیدہ ہوں۔ یہ دیکھیں میرے چہرے کی طرف کہیں سے لگ رہا ہے آپ کو کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔'' وہ اس کی بات پر تڑپ ہی تو اٹھا تھا اس لیے اپنے چہرے کی طرف اشارہ کیا جس پر حد درجہ معصومیت سی چھائی ہوئی تھی۔

''تو ڈاکٹر صاحب، اگر آپ سنجیدہ ہو ہی چکے ہیں تو کیا ہم بات کر لیں؟'' فرقان شاہ اس کی بات سن چکے تھے اس لیے طنزاً بولے۔

''بابا آپ بھی؟'' اس نے صدمے سے پوچھا کہ وہ بھی اسے غیر سنجیدہ سمجھ رہے تھے۔

''جی ہاں۔ اب تم یہ بتاؤ کہ کیا رپورٹ ہے ان کی طبیعت اب کیسی ہے اور آپریشن کب تک ہوگا؟'' انہوں نے تشویش بھرے لہجے میں اس سے پوچھا جب اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''فی الحال تو ان کی کنڈیشن سٹیبل ہے لیکن بابا، ان کے گھر والے آپریشن کے لیے مجھے راضی نہیں لگ رہے؟'' اس نے اندازہ لگایا تھا۔ عباد شاہ کی بات پر وہ چونکے تھے۔

''ارے ایسے کیسے ہو سکتا ہے میں ابھی وقار سے بات کرتا ہوں۔ وہ کیوں نہیں آپریشن کیلئے راضی۔'' وہ حیران ہوتے ہوئے ان کی طرف آ گئے تھے۔

فرقان شاہ نے جب وقار صاحب سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ ان کے لیے آپریشن کے لیے اتنی رقم نہیں ہے۔ وہ شرمندگی سے سر جھکا گئے تھے۔

''اس کے لیے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں انکل۔ ہم ہیں ناں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' آبان شاہ نے انہیں تسلی دی۔

''بالکل آبان ٹھیک کہہ رہا ہے۔ آپ بس اللہ پاک پر یقین رکھیں وہ سب ٹھیک کر دے گا۔'' فرقان شاہ نے اس کی بات پر پریشان سے کھڑے وقار صاحب کو تسلی دی تھی۔ عنزہ جو

ان سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی تھی اس کی آواز پر اسے دیکھنے لگی۔اسے دیکھ کر عنزہ کو زینیا کی قسمت پر رشک آیا تھا اور دل سے اس کی خوشی کے لیے دعا مانگی تھی۔

”دیکھیں۔آپ اندر نہیں جاسکتیں۔پیشنٹ کو بات کرنے سے منع کیا گیا ہے ان کے آس پاس ٹینشن کری ایٹ نہیں کرنی۔آپ میری بات سمجھ کیوں نہیں رہیں؟“ ڈاکٹر مصطفیٰ کی جھنجھلائی ہوئی سی آواز آئی۔

”ڈاکٹر! میں اپنی نانو کو دیکھنا چاہتی ہوں۔آئی پرامس، میں کوئی بات نہیں کروں گی۔میں صرف انہیں نزدیک سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ پلیز ڈاکٹر پلیز۔ایک دفعہ مجھے اندر جانے دیں۔“ زینیا نے ڈاکٹر کی منت کرتے ہوئے کہا۔نا جانے اس کے دل میں کیسے وسوسے اٹھ رہے تھے جن سے گھبرا کر وہ ان کے پاس اندر جانا چاہتی تھی۔

”ڈاکٹر! پلیز انہیں جانے دیں اندر۔“ عباد شاہ نے اپنے بھائی کی مشکل کو حل کیا جو زینیا کو روتا دیکھ کر تڑپ رہا تھا۔وہ اجازت ملنے پر فوراً آئی سی یو روم میں داخل ہوگئی اور بھاگتی ہوئی ان کے بیڈ تک آئی جو دوائیوں کے زیرِ اثر غنودگی میں تھیں۔کمزور زردی بھرے چہرے پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا۔وہ کتنی ہی دیر انہیں دیکھتی رہی تھی۔

”نانو! میری پیاری نانو آئم سوری۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور ساتھ ہی اپنی نانو کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔

”زینی میری بچی۔“ شاید اس کے رونے کا اثر تھا یا اس کی سرگوشی کا جب وہ اپنی آنکھیں کھولتے ہوئے اپنی نحیف سی آواز میں اسے پکارا۔

”نانو آپ......آپ ٹھیک ہیں ناں۔دیکھیے گا آپ کا آپریشن ہوگا ناں آپ بالکل ٹھیک ہوجائیں گی۔“ وہ ان کا ہاتھ پکڑتے اسے چومتے ہوئے بولی۔

''زینی! میری بات سنو بیٹا۔'' وہ آکسیجن ماسک اتارتے بولیں۔ ان کی آواز میں حد درجہ کمزوری تھی۔

''نہیں نانو آپ کو کوئی بات نہیں کرنی۔ ڈاکٹر نے بات کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔'' وہ ان کا آکسیجن ماسک دوبارہ سیٹ کرتے بولی جب انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''زینی! ایک دفعہ میری بات سن لو بیٹا پھر پتہ نہیں تم اپنی نانو کی کوئی بات سن پاؤ گی یا نہیں۔''

''نہیں نانو۔ میں آپ کی ہر بات سنوں گی آپ کی ہر بات مانوں گی اللہ تعالیٰ آپ کو بس جلدی سے ٹھیک کر دیں۔ میں آپ کی ہر بات سنوں گی آپ بس ایسی بات مت کریں۔'' وہ ان کی بات پر گھبرا کر اس نے اپنا سر بیڈ پر رکھ دیا۔

''ٹھیک ہے نہیں کرتی لیکن میری ایک بات مانو گی میری جان؟''

''ہاں نانو۔ میں مانوں گی آپ کی ہر بات...... ہر بات مانوں گی۔'' نہ جانے کیوں ان کا دل خوفزدہ سا ہو گیا تھا۔

''بیٹا! میری زندگی کا کوئی پتہ نہیں۔ اپنی ممانی کا تمہیں پتہ ہے وہ تمہارا وجود ایک سیکنڈ بھی گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ نہ ہو میرے مرنے کے بعد وہ تمہارا جینا محال کر دے۔ بیٹا اس لیے میں چاہتی ہوں تمہیں اپنے گھر رخصت کر دوں۔ تمہیں دلہن بنا دیکھنا چاہتی ہوں۔'' انہوں نے اپنی خواہش بتائی جس پر اس نے ان کو چونک کر دیکھا جو اس حالت میں بھی اسی کے بارے میں پریشان تھیں۔

''نانو! میں......''

''زینیا! میری بچی اپنی ضد اپنی نفرت کو ختم کر کے تم اپنی نئی زندگی شروع نہیں کر سکتی۔ پتہ

نہیں میں تمہاری شادی کس کے ساتھ کر دیتی مجھے کیا پتہ تھا کہ تمہارا نکاح ہو چکا ہے تم کسی اور کی ہو چکی تھی۔ بیٹا! خدا نے مجھے ایک گناہ کرنے سے بچا لیا۔ میری جان وہ تمہارے تایا کا بیٹا بہت اچھا ہے چلی جاؤ اپنے گھر رخصت ہو کر۔ خوشیاں تمہاری چوکھٹ پر آئی ہیں انہیں اپنانے سے انکار مت کرو زینی۔'' وہ اتنی لمبی بات کے بعد ہانپنے لگی تھیں۔

''نانو پلیز، چپ ہو جائیں آپ کی طبیعت پہلے ہی خراب ہے اور آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں۔'' وہ ان کے منہ پر آکسیجن ماسک چڑھاتے بولی۔ ''میری ساری خوشیاں آپ کے ساتھ ہیں نانو، اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو آپ کی زینی کی ساری خوشیاں روٹھ جائیں گی۔ میں آپ کے لیے وہ سب کروں گی جس کے لیے میرا دل و دماغ دونوں راضی نہیں۔ میں آپکی خوشی کے لیے اپنی جان بھی دے سکتی ہوں نانو، یہ کونسی بڑی بات ہے۔''

وہ پیار سے ان کے سر پر ہاتھ ان کے گالوں پیار کرتے ہوئے بول رہی تھی۔ کبھی کبھی ہمیں اپنوں کے لیے اپنی ضد سے ہٹنا پڑتا ہے۔ زینیا نے بھی ان کی خوشی کے لیے ایک کڑا فیصلہ کیا تھا۔ جس سے ان کی روح کو سکون سا مل گیا تھا۔ یہاں پر ہی تو اس کا ایک نیا امتحان شروع ہونا تھا۔

☆......☆......☆

پھر ان کے آپریشن کے ایک دن پہلے زینیا کا آبان کے ساتھ نکاح اور رخصتی طے پائی تھی۔ اس کے دل میں ان سب کے لیے بدگمانی اور نفرت تو ختم نہیں ہوئی تھی لیکن وہ نانو کی خوشی میں ان لوگوں کے بیچ جا رہی تھی جنہیں اتنے سالوں سے اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ جنہوں نے پندرہ سالوں سے اس کی خبر نہیں لی تھی کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی ہے۔ ان کے لیے تو اس کے دل میں بدگمانی تو پیدا ہوئی تھی۔ اسے کبھی بھی نہیں لگتا تھا کہ اس کے ماں باپ دنیا میں موجود

ہیں جس دنیا میں وہ رہتی ہے۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی اس نے یتیم جیسی زندگی بسر کی تھی۔ وہ بہت سے گلے شکوے اپنے سینے میں دبائے وہاں سے رخصت ہو کر جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

''آپی! بھیا کو اگر اس سب کے بارے میں ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو وہ بہت غصہ ہوں گے۔ آپ جانتی ہیں۔'' طیبہ شاہ نے انہیں نوید شاہ کی طرف سے اٹھنے والے طوفان سے آگاہ کیا تھا جو خود بہت پریشان سی تھیں۔

''طیبہ! اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ ہمارے ہاتھ سے سب کچھ نکلتا جا رہا ہے۔''

''اچھا ہوتا ہم اس فساد کی جڑ کو پندرہ سال پہلے ہی بیچ میں مار دیتے لیکن آپ نے ترس کھا کر کہہ دیا کہ ایسا رہنے دو اب ہمیں ہی بھگتنا پڑے گا۔''

طیبہ شاہ کا غصہ کسی طور پر بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔ جب سے انہیں زینیا کا معلوم ہوا تھا ان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ان کے سامنے آئے تو اسے مار کر رکھ دیں۔

باہر سے آتے عثمان شاہ کے اندر کی طرف اٹھتے قدم رک گئے۔ ان کی بات پر ان کا دل کیا وہ اپنی شریک حیات کے چہرے پر ایک جھانپڑ رسید کر دیں جن کے دل میں ان کی بیٹی کے لیے اتنی نفرت بسی ہوئی تھی۔

''بس طیبہ شاہ! آپ تینوں بہن بھائیوں نے کھیل لیا ہمارے ساتھ جتنا کھیلنا تھا۔ اب اگر آپ نے میری بیٹی کو نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کی یا اس بارے میں سوچا بھی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' انہوں نے غصے بھری نگاہ سے ان دونوں کو وارن کیا تھا جو ڈر کے مارے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

ایک جھوٹ کو چھپانے کی خاطر اس پر جتنے مرضی جھوٹ کی تہیں چڑھانے کی کوشش کر لیں ایک دن سارا جھوٹ ساری جھوٹ کی تہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ جھوٹ کبھی بھی زندہ نہیں رہ سکتا اور سچ کبھی بھی مر نہیں سکتا۔

''اور بھابھی، آپ نے جو کیا ہے ناں اگر آپ کے بیٹے کو پتہ چل جائے تو وہ جو مجھ سے نفرت کرتا تھا ناں اس سے دوگنی وہ آپ سے کرتا۔ میں چاہتا تو اسے ساری سچائی بتا دیتا لیکن میں ایک بیٹے کا مان نہیں توڑنا چاہتا تھا کیونکہ مان ٹوٹنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ بھابھی، یہ مجھ سے اچھا کون جانتا ہے۔ اور بھابھی، اگر آپ چاہتی ہیں کہ آبان کو پتہ نہ چلے تو آپ کو خوشی خوشی میری بیٹی کو رخصت کر کے لے کر آنا ہے۔ ورنہ جو دھمکی آپ نے مجھے دی تھی اس پر میں اور بھیا عمل بھی کر دکھائیں گے۔'' وہ انہیں سخت لہجے میں وارن کرتے ہوئے بولے اور وہاں سے ان پر دھماکہ کر کے نکلتے چلے گئے۔ جویریہ شاہ تو حیران پریشان وہاں بیٹھتی چلی گئی اور طیبہ شاہ کو جیسے ان کی دھمکی کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

☆......☆......☆

''بس بہت ہو گیا عمر، اب میں تمہاری بکواس نہ سنوں گی۔ ارے میں اس لڑکی کو یہاں سے نکالنے پر تلی ہوئی ہوں اور تم ہو کہ اس سے شادی کرنے کی بات کر رہے ہو ایسا تم نے سوچ بھی کیسے لیا۔''

عمر کی زینیا کے ساتھ شادی کرنے کی تکرار پر وہ بھڑک ہی اٹھی تھیں۔

''امی! کیا ہو گیا ہے میں کونسا اس کی محبت میں اس سے شادی کر رہا ہوں۔ میں شادی اس کا گھمنڈ اتارنے اس کے غرور کو ملیا میٹ کرنے کے لیے کرنا چاہتا ہوں۔ میری ضد ہو گئی ہے اس سے شادی کرنے کی۔'' وہ غصے اور نفرت سے پھنکارا تھا۔

”لیکن میں تمہاری یہ ضد ہرگز پوری نہیں کروں گی۔ میں تو شکر کا کلمہ پڑھوں گی جب وہ یہاں سے دفعہ ہوگی۔“

”امی!......“ اس سے پہلے وہ کچھ بولتا انہوں غصے سے اس کی بات کو ٹوک دیا تھا۔

”بس بہت ہوگی بحث۔ اب ایک لفظ نہ سنوں تمہارے منہ سے۔ آج شام کو اس کا نکاح ہے اگر تم نے کوئی ہنگامہ کیا تو پھر دیکھنا میں کیا کرتی ہوں۔“ وہ سخت لہجے میں اسے وارن کرتے بولیں اور باہر نکل گئیں اور وہ اپنا غصہ اپنے کمرے کی چیزوں پر اتارنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

زینیا ظہر کی نماز پڑھ کر جائے نماز تہہ کر کے رکھ رہی تھی جب عنزہ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ لوگ ایک گھنٹہ پہلے ہی ہوسپٹل سے گھر آئی تھیں

”آؤ زینی، میں تمہیں مہندی لگا دوں۔“ وہ اسے مہندی کی کون دکھاتے بولی۔

”مجھے نہیں لگوانی مہندی شہندی۔“ وہ ناگواری سے بولی۔

”کیوں نہیں لگوانی؟ میری سہیلی میری پیاری زینی میرے مکھنا کی شادی ہو رہی ہے اور میں عنزہ وقار اپنے مکھنا کو تیار بھی نہ کروں ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ نو نیور۔“ وہ نفی میں سر ہلاتے بولی اور اسے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

”عنزہ! تم......“

”چپ۔ دلہن زیادہ باتیں نہیں کرتی اور تم جانتی ہو، دادو نے مجھے کہا ہے کہ جاؤ عنزہ میری زینی کو ایک دلہن کی طرح سجاؤ۔ اس کے گورے گورے ہاتھوں پر مہندی لگاؤ، اس کا بناؤ سنگھار تم کرو۔ میں اپنی زینی کو ایک مکمل دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیا تم ان کے لیے بھی تیار نہیں ہو سکتی۔“ عنزہ نے سنجیدگی کی چادر اوڑھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”ان کی خوشی کے لیے تو یہ سب کر رہی ہوں۔بس وہ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔“ وہ دل میں سوچتے ہوئے بولی۔آنکھیں اشکوں سے بھر گئی تھیں۔

ان کا دوبارہ نکاح ہونا تھا جس میں سارے گھر والے ہی تھے۔زینیا کو عنزہ نے ہلکا پھلکا سا تیار کیا تھا۔پھر مغرب کے وقت آبان شاہ اپنی ساری فیملی کے ساتھ وہاں آیا تھا۔وہ نکاح کے لال جوڑے میں ملبوس اوپر سے خوبصورت سی لال رنگ کی چنری گرائے بیٹھی ہوئی تھی۔چہرے پر کسی بھی خوشی کی رمق تک نہیں تھی۔ایک سوگواریت سی اس کے دل میں اور چہرے پر چھائی ہوئی تھی جو اس کے حسن کو مزید دوآتشہ بنا رہا تھا۔

عنزہ اس کے پاس ہی تھی جب نوین شاہ اور رانیہ بھابھی کمرے میں آئی تھیں۔

”السلام علیکم۔“ انہوں نے سلام کیا جس کا جواب عنزہ نے دیا تھا۔

”میری پیاری بھابھی کیسی ہیں آپ۔ذرا اپنا چاند سا مکھڑا تو دکھائیں۔“ نوین شاہ آتے ہی گھونگٹ نکالے بیٹھی زینیا کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی جس پر رانیہ بھابھی ہنس دی تھیں۔کتنی خوش تھی وہ جب سے اس نے سنا تھا کہ اس کے بھائی کی پرنسز ان کی کزن زندہ ہے لیکن ملنے کا موقع آج ہی ملا تھا۔

”آہاں، بالکل بھی نہیں یہ گھونگٹ اب دلہے میاں ہی اٹھائیں گے اسے اٹھانے کی اجازت کسی اور کو نہیں ہے۔“ عنزہ نے آگے بڑھ کر رانیہ شاہ کے گھونگٹ کی طرف بڑھتے ہاتھ روکتے شرارت سے کہا۔

”یہ تو آپ نے ٹھیک کہا ہے لیکن......“

اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کرتی جب مولانا صاحب کے ساتھ عثمان شاہ، فرقان شاہ اور وقار صاحب اندر داخل ہوئے تھے تو انہیں مجبوراً خاموش ہونا پڑا تھا۔پھر مولانا صاحب

نے ایجاب وقبول کے کلمات ادا کرنے شروع کردیئے۔ کمرے میں خاموشی سی تھی۔ پورے کمرے میں مولانا صاحب کی آواز گونج رہی تھی۔

''زینیا بنت عثمان شاہ آپ کا نکاح آبان ابن فرقان شاہ سے سکہ رائج الوقت دس لاکھ روپے کیا جارہا ہے، کیا آپ کو قبول ہے۔'' مولانا صاحب نے اس سے پوچھا۔ گھونگٹ کے اوڑھ اس کا چہرہ بغیر کسی جذبے سے عاری تھا نہ دل میں جذبہ امڈا تھا۔

''کیا آپ کو قبول ہے؟'' مولانا صاحب نے دوبارہ پوچھا۔

''قبول ہے۔'' اس نے سپاٹ آواز میں کہا تھا۔

''زینیا بنت عثمان شاہ آپ کا نکاح آبان ابن فرقان شاہ سے سکہ رائج الوقت دس لاکھ روپے کیا جارہا ہے، کیا آپ کو قبول ہے؟''

''قبول ہے۔''

نکاح کے کلمات جسے سن کر دل میں محبت رس گھولتی ہے جسے سن کر دھڑکنیں شور مچاتی ہیں بغیر کسی اثر کے، بغیر اسے اپنے سحر میں لپیٹے یہ پرسوز لمحے گزر رہے تھے۔

''زینیا بنت عثمان شاہ آپ کا نکاح آبان ابن فرقان شاہ سے سکہ رائج الوقت دس لاکھ روپے کیا جارہا ہے، کیا آپ کو قبول ہیں۔''

''قبول ہے۔''

''یہ لو بیٹا یہاں سائن کرو۔'' نکاح کے پرسوز کلمات جس لمحے خدا دلوں میں محبت وحی کی صورت میں ڈالتا ہے جس لمحے فرشتے خود آسمان سے اتر کر ان کے لیے دعا مانگتے ہیں اس لمحے وہ اپنے ماضی کے بھنور میں پھنسی تھی۔ اس کے دل پر کچھ بھی اثر نہیں ہورہا تھا۔ اس نے نکاح نامے پر سائن کیے اور لمحوں میں اپنی زندگی اس کے نام کردی جس کے نام وہ پہلے سے

ہی جڑی ہوئی تھی

"سدا خوش رہو بیٹا۔" نکاح کے بعد اس کے جھکے سر پر فرقان شاہ نے پیار دیا اور ساتھ میں خوشی کی دعا دی۔ پھر عثمان شاہ نے پیار دیا۔ اس نے آج کوئی ردعمل نہیں دیا تھا وہ صبر کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ وقار صاحب نے بھی اسے پیار دیا اور اس کی خوشی کے لیے دعا دی تھی اور باہر نکل گئے تھے۔

اب وہ آبان شاہ کی طرف آئے تھے جو ہال میں عباد شاہ اور فرحان شاہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مولانا صاحب کے آتے ہی سب خاموش ہو گئے انہوں نے نکاح پڑھنا شروع کیا تھا۔ زینیا کے مقابل وہ خوش تھا بہت خوش۔ خوش بھی کیوں نہ ہوتا جس کا انتظار اس نے کیا تھا آج وہ اس کے پاس تھی۔

"آبان ابن فرقان شاہ آپ کا نکاح زینیا بنت عثمان شاہ سے سکہ رائج الوقت دس لاکھ روپے کیا جارہا ہے، کیا آپ کو قبول ہے۔"

یہ قبولیت کی گھڑیاں

یہ پرسوز لمحے

یہ پرسوز کلام

اس کے دل پر مکمل طور پر حاوی تھے

"جی قبول ہے۔"

"آبان ابن فرقان شاہ آپ کا نکاح زینیا بنت عثمان شاہ سے سکہ رائج الوقت دس لاکھ روپے کیا جارہا ہے، کیا آپ کو قبول ہے۔"

"جی قبول ہے۔"

ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ دل میں جیسے پھول کھل رہے تھے۔

''آبان ابن فرقان شاہ آپ کا نکاح زینیا بنت عثمان شاہ سے سکہ رائج الوقت دس لاکھ روپے کیا جارہا ہے، کیا آپ کو قبول ہے۔''

''قبول ہے۔''

نکاح کی قبولیت کے ساتھ ہی اس نے نکاح نامے پر دستخط کیے۔ پھر سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ آسمان سے اترے فرشتوں نے بھی جیسے ان کے لیے دعا کی تھی۔ دعا کے بعد سب نے ایک دوسرے سے گلے مل کر مبارک باد دی تھی۔ پھر وہ نکاح کے بعد ہوسپٹل آگئے تھے۔ بھلا زینیا نانو سے ملے بغیر کیسے جاسکتی تھی۔

''نانو! اب آپ خوش ہیں میں نے آپ کی بات مان لی ہے اب آپ کو بھی جلدی سے ٹھیک ہونا ہوگا۔''

کمرے میں اس وقت ان کے پاس وہی تھی۔ انہوں نے دیکھا وہ دلہن بنی بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔ اس کا معصوم سا حسن جیسے نکھر سا گیا تھا۔ لال گلابی ہاتھ مہندی سے سجے ہوئے تھے۔ ہلکی پھلکی جیولری پہنے وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔ انہوں نے اسے دیکھ کر بے اختیار ماشاءاللہ کہا تھا۔

''ہاں میری بیٹی، میں بہت خوش ہوں اور تمہیں بھی میں خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔''

آج ان کی طبیعت پہلے سے قدرے بہتر تھی اور بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اتنے میں سب وہاں آگئے تھے۔

''اووو زینی دیکھا تمہیں میں نے کہا تھا ناں کہ ابھی نہ جاؤ ہوسپٹل۔ اب دیکھو آبان بھائی نے ابھی تمہیں دیکھا نہیں ہے اور تم ایسے سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھی ہوئی ہو۔ سب نے تمہیں دیکھ لیا

ہے گھونگٹ کیوں اٹھایا تم نے۔" عنزہ نے اسے دیکھتے ہی کہا جو عنزہ کے منع کرنے باوجود گھونگٹ وہاں آتے ہی الٹ چکی تھی۔آبان شاہ نے اسے دیکھا جوان کے آتے ہی پیچھا کر کے بیٹھ گئی تھی۔

"ادھر آؤ بیٹا میرے پاس آ کر بیٹھو۔" انہوں نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا تھا۔وہ چلتا ہوا ان کے پاس آیا اور بیڈ پر ہی ان کے پاس ٹک گیا۔اب وہ اس کے سامنے ہی تھی بہت پاس بیڈ کے ساتھ پڑے سٹول پر بیٹھی تھی۔وہ پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔

"جیتے رہو خوش رہو بیٹا۔اللہ تم دونوں کو ڈھیروں خوشیاں دیں۔" انہوں نے دعا دی جس پر عباد شاہ نے آمین کہتے ہوئے کہا۔

"دادو! آپ یہ بھی دعا دیں ناں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ڈھیروں بچے بھی دیں جو انہیں خوب اپنے پیچھے بھگائیں۔" وہ شرارت سے بولا جس پر سب ہنس دیئے۔زینیا نے اس کی بات پر جھینپ کر غصے سے اسے دیکھا۔

"چلو بچو اب گھر چلیں۔" فرقان شاہ نے ہنستے ہوئے وہاں سے جانے کا کہا۔

"ہاں بالکل بھابھی گھر میں آپ کا سب انتظار کر رہے ہیں اور آپ کی وجہ سے تو ہمارے ہوسپٹل کے رولز بھی خراب ہو گئے ہیں۔" عباد بولا۔

"نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گی میں آج نانو کے پاس ہی رہوں گی۔"

"زینی......"

"ارے بھابھی ایسا ظلم اپنے جان پر مت کیجئے گا۔"

"عابی۔" آبان شاہ نے دانت پیستے ہوئے اسے ٹوکا۔

"تم اپنی بکواس بند نہیں رکھ سکتے؟" وہ غصے سے بولی۔سب نے اسے دیکھا جو غصے سے

بھری ہوئی تھی۔اسی لیے اس پر چلائی تھی۔

''سوری ایم سوری بھابھی۔'' وہ معذرت کرتے بولا۔

''جاؤ بیٹا اب اپنے گھر جاؤ۔اور ہاں ابان بیٹا کل میری بیٹی کو لازمی لے کر آنا۔'' انہوں نے آبان شاہ سے کہا۔

''جی دادو میں انہیں ضرور لے کر آؤں گا۔'' پھر وہ ان سے مل کر کمرے سے باہر نکل گئے جب فانیا مرزا کمرے میں داخل ہوتیں زینیا کو دلہن بنے ان کے ساتھ نکلتے دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

''زینی! میری بچی۔'' آبان شاہ، عباد شاہ اور فرقان شاہ نے انہیں دیکھا لیکن زینیا انہیں دیکھے بغیر وہاں سے نکل گئی تھی۔

''چچی! کیسی ہیں آپ؟'' آبان نے انہیں سلام کرتے ہوئے کہا۔وہ آج کافی دنوں بعد آئی تھیں۔آبان کو ان کی صحت اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

''بیٹا کیسی ہو سکتی ہوں۔میری بیٹی مجھ سے اتنی دور ہو گئی ہے ایک ماں کیسی ہو سکتی وہ تو مجھ سے بات تک نہیں کرتی۔''

''آنٹی! آپ فکر نہ کریں وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔جلد ہی آپ سے گلے شکوے دور ہو جائیں گے ان کے۔آپ بس تھوڑا صبر کریں۔'' آبان شاہ نے انہیں تسلی دی۔اس کے تو سارے شکوے اپنی پرنسز کے ملنے پر ہی ختم ہو گئے تھے لیکن وہ جانتا تھا زینیا کے دل سے بھی جلد ہی سارے شکوے ختم ہو جائیں گے۔وہ انہیں اللہ حافظ کہہ کر وہاں سے نکل آئے تھے

''تم کہاں جا رہے ہے،ادھر دادو کا خیال کون رکھے گا؟'' آبان شاہ نے اسے اپنے ساتھ باہر نکلتے دیکھ کر کہا۔

''میرے پیارے بھیا! اس کے لیے آپ فکر مت کریں۔یہاں پر سب ڈاکٹر ان کا بہت

اچھی طرح خیال رکھیں گے۔ آپ بس اپنی پرنسز کا خیال رکھیں۔" وہ انہیں تسلی دیتے شرارت سے بولا۔

"ویسے بھیا، آپ کی بولتی نہیں بند ہو جاتی اپنی پرنسز کے سامنے۔ یہ جو مجھ پر اور اپنے امپلائز پر غصہ اتارتے رہتے ہیں وہ تو میری بھابھی کے سامنے تو اڑن چھو ہو جاتا ہے۔ واہ جی کیا بات ہے۔ اور تو اور آپ نے ان سے ابھی تک کوئی بات ہی نہیں کی۔ لگتا ہے آپ ابھی سے ڈر گئے ہیں۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"اپنی نانسنس بند رکھو اپنی بھابھی کے سامنے مت کرنا ایسی بکواس ورنہ......"

"ہاں ہاں وہ بہت غصہ ہوں گی۔" عباد شاہ نے اس کی بات کو ٹوکتے شرارت سے کہا۔

"لیکن میں تو کروں گا آفٹر آل ان کا دیور بھی ہوں ان کا بھائی بھی ہوں ان کے سامنے بھی ایسی باتیں کروں گا۔" وہ ڈھٹائی سے اپنی کار کی طرف بڑھتے بولا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر زینیا کو بیٹھے دیکھ کر وہ شرارتی مسکراہٹ لیے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ آبان بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ فرقان شاہ پہلے ہی وہاں سے نکل گئے تھے۔ گاڑی کو سٹارٹ کرتے عباد شاہ کی زبان کو دوبارہ کھجلی ہوئی تھی۔

"ویسے بھابھی! آپ کو کچھ زیادہ ہی جلدی نہیں اپنے سسرال میں جانے کی۔ میں نے زندگی میں پہلی دفعہ ایسی دلہن دیکھی ہے جو خود ہی بھاگ کر اپنے دلہے کی گاڑی میں بیٹھ گئی ہے۔ لگتا ہے......" اس سے پہلے وہ مزید بولتا جب وہ آگ بگولہ ہوئی۔

"تمہیں جو بھی لگتا ہے لگے مجھے پرواہ نہیں بس اپنی بکواس کو بند رکھو۔ مسٹر آبان شاہ، اپنے بھائی کو سمجھا لو کہ میرے سامنے فالتو بک بک کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ ایک جھانپڑ اس کی گال پر رسید کر دوں گی میں۔" وہ خونخوار شیرنی کی طرح غرائی۔ اس کا رخ آبان کی طرف ہوا

تھا اور اسے وارن کیا۔

"میرے پیارے اللہ یہ تو بہت خطرناک بھابھی ہے ابھی تو گھر آئی نہیں اور دیور کو مارنے کی دھمکی پہلے ہی دی جا رہی ہے۔" وہ منہ میں ہی بڑبڑایا تھا۔ اب بول کر اس نے اپنی شیرنی بھابھی سے تھپڑ کھانا تھا کیا۔

"عباد تمہیں کہا تھا ناں خاموش رہنے کو۔" آبان نے اسے تنبیہی نگاہوں سے دیکھا۔

"کسی اور سے کیا گلا یہاں تو اپنا ہی بھائی غیر ہو گیا ہے۔ ارے او عابی تو کیوں اتنا ایموشنل ہو رہا ہے یہ تو تمہیں پہلے ہی معلوم تھا کہ تمہارا بھائی اپنی اس پدی پرنسز کے پیار میں پوری طرح ڈوبا ہوا ہے۔ اسے کہاں اپنا بیچارا سا پیارا سا چھوٹا بھائی نظر آئے گا۔"

وہ دل ہی دل میں بول رہا تھا اور منہ کے مختلف زاویے بنا رہا تھا۔ گاڑی میں اب خاموشی کا راج تھا۔ اس نے دوبارہ کوئی بات نہیں کی تھی لیکن جیسے ہی گاڑی شاہ مینشن میں آ کر رکی وہ اسے ویلکم کرنا نہیں بھولا تھا۔

جیسے ہی گاڑی پورچ میں رکی وہ باہر نکلی۔ اس کے اوپر جیسے پھولوں کی برسات سی ہوئی تھی اور جہاں پر اس نے پاؤں رکھے وہاں پر بھی پھولوں کی موٹی سی تہہ سی لگی تھی۔

"ویلکم ٹو سوئٹ ہوم میری پیاری بہنا۔" نوین شاہ نے اسے گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔ جویریہ شاہ اور طیبہ شاہ کے علاوہ وہاں سب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ لیکن زینیا کو وحشت سی ہو رہی تھی۔ ان سب کے مسکراتے چہرے دیکھ کر اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ یہاں سے کہیں دور بھاگ جائے۔

"ارے واہ ہماری اپیا تو بہت پیاری ہے بالکل پرنسز کی طرح۔ نوین آپی، دیکھا آپ سے بھی زیادہ خوبصورت اور حسین ہیں ہماری آپی۔" شابی اور شازی اس کے پاس آتے خوشی

سے بولے اور نوین شاہ کو مخاطب کیے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

''اچھا گائز، اب ہماری پیاری بہنا کو تعارف تو کروا دیں ہمارا۔ مجھے نہیں لگتا کہ اسے ہم سب یاد ہوں گے۔ کیوں زینیا میں نے ٹھیک کہا ناں؟'' فرحان شاہ نے سب کو متوجہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا جو سپاٹ چہرہ لیے کھڑی تھی۔

''ہاں بالکل کیوں نہیں ہم سب اپنا تعارف کروائیں گے پہلے میری دیورانی کو بٹھا تو لیں۔'' رانیہ بھابھی نے آگے بڑھ کر اسے بٹھایا۔ شانی اور شازی دنوں خوشی کے مارے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ وہ دونوں اس کے اردگرد بیٹھ گئے تھے۔ پھر سب ینگ جنریشن نے باری باری اپنا تعارف کروایا تھا۔ وہ ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔

''اچھا بچو اب ہماری بیٹی کو آرام کرنے دو۔ وہ تھک گئی ہوگی باقی باتیں صبح کر لینا۔'' فرقان شاہ نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ پھر ان کے کہنے پر نوین شاہ اور رانیہ بھابھی اسے آبان کے کمرے میں لے آئیں۔ جسے انہوں نے بہت ہی خوبصورتی سے سجایا ہوا تھا۔ پورا کمرہ گلاب کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

''یہ ہے آپ کا کمرہ۔ آپ یہاں پر بیٹھیں ہم ابھی بھیا کو بھیجتے ہیں۔''

وہ اسے بیڈ پر بٹھا کر باہر نکل گئیں۔ وہ جیسے ہی کمرے سے باہر نکلیں کمرے میں آتے آبان شاہ کو انہوں نے کمرے کے باہر ہی روک لیا تھا۔ وہ دونوں دیوار بن کر کھڑی ہو گئی تھیں

''کیا ہوا؟'' اس نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

''مانتے ہیں آپ کی شادی بہت ہی سادگی سی ہوئی ہے لیکن ہمارا حق تو آپ کو دینا ہوگا۔'' وہ دونوں اس سے نیگ مانگ رہی تھیں۔

''بالکل رانیہ آج اس سے جو مانگنا چاہتی ہو مانگ لو آج یہ بالکل بھی انکار نہیں کرے گا۔''

پیچھے سے آتے فرقان شاہ نے بھی انہیں کہا۔

"واقعی بھیا ہم جو مرضی مانگ لیں۔" نوین شاہ نے حیران ہوتے پوچھا۔

"بالکل کیا چاہیے آپ دونوں کو؟"

دونوں کو نہیں ہمیں بھی چاہیے۔" اتنے میں شازی، شابی اور عباد شاہ بھی آ گئے تھے وہ کہاں پیچھے رہنے والے تھے۔

"بھئی مجھے تو بھیا نے شادی کر کے سب کچھ دے دیا اب تو دل کر رہا ہے ابھی بارات لے کر چلا جاؤں اور اپنی دلہن کو بھی لے آؤں صبر کرنا اب مشکل ہے۔"

"ارے بے لگام گھوڑے، منہ میں زبان ڈالو ہم نے تم سے نہیں پوچھا کہ تمہیں کیا چاہیے اس لیے خاموشی کا مظاہرہ کرو۔" فرحان بھائی نے اس کی چلتی زبان اور بے صبرے پن پر طنز کرتے کہا۔ وہ منہ بسور کر رہ گیا تھا۔

"اچھا آپ سب کو جو جو چاہیے اپنی فرمائشیں ایک صفحے پر لکھ لیں میں صبح ہی آپ سب کی فرمائش پوری کر دوں گا۔" اس کا اتنا ہی کہنا تھا سب نے کورس میں یاہو کہا اور وہاں سے خوش ہوتے ہوئے چلے گئے۔

"بیسٹ آف لک شہزادے۔" فرقان شاہ نے اسے اندر کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہا۔ وہ مسکرا کر ان کا شکریہ ادا کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ خوشی میں سرشار جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا وہ دنگ رہ گیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے تو اس کے قدم تھم سے گئے تھے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں لیکن اگلے ہی لمحے وہ پریشان سا اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف آیا جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنی دونوں کلائیوں کی چوڑیاں توڑ رہی تھی۔ کانچ کی چوڑیاں تھیں ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں اور اسی

چکر میں اس کی دونوں کلائیاں لہولہان ہو گئی تھیں۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟" آبان نے فکر بھرے لہجے میں پوچھا۔اس کا چہرہ جو خوشی سے جگمگ کر رہا تھا یکدم ہی اس پر پیشانی کے آثار نظر آنے لگے۔

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔" وہ اس کے ہاتھ کو نفرت سے جھٹکتے ہوئے چلائی۔

"آپ کے ہاتھ سے خون نکل رہا ہے۔" آبان اس کے چلانے کی پرواہ کیے بغیر فکر مند لہجے میں بولا اور دوبارہ ہاتھ پکڑنا چاہا جب کسی شیرنی کی طرح وہ دھاڑی۔

"تمہیں میری بات سمجھ نہیں آتی۔ میں نے کہا ناں کہ مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔یا پھر تمہیں بہانہ چاہیے مجھے چھونے کا۔"

وہ اس کے زہر خند لفظوں پر حیران ہوا۔وہ اس پر شک کر رہی تھی۔

"میں تمہیں ایک بات بتا دوں آبان شاہ! تم مجھ سے دور رہنا۔" وہ انگلی اٹھاتے وارن کرتے بولی۔"میں تم سے نکاح کر کے اس گھر میں آئی ہوں تو صرف اور صرف اپنی نانو کی وجہ سے۔میری نانو میرے لیے سب کچھ ہیں ان کے لیے تو میں کچھ بھی کر سکتی ہوں یہ تو پھر کچھ نہیں۔تمہیں کیا لگا تھا میں تمہارے ساتھ شادی کر کے خوش ہوں؟ ایسا ہرگز نہیں ہے اور تم نے میرے قریب آنے کی یا مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا انجام بہت برا ہوگا۔"

وہ غصے میں جو بھی زبان پر آتا گیا بولتی چلی گئی تھی۔آبان شاہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔اسے افسوس ہوا کہ وہ اسے کتنا غلط سمجھ رہی تھی لیکن وہ سمجھتا تھا اس میں اس کا بھی کوئی قصور نہیں تھا اس لیے تحمل آمیزی سے بولا۔

"ٹھیک ہے،ٹھیک ہے جیسا آپ چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔آپ غصہ مت ہوں۔یہاں پر بیٹھیں میں آپ کے ہاتھ کی بینڈیج کر دوں دیکھیں کافی خون بہہ رہا ہے۔" آبان شاہ نے

ٹھہر ٹھہر کر دوستانہ لہجے میں اس سے کہا اور ساتھ ہی اس کے زخموں پر نظر پڑتے ہی بولا جن سے خون نکل کر فرش پر بچھے قالین میں جذب ہو رہا تھا۔

"نہیں کرنی مجھے بینڈیج۔ مر نہیں جاؤں......"

"اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو۔ خبردار آئندہ ایسی بات کی تو۔" اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کرتی وہ اس کی بات پر تڑپ کر بولا۔ وہ جو پہلے نرم لہجے میں بات کر رہا تھا اس کی اس بات پر وہ دہل ہی تو گیا تھا۔ نیلی آنکھوں میں ایک دکھ کا سایہ سا ابھرا تھا اور ناک پر جیسے غصہ دھر لیا گیا ہو۔

"آئندہ ایسی بات ہرگز نہیں کرنی آپ نے۔ اور میری طرف سے آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں آپکی اجازت کے بغیر آپ کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

زینیا کی بات پر اسے ایسا لگا جیسے اس کا دل سکڑ گیا ہو۔ آواز میں نمی سی گھل گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے نا جانے اس نے اس کی آواز میں درد سا محسوس کیا تھا۔ پھر وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور ڈریسنگ ٹیبل سے فرسٹ ایڈ باکس نکال کر اس کے سامنے رکھا اور پھر گویا ہوا۔

"آپ یہ پہلے بینڈیج کر لیں، بعد میں چینج کر کے آرام کریں۔ میں ساتھ والے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں مجھ پر احسان کرنے کی میں خود چلی جاتی ہوں دوسرے کمرے میں۔"

آبان شاہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔" وہ اس کی بات پر حامی بھرتے بولا۔

"میرے کپڑے کہاں ہیں؟" وہ کمرے سے نکلتی نکلتی دوبارہ پیچھے مڑی اور اس سے

مخاطب ہوئی۔

"وہ ڈریسنگ روم میں۔" وہ اسے دیکھ کر ڈریسنگ روم کی طرف اشارہ کرتے بولا۔ وہ اپنا ہلکے کام والا لہنگا سنبھالتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ آبان شاہ بھی اس کے پیچھے آیا۔

"یہاں ہیں آپ کے کپڑے۔" وہ بڑے سے وارڈروب کے سلائیڈ ڈور کو دھکیلتے ہوئے بولا جس میں ان دونوں کے کپڑے تھے۔ آبان شاہ نے ہمیشہ اپنے ساتھ اپنی پرنسز کی بھی شاپنگ کی تھی اس یقین کے ساتھ ایک دن وہ ضرور آئے گی اور آج وہ یقین پورا ہوا تھا۔ زینیا نے آگے بڑھ کر ایک سادہ سا سیاہ رنگ کا سوٹ نکالا اور اسے لے کر باہر آ گئی۔

"زینیا۔" وہ جو باہر نکل رہی تھی اس کی آواز پر رک گئی لیکن پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

"یہ لے جائیں پلیز۔" وہ فرسٹ ایڈ باکس اس کی طرف بڑھاتے بولا۔ اسے ابھی بھی اس کی زخموں کی فکر تھی۔ زینیا نے غصے سے اس کے ہاتھ سے ڈبا جھپٹا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ اسے جاتا دیکھ کر رہ گیا تھا۔ وہ چاہتا تو اسے زبردستی وہاں روک سکتا تھا۔ وہ چاہتا تو اسے بتا سکتا تھا، اس سے کہہ سکتا تھا کہ یہ تم کیا کر رہی ہو زینیا تم نہیں جانتی میں تمہارے لیے کتنا تڑپا ہوں، کتنا رویا ہوں۔ تمہیں کتنے سالوں سے میں اپنے خدا سے مانگ رہا تھا۔ سب نے کہا کہ تم اب اس دنیا میں نہیں ہو لیکن پھر بھی یقین نہیں کیا۔ ان کے کہنے پر، تمہیں ہر دعا میں مانگا تھا اب تم ایسے کیسے کر سکتی ہو، وہ یہ سب کہہ سکتا تھا لیکن اس نے نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ اس کی دعاؤں کا ثمر تھی۔ اس نے اپنے خدا سے تڑپ تڑپ کر مانگا تھا اور جب دعائیں پوری ہو جائیں تو ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ زبان سے اس پاک ہستی کا شکر ادا کرتے شکر کے نوافل پڑھتے ہیں۔ بار بار خوش ہوتے ہیں کہ اے رب تیرا شکر ہے تیرا شکر ہے کہتے ہیں۔

لیکن جو ہمیں دعاؤں میں ملتا اس کا شکر ہم صحیح معنوں میں تو ادا اپنے عمل سے کرتے ہیں

اور جو ایسا نہیں کرتا اصل میں وہ ایک ناشکرا، احسان فراموش اور خود غرض انسان ہوتا ہے جس نے منافقت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہوتا ہے۔

خدا کے ساتھ شکر گزاری کا معاملہ بھی بالکل یہی ہے۔ خدا کی عنایت کردہ نعمتیں بے شمار ہیں جن میں زندگی کا ملنا، شعور، روٹی، کپڑا، مکان، سورج کی روشنی، چاند کی ٹھنڈک، بارش سے ملنے والا پینے کا پانی، آنکھیں، کان، زبان، صحت غرض ان گنت چیزیں شامل ہیں۔ انسان کو جب جب ان چیزوں کی اہمیت کا ادراک ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ دل سے احسان مندی کے جذبات کے تحت خدا کا شکر زبان اور عمل دونوں سے ادا کرے۔ چنانچہ شکر گزاری کی تعریف کی جائے تو یوں ہے:

شکر گزاری = نعمت کا علم ہونا + دل سے شکر ادا کرنا (جو زبان پر بھی جاری ہو سکتا ہے) عمل سے شکر ادا کرنا۔

اور آبان شاہ کے لیے وہ بھی خدا طرف سے ایک نعمت تھی جس کا اس نے نہ صرف زبان سے بلکہ عمل سے اپنے خدا کا شکر ادا کرنا تھا۔

وہ اسے وقت دے گا۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے یہ نکاح اپنی نانو کی خوشی میں کیا تھا۔ اس کے دل میں ان کے لیے بدگمانی تھی۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسکا ساتھ دیا تھا اس کی دعاؤں کو پورا کیا تھا اس کی امیدوں کو ٹوٹنے نہیں دیا تھا اسی طرح وہ پاک ہستی جلد ہی اس کے دل سے بدگمانی نفرت کو ختم کر دے گی۔

وہ اس پر زبردستی نہیں کرنا چاہتا ایسا اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ زبردستی اس کے دل میں اپنے لیے جگہ نہیں بنانا چاہتا تھا کیونکہ اسے سب سے پہلے اپنے خدا پر اور پھر اپنے پیار پر بھروسہ تھا کہ خود بخود اس کے دل میں اس کے لیے جگہ بن جائے گی۔ بس اسے تھوڑا حوصلہ

کرنا تھا، تحمل سے کام لینا تھا۔

"میری پرنسز تو بہت غصے والی ہوگئی ہے۔" آبان شاہ نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے سوچا۔

"لیکن کوئی بات نہیں مائی پرنسز ایک دن آپ کو اپنا بنالوں گا۔ اتنا پیار دوں گا آپ کو اتنا مان دوں گا کہ جس طرح میرے دل میں آپ دھڑکن بن کر دھڑک رہی ہیں اسی طرح آپ کے دل میں ہی کیا آپ کی روح میں بھی سما جاؤں گا۔" اس کا پرسوچ ذہن جیسے زینیا سے بات کررہا تھا۔ اسے سوچ کر اس کے ہونٹوں پر تبسم سا پھیل گیا تھا۔ زینیا کے آنے سے اسے ایسے لگتا جیسے اس کا روم روم مسرور تھا۔

☆......☆......☆

صبح کے چار بجے تھے جب ان کی آنکھ کھلی۔ انہوں نے دیکھا عنزہ ان کے بیڈ کے تھوڑے فاصلے پر صوفے پر لیٹی اونگھ رہی تھی۔ انہیں سخت پیاس محسوس ہوئی جس کے لیے انہوں نے اسے آواز دی لیکن وہ گہری نیند میں تھی۔ ان کی نحیف بھری آواز نہ سن سکی اس لیے انہوں نے ہمت کر کے خود اٹھنا چاہا تھا لیکن کمزوری کی وجہ سے چکرا گئیں۔ اس سے پہلے وہ بیڈ سے نیچے گرتیں جب کمرے میں داخل ہوتا عباد شاہ انہیں دیکھ کر فوراً ان کی طرف بڑھا۔

"ارے ارے نانو یہ آپ کیا کررہی ہیں۔"

"بیٹا! بہت پیاس لگی ہے۔"

عباد شاہ نے انہیں سنبھال کر بیڈ پر لیٹنے والے انداز سے بٹھایا۔

"یہ جو محترمہ پورا اصطبل بیچ کر سو رہی ہیں ان کو کہنا تھا ناں آپ کو پانی پلائے۔" اس نے عنزہ کو دیکھ کر کہا اور ساتھ ہی پاس پڑے ٹیبل پر پانی کے جگ سے گلاس میں انہیں پانی انڈیل کر دیا۔

”بیٹا! ساری رات وہ جاگتی رہی ہے، کہاں اسے بھی میں سکون سے سونے دیا ہے۔“
انہوں پانی کا گھونٹ لے کر عنزہ کی حمایت کی۔
”اچھا لیکن دیکھ کر تو نہیں لگتا۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھا اور اس کے پاس آ گیا۔
”اووو ہیلو محترمہ اٹھو یہاں سے۔ یہ آپ کا بیڈروم نہیں جہاں آپ گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی ہیں۔“ عباد شاہ نے اسے اٹھانا چاہا لیکن وہ گہری نیند میں تھی۔ کہاں اس کی بات اسے سنائی دی تھی۔ جب وہ نہ اٹھی تو اس نے ہاتھ میں پکڑی سرنج کی سوئی اس کے بازو پر چبھو دی تھی۔ پھر کیا تھا عنزہ میڈم ہڑبڑا کر چیخی۔
”اف لڑکی آہستہ چلاؤ۔ کیا تمہارا ارادہ مجھے بہرہ کرنے کا ہے۔“ وہ کان کو مسلتے ہوئے اٹھا۔ عنزہ بیچاری جسے سوئے ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا اپنی نیند کے ٹوٹ جانے پر سیخ پا ہوئی۔
”بہرے ہونے کا تو پتہ نہیں لیکن تمہیں گنجا ضرور کروں گی۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے سوئی چبھونے کی۔“ وہ لڑاکا عورت کی طرح اس پر چڑھ دوڑی تھی۔
”اوہو آہستہ لڑکی یہ کوئی تمہارا مرغی خانہ نہیں جہاں تم اونچی آواز میں اپنی چوں چوں کر رہی ہو۔ یہ ہوسپٹل ہے۔“
”تم تو انتہائی......
”ہاں۔ ہاں جانتا ہوں میں انتہائی قابل بندہ ہوں۔ کیوں نانو میں نے ٹھیک کہا ناں۔“
عنزہ جو دانت پیستے اسے کچھ سخت سا سنانے والی تھی لیکن عباد شاہ نے اس کا منصوبہ فیل کر دیا۔ اسی لیے اسی بات کو ٹوکتے ہوئے بولا اور نانو سے پوچھنا نہیں بھولا تھا۔
”ہاں بیٹا تم بہت اچھے بچے ہو۔“ دادو نے سچے دل سے کہا لیکن عنزہ کو ان کا اسے بچہ کہنا ہضم نہیں ہوا تھا۔

”دادو! یہ آپ کو کہاں سے بچہ لگتا ہے۔ قد کاٹھ سے تو اس نے گھوڑے کو بھی مات دی ہوئی ہے اور آپ اسے بچہ کہہ رہی ہیں۔“

”محترمہ! تم جلو مت ورنہ جل کر خاک ہو جاؤ گی۔“

”مجھ سے بات مت کرو تم۔ دادو! آپ کو کچھ چاہیے تو نہیں؟“ وہ اب ان کی طرف متوجہ ہوئی جوان کی نوک جھونک سن رہی تھیں۔

”پانی چاہیے تھا انہیں لیکن تم تو نیند کی وادیوں میں جھوم رہی تھی۔ تمہیں کہاں ان کی آواز سنائی دینی تھی۔“ وہ طنز کرنا نہ بھولا تھا۔

”تم بات مت کرو مجھ سے ڈاکٹر لفنٹر۔ دادو میں ذرا نماز پڑھ آؤں۔“ وہ انہیں بتا کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور ڈاکٹر عباد شاہ اپنے لیے نیا خطاب سن کر رہ گیا تھا۔ وہ سر جھٹک کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جو اب اس سے زینیا کے بارے میں پوچھنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

چمن میں صبح کا منظر بڑا پر سوز ہوتا ہے

صبح کا سحر ہر طرف چھایا ہوتا ہے

کلی جب سو کر اٹھتی ہے

زندگی مسکراتی ہے

خوشبو ہر طرف بکھرتی ہے

تتلی مسکراتی ہے

زندگی مسائل میں گھری ہوتی ہے

پھر بھی ہنستی ہے

کھلکھلاتی ہے

شور مچاتی ہے

ناچتی ہے

اے زندگی

ہمیں تجھ رشک بہت آتا ہے

آبان شاہ صبح جب نماز پڑھنے مسجد گیا تو جاتے وقت زینیا کو اٹھانے کے لیے اپنے کمرے کے ساتھ والے کمرے کے دروازے کو نوک کیا لیکن جب اس نے دروازہ نہ کھولا تو نماز پڑھنے چلا گیا تھا۔

صبح کا وقت تھا۔ ہر طرف سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ نمازی مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ چرند پرند بھی اپنی اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کر رہے تھے۔ ان کا بھی اپنا ہی انداز تھا عبادت کا۔ شبنم کے قطروں سے وہ بھی باوضو ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

نماز جیسے ہی ختم ہوئی زیادہ تر نمازی تو دعا مانگ کر اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تھے۔ چند ایک دو لوگ مسجد میں رہ گے تھے آبان شاہ قران مجید کی تلاوت کرنے لگا۔ مسجد جیسے پرسوز ماحول میں اس کی پرسوز آواز سے ایک جادو، ایک سحر سا ایک طلسم سا ماحول میں چھا رہا تھا۔

اس کی آواز میں ایک جادو تھا یا خدا کے ذکر میں ایسا سحر تھا جو ماحول کو پرسکون بنا رہا تھا۔

خدا کا ذکر خدا کا کلام ہی ایسا انوکھا کلام تھا جسے پیار سے محبت سے پڑھیں دل میں ایمان سا تازہ ہوتا ہے۔ ایسا جادو سا ہمارے اردگرد چھانے لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت کے گھیرے میں لے رہے ہیں، ہماری روح کو سکون سا ملتا ہے ہم شاد سے ہو جاتے ہیں۔ اور جب جب ایک ایک آیت کو بمعہ ترجمہ پڑھیں، سمجھ کر پڑھیں تو کپکپی سی

بھی طاری ہوتی ہے۔

(سورہ احزاب)

ترجمہ:

اے پیغمبر خدا سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کا کہانہ ماننا۔ بیشک خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (آیت:1)

ترجمہ:۔

اور جو (کتاب) تم کو تمہارے پروردگار کی طرف سے وحی کی جاتی ہے اسی کی پیروی کئے جانا۔ بیشک خدا تمہارے سب عملوں سے خبردار ہے۔ (آیت:2)

ترجمہ:۔

اور خدا پر بھروسہ رکھنا۔ اور خدا ہی کارساز کافی ہے۔ (آیت:3)

ترجمہ:۔

خدا نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے۔ اور نہ تمہاری عورتوں کو جن کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو تمہاری ماں بنایا اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنایا۔ یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ اور خدا تو سچی بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔ (آیت:4)

قران مجید کی تلاوت کر کے اس کو چوم کر غلاف میں لپیٹا اور وہیں رکھ دیا جہاں سے لیا تھا۔ سفید شلوار قمیض پہنے سر پر سفید ٹوپی پہنے ہوئے وہ بہت پیارا لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سکون تھا۔ نماز اور قرآن مجید کی تلاوت کے بعد چہرے پر ایسے ہی سکون ہوتا تھا۔

کیا دنیا میں ایسی کتاب ہے جسے پڑھنے سے سکون ملے؟

کیا ایسا کلام ہے جسے پڑھنے سے آپ کو سکون ملے؟

کیا ایسی کتاب ہے جسے پڑھ کر بہترین سبق ملے؟
یہ قرآن پاک ہے جسے پڑھنے اور سمجھنے سے سکون ملتا ہے۔ کپکپی طاری ہوتی ہے۔ ایمان روشن ہوتا ہے۔ خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ برے کاموں سے نجات ملتی ہے۔
وہ مسجد سے نکلا اور واک کرنے چلا گیا۔ سورج افق پر اپنی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ ہر چیز نکھری سی لگ رہی تھی۔ وہ واک کے بعد جیسے ہی شاہ پیلس میں داخل ہوا تو شاہ زیب شاہ اور شعیب شاہ بھاگتے ہوئے اس کی طرف آئے۔
"بھائی جان! ہماری اپیا کدھر ہیں؟ ہم کتنی دفعہ آپ کے کمرے میں گئے لیکن وہ ہمیں کہیں ملی ہی نہیں۔" ان دونوں نے اس سے پوچھتے ہوئے بتایا۔ رانیہ بھابھی اور نوین جولان میں ہی واک کر رہی تھیں وہ بھی ان کے پاس آگئیں۔
"بھئی رات کو تم نے میری دیورانی کو کہاں چھپا دیا ہے۔" رانیہ بھابھی نے شرارت سے پوچھا۔ اب وہ ان کو کیا بتاتا کہ وہ تو ان کے کمرے میں سوئی ہی نہیں تھی۔
"لگتا ہے وہ ابھی تک نہیں اٹھیں۔" اس نے دل میں سوچا۔ اپنی ماں کو مل کر جو لاؤنج بیٹھی ہوئی تھیں پھر وہ اوپر آ گیا اور ادھر دیکھا۔ کوئی آس پاس تو نہیں اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ وہ الگ کمرے میں سوئی تھی سوالوں کے الگ انبار لگ جانے تھے۔ وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا ان دونوں کے معاملے میں کوئی تیسرا مداخلت کرے یا پھر کسی کو کچھ غلط سوچنے اور سوال اٹھانے کا موقع ملے لیکن ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے ایسا تو مشکل ہی تھا کسی کو نہ پتہ چلے یہ نہیں سوچا تھا اس نے۔
اس نے ہلکا سا دروازہ ناک کیا۔ وہ سارا ہی کھلتا چلا گیا۔ اس نے احتیاطاً اندر نظر دوڑائی لیکن کمرہ خالی تھا۔ اس نے ہر جگہ دیکھا وہ کہیں نہ ملی تو وہ پریشان ہو گیا تھا۔ وہ پریشان سا نیچے

آیا جب شعیب شاہ اس کی طرف بڑھا۔
"بھائی جان۔آپی نہیں آئیں۔" وہ دونوں بھائی اپنی پیاری اپیا کو پا کر بہت خوش تھے۔
وہ اس سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی اپیا تو سرے سے ہی غائب تھی۔
"بھئی آبان بیٹا! ہماری بیٹی کدھر ہے وہ کیوں نہیں آئی؟" فرقان شاہ نے بھی اسے اکیلے آتے دیکھ کر پوچھا۔
"وہ گھر ہو تو نظر آئے گی ناں۔ مجھے تو لگتا ہے وہ بھی اپنی ماں کی طرح باہر گھومنے پھرنے کی بڑی شوقین ہے۔اس نے تو پہلے ہی دن اپنا اصل رنگ دکھا دیا ہے۔"
آبان شاہ سے پہلے ہی طیبہ شاہ زہر خند لہجے میں بول اٹھیں۔وہ زینیا کو صبح سورج طلوع سے پہلے شاہ پیلس سے نکلتا دیکھ چکی تھیں اسی لیے تو بولیں جس پر وہاں موجود سب کو ان کے لفظوں پر افسوس ہوا تھا۔
"شٹ اپ طیبہ۔خبردار، اگر میری بیٹی کے بارے میں ایسی بات کی تو۔" عثمان شاہ تو ان کی بات پر آگ بگولہ ہو گئے تھے۔ان کے لفظوں سے اس پر کیا بیتی کسی کو جیسے اندازہ ہی نہ تھا۔
جس کی وہ پرنسز تھی، جس کی اس میں جان بسی تھی، جس کے دل پر اس کی راجدھانی تھی، جس کے دل پر اس کا پہرہ تھا، جس کی روح میں وہ سمائی تھی، وہ کیسے اس پر الزام سہتا۔
کیا تکلیف نہ ہوتی اسے؟ کیا دل نہ تڑپتا اس کا؟ یہ کیسا الزام تھا؟ تڑپا دیا تھا جس نے اسے۔ایسا تھا جیسے کسی نے گہرا وار کیا ہو۔
"آنی! آپ نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا۔" الفاظ بہت مشکل سے ادا ہوئے جیسے آنسوؤں کا گولا سینے میں اٹک گیا ہو، جیسے اس کی روح پر الزام لگ گیا ہو۔

"آپ جانتی ہیں زینیا کی نانو ہوسپٹل میں ہیں۔ وہ وہیں گئی ہو گی۔ پھر آپ نے کیسے سوچے سمجھے بغیر یہ بات کہہ دی۔"

ان کی بات پر اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ سب جانتے تھے وہ اندر ہی اندر کس تکلیف سے گزر رہا ہو گا۔

"طیبہ! تمہارے ان لفظوں نے میرے بیٹے کو بہت تکلیف دی ہے۔ آج اس کی آنکھوں میں، میں نے ویسے ہی دکھ دیکھا ہے جیسے پندرہ سال پہلے اسے زینیا کی مرنے کی خبر ملی تھی۔ تم نے ایسا سوچا ہی کیوں۔ کیا تم نہیں جانتی، ہماری زینیا میرے بیٹے کے لیے کیا ہے؟ یہ تم نے کہا کیسے؟ تمہارا حوصلہ کیسے بڑھ گیا طیبہ۔"

فرقان شاہ کو دکھ ہوا تھا وہ باپ تھے اپنے بیٹے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ ترس گئے تھے اپنے بیٹے کو کھل کر ہنستا دیکھ کر، وہ اس کے لیے ہر وقت دعا مانگتے تھے۔

ماں باپ کو اللہ تعالیٰ نے الگ ہی مٹی سے بنایا ہوتا ہے جب اپنے بچوں کو خوش دیکھتے ہیں تو انہیں کائنات کی ہر چیز اچھی لگتی ہے لیکن اولاد کے دکھ انہیں وقت سے پہلے ہی بوڑھا کر دیتے ہیں۔

☆......☆......☆

عنزہ نماز پڑھ کر ہوسپٹل کے بیرونی طرف ہی آ گئی اور لان میں چھوٹی چھوٹی گھاس پر ننگے پاؤں چلنے لگی تھی۔ نانو کے پاس ریاض صاحب اور فانیا دونوں بہن بھائی آئے ہوئے تھے۔ واک کرتے کرتے وہ وہیں گھاس پر بیٹھ گئی جب اندر کی طرف جاتی زینیا کی نظر اس پر پڑی تو اس کی طرف چلی آئی۔

اردگرد کئی لوگ تھے۔ کچھ مریضوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے اور کچھ مریض جن کے

ساتھ آئے ہوئے تھے انہیں صبح کی سیر کروا رہے تھے۔

''عنو! تم یہاں کیا کر رہی ہو۔''

''ارے میرے ملنا تم۔'' وہ زینیا کو دیکھ کر چہکی اور اٹھ کر اس کے گلے لگ گئی۔

''پیچھے ہٹو، تم تو ایسے چپک رہی ہو جیسے عرصے بعد تمہیں مل رہی ہوں۔'' وہ مسکرائے بغیر اسے پیچھے ہٹاتے بولی۔

''ارے شادی کے بعد تو پہلی دفعہ مل رہی ہو ناں۔ اور تم اکیلی آئی ہو۔''

''کیوں، تمہیں میرے ساتھ کسی اور کا بھی انتظار تھا'' وہ لاپروائی سے بولی اور ہوسپٹل کے اندرونی طرف بڑھ گئی۔

''ہاں ناں اپنے پرنس چارمنگ جیجو کا انتظار تھا۔ تم ان کے ساتھ کیوں نہیں آئی۔'' عنزہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

''زینیا! کیا تم انہیں بتا کر آئی ہو؟'' عنزہ نے اسے پوچھا۔ وہ تو اس کے رگ رگ سے واقف تھی۔ اسے جیسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی کو بھی بتائے بغیر آئی ہے۔ وہ رات والے سیاہ جوڑے میں ملبوس تھی۔ جس پر ہلکی ہلکی سی سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ بغیر کسی میک اپ کے اس کی رنگت دودھ طرح لگ رہی تھی۔ لاپرواہی سے لیا ہوا دوپٹہ، سنہری بال جن کو اس نے جوڑے کی شکل دی ہوئی تھیں کئی لٹیں اس کے چہرے کا دیدار کر رہی تھیں۔

''مجھے کسی سے پوچھ کر یا بتا کر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری نانو ہیں میں جب مرضی آؤں اس کے لیے مجھے کسی سے اجازت طلب کی ضرورت نہیں ہے۔''

''زینی تم......''

''عنزہ! تمہیں میری اماں جان بننے کی ضرورت نہیں۔'' وہ اس کی بات کاٹتے

بولی۔ ''اور تم بتاؤ تم باہر کیا کر رہی ہو؟ میں نے تمہیں کہا تھا نا تاں نانو کے پاس سے ہلنا بھی مت پھر بھی تم یہاں باہر۔''

عنزہ نے اسے سمجھانا چاہا تھا لیکن اس کے خاموش کروانے پر فی الحال اس نے خاموشی اختیار کی تھی۔

''وہ دراصل اندران کا چیک اپ ہو رہا تھا اور بابا اور پھوپھو ان کے پاس ہی ہیں۔'' عنزہ نے اسے وضاحت دی لیکن فانیا مرزا کے ذکر سے وہ حلق تک کڑوی ہو گئی تھی۔ وہ دونوں جیسے کمرے میں داخل ہوئی تھیں تو پہلا ٹکراؤ عباد شاہ سے ہی ہوا جو باہر نکلنے لگا اور انہیں دیکھ کر رک گیا۔

''ارے میری سویٹ بھابھی، آپ اتنی صبح صبح آ گئیں اور......'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی فون بج اٹھا تھا۔ اس نے جیب سے موبائل نکالا اور دیکھا، بھائی جان کا نمبر سکرین پر جگمگ کر رہا تھا۔

''لگتا ہے میرے پیارے بھیا اداس ہو گئے ہیں یہ دیکھیں ان کا ہی فون ہے۔'' وہ اسے شرارت سے کہتا فون آن کر کے کان سے لگا گیا۔ اور زینیا غصے سے اسے دیکھتی نانو کی طرف بڑھ گئی۔

''عباد! کیا تمہاری بھابھی ہوسپٹل پہنچ گئی ہیں۔'' دوسری طرف چھوٹتے ہی آبان شاہ کی تشویش بھری آواز آئی۔

''جی بھیا، ابھی تو وہ آئی ہیں۔ کیوں آپ اداس ہو گئے تھے ان سے؟'' اپنی ازلی شرارتی رگ کو پھڑکنے سے نہیں روکا تھا لیکن دوسری طرف فون بند ہو چکا تھا۔

آبان شاہ اس کے لیے فکر مند تھا کیونکہ ان کا گھر ہوسپٹل سے کافی فاصلے پر تھا اور وہ راستہ

زینیا کے لیے نیا تھا اس لیے اسے ٹینشن ہوئی کہ وہ پہنچ پائے بھی ہے یا ابھی رستے میں ہے۔

عباد شاہ نے اسے دیکھا جو اب نانو کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کا حال چال پوچھ رہی تھی اسے دیکھ کر ہی لگتا تھا کہ وہ ان سے کتنا پیار کرتی تھی۔ پھر وہ سب کے سامنے ہی اس سے مخاطب ہوا۔

"بھیا کا فون تھا کیا آپ انہیں بتا کر......"

اس کے پاس کھڑی عنزہ نے اسے دیکھا اور زینیا نے بھی گھور کر اسے دیکھا وہ پریشان سی ہوگئی۔

"اووو کی ماں ..." لیکن پاس کھڑی عنزہ کی باریک سی چٹکی نے اسے مزید کچھ کہنے سے روکا۔ اب وہ اپنی بازو سہلا رہا تھا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں زہریلی چھپکلی۔" وہ اپنا بازو وں سہلاتا دانت پیس کر آہستگی سے بولا۔

"خبردار، اس کے آگے تم نے کوئی بات کی تو۔ ورنہ میں نہیں، تمہاری بھابھی تمہیں گنجا کردے گی۔" وہ اسے مدھم سا وارن کرتی وہاں سے ہٹ گئی۔ عباد شاہ نے زینیا کو دیکھا جو خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"اووو میرے اللہ نکل جا عابی یہاں سے ورنہ یہ غصے سے سیخ پا نگاہیں تمہیں ہارٹ اٹیک دلانے کے لیے کامیاب ہوجائیں گی۔" وہ ڈرتا ڈرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ پھر اگلے دس منٹ میں آبان شاہ بھی وہاں پر موجود تھا۔

زینیا کو دیکھ کر اسے جیسے سکون سا ملا تھا۔ اور نانو جو زینیا سے بار بار اس کا پوچھ رہی تھیں اسے دیکھ کر وہ خوش سی ہوگئی تھیں۔

”بیٹا! میری زینی کا بہت سارا خیال رکھنا۔ اگر تم اسے ذرا سا پیار عزت دو گے وہ تم پر اپنی جان بھی قربان کر دے گی۔ وہ بہت پیار کرنے والی ہے۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہو گئی تو اس کی اصلاح کر دینا اسے سمجھا دینا لیکن اس سے بدگمان کبھی مت ہونا۔“ آپریشن تھیٹر جانے سے پہلے انہوں نے آبان شاہ سے اکیلے میں کہا تھا۔ اس نے بھی ان کو بھرپور تسلی دی تھی۔

وہ تو اس کے دل کی ملکہ تھی جس سے بدگمان ہونا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور جہاں تک بات پیار کی تھی وہ تو شاید اس سے عشق کرتا تھا اور آبان شاہ اپنی ملکہ کی عزت نہ کرے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ پیار سے پہلے وہ عزت دینا ضروری سمجھتا تھا۔ پھر دس بجے انہیں آپریشن تھیٹر لے جایا گیا تھا آپریشن چوبیس گھنٹے تک ہونا تھا۔ زینیا وہیں ہوسپٹل کے ایک کمرے میں وضو کر کے ان کی صحت یابی کی دعا کرنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

”ماما! ہم نہیں جا رہے واپس آپ چلی جائیں ابھی تو ہم نے اپنی اپیا سے کوئی بات شات ہی نہیں کی اور آپ جانے کی باتیں کر رہی ہیں۔“

شاہ زیب شاہ اور شعیب شاہ دونوں بھائی منہ پھلائے بیٹھے تھے۔ آج وہ سب اسلام آباد واپس جا رہے تھے لیکن وہ نہ جانے کی ضد کر رہے تھے۔ طیبہ شاہ جو پہلے ہی غصے سے بھری پڑی تھیں شازی کی بات پر غصے سے اس کی گال پر تھپڑ رسید کر دیا۔

”خبردار اب دوبارہ مجھے یہ سننے کو ملا تو...... تم دونوں میرے ساتھ واپس جا رہے ہو اب اگر کوئی چوں چرا کی تو پھر دیکھنا بہت برا حال کروں گی۔“ وہ ان دونوں بھائیوں کو سخت وارننگ دیتے بولیں۔ وہ کسی بھی طرح نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے بیٹے اس کی سوتن کی بیٹی کے ساتھ گھلیں ملیں۔

یہ نفرت کتنی بری ہے،
سب کو یہ رولاتی ہے،
تکلیف سب کو پہنچاتی ہے،
برا بھلا سوچتی نہیں،
درد یہ کسی کو بھی دے دیتی ہے،
یہ نفرت کتنی بری ہے،
تکلیف سب کو پہنچاتی ہے
در در پر بھٹکاتی ہیں
دل کو بنجر کر دیتی ہے
یہ نفرت کتنی بری ہے
سب کو یہ رولاتی ہے
یہ نفرت کتنی بری ہے۔

☆......☆......☆

ہوسپٹل میں ایک یا دو فرد سے زائد وہاں رکنے کی کسی کو اجازت نہیں ہوتی اس لیے سب گھر چلے گئے تھے۔ عنزہ زینیا کے لیے وہاں رکی ہوئی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اردگرد دیکھا تو تھوڑے ہی فاصلے پر آبان کھڑا تھا۔ وہ فون پر شاید اپنے مینجر سے بات کر رہا تھا۔ وہ ایک دو گھنٹے کے لیے آفس گیا اور پھر واپس آ گیا تھا۔
عنزہ وہاں نہیں تھی شاید وہ باہر نکلی تھی۔ وہ اسے ڈھونڈنے کے لیے اٹھی لیکن نانو کی پریشانی میں اس نے صبح کا کچھ نہیں کھایا تھا اور تین چار دن سے ٹھیک طرح سے خوراک نہیں لے رہی

تھی جس کے وجہ سے وہ کافی کمزور ہو گئی تھی۔

وہ چلتے چلتے چکرائی۔اس سے پہلے وہ گرتی پاس سے گزرتے کسی وارڈ بوائے نے اس پکڑنا چاہا لیکن وہ زینیا تھی۔کسی غیر محرم کا ہاتھ اپنی طرف اٹھتا اسے منظور نہیں تھا۔

وہ لڑکی تھی ایسی

پھولوں جیسی

کلیوں جیسی

پہیلی جیسی

"آر یو اوکے میم۔" اس نے پوچھا۔

آبان شاہ جو فون سن رہا تھا آواز پر اس طرف دیکھا تو فوراً زینیا کی طرف بڑھا۔

"زینیا! کیا ہوا آپ کو؟" لہجے میں فکر تھی۔اپنے مضبوط بازوؤں کا سہارا دیا۔وہ دیکھ چکا تھا کیسے اس نے ایک غیر محرم سہارا نہیں لیا تھا۔وہ کمزوری سے چکرا کر گرنے والی تھی پھر بھی وہ کمزور نہیں پڑی تھی۔

محرم تھا اس کا وہ

اس کے لیے

خدا نے چنا تھا وہ

کوئی اور نگاہ پر جائے اس پر

کیسے برداشت کرتا وہ

کوئی اور ہاتھ لگائے اس کو

کیسے برداشت کرتا وہ

سہارا تھا اس کا وہ

مجازی خدا تھا اس کا وہ

پھر کیسے نہ تڑپتا وہ

آبان کو وہ کافی کمزور لگ رہی تھی۔اس کے لال گلابی رنگ میں زردی سی گھل رہی تھی۔

''ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔''اس سے کھڑا ہوا نہیں جا رہا تھا پھر بھی وہ اس کا سہارا نہیں چاہتی تھی۔

''شوہر ہوں آپ کا محرم ہوں۔اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر مان کر آپ سے نکاح کیا ہے۔اتنا تو حق بنتا ہے۔مانتا ہوں میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے لیکن آپ کو اس حالت میں دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا۔چلیں ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں آپ نے صبح کا کچھ کھایا بھی تو نہیں۔''وہ اسے وضاحت دیتے بولا لیکن وہ زینیا تھی بحث نہ کرے ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے میں کمزور ہوں۔ذرا سے چکر آنے پر مجھے کسی کے سہارے کی ضرورت پڑے گی۔ایسا سوچنا بھی مت مسٹر، زینیا بہت بہادر ہے۔''

اس کی بات پر اس کے لبوں پر خوبصورت سی مسکان ابھری کیونکہ وہ غصہ میں چلانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس سے تو بولا نہیں جا رہا تھا لیکن پھر بھی غصہ تو دکھانا تھا۔

''ہاں پتہ ہے آپ بہت بہادر ہو لیکن اس وقت آپ کو میری ضرورت ہے۔عنزہ بھی یہاں نہیں ہے ورنہ ان کے ہی سہارے آپ کو ڈاکٹر تک لے جاتا۔''

''تم......تم......''نقاہت سے اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

''میں اب آپ کے پاس ہی ہوں پرنسز۔ٹھیک ہو کر آپ جتنا مرضی غصہ نکال لینا، جتنا مرضی جھگڑ لینا آپ۔فی الحال ابھی ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔''وہ اسے سہارا دیتے بولا۔پھر

وہ اس کی کوئی بھی بات سنے بغیر ڈاکٹر کے پاس لے آیا تھا۔

☆......☆......☆

"اچھا مائی کیوٹی دیورانی صاحبہ! ہم چلتے ہیں اپنی صحت کا خیال رکھنا سب کے لیے آپ بہت اہم ہو خاص طور پر اپنے جان کے لیے۔" رانیہ بھابھی شرارت سے بولیں۔ جس پر آبان شاہ تو مسکرا گیا تھا لیکن زینیا اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔ کتنے بیباک ہیں یہ لوگ۔ اس نے دل میں سوچا۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ نام اس کا ہی دیا ہوا ہے۔

وہ سب اسلام آباد واپس جا رہے تھے انہیں ملنے آئے تھے زینیا کو گلوکوز کی ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ طیبہ شاہ کے علاوہ سب آئے ہوئے تھے۔ جویریہ شاہ بھی آبان کی خاطر آئی ہوئی تھیں۔

"بابا! اپیا تو بات ہی نہیں کرتیں کیا وہ ہم سب سے ناراض ہیں۔" شعیب شاہ نے عثمان شاہ سے پوچھا۔ وہ دونوں بھائی اس سے باتیں کر رہے تھے لیکن زینیا نے مجال ہے ایک بات کا بھی جواب دیا ہو۔ وہ اسے اپنے بچپن کے قصے سنا رہے تھے۔ اسے ہنسانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ ایسے جیسے بے حس ہو گئی ہو۔

"نہیں بیٹا وہ آپ سے ناراض نہیں ہیں پتہ ہے ناں ان کی نانو کا آپریشن ہو رہا ہے اور اب ان کی اپنی بھی طبیعت خراب ہو گئی ہے اس لیے وہ خاموش ہیں۔ پریشان ہیں وہ۔" انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو پیار سے سمجھایا۔ اب وہ انہیں کیا بتاتے کہ وہ ان سے ناراض ہے بہت سخت ناراض ہے۔

"اور آبان ہم سب نے اپنی خواہشیں لکھ دی ہیں۔ تمہیں میں میل کر دوں گی گھر جا کر یہاں سب کچھ ٹھیک ہو جائے پھر پوری کرنی ہیں ہم سب کی خواہشیں۔" رانیہ بھابھی نے اسے کہا۔

''بالکل بھیا۔ بہت زیادہ وشیز ہیں ہماری جن کو پورا کرنا آپ کی ہے ذمہ داری ہے اور میری بھابھی کو جلدی اسلام آباد لے کر آنا آپ۔''

ان کی باتوں پر وہ ہنس رہا تھا اور ساتھ ہی اپنی پرنسز کو دیکھ رہا تھا جو آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔

''بالکل آبان ہمیں انتظار رہے گا۔'' رانیہ بھابھی بولیں۔ وہ بہت ہی اچھی فطرت کی تھیں سب سے پیار کرنے والیں۔ انہیں دیکھ کر لگتا نہیں تھا وہ شاہ خاندان کی بہو ہیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے شاہ خاندان کی بیٹی ہو۔

ددلٹل پرنس آپ بھی جا رہے ہو۔'' آبان شاہ نے فرحان شاہ سے ننھے رائم کو لیتے ہوئے اسے پیار کرتے پوچھا۔

''تو کیا اسے ادھر ہی چھوڑ جائیں؟ ظاہر ہے اس نے بھی ہمارے ساتھ جانا ہے۔'' فرحان شاہ اپنے بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے بولے۔

''تو چھوڑ جائیں اسے میرے پاس۔''

''رہنے دیں بھیا اب آپ اس پرنس کا خیال رکھیں گے یا اپنی پرنسز کا۔''

''توبہ توبہ کیسی باتیں کرتے ہیں یہ سب۔'' نوین شاہ کی بات پر زینیا نے دل میں سوچا ۔آبان شاہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس کی سوچیں پڑھ رہا ہو۔ اس کے منہ کے بگڑتے زاویے اسے مزہ دے رہے تھے۔

''اچھا بیٹا ہم چلتے ہیں اپنا خیال رکھنا۔'' فرقان شاہ اسے گلے لگاتے بولے۔ ''اپنی پرنسز کا بھی کہنے کی ضرورت تو نہیں جانتا ہوں اپنی جان سے بڑھ کر تم اس کا خیال رکھو گے لیکن میری جان اپنی طرف بھی دھیان دینا ذرا۔''

جویریہ شاہ بھی اس سے ملی اور اسے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کی تھی۔

عثمان شاہ باہر نکلنے لگے جب وہ بولا۔

"چاچو۔" آج پندرہ سالوں بعد وہ اس کے منہ سے چاچو سن رہے تھے۔انہوں نے تڑپ کر اسے دیکھا۔وہ ان کے گلے سے لگ گیا۔انہیں ایسا لگا جیسے چھوٹا سا آبان ان کے سینے سے لگ گیا ہو جو ایسے بھاگ کر ان سے چمٹ جاتا تھا۔ان کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"ایم سوری چاچو، میں نے آپ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ناں مجھے معاف کر دیں۔"

اسے اس کی پرنسز مل گئی تھی تو اس کے گلے شکوے بھی ختم ہو گئے تھے۔وہ جانتا تھا وہ اسے گلے لگانے کے لیے تڑپتے ہیں۔اس کے منہ سے چاچو سننے کے لیے وہ ترس گئے ہیں۔پہلے وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا تھا لیکن اب اسے اس کی پرنسز مل گئی اب وہ ان کو بھی معاف کر چکا تھا۔

شعیب شاہ اور شاہ زیب شاہ اپنی اپیا کے پاس آئے۔

"اپیا! اپنا خیال رکھنا۔ہم سب آپ کی نانو کے لیے دعا کریں گے۔وہ جلدی ٹھیک ہو جائیں گی۔آپ نے پریشان نہیں ہونا اللہ تعالیٰ سب ٹھیک کر دیں گے۔" شعیب شاہ اور شاہ زیب شاہ دونوں نے باری باری اسے تسلی دی اور پھر اگلے ہی پل وہ حیران رہ گئی جب دونوں بھائیوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔

"گیٹ ویل سون اپیا۔"

"ہم آپ کا انتظار کریں گے۔"

"اللہ حافظ۔"

پھر سب باہر نکل گئے اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ برسنے لگے تھے۔

وہ لوگ کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔آبان شاہ بھی انہیں الوداع کرنے باہر نکل گیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات شروع ہو گئی تھی۔ اس کا دل عجیب ہی کشمکش میں مبتلا تھا کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا جب جب وہ عثمان شاہ اور رفانیا مرزا کو دیکھتی اسے وہ سارے بیتے لمحے یاد آ جاتے تھے جب اس نے انہیں پکارا تھا جب جب انکی یاد میں روئی تھی اس کا دل پھٹتا تھا۔

"زینی! کیا ہوا میرے کھنا تم رو کیوں رہی ہو؟" عنزہ جو اس کے لیے کھانا لے کر آئی تھی اسے روتا دیکھ کر کھانے والی ٹرے کو سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے تفکر آمیز لہجے میں پوچھا۔ زینیا نے جلدی جلدی میں دائیں ہاتھ کے پوروں سے آنسو صاف کیے۔

"کچھ نہیں ہوا میں ٹھیک ہوں۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا لیکن آواز میں نمی سی گھلی ہوئی تھی۔ عنزہ کو اس کی بات پر رتی بھر بھی یقین نہ ہوا۔

"اچھا۔ اگر ٹھیک ہو تو رو کیوں رہی تھی؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا جو وہ چرا گئی تھی۔

"دیکھو زینی، بے رخی دکھانے اور دل میں گلے شکوے رکھنے سے مسلے حل نہیں ہوتے بلکہ دل کا بوجھ بڑھ جاتا ہے اور اس بوجھ سے چاہ کر بھی چھٹکارا نہیں پا سکتے جب تک یہ گلے شکوے ختم نہ کرلیں۔ یہ بوجھ تکلیف دینے لگتا ہے اور وہ تکلیف ان آنسوؤں کی صورت میں بہتا ہے جو تم مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس لیے پلیز اس بوجھ کو ختم کر دو جو تمہارے دل میں دفن ہے۔ پھوپھو اور عثمان انکل سے جو بھی تمہیں شکایت ہے ایک دفعہ ان سے مل کر ان سے بات کر کے ختم کر دو زینی ورنہ اس طرح تم بھی تکلیف میں رہو گی اور وہ بھی تڑپتے رہیں گے۔"

عنزہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ

اسے اپنا درد ظاہر نہیں کرے گی۔ وہ اسے نہیں بتائے گی کہ اسے کیا بات تکلیف دیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے بعد وہی تو تھی جو اس کے نزدیک تھی۔ جانتی تھی جو بظاہر زینیا بہادر ہے، درحقیقت وہ بہت کمزور تھی۔ سب کچھ اپنے دل میں چھپا کر رکھتی تھی۔ اس نے کبھی بھی اسے اپنے غم میں شریک نہیں کیا تھا۔ خود وہ سب کے غم لینے والی تھی لیکن دیتی صرف خوشی ہی تھی۔

لیکن زینیا پر اس کے سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اس کی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالنے والے طریقے پر عمل کر رہی تھی شاید وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

''عنو! نانو ٹھیک ہو جائیں گی ناں مجھے ان کی بہت فکر ہو رہی ہے۔ اگر انہیں کچھ ہوا تو میں نہیں جی پاؤں گی۔'' نانو کا خیال آتے اس نے بے چینی سی ہونے لگی تھی عنزہ نے ٹھنڈی سانس لی۔

''ان شاء اللہ وہ ضرور ٹھیک ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو وہ اپنے بندوں کی امیدوں کو ٹوٹنے نہیں دیتا۔ اور خبردار اگر تم نے مایوسی کی باتیں کی تو سمجھی۔'' وہ اسکو ذرا غصے سے تنبیہ کرتے بولی۔

''اب فکر کرنا چھوڑو اور کھانا کھاؤ۔'' عنزہ نے اسے کھانے کی طرف متوجہ کیا جس میں چائنیز کباب اور کھیر بھی تھی جو وہ خاص طور پر گھر سے اس کے لیے بنا کر لائی تھی۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا کچھ بھی کھانے کو۔'' وہ ناک بھوں چڑھاتے ہوئے بولی۔ عنزہ حیران ہوئی اس نے تو کھانے کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ لذیذہ کھیر کی دیوانی اسے بھی نہیں دیکھا تھا۔

''ارے ایسے ہی نہیں کھانا میں اتنی محنت سے بنا کر لائی ہوں اور تم کہہ رہی ہو کہ تم نے نہیں کھانا۔ چپ کر کے کھا لو، نہیں تو تمہارے منہ میں خود ہی ٹھونس دوں گی یہ سب پھر تم غصہ

کرو ناراض ہو آئی ڈونٹ کیئر۔“ وہ رعب دار لہجے میں بولی۔ اتنے میں آبان شاہ بھی کمرے کا دروازہ کھولتا اندر آیا اور ان دونوں کو دیکھ کر مسکرایا۔

”لو آ گئے تمہارے میاں صاحب۔“ عنزہ اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولی اور آبان سے مخاطب ہوئی۔ ”آبان بھائی! اب آپ ہی اپنی نخریلی دلہن کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلائیں یہ تو خود کھانے کے موڈ میں نہیں ہے شاید۔“ وہ زینیا کو شرارت سے دیکھ کر بولی۔

”پرنسز! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟“ آبان شاہ نے اسے دیکھا۔ اس کے پرنسز کہنے پر عنزہ ذومعنی انداز میں مسکرائی اور زینیا منہ کے زاویے بگاڑتے ہوئے دل میں بولی تھی۔

”چھچھوندر کہیں کا۔ لگتا ہے سارا خاندان ہی ایسا ہے۔“

عنزہ کو تو زینیا کے بگڑتے زاویے ہنسی دلا رہے تھے اس لیے اس نے منظر سے ہٹنے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

”آپ اپنی پرنسز کو کھانا کھلائیں، میں باہر چلتی ہوں۔“ وہ پرنسز پر زور دیتے بولی اور اپنی ہنسی کو ضبط کرتی باہر نکل گئی تھی۔ زینیا نے خونخوار نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”پرنسز! آپ کھانا کھا لیں یا پھر میں اپنے ہاتھ سے آپ کو کھانا کھلا دوں۔“ وہ اس کی کڑی نگاہوں کا مزہ لیتے بولا۔

”بس بہت ہو گیا۔ برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے مسٹر۔ اگر کسی کے سامنے اپنی بے عزتی نہیں چاہتے تو آئندہ یہ گھٹیا بکواس نہ کرنا۔“ اس کا اشارہ پرنسز کہنے کی طرف تھا۔

”میں نے کیا کیا؟“ وہ سمجھ کر بھی ناسمجھ سا بن گیا۔ نا جانے کیوں اسے اس کا بات کرنا اچھا لگ رہا تھا حالانکہ وہ اس سے بات نہیں کر رہی تھی لیکن اسے پھر بھی اچھا لگ رہا تھا۔

”زیادہ معصومیت کا ڈھونگ رچانے کی ضرورت نہیں مسٹر، میں سب جانتی ہوں اور تو اور

جو تمہارے گھر والے کہہ کر گئے ہیں ناں اس کے بارے میں سوچنا بھی مت۔ میں کبھی بھی وہاں نہیں جانا چاہوں گی جہاں سے مجھے پہلے نکالا گیا تھا۔" وہ اسے بتا رہی تھی۔ وہ خاموشی سے کھڑا بازوؤں کو سینے سے باندھا اور دائیں بازو کی کہنی کو باندھے ہوئے بازو پر رکھ کر اپنے ہاتھ کے انگوٹھے کو ٹھوڑی کے نیچے اور انگلیوں کو ٹھوڑی کے اوپر رکھ کر لبوں پر اپنی جان لیوا مسکراہٹ لیے اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی بھی ردعمل نہ پا کر زینیا کو اپنا غصہ ہونا فضول سا لگا تھا۔

"تم سن رہے ہو ناں میری بات؟" وہ چلائی تھی۔

"آفکورس پرنسز، میں آپ کو ہی سن رہا ہوں۔ آپ سنائیں جو بھی سنانا چاہتی ہیں میں ضرور سنوں گا۔ بس آپ یہ تھوڑے سے رائس کھا لیں تاکہ آپ کو انرجی مل جائے اس کے بعد آپ جتنی باتیں سنائیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔" وہ چاولوں والی پلیٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے بولا۔

وہ بولی۔ "تمہیں کیا لگتا ہے میں مذاق کر رہی ہوں یا پھر ایک دن میں اپنی بات سے پھر جاؤں گی اور سب کچھ ویسا ہو جائے گا جیسے تم لوگ چاہتے ہو۔"

اس کا دل کیا وہ آبان شاہ کے لبوں کی جان لیوا مسکراہٹ کو چھین لے۔ اس کی دلکش مسکراہٹ زینیا کا سکون برباد کر رہی تھی۔

انسان کے اندر جب سکون نہ ہو اس کا سکون درہم برہم ہو تو وہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ جھنجھلاہٹ غصے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور ساری تمیز جیسے پوشیدہ سی ہو جاتی ہے۔ زینیا کے اندر بھی بے سکونی سی چھائی ہوئی تھی اسے کسی بھی صورت سکون میسر نہیں تھا۔

"مجھے ایسا کچھ نہیں لگتا پرنسز، میں نے کہا تھا ناں کہ آپ جیسا چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔"

"لگتا تو نہیں تم اپنی زبان پر قائم رہنے والے ہو اس کے بعد تم کتنی دفعہ میرے نزدیک آنے کی کوشش کر چکے ہو۔ بڑے آئے اتنے تم پارسا ہو نہیں جتنے بنتے ہو تم بھی دوسرے مردوں جیسے ہی ہو۔"

اس نے آج کا حوالہ دیا تھا۔ نفرت بھرے لہجے میں کہا اور شاید اس نے ایسا جان بوجھ کر کہا تھا تا کہ وہ غصہ ہو۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا تھا وہ اس کی بات کا غصہ کرے ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے آج کے بعد ایسا نہیں ہو گا لیکن آپ کو بھی اپنا خیال رکھنا ہو گا اور آپ ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا آپ جب جب لڑکھڑائیں گی آبان شاہ آپ کا سہارہ بنے گا۔ جب اپنے آپ کو تنہا محسوس کریں گی۔ آبان شاہ آپ کے ساتھ ہو گا جب جب آپ روئیں گی آنسوؤں کو چننے کے لیے آبان شاہ آپ کے پاس ہو گا۔ اس سب کے لیے آپ مجھے منع نہیں کر سکتیں یہ سب میرا پیار ہے اور آبان شاہ اپنا پیار فرض کی طرح نبھاتا ہے اور اس سب کا حق مجھے میرے خدا نے بھی دیا ہے۔ اور پلیز یہ کھا لیں میری خاطر نہ سہی نانو کی خاطر ہی سہی، جب وہ ٹھیک ہو جائیں گی تو آپ کو ایسے دیکھیں گی تو وہ کیا سوچیں گی؟" وہ سنجیدگی سے متاثر کن لہجے میں بولا تھا لیکن زینیا کو اس کے لب و لہجے، اس کی باتوں نے رتی بھر بھی متاثر نہیں کیا تھا۔

"یہ ڈرپ ختم ہو گئی ہے میں سسٹر کو بول دیتا ہوں یہ اتار دیں۔" وہ اسے ایک نظر دیکھتا کمرے سے باہر نکلا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ساتھ دو نرسیں تھیں۔

"السلام علیکم پیاری لڑکی، اب کیسا فیل کر رہی ہو آپ۔" ان میں سے ایک اس کے پاس آتے ملائمت سے بولی۔ وہ سب عباد شاہ کے حوالے سے اسے جان گئی تھیں۔ زینیا نے ذرا سا مسکرا کر انہیں جواب دیا تھا پھر وہ زینیا کے ہاتھ سے سوئی نکالنے لگی۔

اس کی نظر پاس کھڑی دوسری نرس پر پڑی جو تقریباً بائیس تیئیس سال کے لگ بھگ لگ

رہی تھی۔زینیا نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا جہاں آبان شاہ صوفے پر بیٹھا موبائل پر کوئی میسج وغیرہ کر رہا تھا اور لبوں پر جان لیوا مسکان سی تھی جسے دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ کسی بہت ہی اپنے سے بات کر رہا تھا۔زینیا نے دوبارہ اس لڑکی کو دیکھا جو اب اپنا موبائل لے کر آبان کی تصویر بنا رہی تھی پھر اسے دیکھ کر مسکرائی ہی جا رہی تھی۔

اس لڑکی کی اس حرکت پر اسے بیحد غصہ آیا لیکن وہ خاموش رہی یہ سوچ کر اسے کیا فرق پڑتا ہے وہ جسے مرضی دیکھے اسے کیا پڑی ہے غصہ کرنے کی۔

''چلیں یہ تو ہو گیا اب آپ ریلیکس کریں ہم چلتے ہیں۔'' دوسری نرس نے اس کی ڈرپ اتار کر پٹی لگائی اور اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''جزاک اللہ خیر مس سویرا۔'' آبان شاہ اس کا مشکور ہوا۔دوسری نرس ایسے تھی جیسے آبان شاہ کو اپنی آنکھوں میں بسا رہی ہو۔

''کوئی بات نہیں مسٹر شاہ! آپ بس اپنی پیاری سی بیوی کا خیال رکھیں یہ تو بہت کمزور سی ہیں۔انہیں کچھ کھلائیں پلائیں تا کہ یہ نظر بھی آئیں۔'' سسٹر سویرا انہیں مشورہ دیتے دیتے مذاق کر گئی جو ان کی فطرت میں شامل تھا۔وہ کافی ہنس مکھ سی تھی۔

آبان شان اس کی بات پر زینیا کو دیکھ کر ہنس دیا تھا۔ پھر وہ دونوں باہر نکل گئیں۔زینیا کو خود کافی کمزوری سی محسوس ہو رہی تھی اس نے سامنے رکھے رائس والی پلیٹ اٹھائی اور کھانے لگی تھی۔آبان شاہ نے اسے دیکھا پھر فون کی طرف متوجہ ہو گیا جہاں اسے آفس سے کال آ رہی تھی۔وہ فون سنتا کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

آبان کو آفس سے کال آئی تو وہ انہیں بتا کر آفس چلا آیا۔آج آفس میں پیرس سے آنے

والے ڈیلی گیشن سے اس کی بہت بڑی میٹنگ تھی ان لوگوں کے ساتھ مل کر اس نے اور بھی بہت سی کنٹریز میں اپنے پراجیکٹ مکمل کیے تھے اس لیے اب وہ اس کے ساتھ مل کر پاکستان میں فیکٹریاں بنانے کا پراجیکٹ شروع کر رہے تھے اسی سلسلے میں اس نے ان کو پاکستان بلایا تھا۔

وہ تین چار گھنٹے بعد آفس سے ہوسپٹل آیا تو رات کے نو بج رہے تھے۔وقار صاحب بھی وہاں آگئے تھے۔انہوں نے زینیا کو سمجھا بجھا کر آبان کے ساتھ گھر بھیجنے پر راضی کیا تھا۔نانو کا آپریشن چوبیس گھنٹے تک چلنا تھا۔ابھی صرف بارہ گھنٹے ہوئے تھے۔آج رات وقار صاحب نے وہاں پر رکنا تھا اس لیے عنزہ بھی ان کے ساتھ وہاں سے نکل آئی۔

"عنزہ! آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں ناں ہمارے گھر۔" آبان نے چلتے چلتے عنزہ سے کہا۔

"ارے نہیں بھیا، آپ مجھے میرے گھر ہی چھوڑ دیں آپ لوگوں کے گھر پھر کبھی آؤں گی۔"عنزہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

وہ تینوں اب ہوسپٹل سے باہر نکل آئے تھے۔اس سے پہلے آبان شاہ اس سے کوئی اور بات کرتا سامنے دانیال کے ساتھ آتی فانیا مرزا پر نظر پڑی جو انہیں دیکھ کر رک گئی تھیں۔

"زینی کیسی ہو میری جان؟"

وہ آبان شاہ کے پیچھے کھڑی زینیا کی طرف بڑھیں جس کا موڈ انہیں دیکھ کر خاصا بگڑ چکا تھا۔وہ جو زینیا کی طرف ہاتھ بڑھا کر پیار کرنے والی تھیں زینیا پیچھے ہٹ گئی اور غصے سے بولی۔

"مسز فانیا! میرا نام زینیا ہے۔زینی مجھے صرف وہی لوگ بلاتے ہیں جو میرے بہت

قریب اور مجھے بہت خاص ہیں۔آپ تو کم ازکم اس فہرست میں تو بالکل بھی نہیں۔(نفی میں سرہلاتے) ایک اور بات آپ میرے سامنے مت آیا کریں۔آپ کو دیکھتی ہوں تو مجھے وہ راتیں وہ دن چین نہیں لینے دیتے جب مجھے آپ کی اور آپ کے سابقہ شوہر کی ضرورت تھی ۔میرا دم گھٹنے لگتا ہے میرا دل اس دنیا سے اچاٹ ہونے لگتا ہے۔ خدارا میرا سکون مت چھینیں۔''اس کی لہجے میں نمی کے ساتھ ساتھ بے بسی ہی بے بسی تھی۔ پھر وہ ان کے سامنے سے ہٹ گئی۔

آبان شاہ اور عنزہ نے انہیں دیکھا جن کی نظریں زینیا کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں اور وہ تو زمین پر نظریں گاڑے کھڑی تھی۔ پھر وہاں سے نکلتی چلی گئی اور وہ خاموشی سے بہتی آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی تھیں۔

دانیال نے ایک دفعہ ماں کو دیکھا اور پھر اس کے پیچھے جانے لگا جب انہوں نے اسے روک دیا تھا کیونکہ پہلے بھی وہ اس سے بات کر کے دیکھ چکا تھا لیکن نتیجہ صرف بے عزتی تھی۔

انسان کی یہ جیسے فطرت میں شامل تھا کہ وہ اپنے حال میں کبھی نہیں رہتا۔ وہ یا تو مستقبل کے منصوبے بناتا ہے۔اسی کے بارے میں سوچتا ہے اور یا پھر اپنے بیتے کل میں رہتا ہے۔ حال میں کیا ہو رہا ہے آج اسے کیا مل رہا ہے اس کے بارے میں وہ کبھی نہیں سوچتا۔ وہ کبھی نہیں سوچتا جو بیتنا تھا وہ بیت چکا۔اسے اگر بھول نہیں سکتا تو اسے اپنے اوپر سوار بھی نہ کرے ۔اگر خوشی مل رہی ہے تو اپنے خدا کا شکر ادا کر کے اسے قبول کر لے۔اگر کوئی آزمائش ہے تو پھر بھی اپنے رب سے اپنے حوصلے اور صبر کی دعا کر کے اسے قبول کر لے کیونکہ بے شک خدا وہی چاہتا ہے جو اس کے بندے کے حق میں بہتر ہوتا ہے لیکن یہ بات انسان کو کون سمجھائے اسے سمجھانا بہت مشکل تھا۔

”ماما!“

”دانی، رہنے دو بیٹا پتہ نہیں میری بیٹی نے کتنی تکلیفیں سہی ہیں۔ جو وہ اپنی ماں کو معاف ہی نہیں کرنا چاہتی، مجھ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتی۔ میری غلطیوں کی سزا مل رہی ہے مجھے۔“ وہ آنسو بہاتے بولی۔ انہیں روتا دیکھ اس کا دل کٹ سا گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ عنزہ کو چھوڑ کر گھر آ گئے تھے۔ سارا شاہ مینشن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی کا راج تھا۔ زینیا تو گاڑی سے اتر کر سیدھا اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی جبکہ آبان شاہ ابھی نیچے ہی تھا۔ وہ کوٹ اتارتا لاؤنج میں سنگل بڑے سے صوفے پر ریلیکس ہو کر بیٹھ گیا تھا جب کوثر بی (ملازمہ) وہاں پر آئیں۔

”السلام علیکم بیٹا جی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کے لیے کافی بنا کر لاؤں؟“

ان کی آواز پر وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

”وعلیکم السلام۔ الحمد للہ میں ٹھیک ہوں۔ اور کافی میں نماز کے بعد لوں گا۔ میں نماز پڑھ لیتا ہوں تب تک آپ اچھی سٹرانگ سی کافی اوپر بھجوا دیجیے گا۔“ وہ انہیں کہتا ہوا اوپر کی طرف بڑھا پھر رکا اور مخاطب ہوا۔

”کوثر بی! آپ ذرا اپنی چھوٹی بی بی سے پوچھ لیجیے گا انہیں شاید کسی چیز کی ضرورت ہو۔“

”جی ضرور بیٹا میں پوچھ لیتی ہوں۔“ وہ اثبات میں سر ہلاتی بولیں اور کچن کی طرف چلی گئیں جو لاؤنج کے سامنے ہی تھا۔

☆......☆......☆

وہ رات کو کمرے میں آئی اور عشاء کی نماز پڑھ کر روتے روتے سو گئی تھی۔ اپنے اندر کا

غبار تنہائیوں میں نکالتے نکالتے کب سوئی اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔

اور باہر کوثر بی دراوزہ کھٹکاتی رہیں، اسے آوازیں بھی دیتی رہی لیکن اسے ہوش ہوتا تو وہ دروازہ کھولتی یا پھر ان کی بات کا جواب دیتی۔ جب اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو وہ آبان شاہ کے لیے ہی کافی بنا کر اس کے کمرے میں لے آئیں۔

وہ جو نماز پڑھ کر جائے نماز کو تہہ کر کے رکھ رہا تھا ان کے ہاتھ سے آگے بڑھ کر کپ والا ٹرے پکڑا جب وہ بولیں۔

"بیٹا! میں نے دلہن بیٹی کے کمرے کا بہت دیر تک دروازہ کھٹکھٹایا اور آوازیں بھی دی تھیں لیکن انہوں نے کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ لگتا ہے وہ سوگئی ہیں۔"

وہ انہیں وضاحت دیتے بولیں۔

"چلیں کوئی بات نہیں کوثر بی، اب آپ بھی جا کر آرام کریں۔" وہ لبوں پر دلکش مسکراہٹ لیے ملائمت سے بولا۔ وہ اسے دعائیں دیتیں نیچے آگئیں۔

☆......☆......☆

اللہ اکبر

اللہ سب سے بڑا ہے

اللہ اکبر

اللہ سب سے بڑا ہے۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ

میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ

میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اشھد ان محمد الرسول اللہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اشھد ان محمد الرسول اللہ

میں گواہی دیتا کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

حی علی الصلوۃ

آؤ نماز کی طرف۔

حی علہ الصلو ۃ

آؤ نماز کی طرف۔

حی علی الفلاح

آؤ کامیابی کی طرف۔

حی علی الفلاح

آؤ کامیابی کی طرف۔

اللہ اکبر

اللہ سب سے بڑا ہے۔

اللہ اکبر

اللہ سب سے بڑا ہے۔

لا الہ الا اللہ

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

وہ صبح اٹھا اور وضو کیا سر پر سفید ٹوپی پہنی اور اپنے گھر کے قریبی مسجد میں چلا گیا اور اذان دی تھی۔آذان کی پر سوز الفاظ سپیکر سے دور دور تک جا رہی تھی۔ویسے بھی آبان شاہ آذان دیتے ہوئے اس میں کھو سا جاتا تھا۔اسے ہمیشہ ہی اللہ کے ذکر سے قلب و روح تک سکون ملتا تھا۔اس کی آواز میں ایک جادو تھا اور دوسرا آذان کے بولوں میں ایسا طلسم تھا کہ ایسا لگتا جیسے سارے ماحول پر جادو کر دیا ہو۔آہستہ آہستہ نمازی مسجد میں آتے گئے اور پھر باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے امام صاحب کی امامت میں کھڑے ہو گئے۔

کیسی یہ باد صبح آئی ہے

افق پر صبح کا ستارہ چمکا ہے

مسجدوں میں خدا کا نام گونجا ہے

اپنے بندوں کو خدا نے پکارا ہے

جب کانوں میں خدا کا نام گونجتا ہے

خدا کے نیک بندے اللہ کی طرف بڑھتے ہیں

اللہ کے گھر میں جاتے ہیں

ذکر الٰہی کرتے ہیں

اپنے رب کو یاد کرتے ہیں

مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں

سجدوں میں گڑگڑاتے ہیں

خدا سے عرضیاں اپنی منواتے ہیں

خدا کو راضی کرتے ہیں

جس کے قبضے میں ہے سارا دو جہاں

اس کے سامنے روتے ہیں

سسکتے ہیں بھکاری بنتے ہیں

یہ جانتے ہوئے کہ وہ انہیں عطا کرے گا

وہ خدا پاک ہے

دیتا ہے بن مانگے ہر کسی کو

قبول کرتا ہے ہر ایک عرضی کو

معاف کرتا اپنے بندوں کے گناہوں کو

نیکی کا رستہ دیکھاتا اپنے بندوں کو

ہر مشکل میں ساتھ دیتا اپنے بندوں کا

کبھی منہ نہ موڑا اپنے بندوں سے

کبھی رحمت کا در بند نہ کیا اپنے بندوں پر

تو پھر کیوں نہ کریں ہم اس کی عبادت

کیوں نہ کریں اس کا شکر ادا

کیوں نہ کریں ذکر خدا

چھوڑو اپنی نیندوں کو

چھوڑو اپنی الجھنوں کو

چھوڑو اپنے دھندوں کو

جاؤ اس کی طرف

بلایا ہے جس نے تم کو

جلدی جاؤ کہیں دیر نہ ہو جائے

یہ وقت تمہیں دوبارہ نہ ملے

چلے جاؤ فلاح کی طرف

تھام لو خدا کی رسی کو

خود کو نماز کا عادی بنا لو

نہ آئیں گے کسی کام

یہ دنیا کہ گورکھ دھندے

پڑھو گے آج نماز

کام آئیگی یہ کل قبر میں تمہارے

کنجی ہے یہ جنت کی

کبھی نہ گنواؤ اس کنجی کو

تھام لو مضبوطی سے خدا کی رسی کو

کبھی نہ گنوانا جنت کی کنجی کو

کبھی نہ گنواؤ۔

کبھی نہ گنوانا۔

تھام لینا خدا کی رسی کو

☆......☆......☆

وہ نماز پڑھ کے تھوڑی دیر واک کر کے گھر لوٹا تھا تب تک سورج اپنے جوبن پر تھا۔ یہ اس

کا معمول تھا۔ وہ نماز کے بعد لمبی واک کرتا تھا چاہے وہ ادھر ہو یا پھر پیرس میں۔ اس کے معمول میں کمی نہیں آتی تھی وہ واک کرنے کے بعد وسیع عریض شاہ مینشن میں داخل ہوا جس کا لان ہمیشہ کی طرح تروتازہ لگ رہا تھا۔ وہ سب ملازموں کو سلام کرتا اندر کی طرف بڑھا۔

''السلام علیکم کوثر بی، کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' وہ خوش گواریت لہجے میں گویا ہوا۔

''شکر ہے اس پاک ذات کا بیٹا جی جو جس حال میں رکھے۔'' وہ مسکرا کر اس کے ہنسی اور خوشی سے لبریز دلکش چہرے کو دیکھتے بولیں۔

''اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کریں۔ میں نے تو آپ کو کتنی دفعہ منع کیا ہے یہ عمر اب آپ کی آرام کرنے کی ہے لیکن آپ ہیں کہ سنتی ہی نہیں۔''

''بیٹا! جب تک ان ٹانگوں میں سکت ہے تب تک تو کام کروں گی۔ اب انسان بیٹھا بیٹھا تو ناکارہ ہو جاتا ہے۔''

''اوہو کوثر بی، میں نے ہر وقت بیٹھنے کا نہیں کہا۔ میرے کہنے کا مطلب تھا آپ جو یہ کام کرتی ہیں بچوں سے کروایا کریں۔ آپ بس انہیں ہدایت دیا کریں اور پھر صبح صبح اٹھ کر لان میں واک کیا کریں۔ اچھی خوراک لیا کریں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں۔'' وہ انہیں کسی چھوٹے بچے کی طرح سمجھا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر ہنس دیں جو اسے کندھوں سے تھامے کھڑا تھا۔

''بیٹا جی! بھلا ہو آپ کا جو مجھ غریب کا اتنا خیال رکھتے ہو۔ مجھے اور میرے......''

''آہاں، بالکل نہیں۔'' ان کی بات پر وہ نفی میں سر ہلاتے ان کی بات کو کاٹ گیا تھا۔

''ایک تو آپ ہمیں بیٹا بھی کہتی ہیں اور دوسرا اس طرح کی باتیں کر کے بیٹوں کو شرمندہ بھی کرتی ہیں۔ اور میں نے آپ کو کتنی دفعہ کہا ہے کہ دینے والے کی ذات صرف اللہ ہے جس کے حصے میں جتنا رزق لکھا ہے وہ دیتا ہے۔ اس کے لیے اللہ کا شکر ادا کیا کریں اور اپنے بیٹوں

کے لیے صرف دعا کیا کریں۔'' وہ انہیں پیار اور ملائمت سے سمجھاتے ہوئے بولا۔کوثر بی نم آنکھوں سے مسکرا دیں۔وہ ایک غریب عورت تھیں اور ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ان کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔وہ بھی ان کے ساتھ ہی سرونٹ کوارٹر میں رہتے تھے اور جب سے یہ شاہ مینشن بنا تھا اور عباد شاہ یہاں آ کر رہتا تھا تب سے عباد شاہ نے انہیں وہاں رکھا ہوا تھا۔ وہ اتنے بڑے شاہ مینشن کا سارا کام وہ اور ان کے بچے کرتے تھے۔وہ پڑھتے بھی تھے اور ساتھ کام بھی کرتے لیکن انہوں نے اتنا بوجھ بھی ان پر نہیں ڈالا تھا کہ اپنی پڑھائی پر توجہ بھی نہ دے سکیں اور بھی بہت سے ملازم وہاں کام کرتے تھے۔

کوثر بی عباد شاہ کو تین سالوں سے جانتی تھیں جبکہ آبان شاہ کو وہ پچھلے تین ماہ سے جانتی تھیں۔وہ بہت جلد ہی ان کے دل میں گھر کر گیا تھا۔وہ اٹھتے بیٹھتے ہی ان دونوں کو دعائیں دیتی نہیں تھکتی تھیں۔آجکل کے دور میں کون کسی کے لیے اتنا کرتا ہے آجکل تو سگے اپنا ساتھ چھوڑ دیتے تھے وہ ان کے لیے پرائے تھے لیکن انہوں نے اپنوں سے بڑھ کر ان کا ساتھ دیا تھا۔اللہ اپنے بندوں کو کبھی اکیلا بے یارو مددگار نہیں چھوڑتا کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا ہی دیتا ہے ۔

''چلو آپ بیٹھو میں آپ کے لیے ناشتہ بنا کر لے کے آتی ہوں۔'' وہ باورچی خانے کی طرف جانے لگیں جب اس نے انہیں روک دیا۔

''دیکھا ابھی ابھی آپ کو میں نے کیا کہا۔'' وہ ناراضگی سے انہیں یاد کرواتے بولا۔''آج آپ سب کو میں ناشتہ بنا کر کھلاؤں گا۔آپ اپنی دلہن بی بی کو بھی بلا لائیں اور اسما اور فلک (کوثر بی کی بیٹیاں) کو بھی بلائیں۔آج آپ سب کو اپنے ہاتھوں سے بنا ناشتہ کرواؤں گا۔'' وہ مسکراتا ہوا باورچی خانے کی طرف بڑھ گیا اور وہ اس کے بچپنے پر ہنس دیں۔کہاں انہوں نے اسے سنجیدہ اور خاموش دیکھا تھا۔وہ پہلے اور اب والے آبان کا موازنہ کرنے

لگیں۔ وہ اس کے کھلتے چہرے کو دیکھ کر اس کی خوشیوں کے لیے دعا گو ہوئی تھیں۔

وہ بڑی نفاست سے کف اوپر کیے انڈوں کو توڑ کر شیشے کے بنے باؤل میں مکس کر رہا تھا اور پاس کھڑا باورچی جو کوثر بی کے ساتھ مدد کرتا تھا اپنے مالک کو یک ٹک اپنا کام کرتے دیکھ رہا تھا۔ وہ آملیٹ بنانے کیلئے سارے مواد کو ابھی مکس ہی کر رہا تھا جب کوثر بی ہانپتی ہوئی چلی آئی تھیں۔

"بیٹا دلہن بی بی تو دروازہ ہی نہیں کھول رہی۔ نا جانے کیا بات ہے۔" ان کی بات پر اس کے چلتے ہاتھ رکے۔

"اچھا ٹھیک ہے میں خود دیکھتا ہوں۔" وہ سب چھوڑتا ہوا کچن سے باہر نکلا اور اوپر آ گیا۔ وہ بھی کافی حیران اور پریشان سا ہو گیا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ پانچ وقت کی نماز پڑھتی تھی۔ اس نے کتنی دفعہ اسے آفس میں نماز پڑھتے دیکھا تھا اور صبح مسجد میں بھی جاتے وقت وہ تو سمجھا تھا، وہ اٹھ گئی ہو گی۔

کافی دیر جب وہ بھی دروازہ بجاتا رہا تو اسے آوازیں بھی دیں لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا تو اس کے اردگرد خطرے کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ جلدی سے بھاگتا ہوا اپنے کمرے میں آیا اور بیڈ کے سائیڈ ٹیبل کے دراز سے اس کمرے کی ڈپلیکیٹ چابی لے کر فوراً آیا اور لمحوں میں وہ دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا تھا۔

سامنے جہازی سائز بیڈ پر لیٹے دیکھ کر اسے سکون ملا تھا۔ وہ آگے بڑھا وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے پاس آیا اور بغور اسے دیکھنے لگا۔

وقت تھم سا گیا تھا۔ کئی لمحے وہ اسے ایسے ہی کھڑا دیکھتا رہا تھا جو سوتے ہوئے بالکل کسی معصوم سی گڑیا کی طرح لگ رہی تھی۔ کہیں سے بھی نہیں لگتا تھا کہ یہ وہی زینیا ہے جو جاگتے

بالکل کسی بپھری شیرنی کی طرح ہوتی تھی۔

''میری پرنسز تو ابھی تک سو رہی ہیں۔'' وہ اس کے تھوڑا فاصلے پر بیٹھتے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔اس نے یکدم ہی کسی خیال کے تحت آگے بڑھ کر اپنی ہتھیلی اس کے ماتھے پر رکھی۔ اگلے ہی لمحے وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹا۔

''اومائی گاڈ، انہیں تو بہت تیز بخار ہے۔'' لہجے میں فکر اور پریشانی لیے اس کے پاس بیٹھا۔کوثر بی جو کمرے سے نکل رہی تھیں اس کی آواز سے پلٹیں۔

''کیا بخار۔'' وہ خود پریشانی سے اس کے پاس آئیں۔

''یا خدا۔بیٹا اسے تو واقعی بہت بخار ہے۔'' وہ اس کو ہاتھ لگاتے پریشانی سے بولیں۔

''پرنسز۔پرنسز۔آنکھیں کھولیں پلیز۔'' وہ اس کا گرم چہرہ تھپتھپاتا پریشانی سے بولا۔

''پرنسز پلیز آؤ یک اپ یو ہرٹ می پرنسز کوثر بی آپ جلدی سے آئس کیوب لے کر آئیں۔میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔'' زینیا کو بخار میں تپتا دیکھ کر اس کے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔اس نے ڈاکٹر کو کال کر دی تھی۔کوثر بی جلدی سے آئس کیوب لے آئیں پھر وہ اس کی ٹھنڈی پٹیاں کرنے لگا تھا۔

''ایک تو آپ کہتی ہیں کہ میں آپ کے پاس نہ آؤں آپ کو ہاتھ نہ لگاؤں اور پھر اپنا خیال بھی نہیں رکھتیں دیکھا ہو گیا نہ اب بخار۔کیا ہوتا اگر رات کو مجھے بتا دیتیں لیکن نہیں آپ کو تو ناراض ہی رہنا ہوتا ہے۔'' وہ اس کے ماتھے پر آئس کیوب کی پٹیاں کرتے ہوئے بولا۔اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کا اپنا بدن بخار سے ٹوٹ رہا ہو۔اتنے میں ڈاکٹر صاحب آئے اور انہوں نے اس کا بخار چیک کر کے دوا انجیکشن لگائے اور میڈیسن دی اور کچھ ہدایت دے کر چلے گئے۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے کوئی جادو منتر ملے اور اسے ہوش میں لے آئے وہ اسے ایسا ہرگز نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اتنے میں فلک اور اسما بھی وہاں آ گئی تھیں۔

"تم دونوں میرے ساتھ چلو اور زینیا بیٹی کے لیے اچھا سا چکن سوپ بنا لو تاکہ ان کے ہوش میں آتے ہی وہ پلا کر انہیں دوا دے دیں۔"

کوثر بھی اپنی دونوں بیٹیوں کو ہدایت دیتیں کمرے سے باہر نکل گئیں اور وہ بھی ایک نظر ان دونوں کو دیکھ کر ان کے پیچھے آ گئیں۔

"یار فلک! یہ آبان بھائی اپنی بیوی سے کتنا پیار کرتے ہیں دیکھا نہیں وہ کیسے تڑپ رہے تھے۔" کمرے سے نکلتے ہی اسما نے فلک سے کہا۔

"پیار نہیں وہ تو ان سے عشق کرتے ہیں۔ تم نہیں جانتی ایک دفعہ عباد بھائی نے مجھے بتایا تھا کہ کیسے وہ ان کے بچھڑنے پر تڑپے ہیں وہ تو ہنسنا ہی بھول گئے تھے اور تمہیں پتہ ہے تمہیں میں کہتی تھی کہ یہ اتنے خاموش کیوں رہتے ہیں۔ عباد بھائی کی طرح ہنستے کیوں نہیں اور اب تم نے دیکھا پچھلے دنوں وہ کتنے خوش نظر آ رہے ہیں اور آج ان کے بیمار ہونے پر وہ کیسے پریشان سے ہو گئے ہیں۔" فلک نے تفصیل سے اسے بتایا۔

"ہاں واقعی ان دنوں میں نے انہیں بہت خوش دیکھا ہے۔ اللہ ان کی خوشیوں پر کسی کا کالا سایہ نہ پڑنے دے۔" ان دونوں نے صدق دل سے ان کے لیے دعا کی تھی۔

☆......☆......☆

پورا دن گزر گیا لیکن اس کی طبیعت نہیں سنبھلی تھی۔ تھوڑی دیر کے لیے ہوش میں آیا، تھوڑا سا سوپ پلا کر اور دوا کھلائی جس کے بعد وہ دوبارہ غنودگی میں چلی گئی تھی اور دوسری طرف نانو کا آپریشن کامیاب ٹھہرا تھا اور انہیں جنرل وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ

اگلے بارہ گھنٹوں میں انہیں ہوش ہو جائے گا۔

عباد شاہ تھکا ہارا گھر آیا تو زینیا کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔

"اف بھائی جان! آپ بھی ناں معمولی سا بخار ہے اور آپ کی شیرنی کو اس معمولی سے بخار سے کچھ نہیں ہوتا۔" عباد شاہ زینیا کے معصوم سے چہرے کو دیکھتے بولا۔

"عابی!" آبان شاہ کی تنبیہہ کرتی ہوئی آواز آئی۔ "نکل جاؤ باہر۔ میں یہاں پریشان ہوں رات ہونے والی ہے لیکن ان کا بخار کم ہی نہیں ہو رہا اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔" اس کے لہجے میں ناراضگی تھی۔

"میرے لال دلارے بھیا تو کس نے کہا ہے آپ پریشان ہوں۔ میں نے چیک کیا ہے اب بخار قدرے کم ہے آپ پریشان نہ ہوں۔ ویسے مجھے لگتا ہے بھابھی کی ڈانٹ سننا مس کر رہے ہیں ادر وائز آپ کو اتنی پریشانی نہیں ہونی تھی۔" اسے تسلی دیتا دیتا وہ پھر مذاق کر گیا تھا۔

"چلو جاؤ تم اب اپنے کمرے میں آرام کرو میرا سر نہ کھاؤ۔"

"بھیا جی! آپ کا سر تو اب آپ کی بیگم کھائیں گی ہمیں کیا ضرورت ہے۔ کھانے کی مجھے تو لگتا ہے عنقریب وہ آپ کو بھی کھا جائے گی جس طرح مجھے حالات نظر آتے ہیں۔"

"یا اللہ مجھے اس شیطان سے پناہ دے۔ عابی! تم جاتے ہو یا پھر میں خود تمہیں اٹھا کر باہر پھینکوں۔" وہ اپنے خطرناک ارادے لیتے بولا۔

"بھیا۔" صدمے اور بے یقینی سے بھرپور آواز۔ "آپ ایسے بدل جائیں گے کبھی سوچا نہیں تھا۔ آپ اپنے چھوٹے بھائی کو باہر پھینکنے کی بات کر رہے ہیں۔ اے میرے خدا، یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ یہ سننے سے پہلے مجھے کچھ ہوا کیوں نہیں۔"

اس کی ڈرامے بازیاں آبان شاہ کو مسکرانے پر مجبور کر رہی تھیں۔ وہ کمرے کے دراوزے

تک پہنچ کر دوبارہ گھوما اور اس سے بولا۔ ”بھیا آپ مجھے کمرے سے باہر کیوں نکال رہے میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کیونکہ آپ کی بیگم تو ہوش سے بیگانہ ہو کر سو رہی ہیں اور آپ نے اکیلے......“

”رک، تجھے میں بتاتا ہوں۔“ اس سے پہلے وہ اپنی ذومعنی بات مکمل کرتا آبان شاہ خونخوار چہرہ لیے اس کی طرف بڑھا لیکن وہ ایک جست میں کمرے سے باہر تھا۔ وہ ہنستا ہوا واپس زینیا کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا۔

آج وہ پورا دن آفس نہیں گیا تھا۔ ہوسپٹل کا ایک چکر لگا کر واپس آگیا تھا اور صرف نماز پڑھنے کے لیے ہی گیا تھا ورنہ وہ اس کے پاس سے اٹھا نہیں تھا۔ وہ زینیا کے بیڈ کے دائیں طرف پڑے ڈبل صوفے پر بیٹھا ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا جب اس نے اس کے لب ہلتے دیکھے۔ وہ فوراً اس کے قریب آیا تھا۔

”پرنسز! کچھ چاہیے آپ کو۔“ آبان شاہ کے میٹھے سے لہجے میں اس کے لیے پیار ہی پیار تھا۔ لیکن اگلے لمحے اس کے لبوں سے اس نے سرگوشی نما باتیں سنی تھیں۔ وہ نیند میں باتیں کر رہی تھی۔ شاید انہی باتوں کو وہ سوچ سوچ کر سو گئی تھی جو اس کے دماغ پر غالب ہو گئیں اور وہ ڈپریشن میں چلی گئی تھی۔

”مجھے آپ نے اکیلا کیوں چھوڑ دیا۔ مجھے بھی ڈر لگتا تھا۔ سب مجھے بہت باتیں کرتے تھے۔“ لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔ وہ نیند میں شکایتیں کر رہی تھی اور ساتھ ہی جیسے وہ رو رہی تھی۔ اس بند آنکھوں سے اس کے عارض پر آنسو لڑھک رہے تھے۔ اسے ایسے لگا جیسے اس کا دل مٹھی میں لیا ہے کسی نے۔ دل دھڑکنا جیسے بھول رہا تھا۔

”پرنسز! آپ کو میں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اب آپ میرے پاس ہو آپ کی بے رخی تو میں

سہہ سکتا ہوں لیکن آپ کی جدائی کبھی نہیں۔ آپ مجھ پر جتنا مرضی غصہ کر لیں لیکن آپ کا آبان شاہ آپ سے پیار کرنا کبھی کم نہیں کرے گا کبھی بھی نہیں۔" وہ اس کے آنسوؤں کو پیار اور نرمی سے صاف کرتے بول رہا تھا۔ خود اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے تھے اس کو حد درجہ صدمہ پہنچا تھا۔

☆......☆......☆

ایک بہت ہی پرسوزی طلسم بھری آواز سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے اپنی دائیں طرف دیکھا۔ آبان شاہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس سر پر سفید ٹوپی پہنے قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ وہ جس کا حلق پیاس سے سوکھ رہا تھا لیکن اس کی آواز میں کچھ ایسا تھا کچھ جادو سا بھرا کچھ طلسم خیز ایک فسوں سا تھا جو زینیا کو نا جانے سب کچھ بھلائے انہی لفظوں میں کھو جانے کا دل کر رہا تھا۔ اس نے کبھی بھی کسی کو اس طرح بے خودی کے عالم میں قرآن مجید پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ ماحول میں ایک سحر سا چھاتا جا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور اسے دیکھ رہی تھی۔

اسے اب سمجھ آ رہا تھا کہ اس شخص کے چہرے پر اتنا سکون کیوں ہے۔ وہ بے خودی کے عالم میں اسے تکے جا رہی تھی نا جانے کیوں اس کے دل کی بیٹ سی مس ہوئی۔ آبان شاہ قرآن پاک بند کر کے اٹھا اور اس کو بیٹھا دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ وہ قرآن مجید کو کبڈ میں رکھ کر اس کی طرف آیا۔

"پرنسز! آپ اب کیسا فیل کر رہی ہیں؟ اب طبیعت کیسی ہے؟" وہ اس کے ماتھے کو چھوتے ہوئے بولا جب وہ ہڑبڑا کر پیچھے ہٹی سحر ٹوٹ چکا تھا۔

آبان شاہ نے اسے دیکھا جو ایک دن میں ہی صدیوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ الجھے ہوئے بال لال گلابی رنگت جیسے بخار کی وجہ سے مدھم مدھم ہلدی جیسی ہو گئی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے گرد

جیسے حلقے سے پڑ گئے تھے۔ آبان شاہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا اس کی یہ حالت دیکھ کر۔

''نانو، مجھے نانو کے پاس جانا ہے۔'' نانو کا خیال آتے ہی وہ تڑپ کر اس سے بولی۔

''انہیں ہوش آ گیا ہے آپ ٹھیک ہو جائیں پھر میں آپ کو لے جاؤں گا۔'' وہ بولا۔

''نہیں مجھے ابھی جانا ہے۔ وہ مجھے ڈھونڈ رہی ہوں گی وہ مجھے وہاں نہ پا کر پریشان ہوں گی۔''

آبان شاہ کو لگا کہ اگر اس کے کہنے پر اس نے عمل نہ کیا تو وہ رونا شروع ہو جائے گی۔

''ٹھیک ہے آپ فریش ہو جائیں میں آپ کو لے چلتا ہوں اگر آپ ایسی حالت میں گئی تو وہ اور زیادہ پریشان ہو جائیں گی۔'' آبان شاہ نے اس کی بات مانتے ہوئے کہا۔ حیرانگی کی بات تو یہ تھی کہ وہ فوراً اس کی بات پر سر ہلاتے واش روم میں گھس گئی تھی۔ وہ بھی اٹھ کر نیچے چلا گیا۔ اس کا ارادہ اپنی پرنسز کے لیے ناشتہ بنانے کا تھا۔

☆......☆......☆

عنزہ فاروق کے ساتھ جیسے ہی شاہ مینشن کے باہر بیرونی گیٹ پر اتری تو اپنے سامنے وسیع عریض مینشن دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔ اس کے ارد گرد بھی اس طرح کے کئی مکان تھے۔ وہ رائل فیملیز کی کالونی تھی باہر بلیک سنگ مرمر کے چھوٹے سے پتھر پر شاہ مینشن درج تھا۔

''رکو رکو، یہ تم دونوں اندر کہاں جا رہے ہو؟'' وہ جو دونوں اندر کی طرف جا رہے تھے دراوزے پر ہی چوکیدار نے روک دیا۔ وہ آج پہلی دفعہ یہاں آئے تھے اس لیے چوکیدار پہچانتا نہیں تھا۔ جب انہوں نے زینیا کا حوالہ دیا تو اس نے اندر سے پوچھا جہاں پر آبان شاہ موجود تھا اور ان دونوں کو دیکھ کر فوراً چوکیدار کو انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔

"آپی! زینیا آپی کا گھر کتنا بڑا ہے۔" فاروق اشتیاق آمیز لہجے میں عنزہ سے بولا جو یک ٹک سارے گھر کو دیکھ رہی تھی۔ بڑا سا ہرا بھرا لان جس میں ہر طرح کے پھول پودے لگے ہوئے تھے۔

"خوش آمدید گائز۔" وہ سامنے سے نکلتا خوش گوار لہجے میں بولا۔

"السلام علیکم آبان بھائی۔" عنزہ نے اسے دیکھتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام کیسی ہیں سسٹر اور لٹل برو آپ سناؤ کیسے ہو۔"

"بھائی! ہم تو ٹھیک ہیں آپ سنائیں اور میرے مکھنا کو تو آپ نے بیمار ہی کر دیا ہے۔" اس نے شکایت کی۔ اس نے ناسمجھی سے عنزہ کو دیکھا۔ وہ چلتے ہوئے وہ لاؤنج تک آئے اور چھت سے نیچے آتے عباد کی نظر اس پر پڑی اور اس کے الفاظ اس کے کانوں میں پڑے تو وہ فوراً وہاں پر آدھمکا تھا۔

"اووووہیلو کالی چڑیل، اب آپ کی مکھنا میرے بھیا کی رس ملائی پرنسز ہے اس لیے آپ انہیں بھول جائیں کیونکہ اب وہ ہماری مکھنا ہے۔" وہ آبان شاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے بولا۔ آبان شاہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کس کی بات کر رہے تھے۔

عنزہ کو اس کا بلاوجہ ان کی باتوں پر ٹانگ اڑانا خاصہ برا لگا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ غصے سے بولی۔ اس کے کہنے کا مطلب تھا کہ وہ ان کی باتوں میں کیوں آ رہا ہے لیکن وہ تو عباد شاہ تھا اس کی بات کو الٹا رنگ دے دیا۔

"اووووہ میڈم! یہ سوال مجھے کرنا چاہیے تھا کہ تم یہاں پر ہمارے گھر کیا کر رہی ہو کالی چڑیل کہیں ہمارے اتنے شاندار گھر پر اپنا سایہ تو نہیں ڈالنے آگئی؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہاتھوں سے اشارہ کرتے بولا۔

''واٹ نانسنس عابی۔'' عباد شاہ کا اس طرح بات کرنا آبان کو سخت برا لگا تھا۔
''بھیا! یہ نانسنس نہیں یہ سچائی ہے یہ بالکل ایک کالی چڑیل ہے بالکل کسی کالے سائے کی طرح میری پیاری بھابھی کے ساتھ چمٹی ہوتی ہے اب مجھے سمجھ آئی ہے کہ میں اتنی دفعہ ان سے مل چکا تھا اور مجھے پھر بھی پتہ نہیں چل سکا لیکن اب سمجھ آیا اس کالی چڑیل کا سایہ جوان پر تھا اسی لیے مجھے محسوس نہیں ہوا تھا۔''
آبان شاہ نے خفگی سے اسے دیکھا جو نان سٹاپ بولے جا رہا تھا۔ عنزہ کا دل کیا وہ اپنے خونخوار پنجوں (ناخنوں) سے اس کا چہرہ نوچ ڈالے۔
''یو نو واٹ مجھے بھی اب اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے کہ تمہیں لڑکیوں پر لائن مارنے اور بلاوجہ ان سے بات کرنے کا موقع چاہیے ہوتا ہے۔ آبان بھائی! اب آپ ہی دیکھ لیں کہ میں تو آپ سے بات کر رہی تھی لیکن یہ باگڑ بلا اپنی ٹانگ اڑانے آ گیا۔ یہ ایک قسم کا لوفر ہے کہیں سے بھی یہ لفنٹر آپ کا بھائی نہیں لگتا۔'' وہ بات کرتے کرتے آبان سے مخاطب ہوئی۔ اسے اب سمجھ آئی دونوں ہی ایک دوسرے سے کم نہیں اور اس کے خطاب سے آبان نے اپنے بھائی کو دیکھا اور مسکرا دیا۔
''تمہارے کہنے کا مطلب کیا ہے؟'' وہ صدمے سے بولا۔ آبان شاہ کو اس کا چہرہ دیکھ کر ہنسی آئی۔
''چچ چچ۔ پیشے سے تو ڈاکٹر ہو لیکن ایک چھوٹی سی بات کا مطلب نہیں سمجھتے۔ خاصے نالائق ڈاکٹر ہو۔'' وہ اس کی عقل پر افسوس کرتے بولی۔ ''آبان بھائی! زینی کدھر ہے؟'' وہ اسے کوئی اور بات کا موقع دیے بغیر ہی مسکراتے ہوئے آبان شاہ سے بولی۔
''اوپر لاؤنج کے سامنے ہی دوسرے نمبر والے کمرے میں۔'' اس کے بتانے پر وہ فاروق

کو لے کر اوپر چلی گئی۔عابی نے اسے اوپر جاتے دیکھا۔اس کے جاتے ہی پہلی بار شاہ مینشن کے در و دیوار میں اس کا قہقہہ گونجا تھا۔عباد شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا ہوا ڈاکٹر لفنٹر ساری ہوا نکل گئی۔'' وہ ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے بولا۔

''مانا کہ آپ ہنستے ہوئے بہت پیارے لگتے ہیں لیکن اب اتنے بھی پیارے نہیں لگتے کہ ہنستے ہی جائیں۔'' وہ دل ہی دل میں اس کی نظر اتارتے بولا۔

''ویسے عابی، تمہیں کسی نے بتایا نہیں لڑکیوں پر لائن مارنا انہیں جان بوجھ کر تنگ کرنا بہت گناہ ہے۔ویری بیڈ عابی۔'' وہ ہنستے ہوئے لہجے میں یکدم سنجیدگی سموئے بولا۔

''بھیا! آپ کو میں ایسا لگتا ہوں۔'' وہ صدمے سے اپنے بھیا کی بات سنتے بولا۔

''آہاں، مجھے نہیں عنزہ کو لگتا ہے۔'' وہ اس کی تصحیح کرتے کچن کی طرف چلا گیا۔

وہ اس کو تنگ کرتا تھا۔اسکا مطلب ایسا ہرگز نہیں تھا کہ وہ سب کے ساتھ ہی ایسا کرتا تھا۔ وہ تو جولی ٹائپ کا انسان تھا لیکن اس بات کا کسی کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کالی چڑیل اپنا سایہ اس پر ڈال چکی تھی۔محبت کی دیوی عباد شاہ کے دل پر اپنے پنکھ پھیلا چکی تھی لیکن نا جانے کیوں اس کے سامنے آتے ہی وہ اسے تنگ کرنے لگ جاتا تھا۔شاید اسے اچھا لگتا تھا۔وہ اسی کو سوچتا ہوا باہر لان کی طرف نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

زینیا پھر عنزہ اور فاروق کے ساتھ ہی ہوسپٹل چلی آئی تھی۔نانو اسے دیکھ کر خوش ہو گئی تھیں لیکن اس کے مرجھائے چہرے کو جہاں اس نے مسکان سجائی ہوئی تھی لمحوں میں پہچان گئی تھیں۔آبان شاہ جو انہیں چھوڑنے آیا تھا کمرے میں نانو کا حال دریافت کرنے آیا تو وہ ان

سے پوچھنے لگیں۔

"کیوں بیٹا میری بیٹی کا خیال نہیں رکھا۔" انہوں نے دوٹوک انداز میں پوچھا۔ آبان شاہ نے ہڑبڑا کر زینیا کو دیکھا جو نانو کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

"کہیں یہ نانو کو نہ بتا دے۔" اس نے دل میں سوچا پھر نانو کی نظروں سے چھپ کر اسے کڑی نظر سے گھورا جیسے وارن کیا ہو۔ اگر نانو کو کچھ بتایا تو بہت برا انجام ہوگا۔

"نہیں نانو ایسی کوئی بات نہیں۔ میں نے تو اپنی طرف سے ان کا بہت خیال رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن......"

"لیکن ویکن کچھ نہیں نانو، یہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں اور آپ زیادہ مت سوچیں آرام کریں میں ٹھیک ہوں۔" وہ تیزی سے اس کی بات کاٹتے بولی۔ آبان شاہ اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

زاہرہ بیگم جو صبح کی ان کے پاس آئی ہوئی تھیں، زینیا کو دیکھ دیکھ کر جل کے کوئلہ ہو رہی تھیں۔ اتنا دولت مند اور ہیرے جیسا شوہر دیکھ کر ان کے دل میں حسرت جاگی کہ ان کی بیٹیوں میں سے کسی ایک کو یہ مل جاتا۔ انہوں نے دل ہی دل میں زینیا کو بددعا دی جسے وہ اپنا دشمن سمجھتی تھیں۔ نفرت اور حسد جب دل میں جنم لیتا ہے تو بہت نقصان ہوتا ہے حسد انسان کی نیکیوں کو دیمک کی طرح چاٹتا ہے۔

زینیا نانو کو بتا کر باہر آ گئی۔ نہیں چاہتی تھی کہ نانو اس کے سامنے کچھ پوچھیں۔ کیا ہوگا اس کی زندگی پہلے بھی سکون میں نہیں تھی۔ زاہرہ بیگم کی باتیں عمر کی بری نظر اور نفرت نے اس کا جینا دوبھر کیا ہوا تھا لیکن اب ایک الگ سی بے سکونی تھی۔ اسے تو اب ایسا لگنے لگا تھا کہ شاید وہ ساری زندگی ہی ایسے گھٹ گھٹ کر جینے کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ وہ اپنی گزری حالات زندگی

اور آنے والی حالات زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اپنی ہی سوچوں میں لفٹ سے باہر نکلتے وجود سے بری طرح ٹکرا گئی۔

مقابل کی اسے دیکھتے ہی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

''ارے واہ کیا بات ہے تم آبان شاہ کی بیوی بن کر کچھ زیادہ ہی پیاری نہیں ہوگئی۔'' وہ جو زبردست تصادم ہونے کے باعث اپنا سر مسل رہی تھی۔ اپنے قریب عمر کی آواز سن کر اچھل پڑی جو خشمگیں نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا زینیا کو اس کی ہوس بھری نگاہوں سے جیسے اپنے وجود پر کانٹے چبھتے محسوس ہو رہے تھے۔

''میرے راستے سے ہٹو خبیث انسان۔'' وہ غصے سے ترخ کر بولی۔

''اف زینی، تم کتنی حسین ہو اور تمہارے بال۔'' وہ اس کے غصے کی پرواہ کیے بغیر اس کے کھلے بالوں کو چھوتے ہوئے مدہوش سے لہجے میں بولا۔ زینیا کو اس کے انداز سے وحشت ہو رہی تھی۔ اسے ایسا لگا جیسے آس پاس گزرتے لوگ انہیں شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔

''میرے ساتھ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔ جا کر یہ بکواس اپنی ماں سے کر۔''

''آہاں غصہ۔'' وہ جو اسے دھکا دے کر جانے لگی تھی، اس نے مزے سے اس کے مرمریں بازوؤں کو پکڑا۔ سوٹ کے ساتھ ریشمی دوپٹہ سر سے سرک گیا۔ زینیا کو ایسا لگا جیسے کسی کرنٹ نے اسے چھو لیا ہو۔ اس کے اندر ایک آگ سی بھڑک اٹھی تھی جو اس کے گال پر تھپڑ مارنے سے بھی کم نہیں ہوئی تھی۔

''مت ہاتھ لگایا کرو مجھے۔ وحشت ہوتی ہے تم جیسے انسان کو دیکھ کر۔'' وہ ایک ایک لفظ چباتے بولی۔ باہر آتا آبان شاہ انہیں دیکھ کر ٹھٹک کر رکا لیکن جب عمر کسی وحشی کی طرح غصے سے زینیا پر ہاتھ اٹھانے لگا وہ لمحوں کی دیر کیے بغیر وہاں پہنچا اور راستے میں ہی اس کا ہاتھ روک دیا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بیوی پر ہاتھ اٹھانے کی۔" زینیا کے ساتھ نرم و ملائمت سے بات کرنے والا کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر دھاڑ اٹھا۔وہ کبھی یہ بات برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی اس کی بیوی پر نگاہ بھی اٹھائے پھر اس کا ہاتھ اٹھانا وہ برداشت کرتا کبھی نہیں۔

وہ اسے کھینچتا ہوا باہر لے آیا۔زینیا نا جانے کیوں اس کے غصے سے ڈر گئی۔وہ واپس نانو کے پاس آگئی تھی اور دوسری طرف وہ اسے کھینچتا ہوا باہر لے آیا۔

"تمہاری تو......" عمر غصے کی حالت میں اس پر چڑھ دوڑتا جب آبان شاہ نے ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے سے اس کے جبڑے کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیتے بولا۔

"آئندہ میری بیوی سے دور رہنا۔اگر مجھے تم اس کے آس پاس بھی نظر آئے تو میں تمہاری وہ حالت کروں گا کہ تم زندہ نہیں بچو گے۔یہ میری پہلی اور اور آخری وارننگ ہے آئندہ خیال رکھنا۔" اپنی بات ختم کر کے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں کوئی کاکا ہوں جو تم سے ڈر جاؤں گا۔ہاہاہا(قہقہہ لگاتے) نہیں مانوں گا تمہاری بات کر لو جو کرنا ہے۔"

"پھر انجام کے ذمے دار تم خود ہو گے۔اور یہ بات یاد رکھنا وہ اب اکیلی نہیں میں ہوں اس کے ساتھ۔اس کا شوہر اور اپنی بیوی کی حفاظت کے لیے میں تم جیسے انسان کی جان لینے میں لمحہ نہیں لگاؤں گا۔" وہ اس کا گریبان پکڑتے بولا۔وہ ایسے تھا جیسے کسی بھٹی میں جل رہا ہو۔

"چلو دیکھ لیں گے۔" وہ مکروہ مسکراہٹ لیتے اس سے اپنا گریبان چھڑواتے بولا۔اسے ایسے لگا جیسے وہ اسے چیلنج کر رہا ہو۔غصے سے آبان شاہ کے دماغ کی نسیں باہر کو آرہی تھیں۔وہ اسے ایک دفعہ پہلے بھی زینیا کے ساتھ بدتمیزی کرتے دیکھ چکا تھا تب اس نے اسے معاف

نہیں کیا تھا جب اسے معلوم بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی بیوی ہے اب جب کہ اس کی بیوی تھی، اس کے ساتھ مضبوط رشتہ تھا، اس کا محرم تھا تو اب بھلا وہ کیسے اسے چھوڑ سکتا تھا۔

وہ زینیا سے اگر بے پناہ محبت کرتا تھا تو اس کی عزت بھی بے تحاشا کرتا تھا۔ محبت عزت کرنا بھی سکھا دیتی ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر تھی۔ وہ اس کا محافظ تھا۔

''بھائی! آپ ابھی تک یہیں پر ہیں آفس نہیں گئے۔'' وہ کمرے میں آیا تو عباد شاہ جو تھوڑی دیر پہلے گھر سے آیا تھا آبان شاہ کو وہاں دیکھ کر حیران ہوا۔ وہ خاموش رہا تھا۔ کمرے میں اس وقت نانو کے پاس عنزہ، زینیا بھی موجود تھیں۔ زاہرہ بیگم گھر چلی گئی تھیں۔

''اووووو میں سمجھ گیا۔'' اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے عباد نے ذومعنی انداز میں زینیا کو دیکھا اور پھر بیڈ پر لیٹی نانو سے مخاطب ہوا۔

''نانو! آپ کو پتہ ہے یہ جو میرے بھیا ہیں ناں قسم سے ہر وقت قائداعظم کے قول کام کام کام پر عمل کرنے والے تھے لیکن جب سے میری پیاری بھابھی میری بہنا میرے بھیا کی زندگی میں آئی ہیں نا۔ دیکھ لیں تب سے ان کے آس پاس ہی گھومتے ہیں۔ مجال ہے ایک دن بھی آفس میں ٹکے ہوں۔ بھیا جتنی ترقی کرنی تھی آپ نے کر لی اب نہیں کرتے آپ کچھ۔''

اس کی باتوں پر نانو مسکرا اٹھیں اور زینیا نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ آبان شاہ خفیف سا ہوا۔

''کیسے قینچی کی طرح تمہاری زبان چلتی ہے رکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔'' خفت مٹاتے گویا ہوا۔

''کیا کروں آپ کو دیکھ کر چلنا شروع ہو جاتی ہے پھر رکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔ زینیا کو عباد سے زیادہ آبان پر غصہ آ رہا تھا۔

''یہ خواہ مخواہ یہاں پر رکا ہوا بھلا جائے یہاں سے اپنا کام کرے میرے سر پر کیوں کھڑا

ہے۔" وہ دل و دماغ میں سوچ رہی تھی۔
"بھائی! خدا کا واسطہ ہے سامنے بیٹھی اپنی بیوی کو گھوریں مجھے ایسی نگاہوں سے نہ دیکھیں۔ مجھے شرم آ رہی ہے۔" اسے اپنی طرف گھورتے پا کر وہ شرمانے کی ایکٹنگ کرتے بولا۔ اسے دیکھ کر زینیا بے اختیار ہنس دی تھی جسے سب نے دیکھا تھا اور اس کی ہنسی ہمیشہ قائم رہنے کی دعا نکلی تھی۔
عباد آبان شاہ کے کان میں بولا۔ "بھائی! میری بھابھی کی ہنسی کا کریڈٹ مجھے جاتا ہے آپ سے تو یہ کام ہونا نہیں تھا میں نے کر دیا۔ آپ کو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ میری بدولت آپ کو ان کی ہنسی سے دیدار تو کرنا پڑا ورنہ آپ نے غصہ ہی دیکھ دیکھ کر ڈرتے رہنا تھا۔ ویسے آپ کے دل کو تسلی تو ملی ہے ناں؟
"کس بات کی؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"اسی بات کی کہ وہ ہنستی بھی ہیں ورنہ آپ نے تو نہیں ہٹلر سمجھا ہوگا۔"
"ظاہری سی بات ہے جوکروں کو دیکھ کر سنجیدہ سا انسان بھی ہنس پڑتا ہے یہ تو پھر زینی تھی۔"
عنزہ جو ان دونوں کے قریب کھڑی تھی فوراً بولی ان دونوں نے اس کی طرف دیکھا جو اپنے موبائل کی طرف متوجہ تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اسے نہیں موبائل سے بات کر رہی ہو۔
"ویسے عابی میرے خیال میں عنزہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" آبان شاہ اسے چڑانے والے انداز میں بولا۔
"اچھا تو میں آپ کو جوکر لگتا ہوں۔" وہ نروٹھے ہوئے لہجے میں بولا۔
"نہیں مجھے تو بالکل نہیں لگتے۔ لیکن میرے بھائی عنزہ کو لگتے ہو۔" وہ معصومیت سے بولا۔
"مجھے بھی وہ بھوتنی، چڑیل لگتی ہے۔" وہ دانت پیستے بولا۔ وہ دونوں باتیں کرتے وہاں

سے باہر آ گئے تھے۔

''اچھا لیکن تمہاری آنکھوں سے تو نہیں لگتا ہے کہ وہ تمہیں بھوتنی لگتی ہے۔'' وہ شرارت سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

''اچھا تو پھر کیا لگتا ہے؟''

''یہ تو تم خود بتاؤ گے پیارے۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے بولا۔

''ڈاکٹر عباد! آپ کو ڈاکٹر مصطفیٰ اپنے کیبن میں بلا رہے ہیں۔'' سسٹر حرا ان دونوں کے پاس آئی اور آبان شاہ کو دیکھتے عباد سے مخاطب ہوئی۔

''اچھااااا۔لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے ڈاکٹر عباد تو میں ہوں۔'' وہ سسٹر حرا کو دیکھتے شرارت سے بولا کیونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ وہ آبان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ خفیف سی ہوئی۔

''اچھا عابی تم جاؤ میں چلتا ہوں۔'' آبان شاہ بولا اور وہاں سے اندر زینیا کو لینے چلا گیا کیونکہ اس نے اسے گھر چھوڑ کر آفس جانا تھا۔

''مس حرا چلیں۔'' وہ اسے مخاطب کرتے بولا جو آبان شاہ کو دیکھ رہی تھی۔

''ڈاکٹر عباد! کیا آپ کے بھائی کی شادی ہوئی ہے؟'' اس نے چلتے چلتے عباد شاہ سے پوچھا عابی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''واہ جی واہ، میں صدقے جاؤں آپ کی معصومیت پر آپ کو پتہ ہی نہیں۔ مس حرا، زینیا شاہ ہیں میرے بھیا کی مسز۔''

''وہ پیاری سی لڑکی۔'' اس کی نظروں میں زینیا کا چہرہ گھوم گیا۔

''جی وہ پیاری سی لڑکی۔ اور ذرا سنبھل کر بہت سخت ان کی پہریداری ہے آبان بھیا کے دل پر یہ نہ ہو کہ آپ جوان پر لائن مارنے کا سوچ رہی ہیں وہ......''

''استغفر اللہ ڈاکٹر عباد، آپ بھی حد کردیتے ہو میں تو ویسے ہی ہو چھ رہی ہوں۔اس سے پہلے ڈاکٹر عباد آپ کی زبان میں کھجلی کچھ زیادہ ہی شروع ہو جائے میرے خیال میں مجھے جانا چاہیے۔'' وہ جانتی تھی کہ اب وہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑنے والا تھا اسی لیے وہاں سے غائب ہونے میں ہی عافیت سمجھی۔

''ڈر گئی ہیں کیا؟''

''جو مرضی سمجھو آپ بس ذرا ڈاکٹر مصطفیٰ کی بات سن لینا یہ نہ ہو کہ وہ سب کے سامنے آپ کی پٹائی کر دیں۔'' وہ اسے تنبیہ کرتی وہاں سے کھسک گئی اور وہ بھی سر جھٹک کر ڈاکٹر مصطفیٰ کے کیبن میں داخل ہوا۔

☆......☆......☆

دوسری طرف زینیا نانو کے پاس ہی رکنے میں بضد تھی لیکن وہ چاہتی تھیں کہ گھر چلی جائے۔عنزہ نے بھی کہا جب وہ بھنا اٹھی تھی۔

''آخر آپ کیوں چاہتی ہیں میں یہاں نہ رکوں؟''

''کیونکہ میرے کھنا اب تم شادی شدہ ہو۔'' عنزہ پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے بولی۔

''تو۔'' وہ ناگواری لہجے میں بولی۔

''اس لیے بیٹا اب تم اپنے گھر جاؤ۔اپنے میاں کو وقت دو ایک تو پہلے ہی تمہاری شادی اچھے حالات میں نہیں ہوئی اور دوسرا تم روز یہاں چلی آتی ہو۔'' نانو نے اسے سمجھانا چاہا۔

''آپ یہاں پر بیمار ہیں اور میں وہاں میاں کو وقت دوں۔واہ کیا بات ہے آپ کی بھی۔'' وہ چڑ گئی تھی۔

”دیکھو زینی، مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ میں تمہیں سمجھا سکوں بس تمہیں اتنا کہوں گی کہ اب تم شادی شدہ ہو۔ تم پر اور بھی بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ تم ان کی طرف توجہ دو باقی تمہاری مرضی بیٹا میرا کام تھا تمہیں سمجھانا۔“ نانو زیادہ بات نہیں کر سکتی تھیں اس لیے وہ اتنے میں ہی ہانپنے لگی تھیں۔

”زینی چلی جاؤ ورنہ دادو ایسے پریشان رہیں گی۔“ عنزہ نے آہستگی سے کہا اور وہ غصے سے انہیں ملے بغیر باہر نکل آئی تھی۔

”دادو میں دیکھتی ہوں اسے۔“ عنزہ اس کے پیچھے نکلی۔ انہوں نے دل ہی دل میں ہی اس کے لیے دعا کی تھی۔

”زینی یار غصہ تو نہ کرو۔“ عنزہ منہ بسورتے بولی۔

”غصہ نہ کروں تو پھر کیا کروں۔“

”مسکراؤ میری جان۔ ویسے زینی تم بہت لکی ہو جو تمہیں آبان بھائی جیسے شوہر ملے بہت پیار کرتے ہیں تم سے۔“

”ہنہ پیار صرف دکھاوا ہے سب۔“ وہ نخوت سے بولی۔

”زینی ایسے تو مت بولو یار وہ تو......“

عنزہ کو اچھا نہیں لگا تھا زینیا کا ایسا کہنا تبھی بولی لیکن زینیا نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی۔

”کوئی بات نہیں جانی وہ وقت دور نہیں جب تمہیں بھی ان سے پیار ہو جائے گا تب مجھے خود کہو گی۔“ عنزہ شرارت سے بولی جب کہ زینیا نے اسے گھورا تھا۔

”اچھا اب مجھے دیکھنا بند کرو اپنے میاں کو دیکھو وہ آ رہے ہیں۔“ عنزہ نے اسے آبان کی

طرف متوجہ کیا جو پارکنگ سے گاڑی نکال کر ان کے سامنے لے آیا تھا جو ہوسپٹل کے باہر کھڑی تھیں۔

"اچھا میری جان اللہ حافظ اپنا خیال رکھنا۔" عنزہ اسے پیار سے کہتی ہوئی پیچھے ہٹی اور وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی آبان شاہ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ گاڑی میں ان دونوں کے درمیان گہری خاموشی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اس سے بات کرے لیکن وہ تو باہر کے منظر دیکھنے میں مگن تھی جیسے اس سے زیادہ کوئی اہم چیز نہ ہو۔

"پرنسز! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" آبان شاہ کی سنجیدہ آواز نے خاموشی کو توڑا۔

"لیکن مجھے کوئی بات نہیں کرنی اور میرا نام زینیا ہے پرنسز نہیں۔" وہ تڑخی۔

"آپ باقی سب کے لیے زینیا ہوں گی لیکن میرے لیے تو میری پرنسز ہیں ناں۔" وہ ہنس کر بولا۔ اس کی ہنسی زینیا کو زہر لگی تھی۔

"تم کتنے ڈھیٹ انسان ہو نا۔" اس کی بات پر آبان شاہ کی لبوں کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی تھی۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی وہاں رکنے کی۔ میں نانو کے پاس رکنا چاہتی تھی لیکن انہوں نے صرف تمہاری وجہ مجھے واپس بھیج دیا۔" اسے نانو کے پاس نہ رکنے کا غصہ تھا۔

"ضرورت تھی پرنسز آپ میری ذمہ داری ہو آپ کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔" وہ اسے ہرگز اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ عمر کی حرکت نے اسے تاؤ دلا دیا تھا اور اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لڑکا کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"کیوں تم میرے باڈی گارڈ ہو کیا؟" زینیا نے اسے سخت نظروں سے گھورا۔

"نہیں میں آپ کا شوہر ہوں اور شوہر ایک باڈی گارڈ ہی تو ہوتا ہے جو اپنی بیوی کی

حفاظت کرتا ہے۔ ہر مشکل حالات میں اس کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔" وہ لبوں میں گہری مسکان لیے اسے بتا رہا تھا۔ زینیا نے ایک نظر اسے دیکھا۔ اپنے دھیان میں ہی وہ گاڑی چلا رہا تھا۔ اتنے میں گاڑی شاہ مینشن کے سامنے آ کر رکی تو چوکیدار نے سراعت سے دروازہ کھولا اور گاڑی اندر چلی گئی۔

"آپ جا کر آرام کریں اور لنچ کر کے میڈیسن لے لینا۔ میری ایک ضروری میٹنگ ہے اس لیے آفس جا رہا ہوں۔" وہ اسے اترتے دیکھ کر بولا۔

"میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ۔" وہ نخوت سے کہتی گاڑی کا دروازہ زور سے بند کرتی اندر چلی گئی اور وہ اسے جاتا دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

"اف بابا! یہ آبان بھائی فون کیوں نہیں اٹھا رہے۔ میں کتنی دیر سے فون کر رہا ہوں میسج بھی اتنے کیے ہیں کہ وہ جواب ہی نہیں دے رہے۔" شعیب شاہ جھنجلایا ہوا عثمان شاہ کے پاس آیا جو اپنی آفس فائل میں مصروف نظر آ رہے تھے۔

"بیٹا! وہ مصروف ہوگا فارغ ہوگا تو آپ کو کال کر لے گا اتنی بھی ایمرجنسی کیا ہے۔" وہ فائل کو بند کرتے اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوئے۔

"بابا! ایمرجنسی ہے نا، ہمیں اپنی اپیا سے بات کرنی ہے لیکن آبان بھائی ہیں کہ۔" شاہ زیب شاہ بھی اس کے پیچھے وہاں آ گیا تھا۔ وہ دونوں زینیا سے بات کرنے کے لیے بے تاب تھے اور بار بار آبان شاہ کو کال کر رہے تھے لیکن نمبر بزی جا رہا تھا۔

"بابا! اچھا ہوتا تو ہم ایک فون اپیا کو لے کر دے آتے تا کہ ہم ان کے نمبر پر ہی انہیں کال کر لیتے، آبان بھائی کو تو نہ کرنا پڑتا۔" شعیب کی بات پر وہ ہنس پڑے تھے۔

”تو بیٹا...... ہم آپ کے بھیا کو ہی کہیں گے کہ وہ آپ کی اپیا کو موبائل لے دیں پھر آپ انہیں کال کرلیا کرنا۔“

”بابا! آپ نہیں بلکہ میں پوچھوں گا ان سے کہ ابھی تک انہوں نے ہماری اپیا کو فون کیوں نہیں لے کر دیا۔“

”اچھا بابا تم ہی پوچھ لینا۔“ وہ مسکراتے ہوئے دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو چکے تھے۔

☆......☆......☆

میٹنگ کے بعد اس نے موبائل دیکھا جہاں گھر سے کوئی ان گنت میسجز اور کالز آ چکی تھیں۔

”السلام علیکم۔“

اس نے کال بیک کی۔

”آپ بہت برے ہیں بھائی جان۔“ دوسری طرف فون اٹھاتے ہی شاہ زیب شاہ ناراضگی سے بولا۔ وہ سمجھ گیا تھا وہ ناراض کیوں ہے۔

”سوری بیٹا، دراصل میں میٹنگ میں مصروف تھا اس لیے آپ کی کال آتے دیکھ نہیں سکا۔“ اس نے معذرت کرتے ہوئے وصاحت دی۔

”آپ بہت کنجوس بھی ہیں بھیا۔“ دونوں بھائی پاس تھے اب کے شعیب شاہ بولا آبان اس دفعہ حیران ہوا۔

”ہیں وہ کیوں؟ آپ کو ایسا کیوں لگا۔“

”تو اور کیا بھیا اتنے بڑے بزنس مین ہو کر میری اپیا کو ایک چھوٹا سا سیل لے کر نہیں دے سکتے تا کہ ان کے بھائی ان کے پرسنل سیل پر کال کر سکیں۔“ وہ منہ بسور کر بولا۔

”اچھا۔“ آبان شاہ اس کی بات پر مسکرا دیا تھا۔ اتنے دنوں میں تو اسے خیال ہی نہیں آیا

حالانکہ وہ اس کے لیے فون پہلے ہی لے چکا تھا۔

''چلیں اب ٹائم ویسٹ مت کریں ہماری اپیا سے بات کروائیں۔'' حکم دینے والا انداز۔

''اچھا باس، آپ ذرا انتظار فرمائیں میں دس منٹ میں گھر پہنچتا ہوں اور آپ کی اپیا سے بات کرواتا ہوں۔''

''ٹھیک۔'' وہ فون بند کر کے گاڑی میں بیٹھا اور گھر کو روانہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

ہوسپٹل سے آنے کے بعد گھر واپس آتے ہی وہ اپنے کمرے میں آنے کی بجائے باہر لاؤنج میں ہی کوثر بی بی کے پاس بیٹھ گئی تھی اور ان سے ارد گرد کی باتیں کرنے لگی اور بیچ بیچ میں وہ اسے آبان شاہ کے بارے میں بھی بتاتی رہی تھیں۔ زینیا کو ان کا ساتھ اچھا لگا تبھی اسے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا پھر اسما اور فلک کے ساتھ بھی اس کی دوستی ہو گئی تھی۔ اسے وہ دونوں بھی بہت اچھی لگی تھیں وہ ان کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

وہ لیٹی ہوئی تھی جب دراوزے کو ہلکا سا نوک کیا گیا۔ اسے لگا شاید کوثر بی ہیں تبھی آنے کی اجازت دے دی لیکن چوکھٹ پر آبان شاہ کو دیکھ وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور جلدی سے اپنا دوپٹہ اٹھایا جو کمرے میں آتے ہی وہ صوفے پر پھینک چکی تھی۔ اس نے اچھی طرح دوپٹے کو اپنے سر پر لیا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو۔'' اپنی خفت کو مٹاتے وہ ذرا غصے سے بولی۔

''شاہ زیب اور شعیب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ پلیز ان سے بات کر لیں۔'' وہ فون کو اس کی طرف بڑھاتے بولا۔ زینیا نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ اتنا تو اسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ دونوں اس کے باپ کے بیٹے تھے۔

”میں کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی ان دونوں سے اور نہ ہی ان کے باپ سے تم بتا دو ان کو۔“

”پرنسز! اس سب میں ان کا کیا قصور۔ وہ تو تب تھے ہی نہیں جب آپ ہم سب سے دور ہوئی اور......“

”دور ہوئی نہیں تھی ان کے باپ نے دور کر دیا تھا خود سے میرے بچپن سے سب سے۔“ وہ اس کی بات کو کاٹتے غصے سے چلائی۔

”پلیز ہم سب کا غصہ چچا جان کا غصہ ان معصوم پر مت نکالیں۔ یہ دونوں آپ سے بہت پیار کرتے ہیں پرنسز ان کے پیار کو نفرت میں مت تولیں۔“ اس کے لہجے میں التجا تھی جسے اس نے صاف محسوس کیا تھا۔

”ہاں شعیب یہ لو بیٹا اپنی اپیا سے بات کرلیں۔“ وہ فون کان سے لگاتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی فون زینیا کی طرف بڑھا دیا۔ زینیا نے اس کی گہری نیلی آنکھوں میں ایک امید سی دیکھی تھی اور شاید دوسری طرف ان دونوں بھائیوں کے من میں بھی ایسی ہی ایک امید ہوگی۔

جب امید خاک ہوتی ہے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے یہ اس سے اچھا کون جانتا ہے لیکن وہ ان کو ویسی تکلیف سے بچا گئی تھی اور اس کے ہاتھ سے فون لے کر ان سے بات کرنے لگی تھی۔

آبان شاہ اسے دیکھتا رہا جو اب ان سے باتوں میں مصروف ہو چکی تھی۔

وہ تقریباً ایک گھنٹہ ان سے بات کرتی رہی تھی۔ زینیا کو ان سے بات کر کے بہت اچھا لگا تھا۔ انہوں نے اسے سارے اپنے بچپن سے اب تک سارے قصے سنا ڈالے تھے۔ کبھی ایک چپ ہوتا تو دوسرا شروع ہو جاتا تھا۔ وہ فون بند کر کے کئی دیر تک ان کو سوچتی رہی اور ہنس دی تھی وہ جب کمرے میں آیا تو اسے ہنستا دیکھ کر بے اختیار اس کے لبوں سے ماشاءاللہ نکلا تھا۔

”پرنسز! یہ آپ کے لیے۔“ زینیا نے ناسمجھی سے پہلے اس کے ہاتھ میں موجود موبائل کو دیکھا پھر اسے دیکھا۔

”یہ کیا ہے؟“

”موبائل ہے۔“

”وہ مجھے بھی نظر آرہا ہے کہ موبائل ہے لیکن کس لیے؟“ وہ تڑخ کے بولی۔

”پرنسز کہا تو ہے آپ کے لیے ہے۔“ پرشوق نگاہیں اس پر جمی تھیں۔

”میں نے تم سے مانگا تھا کیا؟“

”نہیں لیکن میں آپ کو دینا چاہتا تھا۔“

”دیکھو تم کیا چاہتے ہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں اور نہ ہی مجھے اس سوغات کی ضرورت ہے۔“ وہ ہاتھ سے اشارہ کرتے بولی۔

”لیکن مجھے تو ضرورت ہے۔“

”تو تم رکھو اپنے پاس مجھے کیوں دے رہے ہو؟“

”نہیں میرے کہنے کا مطلب تھا کہ......“

”تمہارا کیا مطلب تھا اور کیا نہیں مجھے نہیں سننا اور تم جاؤ یہاں سے میرا دماغ نہ چاٹو۔“ وہ اس کی بات کو کاٹتے بولی اور اسے وضاحت دینے کا موقع دیے بغیر جانے کا حکم صادر کر دیا۔

”ٹھیک ہے میں چلتا ہوں آپ یہ رکھ لیں میری طرف سے نہ سہی اپنے بھائیوں کی طرف سے (شاہ زیب شعیب شاہ) ہی رکھ لیں ان کا ہی حکم تھا اپ اسے رکھ لیں ورنہ میرے سالے مجھے کنجوس سمجھیں گے پرنسز۔“ وہ لبوں پر شرارتی مسکان لیے بولا۔ ”اور ہاں اس کے اندر سب کے نمبر فیڈ کر دیے ہیں آپ جسے چاہیں بات کر سکتی ہیں۔“ اتنا کہہ کر وہ رکا نہیں باہر نکل گیا تھا۔

''ہنہ نمبر فیڈ کر دیے ہیں۔ بھلا میں نے کہا تھا کر کے دو۔'' وہ موبائل کو نظر انداز کرتے اس کی نقل اتارتے بولی تھی۔

☆......☆......☆

پھر روز کا معمول ہو گیا تھا۔ ان کا آبان شاہ اسے صبح وقت ہوسپٹل لے جاتا جب تک وہ وہاں رکتی آبان شاہ بھی اس کے ساتھ رہتا تھا اور پھر اسے گھر چھوڑ کر آفس چلا جاتا تھا اور زینیا کا موڈ کبھی ٹھیک رہتا اور کبھی خراب۔ آج بھی اس کا موڈ سخت خراب تھا اور وجہ آج فانیا اور عثمان شاہ کے ساتھ ہونے والا ٹکراؤ تھا جب بھی انہیں دیکھتی تو اس کا موڈ سخت بگڑ جاتا تھا۔

وہ ٹیریس پر کھڑی اردگرد کے منظر کو دیکھ رہی تھی اور اندر کے غبار کو باہر نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ شام کے سائے پھیل چکے تھے وہ وہاں سے ہٹ کر نیچے لاؤنج میں آئی جب سامنے ہی گلاس ڈور دھکیلتا ایک ہاتھ میں بریف کیس تھامے دوسرے بازو پر کوٹ لٹکائے بلیک پینٹ اور لائم شرٹ زیب تن کیے اندر داخل ہوا۔ ناچاہتے ہوئے بھی زینیا اسے دیکھنے لگی تھی۔ ہزار پردوں میں چھپی گہری سنجیدگی جاذب شخصیت پاگل کر دینے کی حد تک قاتلانہ تھی۔ چہرے پر تھکاوٹ کے آثار واضح تھے جو اس کی شخصیت کو مغرور بنانے کا موجب بن رہے تھے۔ اس کی موجودگی جہاں سب کو اپنے حصار میں لیتی تھی وہیں اسے چڑ ہوتی تھی۔

''گڈ ایوننگ پرنسز۔'' ہمیشہ کی طرح اسے دیکھتے ہی آبان شاہ کے لب مسکرا اٹھے تھے مگر وہ مروتاً بھی نہیں مسکرائی تھی۔

''گڈ ایوننگ۔'' مدھم لہجہ جان چھڑوانے والے انداز میں کہتی وہ باہر کی طرف بڑھنے لگی۔ آبان شاہ نے اس کی سرد مہری کو اندر تک محسوس کیا تھا۔ یہ تو وہ شروع سے ہی ہو رہا تھا لیکن وہ ہمت نہیں ہارا تھا۔

''ڈنر میں کیا ہے آج؟'' اس کی اجنبیت کو سرے سے نظرانداز کرتا وہ دوستانہ لہجے میں بولا تھا۔اس کے بڑھتے قدم اس کی آواز سے زنجیر ہوئے اور حیرانگی سے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا جیسے اس نے کچھ غلط سنا ہو۔

''میرے خیال میں یہ فریضہ پہلے بھی آپ کے لیے سرانجام نہیں دیتی تھی میں۔'' کاٹ دار انداز تھا۔

''لیکن پرنسز، میں چاہتا ہوں اب سے آپ یہ فریضہ انجام دیں کیونکہ یہ آپ کا گھر ہے اور اس گھر میں بسنے والے بھی آپ کے ہیں۔'' وہ اس کے طنز میں ڈوبے لہجے کو نظرانداز کر گیا تھا۔شاید وہ اسے باور کروا رہا تھا لیکن اب کے وہ اس کی موجودگی کو بلامقصد ہی فراموش کر کے باہر لان میں نکل آئی تھی۔

اپنی اس قدر توہین اور بے عزتی پر کوئی اور مرد ہوتا تو ضرور غصہ کرتا، چلاتا، واویلا کرتا لیکن وہ آبان شاہ تھا تحمل پسند جو ہر نماز میں اپنے رب سے اپنے لیے صبر و تحمل کی دعا کرتا تھا کہ اس کا رب اسے ہر مشکل حالات میں صبر کرنے کی توفیق دے۔

''بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔اور ان کے لیے بہترین اجر لکھ دیا ہوتا ہے۔''

عباد شاہ جو نیچے آ رہا تھا اس نے یہ منظر دیکھا بھی تھا دانستہ باتیں بھی سنی تھیں۔اسے بہت افسوس ہوا تھا۔آبان شاہ کمرے میں آیا اور فریش ہو کر اپنے کمرے کی ٹیرس پر آ گیا جب وہ اس کے پاس چلا آیا۔

''بھائی جان! کیا ہوا پریشان لگ رہے ہیں آپ کیا بات ہے؟'' اس نے اسے کریدنا چاہا۔

”کچھ نہیں میں ٹھیک ہوں۔تم بتاؤ کب آئے ہو۔“ آبان نے اسے ٹالنا چاہا۔

”بھائی! میں جانتا ہوں زینیا کا رویہ آپ کے ساتھ صحیح نہیں ہے وہ آپ کو پسند نہیں کرتی ۔وہ اس سب میں آپ کو بھی قصوروار سمجھتی ہے شاید میرے خیال میں آپ کو اس کی غلط فہمی کو دور کردینی چاہیے۔آپ کو بتادینا چاہیے کہ آپ اسے کتنا چاہتے ہیں۔اگر آپ نہیں بتائیں گے تو میں بتادوں گا۔“ عباد شاہ نے نیچے لان میں واک کرتی زینیا کو دیکھتے ہوئے جذباتی پن سے کہا۔

”دیکھو عابی! میں اس معاملے کو کسی تیسرے فرد سے ڈسکس نہیں کرسکتا۔وہ میری بیوی ہیں اور میں چاہتا ہوں یہ اس طرح کی باتیں صرف ہمارے درمیان رہیں اور ہم اسے سلجھائیں مجھے اچھا نہیں لگتا کسی اور کو اس میں دخل دینا۔“ اس نے نرمی سے دوٹوک انداز میں اسے جیسے وارن کیا۔عباد شاہ نے اپنے بھائی کو دیکھا۔

”بھائی! کبھی کبھی مجھے آپ اس سیارے کے نہیں لگتے؟“ ذرا ٹھہر کر وہ بھنوئیں اچکا کر بولا۔

”اچھا وہ کیوں؟“

”وہ اس لیے کہ آج کل ایسا کہاں چلتا ہے جیسے آپ ہو۔آج اگر یہاں میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہوں،ان بن ہو،لڑائی ہو وہاں بیوی اپنے گھر والوں کو اپنی سہیلیوں کو بتائے گی اور وہی لڑکا بھی سب کو بتائے گا ہمدردی سمیٹے گے دونوں ......لیکن آپ ہو کہ زینیا کا اس طرح کے رویہ اپنانے کے باوجود بھی آپ کے ماتھے پر ایک شکن تک نہیں دیکھی اور نہ ہی کوئی شکایت شکوہ۔“

اس نے کسی کو ظاہر نہیں کیا تھا لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ زینیا ان سب کو اچھا نہیں

سمجھتی۔اس کی بات پر وہ ہنس دیا۔

''جن سے ہمیں محبت ہوناان کے لیے ہمارے ماتھے پر شکن نہیں آنی چاہیے اور نہ ہی ان سے شکوے شکایت ہوتی ہیں۔محبت نام ہی لین دین کا نہیں۔ہمیں ذرا صبر اور تحمل سے ان کے غصے کو برداشت کر لینا چاہیے اس سے ہم چھوٹے نہیں ہو جائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہم اس کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہو جائیں گے اور کیا پتہ اللہ تعالیٰ ہماری اسی عمل کو دیکھ کر سامنے والے کے دل میں ہمارے لیے نرمی پیدا کر دے۔اس کا رویہ ہم سے ٹھیک ہو جائے۔اور اپنی انا کو تو ہرگز درمیان میں نہیں لانا چاہیے کیونکہ اس سے رشتے بنتے نہیں بلکہ اور بگڑ جاتے ہیں۔الجھنیں مزید بڑھ جاتی ہیں اور سب کچھ ختم ہو جاتا ہے ہم خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔''اس نے ملائمت سے اسے اپنے نظریے سے آگاہ کیا تھا۔عباد شاہ کو اپنے بھائی کی سوچ پر رشک آیا تھا۔

☆.......☆.......☆

زندگی ویران اور بے رنگ سی ہو کر سمٹ گئی تھی۔ہوسپٹل سے نانو کو مل کر وہ واپس اسے قید خانے میں قید ہو جاتی تھی جو اس کے بقول قید تھی جہاں وہ مٹھی میں بند سانسوں کی طرح سونے کے پنجرے میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ اس نے خود ہی کو قید کر دیا تھا۔انسان جب تک خود نہ چاہے وہ خوش نہیں ہو سکتا اور ناخوش انسان کو زندگی ویران اور بے رنگ لگنے لگتی ہے۔اپنا ہی گھر اسے قید خانہ لگنے لگتا ہے۔

''بی بی جی!باہر کوئی لڑکی آئی ہے۔صاحب جی کا پوچھ رہی ہے۔''

وہ جو اپنے کمرے میں بیٹھی مختلف سوچوں کے حصار میں تھی ملازمہ کی آواز نے اس کی

سوچوں کے تسلسل کو توڑ ڈالا۔

"تو تمہیں میں صاحب جی دکھائی دیتی ہوں جاؤ جا کر اپنے صاحب سے کہو۔" وہ ملازمہ پر چلائی۔

"جی وہ صاحب جی تو گھر پر نہیں ہیں۔" وہ بیچاری اس کے غصے سے ڈر گئی تھی۔

"تو جا کر اسے بولو کہ صاحب نہیں گھر پر آئے۔ پھر آجانا یا پھر انتظار کرے۔"

"اچھا ر کو رانی۔" وہ جانے لگی جب اس نے اسے روکا۔

"معاف کرنا اپنی ہی الجھن میں تھی اور تم پر غصہ نکال دیا۔" زینیا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً شرمندگی بھرے لہجے میں معافی مانگی۔

"کوئی بات نہیں بی بی جی مجھے برا نہیں لگا۔" رانی دانت نکوستے بولی۔

"کوثر بی کدھر ہیں انہیں پتہ ہوگا اس لڑکی کا۔"

"جی وہ تو مارکیٹ تک گئی ہیں اور بی بی جی وہ لڑکی میں پہلی دفعہ یہاں دیکھ رہی ہوں۔" رانی نے وضاخت دی۔ وہ شاہ مینشن میں ایک دو ماہ سے صفائی کے لیے رکھی تھی اس لیے اسے اتنا معلوم نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے تم چلو میں آتی ہوں۔" زینیا نے رک کر لمحہ بھر رک کر خود کو آئینے میں دیکھا اور نیچے چلی آئی۔

وہ الٹرا ماڈرن سنہری بالوں والی جیسے بالوں کو کلر کیا ہو بلیک جینز اور اس کے اوپر بلیو سلیولیس ٹاپ پہنے لاؤنج میں کھڑی لڑکی کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ اس نے سوچا شاید آبان شاہ کی دوست ہو۔ وہ اپنے خیالوں کو جھٹکتی اس کے قریب آئی۔

"السلام علیکم۔" وہ پیچھا کیے کھڑی تھی زینیا کی آواز پر وہ گھومی اور اسے دیکھا۔

"جی آپ کون؟" زینیا اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر بولی۔ مقابل کھڑی لڑکی نے اس کے سراپے کا جائزہ لیا۔

"یہ سوال تو مجھے پوچھنا چاہیے کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ اپنے باریک سی آئی برو کو اچکاتے اور لائنر سے سیاہ کی آنکھیں اس کے چہرے پر اٹکاتے بولی۔

زینیا کو اس کا مغرور لہجہ اپنی توہین کرتا محسوس ہوا تھا اس سے پہلے وہ جواب دیتی اس کی نظر آبان شاہ پر پڑی جو اس لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹکا۔

"ماہ رخ۔" وہ بڑبڑایا

"آبان تھینک گاڈ تم آ گے سویٹ ہارٹ۔" وہ اس کی طرف بڑھی۔ اس سے پہلے وہ اس کے گرد اپنا حصار باندھتی آبان پیچھے ہو گیا اور ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ یہ منظر زینیا کی آنکھوں سے چھپا نہیں رہا تھا۔ آبان شاہ کی اس حرکت پر ماہ رخ اندر ہی اندر تاؤ کھا کر رہ گئی۔

"تمہیں پتہ ہے، میں پچھلے ایک گھنٹے سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ کل ہی یو ایس سے آئی ہوں اور آج تم سے ملنے آ گئی ہوں۔" وہ تفصیل سے بتاتے بولی۔ آبان شاہ نے ناگواری سے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سامنے کھڑی اپنی روح کے سکون یعنی اپنی بیگم کو دیکھا جو سپاٹ چہرہ لیے وہیں کھڑی تھی۔

"ویسے سویٹ ہارٹ یہ لڑکی کون ہے؟ دیکھنے میں ملازمہ تو نہیں لگتی۔" وہ ایک دفعہ پھر زینیا کو دیکھ کر اس کے بازو کو پکڑتے بولی۔ جب آبان شاہ نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا۔

"پلیز ماہ رخ، مجھ سے دور ہو کر بات کرو۔ اور تمہیں کس نے کہا کے یہ ملازمہ ہے۔" وہ زینیا کی طرف آیا۔ ماہ رخ نے اس کی بات پر ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''میٹ مائی وائف زینیا آبان شاہ۔'' وہ خوشی سے بولا اسے اپنی بیوی کے طور پر متعارف کرواتے ہوئے اس کے عجیب ہی احساسات تھے۔اس کے لفظوں نے جیسے ماہ رخ پر دھما کا کیا تھا۔ وہ بے یقینی سے کبھی زینیا کو دیکھتی اور کبھی آبان کو۔زینیا خاموشی سے ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر اوپر آ گئی۔

''زینیا۔'' وہ بڑبڑائی اس کے لیے بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

''لیکن وہ تو مر چکی تھی۔'' وہ منمنائی۔

''وہ ایک جھوٹ تھا اب وہ میرے پاس ہیں میری بیوی ہیں وہ۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

''نہیں ماہ رخ، یہ سچ ہے۔''

''تو وہ کیا تھا جو تم نے مجھ سے منگنی کی تھی۔مجھ سے شادی۔'' وہ چلائی تھی۔

''وہ صرف میں نے مما کی خاطر کی تھی۔انہوں نے مجھے اس موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا تھا جہاں میں انکار نہیں کر سکتا تھا حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کے بیٹے کے دل میں کسی اور کی جگہ ہے وہ کسی اور کی امانت ہے۔'' اس نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا تم ایسا نہیں کر سکتے آبان......'' وہ اس کا گریبان پکڑتے دھاڑی تھی۔

''ماہ رخ۔'' آبان نے اپنا گریبان چھڑایا۔

''تم صرف میرے ہو صرف میرے۔میں سب کچھ تباہ کر دوں گی۔'' وہ ہسٹریکل ہو رہی تھی۔

'پہلے نہیں تو اب میں اسے ضرور مار دوں گی۔آبان شاہ! تم پر صرف میرا حق ہے صرف ماہ رخ کا۔'' وہ غم وغصے سے پھٹ پڑی تھی۔شاید اپنی محبت کو ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر وہ خونخوار ہو گئی تھی۔جو محبت نہیں صرف ایک سراب تھا جس کے پیچھے وہ بھاگ رہی تھی۔صرف اپنے آپ کو

دھوکہ دینے والی بات تھی۔

”شٹ اپ ماہ رخ۔ تم حد سے بڑھ رہی ہو۔“ آبان شاہ کو سخت برا لگا تھا۔

”اب میں کیسے حد سے بڑھتی ہوں تم دیکھنا۔“ وہ اسے وارن کرتی تن فن کرتی وہاں سے نکل گئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ چلا چلا کر روئے یا پھر زینیا کو ایک جھٹکے میں اس دنیا سے غائب کر دے یا پھر آبان کے دل سے اسے نکال دے۔

”اوو میرے خدایا! رحم فرمانا۔“ اس کے جانے کے بعد وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

قسمت ان کی زندگی میں کیا ہلچل مچانے والی تھی اس بات سے وہ بے خبر تھے۔ وہ کیا کھیل کھیلنے والی تھی اس سے انجان تھے۔ برا وقت کب کسی کو بتا کر آتا ہے۔ وقت تو کبھی بھی اپنا رخ بدل سکتا تھا کبھی وہ خوشی کی طرف اپنی اڑان بھر دیتا اور کبھی دکھوں اور نارسائی کی طرف پنکھ پھیلا دیتا ہے۔

☆......☆......☆

کہتے ہیں جس سے آپ کو محبت ہو جو شخص آپ کے دل میں بستا ہو لیکن جب آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس شخص کے دل میں کوئی اور بستا ہے۔ اسکے دل میں آپ کی کوئی جگہ نہیں۔ اس کے دل، اس کی روح میں کوئی اور بستا ہے تو آپ کو چاہئے خاموشی سے واپس لوٹ جائیں لیکن اگر پھر بھی زبردستی اس کو پانا چاہیں خدا کے لکھے کو مٹانا چاہیں تو آپ پھر بھی لاحاصل رہیں گے لیکن ساتھ میں آپ کو دکھ ہوگا۔ کرب، تکلیف ہوگی اور شاید زندگی بھر پچھتاوا بھی ہو اس لیے خاموشی سے وہیں سے لوٹ جائیں جب آپ کے علم میں ہو جائے کہ وہ انسان آپ کا کبھی تھا ہی نہیں۔

لیکن یہ بات ماہ رخ نہیں سمجھتی تھی۔ اس پر صرف آبان شاہ کو پانے کا جنون تھا۔ وہاں

سے نکل کر واپس آ گئی۔ اس کی سماعتوں میں صرف آبان کی آواز گونج رہی تھی۔ نظروں میں زینیا کو چہرہ گھوم رہا تھا۔ اس پر جیسے کوئی جنون طاری تھا اور ساری سوچیں منتشر ہو رہی تھیں جیسے دماغ سن ہو گیا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اسی کشمکش میں بھٹکتی ہوئی سامنے سے آتی گاڑی نہ دیکھ سکی جس کے باعث وہاں سڑک پر زبردست قسم شور برپا ہوا تھا۔ اردگرد چلتی گاڑیاں رک چکی تھیں اور لوگ بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔

☆......☆......☆

"مجھے نہیں پتہ نانو، آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں میں کوئی بات نہیں سنوں گی آپکی۔" زینیا ہٹ دھرمی سے بولی۔

اس وقت کمرے میں صرف وہ اکیلی ہی نانو کے پاس تھی۔ آج ڈاکٹر انہیں ڈسچارج کر رہے تھے اور زینیا کی ایک ہی رٹ تھی کہ وہ اس کے ساتھ جائیں گی۔

"زینی پتر! تم بلاوجہ ہی ضد کر رہی ہو میں تمہارے ساتھ جاتی اچھی لگوں گی؟ لوگ کیا سوچیں گے کہ بڑھیا اپنی نواسی کے پاس چلی گئی ہے اور تمہارے ماموں سے بھی محلے والے باتیں کریں گے۔ نہیں میرا بچہ، بچوں کی طرح ضد نہیں کرتے میں اپنے گھر ہی جاؤں گی اور میرا خیال رکھنے کے لیے سب ہیں ادھر۔ تم پریشان نہ ہو میری جان۔" وہ اس کے چہرے پر پیار کرتے بولیں۔

"کیوں پریشان نہ ہوں، مجھے پتہ ہے کتنا خیال رکھیں گے آپ کا وہ اور لوگوں کی باتیں تو آپ رہنے ہی دیں۔ ان کے پاس اور ہوتا ہی کیا سوائے دوسروں کو باتیں کرنا۔" وہ ناگواری سے بولی۔ اس سے پہلے وہ نانو کو راضی کرتی کمرے میں ان کی عیادت کے لیے نانو کے رشتے دار داخل ہوئے جن میں نانو کی کزن کا ایک بیٹا اور بہوئیں تھیں۔ اور ان کی بحث ادھوری رہ گی۔

"ارے زینیا بیٹا آپ بھی ادھر ہو؟ کیسی ہو بیٹا؟" وہ اسے ادھر دیکھ کر حیران ہوئے اور اس کے سر پر پیار دیا۔

"میں ٹھیک ہوں آنٹی۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ پھر وہ نانو سے ملے اور ان کے پاس بیٹھتے زینیا سے بولی۔

"تمہارا شوہر بھی آیا ہے یا اکیلی آئی ہو۔" انہوں نے مزید پوچھا۔

زینیا نے انہیں دیکھا۔

"جی آئے ہیں وہ بھی۔ تھوڑی دیر پہلے ادھر ہی تھے ابھی باہر نکلے ہیں۔" اسے ان کے سوال سے الجھن سی ہوئی تھی۔

اچھا آیا تو ہمیں دکھانا تا کہ ہم بھی تو دیکھیں۔ ہماری پیاری سی زینی کا میاں کیسا ہے۔ تمہاری شادی پر تو آئے نہیں چلو ابھی دیکھ لیں گے۔ کیوں بھابھی۔" انہوں نے ساتھ اپنی جٹھانی کو بھی اپنی طرف متوجہ کیا جنہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اف، آپ بھلا میری نانو کی عیادت کے لیے آئی ہیں یا میرے شوہر کو دیکھنے۔" اس نے دل میں کہا اور مزید ان کے سوالوں سے بچنے کے لیے وہ کمرے سے باہر نکل گی۔

"کیا ہوا پیاری۔" کوریڈور سے اندر کی طرف بڑھتی عنزہ نے اس کی جھنجلاہٹ کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ اسے جواب دیتی پاس سے گزرتی نرس کو مخاطب کرتے بولی۔

"ڈاکٹر عباد شاہ کدھر ملیں گے۔"

"وہ سیکنڈ فلور پر اپنے آفس میں ہیں۔"

"او کے تھینک یو۔" وہ اس کا شکریہ ادا کرتی عنزہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"چلو آؤ میرے ساتھ۔"

"نہ بھئی نہ مجھے نہیں جانا تمہارے اس لومڑ دیور کے سامنے۔ نہ جانے کس جنم کی دشمنی ہے اسے میرے ساتھ۔ جب بھی میں اس کے سامنے جاتی ہوں وہ لوفراپنی ہی ہانکنا شروع کر دیتا ہے۔" اس کا نام سنتے ہی وہ ناگواری سے بولی زینیا نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

"اچھا ٹھیک ہے نہ جاؤ۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی اور لفٹ کی طرف بڑھ گئی جبکہ وہ اندر چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

"ماہی! میری جان کیسی ہو؟ کیسا فیل کر رہی ہو؟" ماہ رخ کو ہوش میں آتے ہی ندیم شاہ دیوانہ وار اپنی بیٹی کی طرف بڑھے اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے بولے جب کہ وہ باپ کو دیکھتے ہی زار و قطار رونے لگی۔

"ماہ رخ! کیا ہوا بیٹا کہیں درد ہو رہا ہے۔" ساجدہ شاہ اسے روتا دیکھ تشویش بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔ ایکسیڈنٹ ہونے کے باعث اسے کافی چوٹیں آئی تھیں۔

"بیٹا! زیادہ درد ہو رہا ہے تو میں ابھی ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔" اس سے پہلے وہ وہاں سے ہٹتے جب اس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ڈیڈی! آبان شاہ نے شادی کر لی۔ اس کی بیوی زندہ ہے۔ ڈیڈی وہ کہتا ہے اس کے دل میں میرے لیے جگہ نہیں ہے ڈیڈی وہ کہتا ہے اس نے مجھ سے مجبوری میں منگنی کی تھی۔ پھوپھو کی خاطر اس نے منگنی کی تھی۔" روتے ہوئے اس نے ایک ایک لفظ کہا تھا۔ ندیم شاہ نے ہک دھک اسے روتا ہوا دیکھ کر رہ گئے۔ ساجدہ بیگم بھی حیران پریشان ہوئی تھیں۔

"ڈیڈی! میں مر جاؤں گی اگر آبان شاہ مجھے نہ ملا تو...... مجھے آبان شاہ چاہیے۔ وہ صرف

میرا ہے ڈیڈی وہ زینیا مجھ سے میرا آبان چھین نہیں سکتی۔“ اس کی ذہنی کیفیت کافی حد تک متاثر ہو چکی تھی جس وجہ سے اس کی طبیعت مزید بگڑ گئی۔ ڈاکٹرز نے سکون آور انجکشن لگایا تب جا کر وہ سکون کی نیند سوئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ اس کے آفس میں آئی جہاں آبان شاہ پہلے سے ہی موجود تھا۔ اسے وہاں دیکھ کر وہ دونوں حیران ہوئے تھے۔

”ارے واہ بھئی واہ، میری بھابھی آئی ہیں کیا بات ہے۔ بھیا کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔“ وہ آبان شاہ سے مخاطب ہوا جو اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش رہنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

”بھابھی! بیٹھیں نا کھڑی کیوں ہیں۔“ وہ آبان شاہ کے ساتھ پڑی کرسی کی طرف اشارہ کرتے بولا۔ وہ اس کی بات کو اور آبان شاہ کو نظر انداز کرتی دوٹوک انداز سے اس سے گویا ہوئی۔

”مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“ دبنگ خیز لہجہ تھا۔

”مجھ سے یا بھائی جان سے۔“ وہ بھی عباد شاہ تھا شرارت نہ کرے ہو نہیں سکتا تھا۔

”تم سے ہی کرنی ہے اب فضول نہ بکنا اور میری بات غور سے سنو۔“ وہ اس کی شرارت پر غصے سے بولی۔

”جی جی سنائیں میں ہمہ تن گوش ہوں۔“ وہ عاجزی سے بولا۔

”نانو ڈسچارج ہو رہی ہیں نا۔ میں چاہتی ہوں جب تک وہ مکمل صحت یاب نہیں ہو جاتیں وہ میرے سامنے رہیں۔ ان کا میں خود خیال رکھوں اس لیے تمہیں نانو کو میرے ساتھ ہمارے

گھر جانے کے لیے منانا ہوگا۔" اس کی اتنی تمہید کے آخر پر دونوں بھائیوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے بے اختیار ہمارے گھر کہنے پر وہ دونوں خوش ہوئے۔ چلو کچھ اور نہیں تو اس نے گھر کو تو اپنا مانا تھا۔

"آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ وہ میری بات مانیں گی۔ آپ آبان بھائی سے بولیں مجھ سے اچھا تو وہ انہیں قائل کر سکتے ہیں۔" وہ آبان کی طرف اشارہ کرتے بولا۔

"اووو خدایا، یہ لڑکا اپنے ساتھ ساتھ میری بھی بینڈ بجوائے گا۔" وہ اسے گھورتے ہوئے منہ میں بڑبڑایا۔

"کیونکہ تم ڈاکٹر ہو اور تم ان سے کوئی بھی بہانہ کر دو۔ کسی بھی طرح تمہیں انہیں منانا ہوگا سمجھے۔" وہ حکم دینے والے انداز میں کہہ کر مڑی جب وہ بیٹھتے ہوئے آبان شاہ سے مخاطب ہوا۔

"پوری جھانسی کی رانی ہے آپ کی بیگم۔"

"کیا کہا تم نے۔" زینیا کے سماعت سے اس کے الفاظ پڑے جب وہ فوراً غصے سے مڑ کر اسے دیکھنے لگی جو بیٹھتا بیٹھتا فوراً ہڑبڑا اٹھا تھا۔

"ک......ک......ک...... کچھ نہیں میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ کیوں بھیا میں نے کچھ کہا بھلا۔" اس نے فوراً نفی میں سر ہلاتے آبان شاہ سے تصدیق چاہی۔ پھر وہ کچھ بھی کہے بغیر ایک نظر ان دونوں پر ڈال کر وہاں سے نکل گئی۔

"اللہ اللہ بھائی اتنی غصے والی بیگم کے ساتھ کیسے گزارا ہوگا آپ کا۔ مجھے تو آپ پر ترس آ رہا ہے۔" وہ اس سے ہمدردی جتاتے بولا۔

"تم میری نہیں بیٹا اپنی فکر کرو۔ فی الحال تو سب سے پہلے نانو کو راضی کرنے کا کام کرو جو

تمہاری بھابھی تمہیں سونپ گئی ہیں۔"

"اصولاً یہ کام تو انہیں آپ کو کہنا چاہئے تھا لیکن انہوں نے مجھے کہا۔" وہ بھنوئیں اچکاتے بولا۔ "چلیں کوئی بات نہیں میں ہی کر دوں گا اس سے میرا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔" اس کے دماغ میں مختلف سوچیں چل رہی تھیں۔

"کونسا مقصد؟" آبان شاہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہے نا کوئی میرا ذاتی مقصد آپ کو کیوں بتاؤں۔" وہ شرارتی مسکراہٹ لیتے بولا۔

"ہاہاہاہاہا۔" اور پھر قہقہہ لگا کر ہنستا چلا گیا۔

"عابی کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔" آبان شاہ حیران پریشان اسے شیطانوں کی طرح ہنستے دیکھ کر شک میں مبتلا ہوا کہ کہیں اس کا بھائی پاگل تو نہیں ہو گیا جو بلاوجہ ہی ہنس رہا ہے۔

"بالکل بھی پاگل نہیں ہوا بھائی آپ فکر نہ کریں۔" وہ اپنی مسکراہٹ کو ناکام سا دباتے بولا۔

"ہائے میرے پیارے بھیا آپ کو کیا پتہ ہو، آپ کا یہ چھوٹا بھائی کیا کرنے والا ہے اور وہ جو آپکی پرنسز انہوں نے تو خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے والا کام کیا ہے۔" وہ دل ہی دل میں زینیا کی بیوقوفی پر ہنس رہا تھا۔ اس کے شیطانی دماغ میں کیا کیا چل رہا تھا سامنے بیٹھا آبان شاہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ بس سوچ کر ہی رہ گیا تھا کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔

☆......☆......☆

جویریہ شاہ اور طیبہ شاہ کو ماہ رخ کے ایکسیڈنٹ کا جیسے ہی پتہ چلا وہ دونوں بہنیں ندیم پیلس چلی آئیں۔ وہ ڈسچارج ہو کر گھر چلی گئی تھی ندیم شاہ تو ان دونوں کو دیکھ کر آگ بگولہ ہو گئے تھے۔

”کیوں آئی ہو تم دونوں یہاں؟“

”بھیا! ہم ماہ رخ کو دیکھنے آئے ہیں۔ اب کیسی ہے وہ؟“ اپنے بھائی کو غصے میں دیکھ وہ دونوں اندر ہی اندر پریشان ہوئی تھیں۔

”کیا دیکھنے آئی ہو۔ یہی کہ وہ زندہ ہے یا مرگئی ہے تو سنو جویریہ شاہ وہ زندہ ہے لیکن تمہارے بیٹے نے اسے مارنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور تم دونوں بھی اس میں برابر کی شریک ہو اس لیے دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔ اپنی شکل مت دکھانا مجھے تم دونوں۔“ وہ گرجے تھے۔

”بھیا! ہماری بات تو سنیں یہ سب اچانک ہو گیا ہمیں تو......“

”میں ملک سے باہر گیا تھا مر نہیں گیا تھا جو تم لوگ مجھے بتا نہیں سکتے تھے۔“ وہ طیبہ شاہ کی بات کو کاٹتے غصے سے بولے۔

”اور جویریہ، اگر تم چاہتی ہو میں تم سے اپنا رشتہ ختم نہ کروں تو اپنے بیٹے کو ماہ رخ سے شادی کرنے کے لیے راضی کرو۔ نہیں تو مجھ سے دوبارہ ملنے کی کوشش نہ کرنا۔“

وہ انہیں ہکا بکا چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے تھے۔

ساجدہ شاہ جو خاموش تماشائی بنی ہوئی تھیں۔ انہیں اپنے شوہر کی چال پر افسوس ہوا جو محض اپنی اولاد کی ضد کی خاطر رشتے توڑنے کی بات کر رہے تھے واقعی یہ اولاد ایک فتنہ ہوتی ہے۔ اولاد اور مال کی خاطر کتنے پیارے رشتے چھوٹ جاتے ہیں وہی رشتے جو کبھی ہمیں بہت انمول ہوتے ہیں وہ بہن بھائی جن کے ساتھ اپنا سارا بچپن گزرا ہوتا ہے اکٹھے کھیلے ہوتے ہیں۔ ایک ہی چنگیر میں روٹی کھاتے ہیں وہی بہن بھائی اولاد کی وجہ سے بچھڑ جاتے ہیں۔ بہن بھائی ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو انسان کو اولاد اور مال دے کر آزماتا ہے۔ انسان کی آزمائش ہوتی ہے۔ یہ اولاد اور مال۔ قران مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے۔

ترجمہ:

مومنو! تمہاری عورتوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن (بھی) ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو خدا بھی بخشنے والا مہربان ہے۔

انسان کو چاہیے اپنی اولاد کی محبت میں اتنا اندھا نہ ہو جائے کہ وہ دین ہی بھول جائے۔ اللہ تعالٰی کے بتائے راستے سے ہی ہٹ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو بہت گھاٹے کا سودا ہو گا۔

ندیم شاہ بھی اپنی بیٹی کی محبت میں سب کچھ بالائے تاک رکھ کر بہن سے رشتہ توڑنے کی بات کر گئے تھے۔ وہ یہ بھی بھول گئے تھے کہ ان کی بیٹی کی محبت یک طرفہ ہے۔ وہ ایک سراب سے محبت کر رہی ہے۔ ماں باپ کو تو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو سمجھائے کہ وہ غلط ہے جو اس کی قسمت میں خدا نے لکھا ہے وہ اس کو ملے گا اور جو نہیں لکھا جو اس کی تقدیر میں ہے ہی نہیں اسے زبردستی چھیننے کی کوشش مت کرو لیکن اگر ماں باپ ہی بچوں کو سمجھانے کی بجائے ان کا ساتھ دینے لگے تو بچے کیا خاک سمجھیں گے۔ انہیں تو یہی لگے گا کہ وہ جو بھی کر رہے ہیں ہیں وہ ٹھیک کر رہے ہیں۔ جب ماں باپ انہیں غلط راستے پر جانے سے نہیں روکیں گے، ان کی اصلاح ہی نہیں کریں گے تو وہ سیدھے رستے پر کیسے چلیں گے۔

ساجدہ شاہ ماہ رخ کے کمرے میں آئیں جو بیڈ پر بازو آنکھوں پر رکھے لیٹی تھی۔ وہ دو دنوں سے اپنے کمرے میں گم صم سی بیٹھی ہوئی تھی۔ ساجدہ شاہ کا اپنی بیٹی کو اس حالت میں دیکھ کر دکھ سا ہوا تھا۔

''میری بیٹی سو رہی ہے کیا؟'' ساجدہ شاہ اس کے پاس ہی بیٹھتے ہوئے شریں لہجے میں بولیں۔ لیکن وہ جیسے لیٹی تھی ویسے ہی لیٹی رہی اس کی کنڈیشن میں ذرا بھی بدلاؤ نہ آیا۔ ساجدہ

شاہ حیران ہوتی اس کے بازو کو پیچھے ہٹایا تو وہ گنگ رہ گئی تھی۔

''ماہ رخ، میری بیٹی میری جان کیا ہو گیا ہے؟ یہ تم نے اپنی کیا حالت بنالی ہے؟'' وہ تو اسے روتا دیکھ کر پریشان ہوئیں۔ انہوں نے تو کبھی بھی اس کی آنکھوں میں آنسو آنے نہیں دیے تھے۔

''مام! مائی ہارٹ از گیٹنگ ہرٹ۔ وائے ڈڈ ہی ڈو دس۔'' وہ روتے ہوئے ان سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں میری جان روتے نہیں۔ رونے سے کوئی کسی کا نہیں ہوتا اور نہ ہی رونے اور واویلا کرنے سے مسئلے حل ہوتے ہیں۔''

''تو پھر مام کیسے کوئی کسی کا ہوتا ہے۔ میں کیا کروں جو آبان شاہ میرا ہو جائے، بتائیں نا مام میں کیا کروں جس سے اسے مجھ سے محبت ہو جائے۔''

اس نے آنسوؤں کو صاف کرتے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح لگ رہی تھی۔ ساجدہ شاہ کو افسوس ہوا۔

''نہیں بیٹا وہ تمہارا نہیں تھا وہ جس کا تھا اس کا ہو چکا ہے وہ جس کی قسمت میں تھا خدا نے اس دے دیا ہے اگر تمہارا ہوتا تو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑنی تھی وہ خود بخود تمہارا ہو جاتا۔''

وہ ان کی طرف ٹک ٹکی باندھیں ہی دیکھ رہی تھی جب وہ ذرا توقف کے بعد بولیں۔

''پتہ ہے رخ، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کیا فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اے ابن آدم ایک میری چاہت ہے

ایک تیری چاہت ہے

لیکن ہوگا تو وہی جو میری چاہت ہے

اگر تم نے خود کو سپرد کر دیا اس کے

جو میری چاہت ہے تو وہ بھی تجھے دے دوں گا جو تیری چاہت ہے

لیکن اگر تم نے مخالفت کی اس کی

جو میری چاہت ہے تو تمہیں تھکا دوں گا اس میں جو تیری چاہت ہے

پھر وہی ہوگا جو میری چاہت ہے

انہوں نے اسے حدیث قدسی کا حوالہ دیا تا کہ اسے سمجھا سکیں۔

"اس سب کا کیا مطلب ہے آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟" وہ اپنی ماں کی اتنی لمبی چوڑی تقریر سے عاجز آ کر ناگواری سے بولی۔ ساجدہ شاہ نے تاسف سے اپنی لاڈلی بیٹی کو دیکھا۔

"رخ بیٹا، آپ آبان شاہ کو بھول جاؤ کیا پتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آبان سے بہتر ہمسفر لکھا ہو اور......"

"سٹاپ اٹ...... جسٹ سٹاپ اٹ۔" وہ یکدم ہی ان کی بات کو کاٹتے ہوئے چلائی۔

ساجدہ شاہ تو ایک لمحہ اس کے چلانے سے ڈر گئی تھیں۔

"اگر آپ مجھے یہ نہیں کہہ سکتیں کہ آبان شاہ تمہارا ہے، تمہارا ہی ہوگا تو موم یہ بھی مت کہیں کہ آبان شاہ تمہارا نہیں تمہاری قسمت میں نہیں۔ وہ میرا ہے اور اسے میں چھین لوں گی۔ اگر وہ میری قسمت میں نہیں تو پھر بھی حاصل کر کے رہوں گی۔ بائے ہوک یا بائے کرُوک۔"

وہ جارحانہ تیور سے بولی۔ اسے اپنی ماں کی بات کسی خنجر کی طرح لگی تھی۔

انہیں اس کے ارادے نیک نہیں لگ رہے تھے وہ مجھنے سمجھانے کی حدود سے نکل چکی تھی۔

”چلی جائیں آپ میرے کمرے سے۔“ وہ بدتمیزی سے انہیں دروازے کی طرف اشارہ کرتے بولی۔اس کے چیخنے چلانے سے ندیم شاہ بھی وہاں آ گئے تھے۔

وہ اسے بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن اپنی لاڈلی کے خطرناک تیور دیکھ کر وہ تو اندر تک دہل گئی تھیں۔انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا اور باہر نکل گئیں اور دروازے پر ندیم شاہ کو دیکھ کر رک گئیں جو انہیں کڑی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

”میری بات کان کھول کر سن لو، اگر ماہ رخ کی قسمت میں آبان نہیں لکھا تو تمہاری قسمت میں بھی طلاق کا داغ ضرور لگا دوں گا۔“ سخت انداز میں وہ وارن کرتے انہیں ششں و پنج میں چھوڑ کر اپنی بیٹی کے کمرے میں چلے گئے تھے۔

وہ رنج وغم کی کیفیت میں اپنے کمرے میں آئیں۔ان کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ سماعتوں میں بس ندیم شاہ اور ماہ رخ کے الفاظ گونج رہے تھے۔

”یا اللہ......“ انہوں نے ہاتھ باندھے خدا کو پکارا تھا۔الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔آنسو نکل رہے تھے۔دل پکار رہا تھا۔خاموشی سی تھی اور خدا تو خاموشی بھی سنتا ہے۔خاموشی میں چھپے الفاظ بھی سنتا ہے۔

☆......☆......☆

”جویریہ! یہ تم کیسی بات کر رہی ہو؟“ فرقان شاہ اپنی زوجہ کی بات سن کر حیران ہی تو ہوئے تھے۔

”کیوں فرقان، ایسا کیوں نہیں ہو سکتا اگر آبان......“

”نہیں جویریہ، ایسا سوچنا بھی مت۔آبان تو یہ بات سن کر ہی مر جائے گا اگر تم نے ایسی بات کی تو۔وہ ہرگز نہیں مانے گا اور نہ ہی میں ایسا ہونے دوں گا۔“ وہ ان کی بات کو سخت لہجے

میں ٹوکتے ہوئے بولے۔

جویریہ شاہ نے جب ان سے ماہ رخ کی شادی آبان سے کرنے کا کہا تھا وہ تو آگ بگولہ ہی ہو گئے تھے۔

''مجھے تو تم پر اس دن بہت غصہ تھا جب تم نے کسی سے پوچھے بغیر، بنا سوچے سمجھے بیٹے کو بھری محفل میں مجبور کر دیا تھا منگنی کے لیے۔ جانتی ہو اس رات ہمارا بیٹا کتنا تڑپا تھا۔ اس لیے مہربانی ہو گی تمہاری اس کو شادی کے لیے ہرگز نہ کہنا۔'' وہ ہاتھ جوڑتے بولے تھے۔

''فرقان! میں نہیں چاہتی میرا بھائی مجھ سے چھوٹ جائے۔ کوئی بھی بہن یہ نہیں چاہے گی اس کا بھائی اس سے اپنا تعلق ختم کر دے فرقان۔ آپ بات کریں نا آبان سے۔'' وہ ان سے التجا کر رہی تھیں۔

''اپنے بھائی سے رشتہ قائم رکھنے کے لیے تم اپنے بیٹے کی خوشیوں کی قربانی دینا چاہتی ہو۔'' وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگے۔

''آج ایسا کہا ہے آئندہ یہ بات نہ کرنا۔ نہ ہی میرے سامنے اور نہ ہی کسی اور کے سامنے۔ اور ندیم سے کہو کہ رشتوں کو سنوارنا سیکھے ان کا استعمال نہ کرے۔'' انہوں نے کسی ناصح کی طرح انہیں نصیحت کی تھی۔

درست ہی تو انہوں نے کہا تھا۔ جب رشتوں کو پیار محبت اور احساس سے سنوارنے کی بجائے ان کا استعمال کرنے لگیں تو رشتوں میں غلط فہمیاں اور دوریاں ہی جنم لیتی ہیں۔ پیار کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ وہ رشتے زیادہ پائیدار نہیں رہتے جن کو استعمال کیا جاتا ہے۔

☆......☆......☆

پھر نا نو اس کے ساتھ جانے کے لیے کیسے مانیں وہ نہیں جانتی تھی اور نہ ہی اسے معلوم تھا

کہ عباد نے کونسی دلیلیں دے کر انہیں منایا تھا اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اس کے ساتھ جا رہی ہیں اب وہ خود ان کا خیال رکھ سکتی ہے لیکن عنزہ کو معلوم تھا کہ عباد شاہ نے انہیں کیسے منایا ہے وہ اس کی باتیں سن چکی تھی اسی لیے وہ اس کے پاس آئی تھی۔

''تم نے جو بات نانو کو بتائی ہے اگر زینی کو پتہ چل جائے کہ تم نے یہ بات کہہ کر ان کو راضی کیا ہے وہ تمہارا حشر کر دے گی۔''

عباد شاہ نے چونک کر اسے دیکھا جو سخت نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پرکشش چہرے پر غصے کے آثار واضح تھے اور ساتھ ہی غصے کے باعث نتھنے پھولے ہوئے جو عجیب ہی قسم کے تاثرات دے رہے تھے۔

''تو تم ہماری باتیں سن رہی تھی کیا؟۔ تمہیں کسی نے مینرز نہیں سکھائے کہ چوری چوری کسی کی باتیں نہیں سنتے۔'' وہ اپنی ہنسی کو چھپاتا سنجیدگی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''اور تمہیں کسی نے نہیں سکھایا کہ کسی کے ذاتی مسئلوں میں دخل اندازی نہیں کرتے؟'' وہ الٹا اسی سے تڑخ کر پوچھنے لگی۔

''تمہیں کوئی تکلیف ہے جو......''

''آہاں۔'' وہ انگلی اٹھا کر نفی میں سر ہلاتے اس کی بات کو فوراً کاٹتے بولی۔ ''مسٹر، تکلیف مجھے نہیں تمہیں ہے۔ اور تمہاری اس تکلیف کا علاج کوئی اور نہیں زینی کرے گی سمجھے۔'' انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔

''تمہاری زینی کو پتہ چلے گا تو وہ علاج کرے گی نا۔ جب انہیں پتہ ہی نہیں چلے گا تو غصہ کس بات کا۔'' وہ مطمئن سا کرسی کی پشت سے ٹیک لگا گیا تھا اور اسے دلچسپ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ لیکن اگلے ہی پل عنزہ کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ وہ سمجھ

گیا تھا اس کے ارادوں کو اس لیے فوراً بولا۔

"اے خبردار اگر انہیں تم نے کچھ بتایا تو۔ ورنہ سب کچھ الٹ پلٹ ہو جائے گا۔"

"کیا الٹ پلٹ ہو جائے گا؟ تمہیں نہیں پتہ زینی کبھی نہیں چاہتی کہ دادو کو اس کی وجہ سے پریشان کیا جائے اب جب انہیں پتہ چلا زینی کا آبان بھائی کے ساتھ بھی رویہ اچھا نہیں تو وہ پریشان ہو جائیں گی اور زینی ہرگز ایسا نہیں چاہتی تھی اور تم نے۔" وہ اسے ساری وضاحت دیتے آخر میں اسے غصے سے دیکھنے لگی۔

"دیکھو اس میں پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں۔ میں نے دادو کو ساری بات سمجھا دی ہے۔ اگر تم نے باتیں سنی ہی تھیں تو پوری سنی تھیں کہ میں نے انہیں کیا کہا تھا۔" وہ تسلی دینے والے انداز میں بولا۔ عنزہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا جو یکدم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"کیا کہا تھا؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ پھر وہ اسے شروع سے لے آخر تک ساری بات بتاتا چلا گیا تھا جسے سن کر نہ صرف عنزہ کو دکھ ہوا تھا بلکہ وہ حیران بھی ہوئی تھی۔ عباد شاہ نے اسے دیکھا جو اس کی باتوں سے آبدیدہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر فوراً باتوں کا رخ بدل دیا تاکہ وہ اس رنج و غم کی حالت سے باہر نکل آئے۔

"ویسے تمہیں کبھی کسی سے محبت ہوئی ہے؟"

عنزہ نے اس کے سوال پر چونک کر اسے دیکھا۔ جواب دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ شرارتی لبوں سے مسکراتے ہوئے بھنوئیں اچکا کر اس سے مخاطب ہوا جو ٹکٹکی باندھے اسے ہی گھور رہی تھی۔

"کہیں تمہیں مجھ سے تو نہیں محبت ہو گئی؟" وہ دایاں ابرو اچکاتے بولا۔

"شکل دیکھی ہے تم نے اپنی؟" اسے خود سے ہی جواب اخذ کرتے دیکھ کر وہ فوراً بولی

”روزانہ دیکھتا ہوں اللہ نے اتنا حسین مکھڑا دیا ہے لڑکیاں مرتی ہیں اس حسین چہرے پر۔“ وہ اتراتے ہوئے چہرے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے بولا۔

”غلط فہمی ہے تمہاری۔ جو بھی مرتی ہوگی وہ تمہارے بن مانس جیسا چہرہ دیکھ کر مرتی ہوگی۔ ظاہری بات ہے جب ان کے سامنے اتنی خوفناک شکل والا انسان ہوگا وہ زندہ کیسے بچیں گی اور تمہیں لگتا ہے تمہاری شکل پیاری ہے اس لیے مرتی ہیں۔ چچ چچ۔ کتنی بڑی غلط فہمی پال رکھی ہے تم۔“ وہ تمسخرانہ انداز میں بولی اور عباد شاہ منہ کھولے اسے دیکھ رہا تھا جو اتنی سی بات کا کتنا بھاری بدلہ لے رہی تھی پھر جو بن مانس کی شکل والا اسے کہہ گئی تھی۔

”ارے یار سنو تو سہی۔“ وہ اسے جاتا دیکھ کر دہائی دیتے بولا لیکن وہ طوفان کی تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

”کیا میری شکل بن مانس جیسی ہے؟“ وہ ٹھوڑی پر ہاتھ رکھتے پر سوچ دماغ سے منہ بسورتے بولا اور دماغ کی سکرین پر بن مانس کا چہرہ ابھر آیا تھا۔ فوراً جھرجھری لی۔

”اللہ کیا لڑکی ہے یہ۔ لمحوں میں میری اتنی خوبصورت حسین شکل کو بن مانس جیسی بنا گئی۔“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔

☆......☆......☆

نانو کو ڈسچارج کروا کے وہ شاہ مینشن لے آئے تھے۔ ریاض صاحب نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا ایک تو ان کے گھر میں آج کل میں صبا کی شادی کی تیاری چل رہی تھی اور زاہرہ بیگم اتنی اچھی تو تھیں نہیں کہ وہ ان کا خیال رکھ سکتیں اس لیے وہ راضی ہو گئے تھے۔

آبان شاہ رات کو آفس سے آیا تو سیدھا ان کے پاس آیا۔ ان کا حال چال پوچھا اور دس پندرہ منٹ ان کے پاس بیٹھ کر اٹھ گیا تھا۔ اس سب کے دوران زینیا اپنے کام میں ایسے مگن

تھی جیسے وہاں اس کے علاوہ کوئی تھا ہی نہیں۔

''زینی ادھر آؤ میری بات سنو بیٹا۔'' زینیا جو نانو کے کپڑے تہہ کر کے کبڈ میں رکھ رہی تھی ان کے بلانے پر کبڈ کے پٹ بند کرتے ان کے پاس آئی۔

''جی نانو۔''

''جاؤ جا کر اپنے شوہر کو دیکھو وہ تھکا ہارا آیا ہے اسے کوئی کھانے پینے کا پوچھو۔'' نانو نے روایتی ماؤں کی طرح اسے کہا۔

''نانو! گھر میں کافی نوکر چاکر ہیں جو اسے کھانے پینے کے لیے پوچھ سکتے ہیں۔'' وہ بے اختیار ہی ناگواری سے بول گئی تھی لیکن جیسے ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا فوراً ان کی طرف دیکھا کہ کہیں انہوں نے سنا تو نہیں لیکن وہ سن چکی تھیں اور افسوس بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''میں دیکھ رہی ہوں تمہیں اور تمہارے رویے کو بھی۔ تمہیں کیا لگتا ہے تم مجھ سے چھپا لو گی اور میں محسوس بھی نہیں کروں گی۔''

زینیا نے نانو کو دیکھا جو کافی غصے میں لگ رہی تھیں

''نانو......'' اس سے پہلے کہ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہتی وہ اس کی بات کو کاٹ کر بولیں۔

''زینی! تم تو پڑھی لکھی ہو۔ تمہاری تعلیم تمہیں یہ سکھاتی ہے اپنے شوہر کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آؤ۔ کیا تم نے یہی سیکھا ہے۔'' وہ بے یقینی سی بولیں۔ ''وہ تمہارا کتنا خیال رکھتا ہے اور تم کیا کر رہی ہو۔ افسوس ہو رہا ہے مجھے تم پر۔ اتنی بے عقل ہو تم۔ ارے تمہاری ناراضگی اپنے ماں باپ سے ہے اس بیچارے کا کیا قصور ہے۔ اسے کس بات کی سزا دے رہی تم۔'' ان کی آواز تھوڑی اونچی ہو گئی تھی۔

"اللہ تم سے کبھی خوش نہیں ہوگا زینی۔ اپنے شوہر کی نافرمانی کرکے تم اپنے لیے جہنم کو دعوت دے رہی ہو۔ جانتی ہو فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں جو اپنے شوہر کو خوش نہیں کرسکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر میرے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرتی۔ اس قدر خدا نے شوہر کو درجہ دیا ہے اور تم خدا کی نافرمانی کررہی ہو۔" نانو دبے دبے لفظوں میں اسے احساس دلا رہی تھیں۔

زینیا ششدر سی نانو کو دیکھ رہی تھی کہ آج انہیں کیا ہوگیا ہے۔ آج سے پہلے انہوں نے تو کبھی اسے ڈانٹا نہیں تھا۔ وہ جب نماز نہیں پڑھتی تھی تب بھی انہوں نے کبھی اس قدر جارحانہ انداز میں نہیں سمجھایا تھا لیکن آج پہلی دفعہ شاید وہ اس کے ساتھ اس قدر سخت لہجے میں بات کررہی تھیں۔

"اب میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ جاؤ اپنے شوہر کے پاس۔" وہ دبنگ لہجے میں بولیں۔

زینیا جو سوچ رہی تھی کہ نانو کو آج ہوا کیا ہے ان کی آواز پر اٹھی اور جلدی سے باہر کی طرف بڑھی۔ جب اس کے قدم ان کی آواز پر جامد ہوگئے۔

"اور ہاں تمہارا ٹھکانہ وہ کمرہ نہیں زینیا جہاں تم نے بسیرا کیا ہوا ہے۔ تمہاری جگہ تمہارے شوہر کے پاس ہے۔"

ان کی بات پر وہ آنکھوں میں حیرانگی لیے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"نانو کو کیسے پتہ چلا۔" اس نے سوچا۔

"نانو وہ دراصل۔" اس نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے ہی تھے جب وہ بولیں۔

"زینی! میں جانتی ہوں یہ سچ ہے مجھے کوئی صفائی نہ دینا اور ویسا کرو جیسے میں نے کہا ہے۔" انہوں نے تحکم خیز لہجے میں کہا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔

نانو کو کس نے بتایا ہوگا؟ کہیں آبان شاہ نے تو ان سے شکایت نہیں کی ہوگی۔ لیکن کیوں اس نے ایسا کیوں کیا؟ وہ مختلف سوچوں کے ساتھ کمرے میں آئی جو آبان شاہ کا تھا۔ اسے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے نانو کو غصہ دلانے والا صرف وہی تھا۔

آبان شاہ فریش ہو کر باہر آیا جب اس کی نظر زینیا پر پڑی جو اس کے کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔ وہ تو حیرت زدہ ہوا۔

''پرنسز! بیٹھیں نا آپ کھڑی کیوں ہیں؟'' آبان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اب سے میں یہیں اسی کمرے میں رہوں گی۔'' وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے اسے دیکھ کر بولی۔

نیلی آنکھیں روشنی کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ پرکشش چہرے پر اس وقت دنیا جہاں کا دلچسپ مرغوب کر دینے والا تبسم سا پھیلا ہوا تھا۔ آبان شاہ نے اسے دیکھا جو اسے ہی ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔

''یہ آپ کا ہی تو کمرہ ہے پرنسز۔ آپ کا حق ہے یہاں پر رہنا۔'' وہ دل پذیر لہجے میں بولا۔

''تو تم یہ مجھے بھی بتا سکتے تھے۔''

''مطلب۔''

''مطلب یہ کہ یہ حق فرائض والی باتیں تم مجھے بھی بتا سکتے تھے۔ نانو سے میری شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی تمہیں۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''شکایت۔ کیسی شکایت پرنسز، میں سمجھا نہیں آپ کی بات۔'' آبان شاہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس شکایت کی بات کر رہی تھی۔

''اتنا نادان بننے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتی ہوں تمہاری چالاکیوں کو۔ نانو کو بتاتے ہو

کہ میں اچھی بیوی نہیں ہوں۔اور تو اور انہیں یہ بھی بتا دیا کہ میں تمہارے ساتھ اس کمرے میں نہیں بلکہ الگ کمرے میں رہتی ہوں اور میرے سامنے ایسے ظاہر کر رہے ہو جیسے تمہیں سرے سے ہی اس بات کا علم نہ ہو۔تم یہ باتیں مجھے بھی کہہ سکتے تھے کہ اس کمرے میں مت رہو تمہارے ساتھ اس کمرے میں رہوں آج تمہاری وجہ سے نانو سے مجھے ڈانٹ پڑی ہے صرف تمہاری وجہ سے۔'' وہ ناراضگی سے بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔وہ حیران کن نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جو کافی حد تک اس سے بدظن لگ رہی تھی۔

''پرنسز! یقین مانیں میں نے ایسا کچھ بھی نانو کو نہیں بتایا۔'' وہ اسے یقین دلانے کی کوشش کرتے بولا۔

''تم نے نہیں بتایا تو انہیں الہام ہوا تھا کہ میرا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے اور کمرے والی بات۔میں انہیں بتانے سے تو رہی۔'' زینیا نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔نا جانے کیوں اس کی نظر اس کی گہری نیلی آنکھوں کی طرف چلی جاتی تھی۔اس کی آنکھیں اسے اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر رہی تھیں۔پتہ نہیں کیسی بے چینی سی اس کے اندر انگڑائی لے رہی تھی۔وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی جب وہ اسے دیکھتی وہ ایک انجانے سے تذبذب میں مبتلا ہو جاتی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم انہیں کیسے علم ہوا لیکن پرنسز یہ سچ ہے میں نے ان سے ایسی کسی بات کا ذکر نہیں کیا۔اور نہ میں ہمارے مسئلے کسی دوسرے کو بتانا پسند کرتا ہوں۔چاہے وہ نانو ہوں یا کوئی اور۔'' آبان شاہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔زینیا اسے ہی دیکھ رہی تھی جس کے لہجے کی مضبوطی اور آنکھوں میں رقم سچائی اسے اس پر یقین کرنے پر عاجز کر رہی تھی۔پھر وہ پر سوچ دماغ کے ساتھ بیڈ کے ایک کونے پر ٹک گئی۔

''کس نے بتایا ہوگا نانو کو۔کس نے۔'' وہ کسی بھی طرح نانو کو اس کی شکایت کرنے والے

کو بخشنے والی نہیں تھی۔

"عنزہ۔کہیں عنزہ نے تو نہیں بتا دیا" اس کا دماغ عنزہ کی طرف گیا۔وہ تو بھول ہی گئی تھی کہ وہ بھی جانتی تھی اور جب اسے معلوم ہوا تھا تو اس نے بھی اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی۔یہ الگ بات تھی اس نے اس کی بات نہیں سنی تھی۔

"پکا عنزہ کی بچی نے ہی بتایا ہوگا۔" وہ غصے سے دانت پیستے بڑبڑائی۔

"آپ نے کچھ کہا پرنسز؟"

"مجھے موبائل چاہیے تمہارا۔" وہ کاٹ دار انداز میں بولی اور بیڈ سے اٹھ کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"آبان شاہ پورا پور آپ کا ہے یہ تو ایک موبائل ہے پرنسز۔" وہ اس کے لہجے کو نظر انداز کرتا شگفتہ لبوں پر مسکان لیے بولا اور ساتھ ہی ڈریسنگ ٹیبل سے اپنا آئی فون اٹھایا۔اس کا لاک کھول کر اس کی طرف بڑھا دیا۔اس کی بات پر بے ارادہ ہی اس کی نظر اس کی گہری نیلی آنکھوں پر پڑی جس میں گہرا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔زینیا کو ایسا لگا جیسے اگر وہ اسے ایسے ہی دیکھتی رہی تو وہ کہیں ان آنکھوں میں ڈوب نہ جائے۔

"اف زینی،یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟تم ایسی تو نہیں تھی۔" اندر ہی اندر اس خود کو ڈپٹا۔ شاید آبان شاہ کے پیار کی کشش تھی یا پھر کچھ اور جو اسے کشش ثقل کی طرح اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔اس نے موبائل کو دیکھا جس کے کسی بھی فنکشن کی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔وہ عنزہ کو فون کرنا چاہتی تھی لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"اس کمبخت کی تو سمجھ ہی نہیں آ رہا فون کیسے کروں اسے۔" وہ جھنجھلائی اور ساتھ ہی ایک نظر آبان پر ڈالی جو اب صوفے پر بیٹھا لیپ ٹاپ کو سامنے رکھے کچھ ٹائپ کرنے میں مگن

ہو چکا تھا۔ پھر دوبارہ ہاتھ میں پکڑے آئی فون کو الٹ پلٹ کر کے دیکھنے لگی جس کے سسٹم کی اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔ اس نے الگ سے اپنا ذاتی فون تو کبھی استعمال نہیں کیا تھا البتہ ضرورت پڑنے پر وہ عنزہ کے موبائل کو ضرور استعمال کر لیتی تھی جس کے سارے فنکشنز کی اسے سمجھ بوجھ تھی۔

"کیا ہوا پرنسز؟" اسے موبائل کو گھورتے پا کر آبان شاہ نے اس سے پوچھا۔

"تمہارے اس چھکڑے موبائل کی مجھے سمجھ ہی نہیں آرہی تو میں فون خاک کروں گی۔" وہ موبائل کو غصے سے دیکھتے بولی۔ آبان شاہ نے اس کے اتنے مہنگے ترین نئے ماڈل آئی فون کو چھکڑا کہنے پر تعجب خیز نگاہوں سے اسے دیکھا اور اس کی معصومیت پر ہنس دیا۔

"پرنسز! یہ چھکڑا نہیں ہے۔ چلیں میں آپ کو اس کا طریقہ بتا دیتا ہوں۔" وہ اس کے پاس آیا اور مسکرا کر اس کے ہاتھ سے فون لیتے بولا۔

"تم مجھے نہ بتاؤ اس کا طریقہ بس عنزہ کا نمبر ملا دو۔"

"پرنسز! سیکھ لیں جب میں آپ کے پاس نہیں ہوں گا تو مجھے بھی تو فون کرنا ہوگا نا آپ نے اس لیے بہتر ہے کہ آپ......"

"اووووو ہیلو مسٹر، یہ خیالی پلاؤ بنانا بند کرو اور سیدھی طرح نمبر ملا کر دو مجھے۔" اس نے صاف انکار کیا تھا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر پرنسز۔" وہ فرمانبرداری سے بولا۔

وہ جیسی بھی تھی لیکن اسے اچھا لگتا تھا اس کے ساتھ باتیں کرنا۔ وہ خود ہی اپنی حرکتوں کو سوچ کر مسکرا دیتا تھا۔

☆......☆......☆

دوسری طرف عنزہ تھی جو سارے دن کے کاموں سے تھکی ہاری اپنے کمرے میں آئی ابھی لیٹی ہی تھی جب زاہرہ بیگم اسے آوازیں دیتی پیچھے آ گئیں۔

''عنزہ! یہ کپڑے جو صبح دھوئے تھے ان سب کو استری کرلو۔کل سے پھر مہمان آنا شروع ہو گئے تو وقت نہیں ملنا اس لیے ان کو استری کر کے ان کے ٹھکانے پر رکھ دو۔'' زاہرہ بیگم کپڑوں کا ڈھیر عنزہ کے پاس رکھتے بولیں جو صبح ہی اس نے مشین لگا کر دھوئے تھے۔

''یہ ابھی تک استری نہیں کیے کسی نے۔میں نے صبا کو بولا تھا کہ وہ کر دے لیکن۔'' عنزہ نے کہا۔وہ کمر سیدھے کرنے کے لیے لیٹی تھی کپڑوں کے اتنے ڈھیر کو دیکھ کر اسے اپنی جان جاتی محسوس ہوئی۔

''دو ہفتے کی ہے وہ، شرم نہیں آئے گی بہن سے کام کرواتے۔'' زاہرہ بیگم نے اس شرم دلاتے کہا اور ان کی بات پر وہ ہنس پڑی۔

''اللہ اللہ اماں کیوں مبالغہ آرائی سے کام لے رہی ہیں۔آپ کی چہیتی 24 سال کی ہو گئی ہے اور آپ کہہ رہی ہیں دو ہفتے کی ہے۔'' وہ حیرت سے اپنی آنکھیں کھولتے بولی۔

''اچھا چل اٹھ اور انہیں پہلے استری کرلو اور پھر سو جانا۔''

''اماں! قسم سے میں اب تھک چکی ہوں صبح کر لوں گی۔'' وہ تھکن سے چور لہجے میں بولی۔

''عنزہ باجی۔عنزہ باجی۔یہ لیں زینیا آپی کا فون ہے۔'' اتنے میں فاروق اس کا موبائل لے کر کمرے میں داخل ہوا۔

''زینی کا فون۔''

زینیا کا نام سنتے ہی وہ بیڈ سے اُچھل کر اٹھی اور اس سے فون کو جھپٹا۔زاہرہ بیگم نے ناپسندگی سے اسے دیکھا۔

”اس کمبخت کے ساتھ بات کرنے کے لیے تیری تھکن اب دفع ہوگئی ہے۔لیکن جب ماں کام کہہ رہی تھی تب تم تھکی ہوئی تھی۔“ان کے لہجے میں زینیا کے لیے بیزاریت سی تھی۔

”اماں! پلیز مجھے زینی سے دو منٹ بات کرنے دیں اس کے بعد پکا میں کپڑے استری کردوں گی۔“ التجا کرنے والے انداز میں یقین دلاتے بولی۔موبائل کے سپیکر پر اس نے ہاتھ رکھا تھا پھر جب وہ باہر چلی گئیں تو وہ فون کو کان سے لگاتے بولی۔

”السلام علیکم میرے مکھنا۔کیسے ہو میرے رس گلے؟ کیا کررہی ہو اور آبان بھائی کیسے ہیں۔اور تم......“

”بریک لگاؤ لڑکی بریک۔“ دوسری طرف زینیا نے اسے مزید ایک ساتھ سوال کرنے سے روکا۔عنزہ ہنس دی۔

”اچھا یار اب میرے سوالوں کا تو جواب دے دو۔“عنزہ نے کہا۔

”تمہارے سوالوں کا جواب بعد میں دیتی ہوں پہلے یہ بتاؤ نانو کو تم نے کیا کہا تھا۔تمہیں شرم نہیں آئی تھی میری شکایت لگاتے ہوئے۔“

اس کی بات پر عنزہ گڑبڑائی۔

”زینی۔“

”تم جانتی ہو عنو، آج نانو سے کتنی باتیں سننی پڑی ہیں مجھے۔کیا ضرورت تھی انہیں بتانے کی۔تم جانتی ہو وہ ٹھیک نہیں ہیں اوپر سے۔“

آبان شاہ نے اسے دیکھا جس کے چہرے پر پریشانی کے آثار ابھرے تھے۔

”زینی۔زینی۔یار نانو کو میں نے کچھ نہیں بتایا انہیں یہ سب تمہارے اس لنگور دیور نے بتایا تھا۔“ بالآخر عنزہ نے عباد شاہ کا بھانڈا پھوڑا تھا۔وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔

''واٹ۔تم عباد شاہ کی بات کر رہی ہو؟'' زینیا نے بے یقینی سے پوچھا۔

''جی ہاں اسی کی بات کر رہی ہوں۔میری طرف تمہارا اتنی جلدی خیال آ گیا اور وہ جو لنگور تمہارے پاس ہی رہتا ہے اس کی طرف تمہارا خیال نہیں گیا۔ایسی شیطانی حرکت وہ بھی کر سکتا ہے۔''

واقعی عباد شاہ کی طرف تو اس کا خیال ہی نہیں گیا تھا۔

''ہیلو زینی۔''عنزہ اسے خاموش پا کر بولی۔

''عنو! میں تجھ سے بعد میں بات کرتی ہوں پہلے اس سے تو دو ہاتھ ہو لوں۔'' یہ کہہ کر وہ فون بند کر گئی اور اس نے آبان شاہ کو گھورا جیسے اسی سے ہی یہ خطا ہوئی ہو۔

''پرنسز۔''

''شٹ اپ۔'' وہ سختی سے ہی اسے ٹوک گئی۔پھر جارحانہ انداز میں کمرے سے باہر نکل گئی لیکن عباد شاہ ابھی گھر پر نہیں تھا۔جلے پاؤں کی بلی بنے وہ کمرے میں واپس آئی اور ادھر سے ادھر چکر کاٹنے لگی۔نا جانے کیوں آبان کو اس کے خطرناک ارادے دیکھ کر عابی پر ہنسی آ رہی تھی لیکن برا پھنسا تھا وہ ہنس کر۔

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔مجھے نانو نے ڈانٹا تھا اس لیے تمہارے کمرے میں آئی ہوں۔'' وہ اسے مسکراتے دیکھ کر بولی۔

''یہ صرف میرا نہیں ہمارا کمرہ ہے پرنسز۔'' اس نے تصحیح کی لیکن اس سے پہلے وہ کچھ سخت سست کہتی اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔

''یس کم ان۔'' آبان شاہ دروازے کی طرف متوجہ ہوا۔

''بھیا! ڈنر تیار ہے نیچے آ جائیں۔یا پھر اوپر ہی لے آؤں۔'' دروازے پر فلک تھی جو

انہیں نیچے آنے کے لیے بلا رہی تھی۔
"ہم نیچے ہی آ رہے ہیں گڑیا۔" آبان نے شگفتگی سے جواب دیا اور اس کے جانے کے بعد وہ دونوں آگے پیچھے نیچے چلے آئے تھے۔

☆......☆......☆

عنزہ ابھی فون کر کے بیٹھی سوچ ہی رہی تھی کہ کاش وہ ادھر ہوتی جب زینیا عباد شاہ کی درگت بناتی۔
"اب مزہ آئے گا بچو۔ جب زینی تم سے پوچھے گی۔" وہ خیالوں میں عباد شاہ کے چہرے سے مخاطب ہوئی۔ اتنے میں موبائل کی رنگ ٹون نے اپنی طرف متوجہ کیا۔
"ہیلو سویٹی ہاؤ آر یو؟" انجانے نمبر سے واٹس اپ میسج آیا جسے پڑھ کر اس نے اکتاہٹ بھری نگاہوں سے اس میسج کو دیکھا جس کے ساتھ لو ایموجی بھی سینڈ کیا گیا تھا۔
"سویٹی کیا ہوا؟ کہیں تم ناراض تو نہیں ہو گئی۔" وقفے کے بعد ایک اور میسج آیا جس کے ساتھ سیڈ ایموجی تھا۔
"کتا، کمینہ! اگر تو میرے سامنے ہوتا نا تو تیری بوٹی بوٹی کر کے گیدڑوں کو کھلاتی۔" وہ ایسے بولی جیسے اس کا میسج سامنے نہ ہو بلکہ وہ خود اجنبی اس کے سامنے ہو۔
دو تین روز سے وہ لڑکا اسے تنگ کر رہا تھا بلکہ پیچھے ہی اس کے پڑ گیا تھا۔ اگر واٹس ایپ پر بلاک کرتی تو وہ سم پر میسج یا کبھی کال کرنے لگتا۔ اس نے ہر دفعہ نمبر بلاک کیا لیکن وہ بھی ڈھیٹوں کا سردار واقع ہوا تھا۔ نمبر بدل بدل کر اسے میسج یا کال کرتا تھا۔ ابھی اس نے نمبر بلاک کیا ہی تھا جب اسی نمبر پر کال آنے لگی۔
"ابے اوو گدھے کی اولاد، تم میں شرم حیا باقی ہے بھی یا نہیں۔ ڈھیٹ انسان تمہیں کتنی

دفعہ کہا ہے مجھے میسج نہ کیا کرو۔" وہ فون اٹھاتے ہی غصے سے چلاتے ہوئے بولی۔
"تو کوئی بات نہیں جانے جاناں، میں کال کرلیا کروں گا۔" وہ لوفرانہ انداز میں بولا۔
"تم انتہائی لوفر اور مکار قسم کے مرد ہو۔" وہ دانت کچکچاتے بولی جیسے اس کی دانتوں کے نیچے وہ لوفر ہو جسے وہ کچا ہی چبا جائے گی۔
"ہائے میں صدقے جاواں۔ کتنے پیارے نام تم نے میرے رکھے ہیں قسم سے مجھے بہت پسند آئے ہیں۔ اگر تم انہی ناموں سے بلاتی رہی تو وہ وقت دور نہیں جب مجھے تم سے بہت ہی زور قسم کا عشق ہو جائے گا۔" وہ مکاری سے ہنستے بولا۔ عنزہ کا دل چاہا وہ اس کے سامنے ہو اور بڑا سا پتھر اس کے سر پر دے مارے۔
"کاش تم میرے سامنے ہوتے۔"
"لگتا ہے مجھ سے زیادہ آپ بے تاب ہو کہ میں آپ کے سامنے آؤں۔" وہ اس کی بات کو کاٹ کر مزے سے بولا۔
"ہاں ہاں، بہت بے تاب ہوں تاکہ چکوٹے میں تمہاری اچھی طرح چٹنی بنا کر گِدھوں کو کھلا دوں بلکہ گِدھوں کو کیوں کسی گندے نالے میں پھینک دوں۔ وہ اگر کھائیں گے تو ان کی تو توہین ہو جائے گی کسی نالے یا گٹر میں ہی پھینکنا ہوگا۔ تمہاری یہی اوقات ہے۔" وہ نفرت میں اچھا خاصا اس کی موت کا نقشہ کھینچ رہی تھی۔
"اف، غصے میں تم کتنی حسین لگتی ہو گی۔ کاش اس وقت میں تمہارے سامنے ہوتا اور تمہیں جی بھر کر دیکھتا۔" وہ اس کی باتوں کا مزہ لیتے حسرت سے بولا جیسے اسے کوئی پرواہ ہی نہ ہو۔ حالانکہ وہ جتنا اسے کوس چکی تھی کوئی اور ہوتا تو چلو بھر پانی لیتا اور اس میں ڈوب جاتا اس قدر بے عزتی سے لیکن یہ صاحب تو لگتا تھا جیسے کسی چمگاڈر کی طرح اس سے چمٹ گیا تھا جان

ہی نہیں چھوڑ رہا تھا۔

''جہنم میں جاؤ گے تم۔'' وہ تنگ آ کر فون بند کر گئی اور سب سے پہلے نمبر بلاک کیا۔

''اب کرے بھلا کسی اور نمبر سے کال، ایف آئی آر نہ کٹوائی تو میرا نام عنزہ نہیں۔'' وہ موبائل کو گھورتے بولی اور اسے آف کر کے کپڑے استری کرنے کے لیے اٹھ گئی۔

☆......☆......☆

پھر ڈاکٹر عباد شاہ کی اپنی بھابھی کے ہاتھوں بے عزتی ہونا بچ گئی تھی۔ اس بیچارے کی قسمت اچھی تھی جو رات کو ہوسپٹل میں نائٹ ڈیوٹی کے باعث وہ گھر پر رات کوئی بارہ ایک بجے آیا تھا۔ جب اس کی تھانیدارنی بھابھی سو چکی تھی جس کا آج پکا ارادہ تھا اسے سبق سکھانے کا۔ وہ رات کے کھانے کے بعد کافی دیر تک اس کا انتظار کرتی رہی لیکن جب وہ نہ آیا تو بالآخر وہ سو گئی تھی۔

صبح فجر کے وقت آبان شاہ کی آنکھ کھلی۔ کاؤچ سے اٹھتے ہی سب سے پہلے اس کی نظر زینیا پر پڑی جو دنیا مافیہا سے بے خبر نرم و ملائم بیڈ پر سکون کی نیند سو رہی تھی۔ رات کو ہی اس نے اسے بیڈ پر سونے کے لیے کہہ دیا تھا اور خود کمرے میں پڑے کاؤچ پر سو گیا تھا۔

اس کی نظر اس کے چہرے سے ہوتی ہوئی بالوں پر پڑی جو سر بیڈ کے کنارے پر ہونے کے باعث نیچے فرش پر کسی آبشار کی طرح بچھے ہوئے تھے۔ وہ بے اختیار صوفے سے اٹھا اور اس کے قریب آ کر اس کے لمبے اور گھنے سنہری بالوں کو اٹھا کر آرام سے اس کے پیچھے کر کے بیڈ پر رکھ دیے پھر اس دیکھتے ہوئے دل میں ایک چھوٹی سی خواہش ابھری کہ وہ اس کے ماتھے پر بوسہ دے۔ وہ خود کو سرزنش کرتا وہاں سے اٹھ گیا۔

وہ اس کی محرم تھی۔ چاہتا تو لمحہ نہ لگاتا سوچنے میں تو ایسا کر سکتا تھا وہ کونسا جاگ رہی تھی جو

اسے پتہ چلتا۔ لیکن آبان شاہ کی سچی محبت اس کا جنون ایسا نہیں تھا کہ وہ اپنے محبوب کی بے خبری کا فائدہ اٹھاتا۔ وہ تو ڈرتا تھا کہ کہیں اسے دانستہ یا نادانستہ اسے چھونے سے وہ ناراض نہ ہو جائے اسے برا نہ لگ جائے۔

ایسا شخص اک میں نے دیکھا تھا
محبت کو محبت سے نبھاتا تھا
نہ اس میں مفاد کو دیکھتا تھا
نہ ہی اس میں نقصان کو دیکھتا تھا
جذبہ پیار کا بے غرض تھا
چاہت کے پردے میں نہ لالچ تھا
نہ ہی سودا اس میں کرتا تھا
محبوب سامنے ہوتا چھونے سے وہ ڈرتا تھا
محبت کو محبت سے نبھاتا تھا
ایسا شخص اک میں نے دیکھا تھا

زینیا کی آنکھ الارم کی آواز سے کھلی تھی جو آبان شاہ جاتے ہوئے اس کے تکیے کے پاس رکھ گیا تھا تا کہ وہ اٹھ کر نماز پڑھ لے۔ وہ سست انداز سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور کمرے کے چاروں طرف نظر دوڑائی، آبان شاہ کمرے میں نہیں تھا۔ وہ کمرے کا جائزہ لینے لگی جو انتہائی نفاست سے سجا ہوا تھا۔ ہر چیز مہنگے ترین اور نفیس برینڈ کی تھی وہ پچھلے دنوں جس کمرے میں رہ رہی تھی وہ کمرہ بھی بے حد نفاست اور خوبصورت تھا۔ اس نے سوچا کہاں وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں رہنے والی آج کتنے بڑے محل میں آ گئی تھی اس نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔

وہ سر کو ہلاتے ہنس دی۔

قسمت کے کھیل بھی نرالے ہیں۔ پہلے اسی طرح کے محل نما گھر سے نکالی گئی اور پھر اسی طرح کے گھر پر لا پٹخا جہاں پہلے ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ استہزائیہ سا ہنسی اور بیڈ سے اٹھی اور کبڈ سے سادہ سا سفید رنگ کا سوٹ نکالا جس پر ہلکی ہلکی سی کڑھائی ہوئی تھی۔ وہ واش روم میں گھس گئی تھی۔

پندرہ منٹ میں غسل کر کے وہ باہر تھی۔ پھر نماز فجر ادا کر کے وہ نیچے آ گئی۔ وہ لاؤنج سے ہوتے ہوئے نانو کے کمرے میں آئی لیکن انہیں کمرے میں نہ پا کر وہ حیران ہوئی تھی۔

"نانو کہاں چلی گئیں؟" پریشانی سے سوچا۔ وہ پلٹنے لگی جب اس کی نظر کمرے کی گلاس ونڈو پر پڑی جو کہ کھلی ہوئی تھی اور باہر لان کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

نانو وہیل چیئر پر وہیں لان میں بیٹھی ہوئی تھیں پھر اس کی نظر ساتھ بیٹھے آبان شاہ پر پڑی اور نا جانے کیوں پلٹنا بھول گئی تھی۔

وہ اس وقت سفید رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس تھا اور سر پر نماز والی ٹوپی پہنے گہری نیلی سمندر جیسی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ عنابی لب ہل رہے تھے۔ وہ شاید کچھ پڑھ رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس نے اس کے چہرے پر ایک تبسم گونہ ایک سکون سا محسوس کیا تھا۔ نا جانے کیوں اس کی طلسم خیز شخصیت اسے اپنی طرف کھینچنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اس کے گرد ایک احساس سا بندھنے لگتا تھا جسے وہ جھٹک دیتی تھی۔ ایک پرسکون احساس اسے اپنے گھیرے میں لینے لگتا تھا لیکن وہ اس کے حصار میں قید ہی نہیں ہونا چاہتی تھی۔ ایسا اس کے ساتھ کبھی نہیں ہوا تھا۔

"اوووو خدایا! یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ میں کیوں اس کی طرف بار بار دیکھتی ہوں؟ زینی کچھ تو شرم کرو؟" اس نے نظروں کا رخ پھیرتے ہوئے خود کو ڈپٹا اور باہر آ گئی۔

وہ لان میں آئی تو صبح کی ٹھنڈی ہوا نے اس کا استقبال کیا تھا۔ جون کا مہینہ تھا جس وجہ سے گرمی ہی گرمی تھی۔ حبس زدہ ماحول تھا اسی حبس زدہ ماحول میں اسے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے اس کو اندر تک سکون پہنچا دیا تھا۔ اس نے لان کے چاروں اور نگاہ دوڑائی جو مختلف پھول پودوں سے بھرا ہوا تھا۔ پودوں کی تو وہ دیوانی تھی۔ اس نے خود وقار صاحب کے گھر چھوٹے موٹے پودے لگائے ہوئے تھے۔

''نانو آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟'' وہ ان کے پاس آئی اور بنا سلام دعا کیے سیدھا نانو سے مخاطب ہوئی تھی۔

''السلام علیکم گڈ مارننگ بھابھی کیسی ہیں آپ؟'' عباد شاہ اسے دیکھ کر فوراً سلام کرتے بولا۔

زینیا نے نانو کو دیکھا جو اسے ہی غصے سے گھور رہی تھیں پھر فوراً لبوں پر زبردستی مسکراہٹ لیے بولی۔

''وعلیکم السلام۔ گڈ مارننگ عابی بھیا۔ میں بالکل ٹھیک، آپ کیسے ہیں؟'' وہ دانت چباتے دل میں غصہ اور لبوں پر مصنوعی مسکراہٹ لیے اس کی دونوں گالوں کو کھینچتے ہوئے ایسے بولی جیسے وہ اس کا چھوٹا بھائی ہو۔ وہ جو اس کے خوشگوار جواب سے عش عش کرنے والا تھا۔ حیران رہ گیا تھا۔ عباد ڈھیلے پھاڑ کر دیکھ رہا تھا اس کو دیکھ کر آبان شاہ مسکرا اٹھا۔

''بھابھی آپ تو ایسے میرا حال پوچھ رہی ہیں جیسے اس کے پیچھے آپ اپنا کوئی غصہ نکال رہی ہوں۔'' وہ اپنے گالوں کو سہلاتے ہوئے منہ سو جا کر بولا تھا۔

''اوووو عابی بھیا! بھلا مجھے کیوں آپ پر غصہ ہوگا آپ تو اتنے اچھے ہیں اتنے اچھے ہیں میں کیا بتاؤں۔'' وہ ہشاش بشاش لہجے میں اس کی تعریف کرتے بولی۔ آبان سمجھ رہا تھا کہ وہ

نانو کو دکھانے کی خاطر ایسے پیار سے بول رہی ہے اور اسے دیکھ کر بھی صاف ظاہر تھا کہ یہ سب مصنوعی ہے۔ جبکہ عباد شاہ اس کے اتنے میٹھے لہجے کو دیکھ کر بیہوش ہونے والا تھا۔ جب نانو بولیں۔

"زینی! بے وقوف کسی اور کو بنانا بیٹا میں تمہاری نانی ہوں۔ تم میری نانی بننے کی کوشش نہ کرو۔" وہ طنز کرتے بولیں۔ بھلا ایسا ہو سکتا تھا کہ وہ زینی کے مصنوعی اور فطرتی لب لہجے کو نہ پہچانتیں۔ ان کی بات وہ شرمندہ سی سر جھکا گئی تھی۔

"میں جا کر ناشتہ بناتی ہوں۔" اس سے پہلے نانو ان دونوں کے سامنے اسے ڈانتیں وہ ناشتہ بنانے کے بہانے اندر آ گئی۔

"نانو کیا وہ آپ کو بے وقوف بنا رہی تھی۔" اس کے جاتے ہی عباد شاہ نے حیرانگی سے بچوں کی طرح ان سے پوچھا جب وہ ہنس کر بولیں

"بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن میرے لال تم بے وقوف بن رہے تھے۔"

"کیا کروں نانو، میں اتنا معصوم سا جو کسی کے بھی ہاتھوں بے وقوف بن جاتا ہوں۔" وہ معصوموں جیسی شکل بنا کر بولا جیسے اس سے بڑھ کر کوئی معصوم پیدا ہی نہیں ہوا۔

"معصوم نہیں خود کو عقل سے پیدل کہو جو بے وقوف بن جاتے ہو۔" آبان شاہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے بولے۔

"آہاں۔ جو محبت کرتے ہیں نا ان میں عقل نام کا ایپ ان انسٹال ہو جاتا ہے اس لیے بے عقل میں نہیں آپ ہیں مسٹر، کیوں نانو میں نے ٹھیک کہا نا۔" وہ اسے بڑی آسانی سے بے عقل کہہ گیا تھا اور پھر نانو کو بھی اپنا ہم خیال بنانا چاہا۔

"ہاں بالکل تم نے ٹھیک کہا۔" نانو آبان شاہ کو دیکھ کر مسکرا کر بولیں۔

''اچھا اب آپ مجھے اتنے پیار سے نہ دیکھیں ورنہ میں شرما جاؤں گا۔'' اسے گھورتے پا کر وہ بولا۔ جس پر نانو اور آبان شاہ ہنس دیے تھے۔ پھر وہ انہیں وہیں چھوڑ کر خود زینیا کے پاس کچن میں آ گیا اور وہاں پڑے سٹول پر بیٹھتے اس سے مخاطب ہوا۔

''اچھا یہ بتائیں مائی لٹل پرنسز بھابھی میں آپکی کیا مدد کروں؟ میرے لائق کوئی کام ہے تو بتائیں۔''

زینیا کے چلتے ہاتھ رو کے اور اسے دیکھا۔

''ایسا کرو یہ بیلنا پکڑو اور اپنے سر پر دے مارو تا کہ میں ایک خون کرنے سے بچ جاؤں۔'' وہ دانت پیستے بولی۔

''ارے ارے وہ کیوں بھلا؟''

''کیونکہ مجھے تم پر بہت غصہ ہے۔''

''ہائے اللہ ۔ میں ٹھہرا معصوم سے کیوٹ سا بچہ۔ کیوں آیا آپ کو مجھ پر اتنا غصہ۔'' وہ اس کی بات سن کر ایک ادا سے بولا جو زینی کو ذرا نہ بھائی تھی۔

''میری نظروں سے دور ہو جاؤ ورنہ میرے ہاتھوں تمہارا قتل لازم ہے۔'' وہ غصے سے بولی۔ اس کی وجہ سے نانو نے اسے ڈانٹ پڑی تھی یہ بات وہ نہیں بھول رہی تھی۔

''عابی اٹھو یہاں سے نانو تمہیں باہر بلا رہی ہیں۔'' آبان شاہ نے اندر آتے اس سے کہا۔

''دیکھ لیں میرے بھیا آپ سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ انہوں نے تو آپ کو قتل کرنے سے بچا لیا شکریہ ادا کریں۔'' وہ جاتے جاتے بولا۔

زینیا غصے سے اسے جاتا دیکھ کر رہ گئی پھر اس نے آبان شاہ کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اسی غصے میں روٹی کو توے پر ڈالتے ڈالتے آئل کی چھینٹے اپنے اوپر گرا چکی تھی ایک سسکی سی ابھری۔

"پرنسز آر یواوکے۔" آبان شاہ پریشان سا اس کے قریب ہوا لیکن وہ فوراً پیچھے ہٹی۔

"دور رہو مجھ سے۔" وہ غصے سے چلائی اور روٹی کی سائیڈ بدلی۔ گرم آئل اس پر گرا تھا جسے فرق نہیں پڑ رہا تھا لیکن تکلیف اسے ہو رہی تھی۔ وہ تو بے رحمی سے چھپا گئی تھی اور ساتھ ہی اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار بھی نہیں دیکھ پائی تھی۔

ان سے اتنی محبت تھی نور کہ

لگتی چوٹ ان کو تو درد ہمیں ہوتا

"اپنے بھائی کو اپنے لفظوں میں سمجھا دینا کہ آئندہ وہ میرے مسئلوں سے دور رہے۔" وہ تڑخ کر بولی۔

آبان نے اسے دیکھا جو روٹی کو توے سے اتار کر چولہے کو بند کرتی اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"پرنسز! اتنا غصہ نہیں کیا کریں صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔" وہ کمال مہارت سے اپنے تکلیف زدہ تاثرات چھپا گیا تھا۔

"اب تم مجھ بتاؤ گے کہ مجھے کیا......"

"زینی۔" نانو کی آواز نے اس کے الفاظ کو دم توڑا اور اس نے دیکھا کہ کچن کے ساتھ نصب لاؤنج میں نانو اور عباد شاہ کھڑے تھے جو شاید اس کی بات سن چکے تھے۔ وہ دونوں کچن سے باہر آ گئے۔

"واہ بیٹی واہ۔ خوب میری تربیت کا صلہ دے رہی ہو۔" وہ افسوس بھری آواز سے بولیں۔ "ارے لڑکی میں نے کبھی تمہارے نانا کو ان کے نام سے نہیں بلایا تھا ہمیشہ عزت و احترام سے بلایا تھا اور تم ہو کہ سرعام اپنے شوہر سے بدتمیزی سے بات کر رہی ہو۔ کیوں خدا کو

ناراض کر رہی ہو زینی۔"

غم غصہ صدمہ کیا کچھ نہیں تھا ان کے لہجے میں۔

"اور آبان بیٹا! عابی صحیح کہہ رہا تھا کہ تم عقل سے پیدل ہو گئے ہو۔ تم سے اگر یہ بدتمیزی کر رہی ہے تو ابھی اسے سمجھا دو ورنہ یہ تو ساری عمر تم سے بدتمیزی کرتی رہے گی۔" وہ اب آبان کو ڈانٹنے والے انداز سے بولیں۔ ان کے انداز سے عباد شاہ کی تو ہنسی نکل گئی۔ زینیا نے اسے گھورا تھا۔ اس نے فوراً اپنی ہنسی روکی۔ زینیا کا ضبط چھوٹا تھا۔

"نانو! آپ میری نانو ہیں یا ان دونوں کی۔" وہ منہ بسور کر نانو سے شکوہ کرتے بولی۔

"تمہاری ہی نانی ہوں اسی لیے سمجھایا تھا۔ اگر ان کی ہوتی تو جس زبان سے تم اپنے میاں سے بات کر رہی تھی وہ گدی سے کھینچ لیتی۔"

ان کی بات پر وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"نانو۔ آپ بدل گئی ہیں۔" وہ آنکھوں میں دو موتی آنسو لیے اور بے یقینی لیتے بولی۔ آبان شاہ نے دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"تم لوگ بہت برے ہو۔ میری نانو کو مجھ سے بدظن کر دیا۔ مجھے نفرت ہے تم دونوں سے۔" وہ دونوں کو دیکھتے بولی اور آنکھوں میں آنسو لیے وہاں سے نکل گئی۔ اسے دکھ تھا نانو ایسے کیوں بول رہی ہیں۔ ایسے کیوں ڈانٹ رہی ہیں۔ آج تک انہوں نے اسے نہیں ڈانٹا تھا اور آج ان کی وجہ سے وہ اسے ڈانٹ رہی تھیں۔

اس کے وہ دو آنسو آبان شاہ کو اپنے دل پر گرتے محسوس ہوئے تھے کسی گرم سیال کی طرح۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس کے پاس جائے اور ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سینے سے لگا لے اور بولے، پرنسز یہ آنسو مجھے دے دو۔ یہ پریشانی مجھے دان کر دو تم کو بے سکون پریشان ذرا سی

تکلیف میں دیکھتا ہوں تو دکھ ہوتا ہے۔بہت دکھ ہوتا اتنا دکھ ہوتا ہے کہ اندازے سے باہر ہے

کہتے ہیں ایسے ہی نہیں کسی کی جان نکلنے لگتی ایسے ہی نہیں ذرا سی بات پر تکلیف ہوتی۔

لیکن تکلیف ہوتی ہے۔بہت ہوتی ہے۔

جب ہم کسی سے بہت بے تحاشہ محبت کرنے لگیں تو جس طرح اس کی خوشی ہمیں خوش کرتی ہے اسی طرح اس کے آنسو اس کی پریشانی بھی دکھ دیتی ہے جان نکال دیتی ہے۔۔آبان شاہ کو بھی ایسا ہی لگ رہا تھا۔

☆......☆......☆

After 3 days

''مے آئی کم ان سر۔'' وہ اپنے آفس بیٹھا ہوا تھا جب اس کی سیکرٹری نے اس سے اندر آنے کی اجازت چاہی۔

''یس کم ان۔'' اس نے سر ہلاتے کہا۔وہ ہر ماہر ما چلتی اندر آ گئی اور اس کے ٹیبل کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔پھر وہ اسے آج ہونے والی میٹنگز کے بارے میں بریف کرنے لگی تھی جب اسے نے سامنے بیزار سے بیٹھے اپنے دوست کو دیکھا۔

''ٹھیک ہے مس عدیلہ، آپ جا سکتی ہیں اور مجھے وہ ہمدانی صاحب کے ساتھ کنٹریکٹ والی فائل دیتی جائیں۔'' اس نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا۔عدیلہ نے اسے فائل پکڑائی اور کمرے سے نکل گئی۔

''آبان یار! میں بور ہو رہا ہوں اور تمہیں اپنے کام کی پڑی ہوئی ہے کیسا دوست ہے تو۔''

اسفندیار اس سے فائل کو پکڑتے بولا۔وہ جب سے آیا تھا تو اسے ہزار بار یہ کہہ چکا تھا

''تو اسفندیار، میں کیا کروں؟''

”تم اٹھو یہاں سے اور میرے ساتھ چلو۔ یار تو کتنا کنجوس ہے شادی تو چوری کر لی ہے اب ٹریٹ بھی کھلا دے چول انسان۔“ وہ اٹھتے بولا۔ اس کی بات پر آبان شاہ کھل کر ہنس دیا۔

”چل اٹھ اٹھ زیادہ ہنس ناورنہ میں فدا ہو جاؤں گا تیرا اور تیری ہنسی کا۔“ اس کا اشارہ اس کی ہنسی کی طرف تھا۔ اتنے میں آبان شاہ کا ٹیبل پر رکھا فون بجنے لگا تھا۔

”اووو بھابھی کا فون ہے کیا؟“ اس نے پوچھا لیکن آبان شاہ نے نفی میں سر ہلا ہا اور فون کو آن کرتے کان سے لگایا تھا

”السلام علیکم بھیا۔“ دوسری طرف فرحان شاہ تھا۔

”واٹ۔ بھیا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ نہیں بھیا۔ میں ابھی آتا ہوں آپ فکر نہ کریں۔“

دوسری طرف فرحان شاہ نے جو خبر اسے سنائی تھی اسے ایسا لگا جیسے آفس کی بلڈنگ اس پر گر گئی ہو۔ چہرے پر تکلیف کے آثار واضح تھے۔

”سب ٹھیک ہے۔“ اسفندیار نے اسے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

”اسفی۔“

اس نے موبائل کو جیب میں رکھتا تکلیف سے اسے دیکھا۔ پھر وہ جلدی جلدی سے وہاں سے نکلا۔ اسفندیار کو وہ ٹھیک نہیں لگا تھا اس لیے فوراً اس کے پیچھے گیا تھا۔ پتہ نہیں کیا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

ان کی گاڑی جیسے ہی اسلام آباد انٹرنیشنل ہوسپٹل کے سامنے آ کر رکی، فوراً دونوں بھائی گاڑی سے اتر کر اندر کی طرف بڑھ گئے۔ ایک ایک لمحہ ان کے لیے اذیت سے کم نہ تھا۔

دونوں بھائیوں کی چہرے پر پریشانی کے واضح آثار تھے۔انہوں نے لاہور سے اسلام بادتک سفر کیسے طے کیا تھا صرف وہی دونوں جانتے تھے۔دونوں کے دل اللہ تعالیٰ سے دعا گو تھے ۔وہ لفٹ کے ذریعے جیسے ہی سیکنڈ فلور پر پہنچے تو سامنے ہی انہیں سب نظر آ گئے تھے۔

''بابا!''عباد شاہ تو فرقان شاہ کو دیکھ کر بچوں کی طرح ان کی طرف بھاگا اوران کے سینے سے جالگا۔آبان شاہ سمیت سب نے اسے دیکھا تھا۔

''بابا۔ماما۔''اس سے بولا نہیں جارہا تھا۔۔

''عابی بیٹا! کیا ہو گیا ہے؟''انہوں نے اسے الگ کیا۔

''رونا تو بند کرو۔''انہوں نے اسے بچوں کی طرح روتے دیکھ کر کہا۔

''نوین گڑیا۔''آبان شاہ بھابھی کے ساتھ لگی نوین کو روتا دیکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

''بھیا پلیز مما کو بولیں ناں وہ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔مجھ سے انہیں تکلیف میں نہیں دیکھا جارہا۔''وہ رو رہی تھی سب ان کے لیے دعا کر رہے تھے۔

''ہاں وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی گڑیا،آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔وہ ضرور آپ کی دعا سنیں گے اللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنے بندوں کو مشکل وقت میں اکیلا نہیں چھوڑتے۔''وہ اپنی چھوٹی بہن کے آنسو صاف کرتے بولا۔

جویریہ شاہ کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور آئی سی او میں تھیں۔فرحان شاہ کی کال سے وہ دونوں بھائی پہلی فلائٹ سے وہاں پہنچے تھے۔

''ایکسکیوز می شاہ صاحب۔''اسی لمحے ڈاکٹر وہاں آ گیا تو سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے آپ ان سے مل سکتے ہیں۔''ڈاکٹر نے انہیں بتایا تو سب کی

زبانوں سے بے اختیار اللہ کا شکر ادا ہوا تھا۔ پھر سب ان سے ملنے اندر چلے گئے تھے۔ اتنے میں عشاء کی اذانیں ہونے لگیں۔

"آبان ماما کو نہیں ملو گے۔" اسے وہاں سے ہٹتا دیکھ کر فرحان شاہ بولے۔

"بھیا! آپ سب جائیں میں نماز پڑھ کے آتا ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے لیکن جلدی آنا۔"

ان کی بات پر وہ اثبات میں سر ہلاتا وہاں سے نکل گیا۔ وہ چلتا ہوا ہوسپٹل کے ساتھ بنی مسجد میں آ گیا۔ اس نے باجماعت نماز ادا کی اور اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

جویریہ شاہ کو ہوش آ گیا تھا اور سب گھر والے ان کے پاس تھے۔ عباد اور نوین دونوں بہن بھائی ماں کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔

"عابی۔ یار تم تو ڈاکٹر ہو اور ڈاکٹر ہو کر یوں بچوں کی طرح ری ایکٹ کرو گے کبھی سوچا نہیں تھا۔" فرحان بھائی نے ماحول میں چھائی سنگینی کو زائل کرنا چاہا۔

"بھائی میں ڈاکٹر ہوں تو کیا ہوا میں بیٹا بھی تو ہوں۔"

"آہاں بیٹے تو ہو۔ لیکن یار تم اچھے بیٹے ہو جو ڈاکٹر ہو کر ہم سب کو تسلی دینے کی بجائے یوں بچوں کی طرح رو رہے ہو۔" فرقان شاہ بھی بولے بغیر نہ رہ سکے۔

"بابا! آپ کو پتہ ہے میں کتنا ڈر گیا تھا جب بھیا نے بتایا تھا۔" اس نے اپنے دل کی کیفیت بتانی چاہی تھی۔

"اوہو بیٹا آپ کو پتہ نہیں یہ آپ کی مما ویسے ہی سب کو پریشان کر دیتی ہیں۔ ویسے یہ ٹھیک ٹھاک ہیں ابھی دیکھنا اٹھ کر بھاگنے لگیں گی آپ کی ماما۔ کیوں بیگم میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟" فرقان شاہ شرارتی انداز میں جویریہ شاہ کو مخاطب کرتے بولے جو ان کی بات پر مسکرا

دی تھیں۔

''بابا! آپ سے تو میں بعد میں پوچھوں گا آپ میری ماما کا خیال نہیں رکھتے نا ضرور آپ کی ہی وجہ سے یہ اس حال میں پہنچی ہوں گی۔'' وہ فوراً بولا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو عابی؟ تم اپنے بابا پر الزام لگا رہے ہو۔'' انہوں نے حیرت سے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''فرقان! بس کر دیں اب آپ بچوں کے ساتھ بچے ہی بن رہے ہیں۔'' جویریہ شاہ اپنے شوہر کو دیکھتے ہوئے بولیں جن کی اداکاری سے واقعی ماحول میں چھائی پژمردگی زائل ہوئی تھی۔

''عابی! آبان نہیں آیا کیا؟'' جویریہ شاہ کو آبان شاہ کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تو پوچھے بغیر نہ رہ سکیں۔ ان کے پوچھنے پر عباد نے کمرے میں دیکھا جہاں سب موجود تھے لیکن آبان شاہ نہیں تھا۔

''ماما! وہ نماز پڑھنے گیا ہے بس آتا ہی ہوگا۔'' فرحان شاہ نے انہیں آگے بڑھ کر تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

''السلام علیکم۔'' اتنے میں وہ کمرے میں داخل ہوا اور سنجیدگی سے سب کو مشترکہ سلام کیا۔ پھر وہ جویریہ شاہ کے پاس آ گیا۔ عباد شاہ نے اٹھ کر اسے بیٹھنے کی جگہ دی اور خود صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔

وہ پہلے ماں کے پاس آیا اور پیار سے ان کا سر منہ چوما اور پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اس کا ماں سے پیار کرنے کا انداز ہی نرالا تھا سب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

''میری ڈاکٹر سے بات ہو گئی ہے۔ آپ جلد ٹھیک ہو جائیں گی پریشان نہیں ہونا۔'' وہ

ان کے ہاتھ کولبوں سے لگاتے بولا تھا۔وہ ماں کو تسلی دے رہا تھا جویریہ شاہ تو اپنے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں۔انہوں نے سامنے کھڑی طیبہ شاہ کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں یہ دیکھو یہ میرا بیٹا ہے جو اپنی ماں سے اتنا پیار کرتا ہے اور وہ کیسے ان کی بات ٹال سکتا ہے۔

''بابا! آپ سب گھر چلے جائیں میں یہیں ماما کے پاس رکوں گا۔'' وہ فرقان شاہ سے مخاطب ہوا جب عابی بولا۔

''اور میں بھی۔''

جویریہ شاہ کو کل صبح ڈسچارج کیا جانا تھا اس لیے آج رات ان کے پاس عباد اور آبان شاہ رک گئے تھے باقی سب نے گھر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

''بیٹا! ذرا باہر آنا میری بات سننا۔'' عثمان شاہ نے آبان شاہ کو کمرے سے باہر آنے کا کہا اور کمرے سے نکل گئے۔باقی سب پہلے ہی باہر نکل چکے تھے۔

''ماما میں ابھی آیا۔'' وہ انہیں آنے کا کہہ کر عثمان شاہ کی معیت میں باہر نکلا۔

''جی چاچو کیا بات ہے؟''

''بیٹا! زینیا تم لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں آئی؟''

آبان شاہ نے ان کے چہرے پر پریشانی کے واضح تاثرات دیکھے تھے۔

''چاچو یہ سوال آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟'' وہ استہزائیہ سا ہنسا اور عثمان شاہ شرمندہ ہو گئے۔

''مین اب خود جاؤں گا اپنی بیٹی کو لینے۔اسے ساری سچائی بتا دوں گا۔اس سے معافی مانگ لوں گا لیکن اسے اب یوں لاوارثوں کی طرح رہنے نہیں دوں گا۔'' وہ دل ہی دل میں ایک فیصلہ کرتے بولے۔

”چاچو کیا ہوا، کیا سوچ رہے ہیں؟“ انہیں گہری سوچ میں غرق دیکھ کر استفسار کیے بغیر نہ رہ سکا۔

”کچھ نہیں۔ اچھا میں چلتا ہوں۔“ وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر وہاں سے نکل گئے۔ آبان شاہ کی نظروں نے دور تک ان کا پیچھا کیا تھا ابھی وہ کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔

”السلام علیکم۔“ اس نے فون اٹھایا اور سلامتی بھیجی۔ دوسری طرف اسفندیار تھا جو اس سے جویریہ شاہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

”الحمدللہ، ماما کو ہوش آ گیا ہے ان شاءاللہ صبح ڈسچارج مل جائے گا۔ اچھا اسفی، میری بات سنو جب تک میں نہیں آ جاتا تب تک پلیز نانو کا خیال رکھنا۔ اور تمہاری بھابھی کو کہیں بھی جانا ہوا تو پلیز تم ہی لے کر جانا۔ ڈرائیور کے ساتھ کہیں بھی مت جانے دینا۔“ ادھر ادھر کی بات کر کے اس نے اسے ہدایت دی۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اس کے کہے بغیر ہی ایسا کرے گا لیکن پھر بھی وہ اسے ہدایت کرنا نہیں بھولا تھا۔

پھر وہ فون بند کر کے جویریہ شاہ کے پاس آ گیا تھا۔ وہ اب غنودگی میں چلی گئی تھیں۔ عباد شاہ بھی اٹھ کر ڈاکٹر سے ملنے چلا گیا تھا۔ وہ وہیں کمرے میں پڑے ڈبل صوفے پر بیٹھ گیا اور سر کو صوفے پر ٹکا کر بیٹھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

Before 3 days

”نانو! آپ کو انہیں ڈانٹنا نہیں چاہیے تھا آپ کے رویے نے انہیں دکھ دیا ہے۔“ اس کے جانے کے بعد آبان شاہ نانو سے بولا۔

"تو وہ کیا کر رہی ہے؟ کیا تم نہیں جانتے؟" انہوں نے اس سے پوچھا۔

"نانو وہ جو بھی کر رہی ہیں کرنے دیں۔ پلیز انہیں ڈانٹیں مت۔ اگر وہ اپنے رویے سے سالوں کا اپنے اندر جمع کیا ہوا غبار نکال رہی ہیں تو نکالنے دیں۔" اس کا انداز التجائیہ تھا۔

"وہ بے وقوف ہے، تم بھی اس کے ساتھ بے وقوف ہو گئے۔" وہ طنز کرنے والے انداز میں بولیں۔ جس سے اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"بالکل دادو، بھائی جان تو اپنی پرنسز کے رنگ میں رنگ چکے ہیں۔" عباد شاہ نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"چلو اب باتیں چھوڑو اور ناشتہ کرلو۔" انہوں نے ان کی توجہ ناشتے کی طرف کروائی جہاں کوثر بی ناشتہ ڈائننگ ٹیبل پر لگا رہی تھیں۔

"جی آپ لوگ شروع کریں میں ذرا......"

"کوئی ضرورت نہیں، آجائے گی وہ خود۔" نانو نے اس کی بات درمیان میں ہی ٹوک دی۔ وہ اپنا سا منہ لے کر انہیں دیکھنے لگا جب عباد شاہ بولا۔

"اوہو دادو، جانے دیں۔ زینیا نہ ہو اور آبان شاہ کا نوالہ حلق سے اتر جائے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کیوں بھائی جان میں نے ٹھیک کہا ناں؟" عباد شاہ نے اسے دیکھا جو اس کی بات کا جواب دیے بغیر وہاں سے نکل گیا تھا۔

وہ زینیا کو ڈھونڈنے کے لیے باہر نکلا تو وہ اسے سامنے ہی پودوں کے پاس بیٹھی ہوئی نظر آگئی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ اسے دیکھتے ہی ناگواری سے بولی۔

"آپ کو بلانے آیا ہوں پرنسز، اندر آکر ناشتہ کرلیں نانو انتظار کر رہی ہیں۔" وہ اس کے

ناگوار لہجے کو نظر انداز کرتے پیار سے بولا۔اس کی آنکھوں میں اس کے لیے عشق، محبت اور دیوانگی کا ایک جہان آباد تھا جسے زینیا نے دیکھا اور اسے اپنی سانس جیسے رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔وہ ایک لمحہ بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ نہیں سکی اور فوراً اس نے اپنا رخ پھیر لیا۔

''یہ مجھ سے نفرت کیوں نہیں کرتا؟ میں اس کے ساتھ کس قدر برے طریقے سے بات کرتی ہوں، یہ مجھ پر چیختا چلاتا کیوں نہیں، یہ غصہ کیوں نہیں ہوتا؟'' وہ دل ہی دل میں خود سے سوالات کر رہی تھی۔وہ سمجھتی تھی کہ شاید وہ دکھاوا کرتا ہے لیکن اپنے ہی خیالات اسے غلط لگنے لگتے تھے کہ بھلا دکھاوا کرنے والے بھی اتنے پرسکون رہتے ہیں۔

''پرنسز کیا سوچ رہی ہیں آپ؟''

آبان شاہ کی آواز سے سوچوں کے تمام دھاگے ٹوٹے تھے۔

''چلیں اندر؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔وہ کوئی بھی بات کہے اور سنے بغیر اٹھی اور اس کے پیچھے پیچھے اندر چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

ساری ینگ پارٹی حویلی کے وسیع ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی مووی دیکھ رہی تھی۔ایک صوفے پر نوین شاہ اور شعیب شاہ بیٹھے ہوئے تھے جبکہ ان کے ساتھ دوسرے صوفے پر فرحان بھائی ان کی بیگم اور شاہ زیب شاہ بیٹھے ہوئے تھے۔

''اف آپی مجھے تو چھوڑیں۔یہ کیا بلیوں کی طرح ناخن گاڑ رہی ہیں آپ۔'' شعیب شاہ کی جھنجلائی ہوئی آواز آئی۔

''پلیز شابی، تم تو چپ رہو۔'' شاہ زیب شاہ نے ایک نظر اسے دیکھ کر خاموش کروایا۔

وہ سب اس وقت ڈراؤنی فلم دیکھ رہے تھے جس سے سدا کی نازک دل نوین بھی شعیب

شاہ کے پیچھے اپنا منہ چھپاتی اور کبھی سختی سے اس کے بازو کو پکڑ لیتی جس سے وہ کافی حد تک تنگ آچکا۔ابھی وہ جو اس سے الگ ہو کر دور جا کر بیٹھا مزے سے دیکھ ہی رہا تھا جب لاؤنج میں نوین شاہ کی فلک شگاف چیخ بلند ہوئی۔

"بس کر دیں آپی، یہ آپ پھٹے ہوئے ڈھول کی طرح کیوں چیخ رہی ہیں۔" شاہ زیب شاہ بدمزگی سے بولا۔

"تم دونوں بہت ہی ذلیل انسان ہو۔کوئی اور فلم نہیں ملی دیکھنے کے لیے جو یہی لگا دی۔" وہ اپنے دل کو سنبھالتے بولی۔

"بھائی! ٹی وی کیوں بند کیا آپ نے؟" فرحان شاہ نے اٹھ کر ٹی وی بند کیا جب وہ حیرانگی سے بولا۔

"بھیا! کہیں آپ بھی تو آپی کی طرح ڈر نہیں گئے؟"

"ڈرو تو تم دونوں بیٹا، وہ دیکھو تم لوگوں کی مما آرہی ہیں۔" فرحان شاہ نے ان دونوں کو طیبہ شاہ کی طرف متوجہ کیا جو ان کی طرف ہی آرہی تھیں۔

"شاہ زیب، شعیب! تم دونوں نے اپنا ہوم ورک مکمل کر لیا جو یہاں پر فارغ بیٹھے ہوئے ہو؟" طیبہ شاہ ان کے نزدیک آکر بولیں۔

"نہیں خالہ جانی، یہ تو جب سے کالج سے آئے ہیں یہاں پر بیٹھے موی دیکھ رہے ہیں۔ ہوم ورک کب مکمل کیا انہوں نے۔" نوین شاہ فوراً ان کی شکایت لگاتے ہوئے بولی۔

"کیا؟" انہوں نے اپنے دونوں شرارتی بیٹوں کو دیکھا جو نوین کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"اللہ کرے نوین آپی، آپ جلدی سے رخصت ہو جائیں اور کبھی لوٹ کر اس گھر میں نہ

آئیں۔'' دونوں نے یک زبان ہو کر اپنا غصہ نکالا جس پر فرحان بھائی اور رانیہ بھابھی ہنس دیں کیونکہ جو بات نوین کو بری لگتی تھی اسی کی انہوں نے اسے دعا دی تھی جو کہ اسے بددعا کی طرح لگتی تھی۔

''رخصت تو تم دونوں کو میں کروں گی، ذرا ادھر آؤ۔'' طیبہ شاہ غصے سے ان کی طرف بڑھیں لیکن وہ کہاں ان کے ہاتھ آنے والے تھے فوراً بھاگ گئے۔

''او شٹ۔'' وہ جو اپنے ہی دھیان میں بھاگ کر باہر نکل رہے تھے باہر سے آتی ماہ رخ سے ٹکرا گئے۔

''تم دونوں اندھے ہو کیا؟'' وہ جو پہلے ہی غصے میں بھری ہوئی تھی ان سے ٹکرانے کے باعث اس کے غصے کو جیسے اور ہوا ملی تھی۔

''نہیں۔ وہ تو آپ ہو۔'' وہ فوراً بولے۔

''شٹ اپ۔'' ان کے جواب سے وہ چیخی۔ اتنے میں طیبہ شاہ، فرحان اور رانیہ بھی آ گئے تھے۔

''ماہی۔'' طیبہ شاہ تو اسے وہاں دیکھ کر حیران ہوئیں۔

پیچ کلر کی ڈھیلی ڈھالی شرٹ اور سفید جینز پہنے، ڈائی کیے ہوئے بالوں کو پونی میں قید کیے، ماتھے پر چوٹ کا نشان لیے وہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھیں جبکہ وہ ناگواری سے پیچھے ہوئی اور بولی۔

''جوہی پھوپھو کدھر ہیں؟ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔'' اس نے جویریہ شاہ کا پوچھا جو ابھی اپنے کمرے سے باہر آئی تھیں۔ وہ بھی اسے دیکھ کر حیران ہوئیں کیونکہ اس دن کے بعد نہ تو وہ گئی تھیں اور نہ ہی ندیم شاہ نے ان کا حال احوال دریافت کیا تھا۔

”کیا کہا تھا آپ نے؟“ وہ ان کو دیکھ کر فوراً بولی۔

”ماہی۔“ وہ اس کے نزدیک آئیں جبکہ وہ بدکی۔

”آپ نے کہا تھا ماہی آبان شاہ صرف تمہارا ہے۔ تو اب اس کی زندگی میں زینیا کیسے آ گئی پھوپھو؟ وہ تو مر چکی تھی۔ وہ زندہ کیسے ہو گئی؟“ وہ غم و غصے کی شدت میں ان سے پوچھ رہی تھی۔

”ماہی! میری جان تم......“

”نہیں پھوپھو، آپ میری بات سنیں اور اپنے بیٹے کو بھی بتا دیں۔ وہ صرف میرا ہے صرف ماہ رخ کا۔ جو میرا ہے اسے میں چھین کر رہتی ہوں اس کے لیے بھلے مجھے اس زینیا کو کیوں نہ مارنا پڑے۔“ اس کے لہجے میں ایک سختی تھی کچھ کر گزرنے کا جیسے ایک عزم تھا۔ وہ محبت کے ایسے موڑ پر آ چکی تھی جہاں واپسی کا راستہ ناممکن تھا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو چکی تھی۔

”اووو ہیلو مس ماہ رخ، وہ کوئی آپ کی باربی ڈول نہیں جو آپ کو نہیں ملی تو آپ چھین لیں گی۔ وہ آبان شاہ ہیں، صرف ہمارے اپیا کے ہیں۔ آپ ہوتی کون ہیں ان پر حق جمانے والی۔“ شعیب شاہ نے اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

”بالکل آپ یہ مت بھولیں کہ ان کے ساتھ ہم سب ہیں خاص طور پر آبان بھائی۔“ شاہ زیب شاہ کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔

ماہ رخ کی باتوں نے تو ان کو ایک قسم کا ڈرا ہی دیا تھا کیونکہ اس کے ارادے ہی خطرناک لگ رہے تھے لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری، بالکل اچھے بھائیوں کی طرح زینیا کا ساتھ دیا تھا۔

بہن بھائی کا پیار ہی ایسا ہوتا ہے کوئی دوسرا ان کو نقصان پہنچانے کا سوچے بھی تو جلدی سے ان کی ڈھال بن جاتے ہیں۔

"شازی، شابی! آپی ہے تم لوگوں کی۔ ایسے بات کرتا ہے کوئی۔" طیبہ شاہ کو ان کی زینیا کی حمایت کرنا اچھا نہیں لگا تھا تو کڑے تیوروں سے انہیں گھورا۔

"بالکل ہماری آپی ہیں لیکن یہ چڑیل نہیں، زینیا آپی ہماری اپیا ہیں۔" وہ دوبدو بولے۔ فرحان بھائی اور رانیہ بھابھی تو ان دونوں کی دیدہ دلیری پر مسکرا دیے تھے۔

"تم دونوں کو تو بعد میں دیکھ لوں گی۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولی اور جس طوفان سے وہ آئی تھی اسی طرح واپس چلی گئی۔ جویریہ شاہ تو اپنے چکراتے سر کے ساتھ کمرے میں چلی گئیں۔ طیبہ شاہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلی گئیں۔

"جانی! نا جانے کیوں مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔" رانیہ شاہ کانپتے لہجے میں بولیں۔ شعیب شاہ اور شاہ زیب شاہ بھی باہر نکل گئے تھے اور نوین بھی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

"ہیں وہ کیوں؟" انہوں نے حیرت بھری نگاہوں سے اپنی بیگم کو دیکھا۔

"آپ دیکھ نہیں رہے تھے ماہ رخ کے تیور۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسا وہ کہہ گئی ہے وہ سچ میں کر گزرے گی۔ اس پر جیسے جنون سا طاری ہے۔ جانی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے زینیا بیچاری تو ابھی......"

"ششش۔" وہ جو اپنے دل میں ابھرتے خوف کو ان سے شیئر کر رہی تھی جب فرحان شاہ نے انگلی کے اشارے سے انہیں خاموش کرواتے ہوئے ان کی بات کو ٹوک دیا۔

"ہماری زینیا کمزور پناہوں میں نہیں ہے رانیہ، وہ آبان شاہ کی سنگت میں ہے جو خود تو تکلیف سہہ لے گا لیکن اپنی پرنسز پر کوئی آنچ بھی آنے نہیں دے گا۔" وہ کسی گہری سوچ میں

ڈوبتے ہوئے بولے تھے۔ رانیہ شاہ نے انہیں دیکھا جن کی آنکھوں میں اپنے بھائی کے لیے بے انتہا پیار تھا۔

''اور جہاں تک بات ماہ رخ کی ہے وہ کچھ نہیں کرے گی، دو دن شور مچائے گی، واویلا کرے گی خود بخود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' ان کی بات پر رانیہ بھابھی سچے دل سے بولیں۔

''ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔''

وہ دل سے ان کی خوشی بھری زندگی کے لیے دعا گو تھے لیکن نہیں جانتے تھے کہ ابھی آزمائش ختم نہیں ہوئی تھی۔ ابھی تو بہت سے کٹھن راستے طے کرنے تھے۔ ابھی تو بہت کچھ سہنا باقی تھا۔

☆......☆......☆

''ارے زینیا بیٹی! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔'' کوثر بی اسے کچن میں چولہے کے پاس کھڑی دیکھ کر حیران ہوئیں۔

''نانو کے لیے سوپ بنا رہی ہوں۔'' مختصر جواب دیا۔

''تو بیٹا، مجھے کہہ لیتی میں بنا دیتی آپ نے کیوں تکلیف کی۔''

وہ اس کے معصومیت بھرے چہرے پر دل ہی دل میں نظر اتار رہی تھیں اور فوراً اپنی نگاہیں ہٹا لیں کہیں ان کی ہی نظر نہ لگ جائے۔

''ارے کوثر بی، اپنے پیاروں کا کام کر کے تکلیف نہیں ہوتی بلکہ راحت سی ملتی ہے۔'' وہ ہنستے بولی اور ساتھ ہی چولہے کو بند کر کے سوپ کو باؤل میں انڈیلنے لگی۔

''آپ کیا کرنے لگی ہیں؟'' وہ انہیں کچن میں بنے چھوٹے کیبن سے کچھ نکالتے

دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''بھئی رات کا کھانا بنانے کی تیاری کرنے لگی ہوں۔ دونوں بھائیوں کی فرمائش ہے کہ آج دال چاول رات کے کھانے میں ہوں۔ آپ کیا کھاؤ گی بیٹی، آپ بھی بتادیں۔''

''ہمم، تو یہ بات ہے۔ آپ ایسا کریں یہ نانو کو دے آئیں اور خود پاس بیٹھ کر انہیں پلائیے گا۔ میں رات کا کھانا بنا لیتی ہوں۔'' اس نے انہیں سوپ والا باؤل پکڑاتے ہوئے کہا۔

''آئے ہائے بیٹی میں تو تجھے......''

''کوثر بی، کچھ نہیں ہوتا میں بھی اچھا کھانا پکا لیتی ہوں۔'' وہ انہیں ٹوکتے ہوئے بولی۔

''نہیں بیٹی ایسی بات نہیں ہے۔''

''چلیں کوثر بی جیسی بھی بات ہے آپ بس نانو کو یہ پلا کر میڈیسن دے دیں باقی یہاں کا کام میں سنبھال لیتی ہوں۔'' وہ انہیں وہاں سے بھیج کر خود اپنے کام میں جت گئی تھی۔ اس نے دال چاول کے ساتھ چکن منچورین بنانے اور سوئٹ ڈش بنانے کا سوچا کیونکہ وہ جب سے آئی تھی اس نے دیکھا تھا یہاں روزانہ دو تین ڈشز ضرور بنتی تھیں۔

''واہ واہ کیا خوشبو آرہی ہے۔'' عباد شاہ سیدھا کچن میں آیا اور سامنے زینیا کو کام کرتے دیکھ کر حیرتوں کے جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

''جو میں دیکھ رہا ہوں کہیں خواب تو نہیں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھا اور وہ جو فریج سے دودھ نکالنے کے لیے مڑی تھی اور اس کے ساتھ زبردست قسم کا تصادم ہوا تھا۔

''ستیاناس ہو تمہارا۔'' اپنے سر کو سہلاتے جیسے ہی اس کی نظر اس پر پڑی تو سارا غصہ ناک پر دھر لیا۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں، یہاں کیا کر رہے ہو؟''

"اف عباد شاہ، یہ خواب نہیں یہ جھانسی کی رانی سچ میں یہاں پر موجود ہیں۔" وہ سر کو کھجاتے ہوئے بڑبڑایا۔

"کیا بک رہے ہو۔ میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔" وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ک۔ک کچھ نہیں، میں تو پانی لینے آیا تھا۔" اس نے ہکلاتے ہوئے بہانہ بنایا۔

"پیچھے ہٹو، میں نکال دیتی ہوں۔" اس نے اسے پیچھے ہٹاتے فریج سے پانی والی بوتل نکال کر اس کو پکڑائی جسے وہ لے کر فوراً کچن سے نکلا جب اس نے پیچھے سے پکارا۔

"تمہارا بھائی کب تک آئے گا؟" یہ پوچھنے کی دیر تھی اس نے پورا کا پورا گھوم کر اسے دیکھا۔

"ایسے گھور کیا رہے ہو؟ میری بات کا جواب دو۔" اسے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھتے پا کر وہ ناگواری سے بولی۔

"مم۔مم۔میں پوچھ کر بتاتا ہوں۔" وہ فوراً وہاں سے کھسکا۔

"اف، یہ جھانسی کی رانی کو آج کیا ہو گیا۔" اس نے موبائل جیب سے نکالا اور آبان کو کال ملانے لگا۔ دوسری بیل پر ہی اس نے فون اٹھا لیا تھا۔

"ہیلو بھائی آپ کہاں ہیں اس وقت؟" اس نے چھوٹتے ہی اس سے پوچھا۔

"عابی! تم نے یہ پوچھنے کے لیے مجھے کال کی ہے۔" دوسری طرف وہ جو اپنے ایمپلائز سے کسی اہم موضوع پر ڈسکشن کر رہا تھا عباد شاہ کی بے وقت کال کرنے پر حیران ہوا تھا۔

"نہیں، آپ کو یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ آپ جہاں بھی ہیں جلدی سے گھر آجائیں۔"

"کیوں سب خیریت ہے؟"

"سب خیریت نہیں ہے۔ بس آپ جلدی سے گھر آجائیں۔" یہ کہہ کر اس نے فوراً فون بند کر دیا اور وہ بیچارا اس قدر پریشان ہوا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اگلے پندرہ منٹ میں رلیش ڈرائیو کرتے ہوئے گھر آیا تھا۔

"عابی! کیا ہوا، سب ٹھیک تو ہے ناں، تم نے مجھے اتنی ایمرجنسی میں کیوں بلایا؟"

وہ جو لاؤنج میں بیٹھا نانو سے باتیں کر رہا تھا اپنے بھائی کو دیکھا جس کے چہرے پر پریشانی کے واضح آثار نظر آ رہے تھے۔

"یہ تو آپ اپنی بیگم کو چیک کر کے ہمیں بتائیں کہ سب ٹھیک ہے ناں۔" وہ کچن سے نکلتی زینیا کو ایک نظر دیکھ کر شرارت سے بولا۔ اس کی بات پر نانو ہنسنے لگیں۔

"کیا مطلب؟ اس نے سوالیہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر اس کے اشارے پر مڑ کر دیکھا جہاں زینیا اس کے پیچھے کھڑی تھی۔

"پرنسز! آپ ٹھیک تو ہو۔ عابی کیا کہہ رہا ہے؟" آبان شاہ نے ایک نظر عابی کو دیکھا دوبارہ اسے اپنی نگاہوں کے حصار میں لیا۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟" وہ دل ہی دل میں یہ سوچ رہی تھی اسے کیا ہوا جو ایسے فکرمندی سے پوچھ رہا ہے۔

"ارے یہ بالکل جھوٹ بول رہی ہیں۔ میں بتاتا ہوں انہیں کیا ہوا ہے۔" وہ فوراً اٹھا اور ان دونوں کے پاس آیا۔

"پتہ ہے بھائی، جب میں گھر آیا تو میرا ایک بہت پیاری خوشبو نے استقبال کیا، پھر میں کچن میں داخل ہوا اور وہاں میں نے کیا دیکھا، میری پیاری بھابھی یعنی میری پیارے راج

دلارے بھیا کی پرنسز اپنے نرم نرم ہاتھوں سے کھانا بنا رہی تھیں۔اور پھر میں جب پانی لے کر باہر نکلا تو انہوں مجھے آواز دی اور پوچھا، تمہارے بھائی گھر کب آئیں گے اور پھر کیا مجھے زور کا جھٹکا لگا کہ کہیں یہ بیمار شمار تو نہیں، اسی لیے آپ کو کال ملائی کہ آ کر ذرا اپنی بیگم کو چیک تو کریں۔ ہاں میں مانتا ہوں کہ میں ڈاکٹر ہوں لیکن آپ کا چیک اپ ذرا اسپیشل قسم کا ہونا تھا اسی لیے بلایا۔ کیوں دادو؟'' نہ رکنے والی زبان سے اس نے وضاحت دی اور آخر میں نانو سے پوچھا جو اس کی باتوں پر ہنس رہی تھیں جبکہ وہ دونوں اسے کچا چبا جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

''ارے یار، آپ دونوں مجھ معصوم کو ایسی نظروں سے کیوں دیکھ رہے ہیں۔'' معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے بولا۔

''تم اور معصوم۔ یہ تو معصوموں کے ساتھ ناانصافی ہے، ارے تم تو فتور ہو فتور۔'' وہ دانت پیستے ہوئے اس کی طرف بڑھا اور اس کی گردن کو اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔

''اف دادو، بچائیں اس ظالم دیو سے مجھے۔'' اس نے دہائی دی۔

''بیٹا! چھوڑ دو اسے جانے دو۔''

''نانو! یہ بہت بدتمیز ہو گیا ہے۔ اسے تمیز سکھانی ہی پڑے گی۔'' آبان شاہ نے بھاری ہاتھ کا مکا اس کی پیٹھ پر رسید کیا۔

''آآآآ۔ ہائے مر گیا میں۔ کمر توڑ ڈالی میری۔'' وہ واویلا کرتے وہیں لیٹ گیا۔

''شروع ہو گئیں اب اس کی نوٹنکیاں۔'' زینیا وہاں سے ہٹ چکی تھی۔ اس نے تاسف سے اپنے ڈرامے باز بھائی کو دیکھا۔

''آئے ہائے بیٹا، تم بھی حد کرتے ہو۔ کوئی اس طرح بھی چھوٹے بھائی کو مارتا ہے۔''

نانو نے ڈانٹنے والے انداز میں اس سے کہا۔

''اٹھو میرا بچہ، یہاں آؤ میرے پاس۔ زیادہ تو درد نہیں ہو رہا۔'' وہ اسے اپنے پاس بٹھاتے بولیں۔

''اور جاؤ جا کر بیٹا تم فریش ہو جاؤ زینیا کھانا لگا رہی ہے۔'' نانو نے اسے جانے کا کہا۔ وہ ایک نظر اسے دیکھ کر اوپر چلا گیا۔

''یہ لڑکا کبھی مجھے سکون سے نہیں رہنے دے گا۔ ہر وقت اس کا دماغ اور زبان چلتی رہتی ہے۔ تم بھی کتنی پاگل ہو بھلا تمہیں کیا ضرورت تھی اس سے پوچھنے کی۔ مذاق بنا کر رکھ دیا ہے میرا۔'' وہ غصے میں خود سے ہی بڑبڑا رہی تھی۔

''کیا ہوا بیٹی؟'' کھانے کی میز پر کھانا لگاتی ہوئی کوثر بی نے اسے غصے میں دیکھا۔

''کچھ نہیں کوثر بی۔'' اس نے میز پر پڑے پانی والے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ایک ہی سانس میں پانی پی گئی۔

دس منٹ میں وہ سب ڈائننگ ہال میں موجود تھے۔

''بھائی! ذرا دھیان سے کھانا کھائیے گا۔ آج کھانا میری بھابھی نے بنایا ہے کہیں یہ نہ ہو کہ آپ اپنی انگلیاں بھی چبا جائیں۔'' جیسے ہی آبان شاہ نے کھانا شروع کیا تو عباد شاہ شرارت سے بولا۔

''تم تو میرے ہاتھوں نہیں بچو گے بیٹا۔'' آبان شاہ نے غصے سے کہا۔

''عباد بیٹا! بس کر دو۔ ضرورت سے زیادہ مذاق اچھا نہیں ہوتا۔'' نانو نے سختی سے اسے ٹوکا۔

وہ دونوں بھائی ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے ان کی ہی دادو ہوں تو

وہ بھی ان سے بالکل زینیا کی طرح ہی پیار کرتی تھیں۔ان دنوں میں انہیں بالکل بھی احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ اپنے گھر میں نہیں ہیں۔ وہ دونوں ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ وقت پر روزانہ چیک اپ کرواتے، میڈیسن دیتے، رات کو سونے سے پہلے ایک گھنٹہ ان سے باتیں کرتے، ان کی ٹانگیں دباتے۔انہیں دیکھ کر رشک سا آتا تھا کہ وہ کتنے اچھے ہیں۔ ہر وقت شرارت کرنے والا عباد سنجیدہ، غصے اور ملائمت سے ملا جلا آبان دونوں انہیں بہت پیارے تھے۔

"چلیں نانو آپ کو اندر چھوڑ آؤں۔" زینیا کھانا کھا کر انہیں اندر لے جانے کے لیے اٹھی۔

"نہیں بیٹا، ابھی میں یہیں بیٹھوں گی۔اندر میرا دم گھٹتا ہے۔" انہوں نے انکار کر دیا۔

"بالکل آپ ہمارے ساتھ ہی بیٹھیں گی۔" پھر وہ تینوں کھانے سے فارغ ہو کر ہال نما بنے کمرے میں آ گئے۔جبکہ زینیا سارے برتن وغیرہ اٹھانے لگی۔

"بھابھی! آپ جا کر بیٹھیں میں یہ کر لیتی ہوں۔" وہ برتن دھونے لگی جب فلک اور اسما کچن میں آئیں۔کوثر بی اپنے کوارٹر میں چلی گئی تھیں۔پھر وہ کچن سے باہر آ گئی اور انہوں نے کام کیا۔ایک بہن نے برتن دھوئے اور دوسری کافی بنا کر لے آئی۔

عباد شاہ اپنے موبائل کے ساتھ لگا ہوا تھا جبکہ آبان شاہ اور نانو آپس میں باتیں کر رہے تھے اور زینیا خاموشی سے بیٹھی اپنے ہی خیالوں میں مگن تھی جبکہ وہ اس کو بار بار دیکھ رہا تھا۔

"السلام علیکم گائز۔"

سب آنے والے نفوس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اسفی بھائی۔" عباد شاہ اسے دیکھ کر حیران ہوا۔جلدی سے اٹھا اور اس سے بغلگیر ہوا۔

"واٹ آ سرپرائز برو۔"

"اوہو نائلہ آپی بھی آئی ہیں۔ کیا بات ہے؟" وہ اب اسفند کے پیچھے کھڑی نائلہ کو دیکھ کر حددرجہ حیران ہوا۔

"ابے یار، تو کیا اب ایسے ہی منہ کھولے دیکھتا رہے گا یا پھر گلے بھی ملے گا۔" آبان شاہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ اسے تو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اسفی تم۔"

وہ دونوں تین چار ماہ بعد مل رہے تھے۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ آخر کو اس کے چائلڈ ہوڈ بڈی جو آیا تھا۔

"ارے یہ کون ہے؟" اسفی کی نظر نانو کے پاس کھڑی زینیا پر پڑی۔ نائلہ نے بھی اسے دیکھا۔

ہلکے آسمانی رنگ کا سوٹ پہنے جس کے دامن پر سفید رنگ کی ہلکی ہلکی کڑھائی ہوئی تھی لاپرواہی سے سوٹ کے ساتھ ریشمی دوپٹے کو اوڑھے ہوئے سنہری بالوں کی کئی لٹیں اس کے چہرے کو چھو رہی تھیں۔ نائلہ کو پہلی نظر میں ہی وہ کوئی گڑیا سی لگی تھی۔ سفید برف کی طرح چمکتی رنگت۔ اسے جاننے کا تجسس ہوا اور آبان شاہ کو دیکھا جو زینیا کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"سوری یار۔" وہ معذرت بھرے لہجے میں بولا۔ "نانو، یہ میرا دوست اسفند یار خان اور اسفی یہ......"

"رہنے دے تو، میں خود ہی کرواتا ہوں اپنا تعارف۔" اس نے ٹوکتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"تم تو ایسے تعارف کروا رہے ہو جیسے تیرا دوست نہ ہوں کوئی اجنبی ہوں جس سے چند

لمحے پہلی تیری ملاقات ہوئی ہو۔" وہ منہ بسور کے بولا۔ عباد شاہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ وہ ان دونوں کی نوک جھونک انجوائے کر رہے تھے۔

"السلام علیکم! میں اس کمینے، بے مروت، کھڑوس، اکڑو آبان شاہ کا جگری، معدہ، چھوٹی آنت، بڑی آنت، دل، گردہ، لبلبہ دوست اسفند یار خان۔ اس کے بچپن کا لنگوٹیا یار۔" اس نے تفصیل سے اپنا تعارف کروایا جسے سن کر عباد شاہ نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا اور وہیں زینیا بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"ایسے کرواتے ہیں تعارف۔" آبان کو اپنی طرف گھورتے پا کر وہ بولا۔

"ویسے اسفی بھائی، ابھی کافی آرگنز رہتے ہیں آپ نے تو ابھی آدھا تعارف کروایا ہے۔" عباد شاہ شرارت سے بولا۔

"اس نالائق کو بس اتنے ہی آتے ہیں۔" آبان شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا یار، ان بیوٹی فل لیڈی کا تو تعارف کروا دو۔" اسفند یار نے مسکراتی ہوئی زینیا کو دیکھا۔

"ارے اسفی بھائی! یہ بھائی جان کی پرنسز ہیں۔"

اس کی بات پر اسفند کو جھٹکا لگا اور عباد شاہ کو دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"بھائی بتائیں ناں۔" عباد شاہ نے مسکراتے ہوئے آبان شاہ کو دیکھا۔

"اسفی! یہ مسز آبان شاہ ہیں یعنی تمہاری بھابھی۔"

اسفند یار نے باری باری ان کو دیکھا۔

"تو جھوٹ بول رہا ہے ناں۔" اسے بالکل بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ نائلہ نے بے یقینی

سے اسے دیکھا۔

''ارے نہیں بیٹا، یہ سچ بول رہے ہیں۔'' بالآخر نانو نے انہیں یقین دلایا۔ کسی کی ایک موہوم سی امید ٹوٹی تھی۔ دل میں جیسے خالی پن ہونے کا احساس ہوا۔ آنسو سے بھری ان آنکھوں نے اس کا چہرہ دیکھا جس پر اس نے آج پہلی دفعہ زندگی سے بھرپور خوشی محسوس کی تھی۔

''اچھا بچو، آپ لوگ باتیں کرو میں ذرا آرام کرلوں۔ ان شاءاللہ صبح ملاقات ہوگی۔'' نانو شگفتگی سے بولیں۔ پھر زینیا انہیں کمرے میں لے گئی۔ ان کے جاتے ہی وہ آبان شاہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''یعنی بے وفا انسان، تو نے شادی کرلی اور ہمیں بتایا بھی نہیں۔'' اس نے شکوہ بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''سوری یار، دراصل وہ......''

''بھاڑ میں گیا تیرا سوری۔'' وہ اس کی بات کاٹتے بولا۔ اسے افسوس ہوا تھا۔

''اگر آج بھی نہ آتا کل کو تو دو بچوں کی انگلیاں پکڑ میرا تعارف کروا رہا ہوتا، بچو ان سے ملو یہ ہے تم لوگوں کا چاچا اور چاچے کو علم ہی نہ ہوتا کہ اس کے بھائیوں جیسے یار کی شادی کب ہوئی۔''

''ہاہاہاہا۔ ڈونٹ وری اسفی بھائی، ایسا ابھی کوئی چانس نہیں۔'' عباد شاہ نے ذو معنی انداز میں قہقہہ لگایا۔

''عابی۔'' آبان شاہ نے تنقیدی نگاہوں سے اسے گھورا۔

اتنے میں ملازم کول ڈرنکس اور دوسرے لوزامات لیے حاضر ہوئے اور ان کے پیچھے پیچھے

ہی زینیا نانو کو کمرے میں چھوڑ کر وہاں آ کر بیٹھ گئی۔ یہ بھی نانو کا حکم تھا کہ مہمانوں کی خاطر مدارت کرے۔ اپنے کمرے میں مت چلی جانا۔

"چل یار یہ ٹھنڈا ٹھنڈا جوس پی اور اپنا غصہ کم کر۔" آبان شاہ کو اس کا روٹھا روٹھا چہرہ ہنسی دلا رہا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر ہی اسے چھپایا ہوا تھا اور عباد شاہ کو بھی بتانے سے منع کر دیا تھا۔

"میں نے بھی سوچا کہ یہ آبان شاہ کے چہرے پر رنگ برنگی روشنیاں کیوں جگمگا رہی ہیں۔ ابے یار مجھے نہیں معلوم تھا اس کے پیچھے یہ وجہ ہوگی۔" اس کا صدمہ کسی طور پر بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

"میرے نزدیک مت بیٹھ اور نہ ہی مجھ سے تو بات کرنے کی کوشش کر۔" وہ روٹھی حسینہ کی طرح اٹھا اور جا کر عباد شاہ کے پاس بیٹھ گیا۔

"لو جی۔ بھائی جان کی ابھی پہلی دلہن راضی نہیں ہوئی کہ دوسری بھی ناراض ہو گئی۔" اس کا اشارہ اسفی کی طرف تھا۔ نائلہ ایک کرب کے ساتھ وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے تو ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کا دل بند ہو جائے گا۔ وہ تو کتنی خوش تھی کہ وہ اتنے دیر بعد آبان شاہ کو اپنے روبرو دیکھے گی لیکن کہاں علم تھا کہ وہ شادی بھی کر لے گا۔

"نماز کا وقت ہو گیا ہے، میں نماز پڑھ آؤں تب تک تم اپنا غصہ ٹھنڈا کر۔" وہ ہنستے ہوئے اٹھا۔

"دیکھا نائلہ، یہ میرا دوست رہا ہی نہیں یہ بدل گیا ہے۔" صدمے سے اس نے نائلہ کو مخاطب کیا۔

"مجھے تو ان کے نکاح کے بعد ہی معلوم ہو گیا تھا اسفی بھائی۔" آبان شاہ ہنستے ہوئے ان کو

جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے چھوڑ کر نماز پڑھنے چلا گیا۔

''ارے نائلہ آپی، آپ کو کیا ہوا۔ لگتا ہے آپ کو حد سے زیادہ شاک پہنچا ہے بھائی جان کی شادی کا۔'' عباد شاہ خاموش بیٹھی نائلہ کو مخاطب کرتے گویا ہوا۔ اسفند یار نے فوراً اسے دیکھا۔ بھلا وہ کیسے بھول گیا تھا کہ اس کے دل پر کیا بیت رہی ہو گی۔

''اسفی! مجھے تھوڑی سی امید ہے کہ شاید میری محبت اسے میرا بنا دے۔ ایک ہلکی سی امید ابھی زندہ ہے۔'' نائلہ کی آواز جیسے اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ اس نے دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں کرب کے آنسو جسے چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

یہ نادان دل بھی پتہ نہیں کیوں ایک سراب کی آس لگائے رکھتا ہے۔ جب اسے معلوم ہی ہوتا ہے کہ وہ جتنا مرضی اس کے لیے تڑپے وہ اس کا نہیں ہوگا تو پھر بھی ڈھیٹوں کی طرح اسی کی رٹ لگائے ہوتا ہے۔ محبت ہونے میں تو لمحہ لگتا ہے جب ہو جاتی ہے تو یہ سائے کی طرح آپ کے ساتھ رہتی ہے۔

''دراصل نائلہ بہت تھک چکی ہے اس نے تو راستے میں ہی بچوں کی طرح شور مچانا شروع کر دیا تھا کہ اسے نیند آ رہی ہے تو میں نے ہی محترمہ کو کہا کہ ذرا صبر کر لیں اور نہ سونے کی التجا کی ورنہ میرے لیے مشکل ہو جاتی۔'' اسفند یار نے مسکراتے ہوئے اسے وضاحت دی اور اس کی مشکل آسان کی۔

''اووو تو یہ بات ہے۔''

''چلیں آئیں، آپ آرام کر لیں میں آپ کا روم دکھا دیتی ہوں۔'' خاموش بیٹھی زینیا کو اس کی تھکاوٹ کا احساس ہوا۔ اس کی ناراضگی اپنی فیملی کے ساتھ تھی مہمانوں کے ساتھ نہیں۔ اس لیے ایک اچھے میزبان کا فرض نبھا رہی تھی۔ نائلہ ہارے ہوئے دل کے ساتھ اٹھی۔

"کتنی خوبصورت ہے، کتنی معصوم، کیا آبان شاہ اس سے محبت کرتا تھا؟ تو کیا میں خوبصورت نہیں؟ اسے مجھ سے محبت کیوں نہیں ہوئی۔" وہ زینیا کو دیکھتے ہوئے بچوں کی طرح خود سے سوال کر رہی تھی۔

"آآآ۔" اچانک چلتے چلتے اس کا پاؤں مڑا اور درد بھری سسکی نکلی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" زینیا نے اسے سہارا دیا۔

"یس ایم فائن۔ تھینکس۔" وہ مسکراتے ہوئے سیدھی ہوئی۔

"یہ آپ کا کمرہ ہے۔ اگر کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے یا پھر کوثر بی کو بتا دینا۔"

"بہت شکریہ۔" وہ بہت مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ بس آرام کریں صبح بات ہوگی ان شاء اللہ۔ شب خیر۔" وہ اسے کمرے میں چھوڑ کر چلی گئی اور نائلہ اس کی کمر سے آتے گھنے سنہری بالوں کو دیکھ کر رہ گئی۔

"آرام کیسے کر لوں؟ میرے ارمانوں کا یہاں خون ہوا ہے۔ ایک خواب، ایک ہی خواہش تھی۔ خواب ٹوٹی کرچیوں کی طرح میرے دل میں جیسے پیوست ہو رہا ہے۔ خواہش حسرت بن گئی ہے۔ میں کیسے آرام کر لوں۔" وہ وہیں دروازہ بند کیے سسکیوں سے رو رہی تھی۔ ایک طوفان تھا دل پر جو گزر رہا تھا۔ نا جانے اس طوفان نے کیا کرنا تھا؟

☆......☆......☆

وہ سارے دن کی تھکی ہاری رات کو جیسے ہی اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹی اسے جیسے اپنا انگ انگ دکھتا سا محسوس ہوا تھا۔ اس نے اپنا موبائل آن کیا جہاں فیس بک سے نوٹیفکیشن آئے ہوئے تھے۔ اس نے تجسس کے ہاتھوں جلدی جلدی لاک کھولا اور فیس بک آن کیا تو کسی ڈرامہ کوئین کے نام پر فرینڈ ریکوئسٹ آئی ہوئی تھی۔

اس نے ریکوئسٹ ایکسیپٹ کرنے سے پہلے ساری پروفائل چیک کی تھی جو اسے کافی دلچسپ سی لگی تھی جہاں بہت سے ناولز کی پوسٹیں، مزے مزے کے جوکس شیئر کیے ہوئے تھے۔ناولز کی تو وہ پہلے ہی دیوانی تھی اس نے فوراً ریکوئسٹ ایکسیپٹ کر لی تھی۔

ابھی وہ موبائل میں ڈاؤن لوڈ کیے ہوئے ناول کو پڑھنے ہی لگی تھی کہ ٹو،ٹو کی آواز سے اس نے دیکھا جہاں فیس بک پر میسج آئے ہوئے تھے۔

''السلام علیکم۔تھینکس فار ایکسپٹڈ مائی ریکوئسٹ ڈیئر عنزہ۔''

''ہیں اسے میرا نام کیسے پتہ جبکہ میری آئی ڈی تو......'' وہ حیرانگی سے بڑبڑائی کیونکہ اس کی آئی ڈی تو اے ذی کے نام پر تھی۔

''کیا ہوا عنزہ تم کہیں حیران تو نہیں کہ میں تمہارا نام کیسے جانتا ہوں۔'' اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پاکر دوسری طرف سے میسج آیا۔اس نے میسج کو غور سے پڑھا۔

''کون ہو تم؟ اور میرا نام کیسے جانتے ہو؟''

''ہاہاہاہاہاہا۔ہم آپ کا نام کیا آپ کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔آپ کو ناولز بہت پسند ہیں۔خاص طور پر رومینٹک ناولز۔'' اس نے لو ایموجی کے ساتھ میسج بھیجا۔

''تو تم نے مجھے بے وقوف بنایا۔'' اس نے دانت پیستے میسج ٹائپ کیا۔

''ارے یار، بنی بنائی کو مزید کیا بے وقوف بنانا۔'' اسے ایسے لگا جیسے وہ اس پر ہنس رہا ہو۔

بے وقوف تو وہ بن گئی تھی ضروری تو نہیں لڑکی کے نام پر بنی ہوئی آئی ڈی صرف لڑکی کی ہو۔ اسے کیا ضرورت تھی اپنی فرینڈ لسٹ میں شامل کرنے کی۔

''اللہ جی! پلیز میری مدد کریں میری ایسی کوئی نیت نہیں تھی۔'' اس نے دل میں خدا سے دعا کی۔

ایک اور میسج آیا تھا جسے اس نے دیکھے بغیر چیٹ کو ڈیلیٹ کیا اور ساتھ ہی اس کی آئی ڈی کو بلاک کر دیا تا کہ وہ دوبارہ میسج نہ کر سکے۔

"نہ رہے بین اور نہ ہی بجے گی بانسری، مجھے بے وقوف کہہ رہا تھا ارے خود ہی بے وقوفوں کا سردار ہوگا جو مجھے ایسی ویسی لڑکی سمجھ کر بات کر رہا تھا، کیسے کہہ رہا تھا میں آپ کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اگر جانتا ہوتا تو کبھی میسج نہ کرتا۔ ایڈیٹ۔" خود پر غصہ کرنے کی بجائے اس پر غصہ کر رہی تھی۔ پھر موبائل کو آف کر کے اپنے ذہن میں سارے خیالوں کو رفع دفع کرتی وہ آنکھ موند کر لیٹ گئی۔

دور کھڑی اس کی بدلتی قسمت اس پاگل انجان لڑکی پر مسکرا رہی تھی جو نہیں جانتی تھی کہ اس کی زندگی کس طرف رخ موڑنے والی تھی۔

☆......☆......☆

"جب ہمیں کسی سے محبت ہوتی ہے تو ہم یہ کیوں سوچتے ہیں کہ اگلا بھی ہم سے محبت کرے جبکہ محبت میں تو ایسی کوئی شرط نہیں ہوتی۔ محبت تو محبت ہوتی ہے چاہے حاصل ہو تو چاہے لاحاصل۔ ہم یہ کیوں نہیں سوچتے وہ بھی تو کسی سے محبت کرتا ہوگا۔ اس کی خوشی کیوں نہیں دیکھتے۔" اسفندیار کی گھمبیر آواز سے اس نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی اسی لیے تم ایسی باتیں کر رہے ہو اسفی۔ جب تمہیں محبت میں ایسا روگ ملے گا تب تم سے پوچھوں گی کہ کیسا دکھ ہوتا ہے۔"

اس کی بات پر اسفندیار کے دل میں جیسے ایک ٹھیس پہنچی تھی اور اسے دیکھا۔

"تم بھی محبت کرتی ہو تو پھر میری آنکھوں میں اپنے لیے محبت کیوں نہیں محسوس کرتی پگلی۔" وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوا۔

”میں تمہیں یہ تو نہیں کہوں گا کہ اسے بھول جاؤ۔ کیونکہ انسان کا دل جس کے لیے پہلی دفعہ دھڑکتا ہے وہ اپنے کورے دل پر جس کا نام لکھ لیتا ہے اسے مٹانا مشکل ہی نہیں بہت تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس کی خوشی میں اپنی خوشی ڈھونڈو گی تو تمہیں تکلیف نہیں ہوگی۔ بس یہ دیکھو کہ ہمارا دوست کتنے سالوں بعد خوش ہوا ہے۔ تم ہی تو کہتی تھی کہ تم نے اسے کبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا اور اب دیکھو۔“

اس کا بس چلتا تو وہ اسے دنیا کی ہر خوشی دے دیتا لیکن یہ اس کے بس میں نہیں تھا۔ یہاں اس کے دوست کی بھی خوشی تھی۔ وہ دوست جو اسے جان سے بھی زیادہ عزیز تھا اور اس نادان لڑکی کو بھی خوش دیکھنا چاہتا تھا۔ آخر اس کی خوشی میں ہی تو وہ خوش ہوتا تھا۔

نہ دیکھو کبھی تم مفاد اس میں
محبت تو بے غرض ہوتی ہے
یہ تو لاجواب ہوتی ہے
یہ تو بے مثال ہوتی ہے
یہ تو بے پناہ ہوتی ہے
کبھی حاصل ہوتی ہے
کبھی لاحاصل ہوتی ہے
پانے کی اس میں چاہ ہو جائے تو
تو یہ روگ ہوتی ہے
دل کا سوگ ہوتی ہے
(نمرہ نور)

"اسفی بھائی! آپ لوگ کیا راز و نیاز کر رہے ہیں کچھ ادھر آ کر ہمیں بھی بتائیں۔"
انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا جہاں سوئمنگ پول کے پاس بنی کرسیوں پر وہ دونوں بھائی بیٹھے انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔
"نائلہ آپی! آپ کو کیا ہوا بہت خاموش لگ رہی ہیں۔ لگتا ہے آپ کا دل نہیں لگا یہاں پر۔"
وہ دونوں ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ عباد شاہ کی بات پر وہ پہلو بدل کر رہ گئی اور آبان شاہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور اسے دکھ سا ہوا تھا۔
"ارے اب ایسی بھی بات نہیں۔ جہاں تم جیسا بھائی ہو اور دل نہ لگے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر لیتے بولی۔
"بالکل یہ بات تو ہزار فیصد درست ہے۔" اپنی تعریف پر اکڑ کر بولا۔
"ہم۔ تو چھوٹے تم کب کھلا رہے ہو اپنی شادی کے چھوارے۔ تمہارے بے مروت، بے وفا بھائی کو تو یہ نصیب نہیں ہوا۔" اسفندیار نے آبان شاہ پر طنز کیا جو اس کی بات پر کھل کر مسکرا دیا تھا۔
"یہ شخص ہنستا ہوا کتنا خوبصورت اور دلکش لگتا ہے۔" نائلہ نے چونک کر اسے مسکراتے دیکھا اور دل میں سوچ کر رہ گئی۔
"اف اسفی بھائی، کیا یاد کروایا ہے آپ نے۔ میں تو کب سے تیار ہوں۔ اب ان کی بیگم راضی ہوں گی تو میری دلہن کی اینٹری ہو گی نا۔" وہ آبان کی طرف اشارہ کرتا افسوس سے بولا۔
"کیا مطلب؟" جہاں دونوں نے ناسمجھی سے دونوں کو باری باری دیکھا وہیں آبان شاہ ہڑبڑا گیا۔

''یہ لڑکا بھی ناں، اس کی لمبی زبان رکتی نہیں ہے۔'' اس نے دل میں سوچتے ہوئے اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھا۔

''کچھ نہیں ویسے ہی فضول بک رہا ہے یہ تم کس کی باتوں میں آ رہے ہو۔'' ہنستے ہوئے بات کو رفع دفع کرنا چاہا۔

''تم سے کون بات کر رہا ہے اور یہ مت بھولو کہ میں تم سے ابھی بھی ناراض ہوں۔'' اسفی نے اسے ٹوکا اور عباد شاہ کا جاندار قہقہہ بلند ہوا تھا۔

''بالکل آپ سے اسفی بھائی ابھی بھی ناراض ہیں۔ سمجھے آپ۔''

''اسفی! بس کر دو۔ تم کیوں جیلس ہو رہے ہو۔ شادی کر لو تم بھی۔'' بالآخر نائلہ اس کی حمایت میں بولی۔

''کیا؟ تم بھی اس کا ساتھ دے رہی ہو۔'' وہ صدمے سے چلایا تھا۔

''اور کیا جب سے آئے ہو تب سے تم رو رہے ہو۔ اب پتہ چل گیا ہے تو چپ کر کے اسے مبارک باد دو۔ اتنا واویلا کرنے کی ضرورت ہے۔'' اس نے ڈپٹا۔

''میں رو رہا ہوں۔'' اس نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں تمہارے بچے رو رہے ہیں۔''

''ابھی ان کی ماں تو زندگی میں آئی نہیں، بچے کہاں سے آئیں گے۔''

''تم انتہائی فضول ہو۔'' اس کی ذو معنی بات پر وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

''بس بس ذرا بریک پر پاؤں رکھیں آپ دونوں۔'' عباد شاہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''یار حد ہوتی ہے کہ میرے دوست کی شادی ہو گئی اور اس کمینے نے مجھے بتایا ہی نہیں اور مجھے کوئی ناراض بھی نہیں ہونے دے رہا۔''

''اچھا یار معاف کردے ابھی تو بس سادگی سے نکاح ہوا ہے۔''

''کیا سادگی سے نکاح۔'' اس کی بات پر وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''ابے یار تو اسے سادگی سے نکاح کہتا ہے۔ بیوی تمہارے ساتھ ہے۔ ایک ہی چھت میں تم دونوں رہتے ہو کل کو تم دونوں......''

'' بس بس اس سے آگے بکواس نہ کرنا۔'' آبان شاہ نے اس کی چلتی زبان کو بریک لگائی۔ ''یہ دیکھ، میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ معاف کردے عظیم غلطی ہوگئی ہے تجھے نہ بتا کر۔''

''ارے بھابھی آپ۔'' اسفندیار کی بات پر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا جہاں زینیا کھڑی تھی۔

''آیئے بھابھی، بیٹھیے نا۔'' اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ مسکراتی ہوئی نائلہ کے پاس پڑی خالی کرسی پر براجمان ہوگئی۔

''ہاں تو بھابھی، یہ بتائیں کہ یہ گدھا آپ کو کہاں ملا۔ اور شادی کے لیے کیسے مان گیا؟'' اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ آبان شاہ کی پرنسز ہی ہے۔

عباد شاہ نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا۔ زینیا نے اس کے سوال پر ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔ اب وہ اسے کیا بتاتی لیکن آبان شاہ نے اس کی مشکل کو آسان کر دیا۔

''اسفی! تم کچھ زیادہ ہی شوخے نہیں بن رہے۔ اٹھو یہاں سے مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' وہ اسے زبردستی اٹھا کر لے گیا۔

''آپ دونوں باتیں کریں میں ابھی آیا۔'' عباد شاہ مسکراتے ہوئے اٹھا اور ان کے پیچھے بھاگ گیا۔ آخر اس نے بھی تو اسفندیار کو مرچ مسالہ لگا کر ساری بات بتانی تھی۔

☆......☆......☆

”زینی! تمہیں بھی آبان کے ساتھ جانا چاہیے تھا بیٹا، ایسے اچھا تو نہیں لگتا وہ کتنا پریشان تھا تم اس کے ساتھ ہوتی تو شاید اسے تسلی ہوتی۔ میاں بیوی کا تو فرض ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں سہارا بنیں۔“ نانو نے تاسف سے اسے دیکھا جوان کی گود میں سر رکھ کے لیٹی ہوئی تھی۔

”نانو! میرا دل نہیں مانتا۔ میرا دم گھٹتا ہے جب میں سب کو دیکھتی ہوں۔ پتہ ہے ان کے لیے اتنے سال میں مر گئی تھی۔ کبھی میرا پتہ نہیں کیا میں کس حال میں ہوں اور اب......“ آنسوؤں کا پھندا جیسے گلے میں پڑا تھا۔ نانو نے دکھ سے اسے دیکھا جو اپنے ماضی کو بھول نہیں پا رہی تھی۔

”تم ان کے لیے واقعی مری ہوئی تھی زینی۔ تم ان کے لیے زندہ ہی کب تھی جو وہ تیرا پتہ کرتے۔ تُو تو ان کے لیے مر چکی تھی بیٹا۔“ بتاتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ انہوں نے اسے سب کچھ بتا دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

”نانو! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔“ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور بے یقین نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

”یہ سچ ہے زینی۔“ پھر وہ کئی سالوں سے اپنے دل پر پڑے بوجھ کو آہستہ آہستہ اتارتی چلی گئیں اور وہ دم سادھے بس ان کی زبان سے نکلتے لفظ سن رہی تھی۔

☆......☆......☆

”ماضی“

”اگر تمہاری اسی پاپولرٹی کو تمہارے لیے وبال نہ بنا دیا تو میرا نام طیبہ شاہ نہیں۔ اور یوں چٹکیوں میں تم عثمان شاہ کی زندگی میں کک آؤٹ ہو جاؤ گی۔ یوں۔“ وہ اس کے سامنے چٹکی

بجاتے بولی۔

''ہاہاہاہاہا۔بے سود،تم دونوں بہنیں جتنی مرضی کوشش کرلولیکن جیت نہیں سکوگی۔''

وہ کہاں ان سے ڈرنے والی تھی۔اس نے ڈرنا تو سیکھا ہی نہیں تھا بلکہ ڈر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کرتی تھی۔

''یہ بھول ہے تمہاری فانیا۔'' وہ دونوں بہنیں تو اس کے نڈر انداز سے اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا کر رہ گئی تھیں۔

''وہ تم دونوں کی ہے کہ مجھے عثمان شاہ سے دور کروگی۔''

''اتنا یقین خود پر۔''

''خود پر نہیں اپنی محبت پر،اپنے عثمان پر۔'' وہ فخر سے بولیں اور وہاں سے چلی گئیں۔

''تم فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' پیچھے جویریہ شاہ نے اپنی چھوٹی بہن کو تسلی دی تھی۔ان کے شیطانی دماغ میں کیا چل رہا تھا کسی کو معلوم نہیں تھا۔

یہ ان دنوں کی بات تھی جب زینیا تقریباً ڈیڑھ،دو سال کی تھی اور جویریہ شاہ اپنے شوہر کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے پاکستان آئی ہوئی تھیں تب فرحان شاہ اور آبان شاہ دونوں بھائی ان کے ساتھ نہیں آئے تھے۔اور وہ کس مقصد کے لیے آئی تھیں کوئی نہیں جانتا تھا۔

فانیا عثمان شاہ اور طیبہ شاہ ایک یونی ورسٹی میں پڑھتے تھے۔طیبہ شاہ فانیا کی قابلیت اس کی خوبصورتی پر حسد کرتی تھی۔اسے وہ شروع دن سے ہی اچھی نہیں لگتی تھی۔

اور فانیا اسے بھی صرف وہ لوگ پسند تھے جو اس سے اچھی طرح بات کرتے تھے،جو اسے پسند کرتے تھے،جو اس سے نفرت کرتے،اسے ناپسند کرتے اس سے کوسوں دور رہتی تھی اور نہ ہی ان سے بات کرتی تھی۔

اور یہی بات طیبہ شاہ کو ناگوار گزرتی اور جب وہ عثمان کے ساتھ بیاہ کر آئی تب تو وہ اور پاگل ہو گئی تھی۔ یہ حسد اور نفرت انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ یہ ایسے ایندھن کی طرح ہوتے ہیں جو انسان کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔ اسے تو لگتا تھا کہ عثمان شاہ کی شادی اس سے ہو گی لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ قسمت کی بازی پلٹ جائے گی۔

☆......☆......☆

"چاچو! یہ کیا، آپ نے میری پرنسز کے بال کٹوا دیئے، کیوں کیا آپ نے ایسا؟"
ساڑھے سات سالہ آبان شاہ سکائپ پر بات کرتا ان سے بولا۔ اسے اپنی پرنسز کے سنہری بال بہت پسند تھے جسے آج وہ دیکھ کر ناراض ہو گیا تھا۔

"ارے میرے لاڈلے! پھر بڑے ہو جائیں گے، ابھی تو تمہاری پرنسز بھی چھوٹی سی ہے۔" عثمان شاہ ڈیڑھ سالہ گول مٹول گلابی گڑیا کو پیار کرتے بولے۔

"لیکن آپ نے کٹوائے کیوں؟ آپ کو معلوم ہے میں نے پرنسز کے لیے کتنی زیادہ ہیئر ربنز، ہیئر فلورز لیے ہیں۔ اب وہ کہاں لگائے گی آپ نے تو اس کے بال ہی کٹوا دیے ہیں۔" وہ منہ بسور کے بولا۔

"چلو کوئی بات نہیں، ہم اچھے ٹوٹکے کریں گے اور ہماری گڑیا کے بال دوبارہ بڑے ہو جائیں گے۔ کیوں میں نے ٹھیک کہا نا بابا کی جان۔" وہ اسے تسلی دیتے اور ساتھ ہی اپنی گڑیا کو گدگدی کرتے بولے جو اپنے دونوں ہاتھ منہ میں ڈالے آوازیں نکال رہی تھی۔ اس کی قلقاریاں دیکھ دیکھ کر وہ خوش ہو رہا تھا۔

"اچھا لیکن آپ کو وعدہ کرنا ہو گا۔ آپ آئندہ میری پرنسز کے بال نہیں کٹوائیں گے ورنہ میں دادا جان کو آپ کی شکایت لگا دوں گا۔" وہ انہیں دھمکی دینے والے انداز میں بولا لیکن اس

کے اگلے الفاظ سن کران کا قہقہہ بے اختیار بلند ہوا تھا۔

”She is mine so that no one will cut her hairs

without my permission“

”ہاہاہاہاہاہا۔ فانی یہ دیکھو ناں ذرا ہمارا لاڈلا کیا کہہ رہا ہے۔“ انہوں نے کمرے میں داخل ہوتی فانیا کو مخاطب کرتے کہا۔ وہ چلتے ہوئے ان کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

”کیا کہہ رہا ہے آبان؟“

”چاچی! آپ نے میری پرنسز کے بال کیوں کاٹے؟“ اس نے اپنا سوال دوبارہ دہرایا۔ اس کی بات پر مسکراتے ہوئے اپنی بیٹی کو دیکھا جس کے انہوں نے آج ہی بال کاٹے تھے۔

”بیٹا! آپ کی پرنسز کو گرمی ہو گئی تھی۔ یہ دیکھیں، گرمی سے ان کو پنسلو بھی بن رہے ہیں تو اس لیے بال کاٹے۔ ابھی یہ چھوٹی ہے ناں اس لیے جب بڑی ہو گی تو بالکل ہم اس کے بال نہیں کاٹیں گے۔“ انہوں نے پیار سے سمجھایا۔

”کیا؟ چاچو آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟“ وہ اصل وجہ سن کر پریشان ہوا تھا اور عثمان شاہ کی طرف دیکھا۔

”تم نے مجھے موقع دیا ہی کب بتانے کا۔“

”تو جب میں نے آپ سے پوچھا تھا تب فضول باتیں کرنے کی بجائے اصل وجہ بتا سکتے تھے نا۔“ وہ کہاں انہیں بخشنے والا۔

”اف۔“ وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ کبھی کبھی انہیں شک ہوتا تھا کہیں اس میں بوڑھوں والی روح تو نہیں۔

''اچھا آبان بیٹا، آپ کی پرنسز کو نیند آ رہی ہے۔ وہ تو سونے لگی اب کل بات ہو گی۔'' فانیا شاہ نے ہنستے ہوئے عثمان شاہ کی گود میں اونگھتی ہوئی زینیا کو لیا جسے نیند آ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے چچی۔ گڈ نائٹ۔'' اس نے فلائنگ کس کی۔

''گڈ نائٹ بیٹا۔'' جواباً انہوں نے بھی کس کی اور لیپ ٹاپ آف کر کے سائیڈ پر رکھا۔

انہیں عثمان شاہ کے سب بھتیجے بھتیجیاں بہت پیارے تھے۔ آخر کو ان کے محبوب شوہر کا ان بچوں کے ساتھ بہت لگاؤ تھا تو انہیں کیوں نہ ہوتا۔ اور بچوں کو بھی اپنی چچی بہت اچھی لگتی تھیں۔

''عثمان! مجھے کل دو تین دن کے لیے کراچی جانا ہے۔'' انہوں نے زینیا کو سلا کر ان کی طرف دیکھا۔

''وہ کیوں؟''

''بس دوستوں نے پروگرام بنایا ہے تو میں نے سوچا اس میں کوئی حرج نہیں۔ شادی کے بعد پہلی دفعہ ایسا موقع مل رہا ہے سب دوستوں کے ساتھ مل بیٹھ کر باتیں کرنے کا۔'' انہوں نائٹ کریم اپنے نرم و ملائم ہاتھوں پر لگاتے ہوئے انہیں تفصیل بتائی۔

''کوئی ضرورت نہیں۔ منع کر دو تم اپنے دوستوں کو۔ ہم پھر کسی دن جائیں گے فیملی کے ساتھ۔'' انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

''لیکن کیوں عثمان؟'' انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''کیونکہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''واٹ۔'' آواز میں حیرانگی تھی۔

''عثمان۔''

"پلیز فانی، لائٹ آف کردو مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ لیٹتے ہوئے بولے۔اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ وہ اس بارے میں کوئی بات نہیں سننا چاہتے۔فانیا انہیں دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

"کہاں تھی تم؟" رات کو وہ جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوئی عثمان شاہ دھاڑنے والے انداز سے بولے۔فانیا نے انہیں دیکھا جو شعلہ برساتی آنکھوں سے انہیں ہی دیکھ رہی تھے۔ وہ آج پانچ چھ دن بعد گھر آئی تھیں اور وہ بغیر بتائے ہی گئی تھیں اس لیے انہوں نے غصے تو ہونا تھا۔

"جب میں نے تمہیں منع کیا تھا تو پھر تم کیوں گئی تھی۔" انہیں خاموش دیکھ کر وہ دوبارہ بولے۔

"عثمان! یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا؟" مقصود شاہ انہیں جارحانہ انداز میں بات کرتا دیکھ کر خاموش نہ رہ سکے۔

"بابا! اس سے پوچھیں یہ کہاں تھی اتنے دن۔اپنے دوستوں کے ساتھ تو یہ نہیں گئی تھی تو پھر کہاں گئی تھی۔" ان کی آنکھوں میں بدگمانی کی پٹی بندھ چکی تھی۔

"عثمان! میں شاپنگ کرنے گئی تھی لیکن......"

"اچھا۔" انہوں نے "اچھا" کو مزید کھینچا۔"شاپنگ، کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ ایسی کونسی شاپنگ تم کرنے گئی تھی جو تم پانچ دن لگا کر آئی ہو۔"

"اووو وفار گاڈ سیک عثمان، میرا اکڈنیپ ہوا تھا۔" وہ چلا کر بولیں۔

"لیکن پہلے تو تم کہہ رہی تھی کہ تم شاپنگ کرنے گئی تھی اور اب تمہارا اکڈنیپ ہو گیا۔واہ، واہ فانیا، کیا خوب کہا تم نے۔تمہارا اکڈنیپ ہوا اور پھر انہوں نے تمہیں چھوڑ بھی دیا۔واہ بڑی

بات ہے۔" وہ تمسخرانہ انداز میں بولے۔

"بے وقوف کسی اور کو بنانا مجھے نہیں۔ مجھے شرم آ رہی ہے میں نے ایک نفس پرست، ایک مکار عورت سے محبت کی۔ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔ مجھے تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنی۔" وہ نفرت سے پھنکارے۔ وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"عثمان! بیٹا، یہ کیا کہہ رہے ہو۔"

"بابا! اس عورت نے مجھے دھوکہ دیا۔ اس عورت سے، جسے میں نے بے پناہ چاہا اسی نے مجھے دھوکہ دیا۔ میرا دل توڑ دیا۔" عثمان شاہ آنکھوں میں دکھ لیے اپنے باپ کی طرف متوجہ ہوئے۔

"نہیں عثمان، تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے ایسا کچھ نہیں ہے۔" انہوں یقین دلانے کی کوشش کی لیکن بے سود تھا۔

"اچھا، مجھے غلط فہمی ہوئی ہے تو پھر یہ کیا ہے۔"

انہوں نے غصے سے میز پڑے لفافے کو اٹھایا اور اسے ان کے اوپر پھینک دیا اور کئی تصویریں فرش پر بکھر گئی تھیں۔

"یہ۔ یہ جھوٹ ہے۔" ان تصویروں کو دیکھ کر اپنی آواز کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ ان تصویروں میں فانیا مرزا بہت بری حالت میں اپنے ایک دوست کے ساتھ تھیں۔ عثمان شاہ کو یہ دوستی بالکل بھی نہیں پسند تھی کیونکہ وہ اچھی فطرت کا نہیں تھا لیکن فانیا نے عثمان شاہ کے کہنے پر اس سے بات چیت کرنا منسوخ کر دیا تھا۔

"تم اس انسان کے ساتھ پانچ دن اور راتیں گزار کے آئی ہو۔ اور کہہ رہی ہو کہ یہ جھوٹ ہے۔" یہ ان کی غیرت کا سوال تھا اور اس بات کا ثبوت زاہد (فانیا کا دوست) نے خود دیا تھا۔

"میں عثمان شاہ ولد مقصود شاہ تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔ اب دفعہ ہو جاؤ میرے گھر سے، میری نظروں سے دور۔"

کسی کو بھی کچھ کہنے، روکنے کا موقع دیے بغیر انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیا۔ سب ہکے بکے دیکھتے رہ گئے۔ لمحے میں ان کا یقین، مان، بھروسہ چکنا چور ہو گیا تھا۔

"ہاہاہاہاہا۔ کیا ہوا فانیا مرزا تمہیں تو بڑا یقین تھا خود پر، اپنے پیار پر، آج اسی پیار نے ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیا۔ چچ۔ بیچاری۔"

وہ جو وہاں اکیلی کھڑی خود کو یقین دلا رہی تھیں یہ کیا ہو گیا تھا ان کے ساتھ؟ جویریہ شاہ ان کے پیچھے آئیں اور ان پر ہنستے ہوئے بولیں۔

آنکھیں جنہوں نے کبھی رونا ہی نہیں سیکھا تھا وہاں آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی۔ فانیا مرزا نے انہیں دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں اچھا نہیں کیا آپ لوگوں بہت غلط کیا۔

واقعی یہ چال جویریہ شاہ کی ہی تو تھی۔ انہیں کڈنیپ کروا کر عثمان شاہ کے دل میں اس کے لیے غلط فہمی پیدا کرنا یہ چال ہی تو تھی ان کی۔ اس رات وہ اپنے ٹوٹے مان اور دل کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی زندگی سے چلی گئی تھیں۔ عثمان شاہ نے انہیں ان کی بیٹی سے بھی دور کر دیا تھا۔

جویریہ شاہ اور طیبہ شاہ اپنی چال میں کامیاب تو ہو گئی تھیں لیکن جس مقصد کے لیے انہوں نے یہ سب کیا تھا وہ مقصد پھر بھی نہیں پورا ہوا تھا۔ کیونکہ عثمان شاہ کسی سے بھی شادی کے لیے دوبارہ راضی نہیں ہوئے تھے۔ مقصود شاہ انہیں دوسری شادی کرنے کا کہتے کہتے دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کی ناں، ہاں میں نہیں بدلی تھی۔

زینیا چھ سال کی تھی جب ندیم شاہ نے رشتوں کا سودا کرتے ہوئے ان کی بیٹی سے دور

کر دیا۔ رشتوں کو جب محبت پیار چاہت دینے کی بجائے جب ان کا غلط استعمال کیا جائے تو رشتے نکھرنے کی بجائے بکھر جاتے ہیں۔

”عثمان! اگر تم نے طیبہ سے شادی نہ کی تو میں تمہاری بہن کو بھی آباد نہیں ہونے دوں گا یہ بات میری یاد رکھنا۔“

ندیم شاہ طیبہ کو ان کی محبت میں تڑپتا دیکھ کر خاموش نہ بیٹھ سکے اور ساجدہ شاہ کو ان کے پاس چھوڑ گئے۔

”عثمان! پلیز زینی کو اس کی ماں کو دے دو اور طیبہ سے شادی کر لو ورنہ ندیم مجھے چھوڑ دے گا۔ وہ میرے بچوں کو چھین لے گا میں اپنے بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتی عثمان۔“

جب عثمان شاہ نہیں مانے تو ساجدہ شاہ نے اپنے بھائی سے التجا کی۔ وہ اپنی اولاد کی خاطر اپنے بھائی اس کی اولاد خود سے دور کرنے کے لیے کہہ رہی تھیں۔ ندیم شاہ نے سات سالہ ماہ رخ اور چند ماہ کا اپنا بیٹا ان کی ماں سے دور کر دیا تھا۔ وہ اپنے بچوں کے لیے تڑپتی تھیں اور اس سب سے فرقان شاہ کو لاعلم رکھا گیا تھا۔

پھر بہن کی محبت جیت گئی۔ اسکی التجائیں، اس کے آنسو جیت گئے اور بیٹی کو خود سے دور کر دیا تھا اور چپ چاپ اپنی بہن کے گھر کو بسانے کی خاطر شادی کر لی اور زینیا کو اس کی نانو کو دے دیا۔

طیبہ شاہ کو پھر بھی سکون نہیں تھا۔ انہیں لگتا تھا کہ عثمان شاہ کہیں زینیا کو واپس نہ لے آئیں یا پھر اس سے ملنے نہ لگے۔ آخر باپ تھے وہ اس کے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ پھر ایسا کھیل انہوں نے کھیلا جسے ہر کوئی سچ سمجھ گیا تھا۔

چند ماہ بعد انہیں ایک خبر ملی تھی کہ ان کی بیٹی سکول جاتے ہوئے ایک حادثے میں دنیا سے

چل بسی اور یہ خبر انہیں کسی اور نے نہیں وقار صاحب کی طرف سے ملی تو جو ندیم شاہ نے اپنے کسی خاص بندے سے کروائی تھی۔انہیں تو لگا تھا کہ یہ وقار مرزا نے ہی کہا ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔وہ کال بھی ان کی چال تھی جسے وہ سمجھ نہ سکے اور اپنی زندہ بیٹی کو مرا ہوا سمجھ بیٹھے تھے۔

اس فون کال پر سب یقین لے آئے تھے۔ایک جھوٹ ایک سازش کی گئی تھی جس کے چکر میں وہ پھنس گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔انسان خود کو خدا کیوں سمجھ بیٹھتا ہے۔اسے ایسا کیوں لگتا ہے جیسا وہ چاہے گا ویسا ہی ہوگا۔یہ اختیار اسے کس نے دیا؟ ہوتا تو وہی ہے جو خدا کو منظور ہوتا ہے۔ان کا جھوٹ کب تک چھپ سکتا تھا۔ایک نہ ایک دن سچائی سامنے تو آنی تھی۔

☆.......☆.......☆

ساری سچائی سن کر اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔اتنا بڑا دھوکہ، اتنا بڑا جھوٹ، اتنی بڑی سازش رچائی گئی تھی۔کیسی چال تھی جو اسے ڈیڑھ سال کی عمر میں ماں سے دور کر دیا اور سات سال کی عمر میں باپ سے بھی دور کر دیا۔کتنا مشکل ہوتا ہے کسی بچے کا اپنے ماں باپ سے دور ہونا۔بہت مشکل ہوتا ہے۔ماں باپ نہ ہوں تو چاہے جو مرضی رشتہ اسے پیار دے دے لیکن ماں باپ کی کمی کوئی بھی پوری نہیں کر سکتا۔

کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جو بہت انمول ہوتے ہیں۔ان کا نعم البدل کبھی نہیں مل سکتا۔ انہی میں سے ماں باپ ہوتے ہیں۔یہ قدرت کی تخلیق کا ایسا شاہکار ہیں کہ چاہے غریب ہو یا امیر، اس کی صفات لاثانی ہیں۔ہر اولاد کو اپنے ماں باپ سے فطری محبت ہوتی ہے۔اگر وہ نہ ہوں تو ان کی کمی کوئی بھی رشتہ پوری نہیں کر سکتا۔

وہ تو بچپن سے جوانی تک اسی غلط فہمی میں رہی تھی کہ انہوں نے خود اسے جدا کر دیا ہے۔

اسے کہاں علم تھا کہ اس کے ماں باپ کے ساتھ کیسی سازش کھیلی گئی تھی۔
وہ اپنے اور آبان شاہ کے کمرے میں آئی اور بیڈ پر اوندھے منہ لیٹتی روتی چلی گئی۔
''زینی میری بیٹی۔میری جان۔'' اس کی نظروں کے سامنے اپنی ماں کا آنسو سے بھیگا چہرہ دوڑ گیا جو اسے اپنے سینے سے لگانے کے لیے بے تاب تھیں اور اس نے کیا کیا؟
''نہیں ہوں میں آپ کی بیٹی۔مجھ سے دور رہیں۔'' اپنی ہی نفرت بھری آواز اسے اپنے کانوں سے ٹکراتی محسوس ہوئی۔ ہر بار اس نے ماں اور باپ دونوں کو نفرت سے دھتکارا تھا۔اس کا دل و دماغ جیسے درد سے پھٹ رہے تھے۔وہ اپنی زندگی میں کبھی اتنا نہیں روئی تھی جتنا وہ آج رو رہی تھی۔
''ماں جی! زینیا کہاں ہے میں اسے لینے آیا ہوں۔'' اگلے دن ہی عثمان شاہ زینیا کی نانو کے سامنے موجود تھے۔انہوں نے دیکھا کہ وہ بہت رنجیدہ اور پریشان سے تھے۔
''بیٹا وہ اپنے کمرے میں ہے۔کوثر، جاؤ تم زینی کو بلا لاؤ۔'' انہوں نے پاس بیٹھی کوثر بی کو کہا جب عثمان شاہ بولے۔
''نہیں رہنے دیں میں خود چلا جاتا ہوں۔ماں جی، آج میں اسے سب کچھ بتا دوں گا۔ سب کچھ۔'' وہ ایک عزم سے بولے۔
''وہ جان چکی ہے بیٹا۔جاؤ اسے تمہاری ضرورت ہے۔'' نانو نے انہیں بتایا۔ان کی بات پر وہ فوراً اوپر اس کے کمرے میں آئے۔
''میں بہت بری ہوں سب کو خود سے دور کر دیا۔ بہت بری ہوں۔میں بہت بری ہوں۔'' وہ روتے ہوئے خود کو کوس رہی تھی۔اب وہ اپنی غلطی پر پچھتا رہی تھی۔نہ ماں تھی اس کے پاس اور نہ ہی باپ تھا۔

''زینیا! میری گڑیا۔'' عثمان شاہ کی آواز اس نے اپنے قریب سنی اور فوراً سر اٹھا کر دیکھا

۔وہ اس کے پاس ہی کھڑے تھے

''بابا۔'' وہ اٹھی اور بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔اس کی زبان سے بابا سن کر خوشی سے عثمان شاہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔کان ترس گئے تھے اس کی زبان سے بابا سننے کے لیے۔

''مجھے معاف کر دو میری بچی، میں تمہارا اور تمہاری ماں کا گنہگار ہوں۔معاف کر دو۔''

وہ بہت ہی نادم تھے۔ان کی آنکھیں ندامت سے اشکبار تھیں۔کیسے کیسے انہوں نے فانیا پر الزام لگائے تھے۔انہیں کسی بھی صفائی کا موقع دیئے بغیر اپنی زندگی سے بے دخل کر دیا تھا۔ وہ تو پیار کرتے تھے ان سے تو پھر یقین کیوں نہیں کیا ان پر۔اس سے اپنی بیٹی کو دور کیا تو قسمت نے کیسا کھیل کھیلا کہ ان سے بھی بیٹی کو دور کر دیا گیا۔

''ایم سوری بابا، میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا ناں، آپ کو بہت تکلیف دی ناں۔'' وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح ان کے آنسو صاف کرتے اپنے پچھلے رویے کی معافی مانگ رہی تھی۔

''نہیں میری گڑیا، آپ نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔'' وہ اس کے ماتھے پر پیار سے بوسہ دیتے بولے۔

''بابا جان۔'' اس نے نم آواز میں انہیں پکارا۔

''جی بابا کی جان، بابا کی گڑیا۔'' وہ آج بہت خوش تھے۔ویسے ہی خوش تھے جب وہ پیدا ہوئی تھی۔بالکل ویسے ہی خوش تھے جب اس نے پہلی دفعہ بابا بلانا شروع کیا تھا۔ویسے نہال ہوتے جا رہے تھے۔

''ماما۔مجھے ماما سے ملنا ہے۔'' وہ بالکل نومولود بچے کی طرح ماں کی آغوش میں جانے کے

لیے تڑپ رہی تھی۔

"نہیں میری گڑیا، آپ روئیں نہیں۔ میں ابھی اپنی گڑیا کو اس کی ماما کے پاس لے کر جاؤں گا۔" وہ اس کے آنسو صاف کرتے، پچکارتے ہوئے بولے۔

قسمت باپ بیٹی کے ملن پر مسکرا رہی تھی۔ وہ زینی پر مسکرا رہی تھی اس کی آئندہ زندگی کے لیے جیسے دعا دے رہی تھی۔ اسے ہر وقت خوش رہنے کی دعا گو تھی۔

☆......☆......☆

پھر عثمان شاہ اسے اس کی ماں سے ملوانے لے آئے تھے۔ وہ تو بیٹی کو اپنے پاس اپنے گھر میں دیکھ کر حد درجہ حیران اور خوش ہوئی تھیں۔ اسے وہ بار بار اسے اپنے سینے سے لگا کر پیار کرتیں۔ اسے اپنے پاس اپنے قریب ہونے کا یقین دلا رہی تھیں۔ ہمدان، دانیال، شہلا وہ سب بھی بہت خوش تھے۔

"ماما! آپ بابا کو معاف کر دیں۔ وہ نادم ہیں اپنے کیے پر۔ انہوں نے آپ پر یقین نہیں کیا جو ان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔" وہ ماں سے بولی۔ واقعی اس نے عثمان شاہ کو دیکھا تھا جن کی آنکھوں میں کبھی ان کے لیے محبت ہوتی تھی آج انہی آنکھوں میں شرمندگی اور ندامت کے آنسو تیرتے دیکھے تھے۔

"زینی! میں نے معاف کر دیا ہے تمہارے بابا کو۔ پتہ ہے زینی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ لوگوں کو اسی طرح معاف کر دیا کرو جس طرح تم اپنے خدا سے امید رکھتے ہو کہ وہ تمہیں معاف کر دے گا۔ اس لیے میری جان میں نے تمہارے بابا کو بھی معاف کر دیا ہے۔" وہ اپنی آنکھوں میں آئے اشکوں کو صاف کرتے بولیں۔

ویسے بھی وہی انسان معاف کر سکتا ہے جو معافی مانگنا جانتا ہو، جو معافی مانگنے کے عمل سے

گزرا ہو، جس کا سر کبھی خطا کرنے کے بعد، بوجہ ندامت کسی کے سامنے جھکا ہو، جس کی آنکھیں آنسوؤں سے پرنم ہوئی ہوں اور جس کے کندھے خطا کے بوجھ تلے جھکے ہوں۔ جو اس تجربے سے ہی نہ گزرا، وہ معاف کرنے والا نہ بن سکا۔ معاف کرنے والا اس تجربے سے گزر چکا ہوتا ہے اور ان لطیف جذبات کی قدر و قیمت خوب جانتا ہے۔ بعدازاں اس کی یہی کوشش اسے بلند ظرف اور معافی مانگنے والے سے بلند درجہ بناتی ہے۔

وہ بھی تو خطاوار تھیں۔ اپنی ماں کی، باپ کی، بھائی کی۔ ماں اور بھائی سے معافی مانگنے کا تو خدا نے موقع دے دیا لیکن بابا جان سے وہ آج تک معافی مانگتی آئی تھیں۔

کبھی کبھی انہیں ایسا لگتا تھا جیسے بابا کی نافرمانی کرنے کی انہیں سزا ملی ہو۔

"ارے واہ زینی آپ کے بال تو بہت بڑے ہیں۔ اور کتنے پیارے ہیں یار کیا لگاتی ہیں آپ۔" وہ اپنی ہی سوچوں میں غرق تھیں جب شہلا کی آواز پر ان کی طرف دیکھا جو زینیا کے بالوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"واقعی زینی تمہارے بال تو ماشاءاللہ بہت پیارے اور لمبے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"واقعی ماما لمبے ہیں نا؟ مجھ سے تو سنبھالے ہی نہیں جاتے۔ کتنی دفعہ نانو کو کہا کہ کٹوا دوں گی بال لیکن ہر بار وہ ناراض ہو جاتی ہیں اس لیے کبھی کٹوائے ہی نہیں۔" وہ منہ بسور کر بولی جس پر وہ مسکرا دی تھیں۔

"ہیں۔ وہ کیوں ڈیئر اتنے پیارے تو بال ہیں تمہارے۔ پھر۔"

"اتنی گرمی میں سنبھالے نہیں جاتے۔ بہت بے سکونی ہوتی ہے اور ایک تو مجھ سے چٹیا بھی نہیں ہوتی۔"

اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ اسے اپنے لمبے اور خوبصورت بال پسند نہیں تھے۔وہ کچھ سوچ کر مسکرا دیں۔

''کوئی بات نہیں بیٹا، آہستہ آہستہ سیکھ لوگی۔'' انہیں بہت سالوں پہلے آبان کی باتیں یاد آئی تھیں۔ پھر وہ ایک دن اور رات ماں کے پاس رہ کر واپس آ گئی تھی۔عثمان شاہ اسے جا کر واپس لے آئے تھے اور ساتھ ہی انہوں نے ہاتھ جوڑ کر ان سے معافی مانگی تھی لیکن وہ انہیں پہلے ہی معاف کر چکی تھیں۔

☆......☆......☆

اگلے دن وہ عثمان شاہ کے ساتھ اسلام آباد جانے کے لیے تیار تھی۔دل میں ایک خواہش جاگی تھی کہ کاش وہ اپنے ماں اور باپ دونوں کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتی۔لیکن یہ اس کی خواہش خواہش ہی رہی تھی۔اب وہ تقدیر میں لکھے پر یقین لے آئی تھی۔

جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔انسان جتنا مرضی روئے، تڑپے، شکوہ کرے۔ہونا تو وہی ہوتا جو رب نے اپنے بندے کے لیے سوچا ہوتا ہے اور خدا اپنے بندے کو بہترین سے نوازتا ہے بس خدا سے شکوہ کرنے کی بجائے اس کا شکر ادا کریں۔جو اس نے دیا ہے اس پر اگر شکر کریں اور جس کی اس نے کمی رکھی ہے اس پر اگر صبر کر لیں تو سکون ہی سکون ہے۔

وہ تیار ہو کر نیچے آئی جہاں لاؤنج میں نانو، نائلہ، کوثر بی بیٹھے ہوئے تھے۔وہ جیسے ہی نیچے آئی تو سب نے اس کی طرف دیکھا۔ہلکے گلابی رنگ کا ڈھیلا ڈھالا سا ٹاکش کرتا پہنے نیچے سیاہ رنگ کی کیپری اور ساتھ ہی سیاہ رنگ دوپٹے کو سر پر اچھی طرح ٹکائے نانو کے پاس آئی۔

''نانو! میری چٹیا کر دیں۔مجھ سے نہیں ہو رہی۔'' اس نے جھنجلاتے ہوئے دوپٹے کو اتارا اور ہاتھ میں پکڑے برش کو ان کی طرف بڑھایا۔

”زینی! تمہارا کیا بنے گا۔ اتنی بڑی ہو گئی، بیاہ تمہارا ہو گیا ہے لیکن اپنے بال تم نہیں سنبھال سکتی۔“ نانو اس کی عادت سے سخت عاجز تھیں۔

”اسی لیے تو میں کہتی ہوں کٹوا دیتی ہوں۔“ وہ ہاتھ کے اشارے سے بولی۔

”خبردار! اگر تم نے کٹوانے کا نام لیا تو۔“ وہ غصے سے بولیں۔

”لاؤ زینی، میں آپ کے بال بنا دیتی ہوں۔“ نائلہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس نے برش اسے پکڑایا اور وہ بڑے پیار سے اس کے بالوں کو سلجھانے لگی۔

”ماشاءاللہ، آپ کے بال تو بہت پیارے ہیں۔ پھر آپ کیوں کٹوانا چاہتی ہیں۔ لڑکیاں تو چاہتی ہیں ان کے بال ایسے ہوں۔“ اسے رشک سا اس پر آ رہا تھا۔

”لیکن میں نہیں چاہتی۔ اب دیکھیں آپ کے بال کتنے پیارے چھوٹے سے ہیں۔ یوں دو منٹ میں کنگھا کیا اور پونی پہن لی جبکہ میرے ہاتھ میں ہی نہیں آتے۔“

اس کی بات پر وہ ہنس کر رہ گئی۔ گرمی کی وجہ سے اس نے اس کے بالوں کا فرنچ جوڑا بنا دیا تھا تاکہ وہ سکون محسوس کرے۔

”تھینک یو سوچ۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی اور ساتھ ہی دوپٹے کو سر پر لیا۔ اسفند یار اور نائلہ بھی ان کے ساتھ جا رہے تھے۔ وقار صاحب نانو کو گھر لے جانے کے لیے آئے تھے۔

”نانو! آپ نے وقت پر کھانا کھا کر دوائی لینی ہے۔ بدپرہیزی ہرگز نہیں کرنی اور میری فکر بالکل نہیں کرنی اور ڈاکٹر آپ کا گھر آ کر چیک اپ کر جایا کریں گے میری بات ان سے ہو گئی ہے۔“ اس نے یہ باتیں کوئی دوسری تیسری دفعہ انہیں یاد دلائی تھیں۔

”ٹھیک ہے میری جان۔ اب تم بھی میری بات سنو۔“ سب اٹھ کر باہر چلے گئے تھے جب نانو نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"بیٹا! آبان تمہیں بہت چاہتا ہے۔اس کی ماں اور خالہ نے جو کیا اس سے وہ بھی انجان ہے تو ان کے کیے سزا تم اسے مت دینا۔اس سے نفرت نہ کرنا وہ ٹوٹ جائے گا۔اسے تمہارے پیار کی ضرورت ہے بیٹا۔"

وہ آبان شاہ کی محبت سے واقف تھیں ایک تو انہیں عباد شاہ نے انہیں بتایا تھا اور دوسرا انہوں نے خود اس کی آنکھوں میں زینی کے لیے بے پناہ والہانہ پیار دیکھا تھا اور وہ دن کبھی نہیں بھول سکتی تھیں جب اسے پتہ چلتے ہی وہ سجدے میں گر گیا تھا کہ وہی اس کی زینیا ہے۔

"اور ہو سکے تو بیٹا انہیں بھی معاف کر دینا دل میں کسی کے لیے بھی نفرت نہ رکھنا۔" وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔انہیں ڈر تھا کہ کہیں وہ کچھ کر نہ بیٹھے کیونکہ اس کے غصے کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔

"آپ فکر نہیں کریں نانو، میرے دل میں کسی کے لیے نفرت نہیں۔اور ماما نے اگر سب کو معاف کر دیا ہے تو میں کون ہوتی ہوں کسی کے لیے نفرت پالنے والی۔" وہ انہیں تسلی دیتے بولی۔

پھر وہ انہیں خدا حافظ کہتی عثمان شاہ کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔فرنٹ سیٹ پر اسفندیار اور نائلہ بیٹھے ہوئے تھے جبکہ وہ دونوں باپ بیٹی پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔انہوں نے بائے ائیر جانے کی بجائے بائے روڈ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ان کی گاڑی اسلام آباد کے راستے کی طرف گامزن تھی۔

وہ خوش تھی بہت خوش تھی۔کیا ہونے والا تھا اس کی زندگی میں اس بات سے بے خبر وہ عثمان شاہ سے باتیں کر رہی تھی۔کیا ہو گا اس کی زندگی میں کون جانتا تھا؟ کون جانتا تھا کہ

آگے زندگی اس سے کیسے امتحان لینے والی تھی۔ کون جانتا تھا؟ کون؟

☆......☆......☆

جویریہ شاہ ڈسچارج ہو کر گھر آ چکی تھیں۔ سب ان کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ آبان شاہ تو ایک پل بھی ان کے پاس سے ہٹتا نہیں تھا۔ وہ اندر ہی اندر زینیا کے لیے پریشان تھا کیونکہ وہ نہ تو اس سے فون پر بات کر رہی تھی اور نہ اسفندیار اس کا فون ریسیو کر رہا تھا۔ کوثر بی اسے کچھ نہیں بتا رہی تھیں۔

''آبان میری جان۔'' جویریہ شاہ نے اسے پکارا جو اسفندیار کو فون ملا رہا تھا۔

''جی ماما۔'' وہ موبائل کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''بیٹا! کیا تم اپنی ماما کی ایک خواہش پوری کرو گے؟''

آبان شاہ نے انہیں دیکھا جو ایک امید سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''کیسی خواہش ماما؟'' وہ نہیں جانتا تھا اس کی ماں اس سے کونسی خواہش پوری کروانا چاہ رہی ہیں۔

''بیٹا! ماہ رخ سے شادی کر لو، وہ تمہیں بہت چاہتی ہے۔ زینیا تو تم سے پیار نہیں کرتی۔ اسے تم طلاق دے دو اور......''

''مم۔ ماما۔''

پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھ کر اس کے لب جیسے کانپ اٹھے تھے۔ الفاظ لڑکھڑا گئے تھے۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے اٹھا۔

''یہ...... یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ماما۔''

اسے یقین نہیں آ رہا تھا اس کی ماما نے کیا کہا تھا۔ اسے ایسے لگا جیسے وہ کہہ رہی ہوں آبان

اپنی روح کو جسم سے الگ کر دو۔ دل میں جیسے ایک ٹیس سی اٹھی۔ جویریہ شاہ کو لگا کہ وہ اس سے اپنی بات نہیں منوا سکیں گی اس لیے فوراً اپنا لہجہ سخت کر لیا۔

''آبان! تمہیں میری قسم، تمہیں ماہ رخ سے شادی کرنی ہو گی یہ تمہاری ماں کا حکم ہے۔ اگر تم اس سے شادی نہیں کر سکتے تو میرا مرا منہ دیکھو گے۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی آبان۔'' انہوں نے اسے ایموشنلی بلیک میل کرنا چاہا۔ وہ جانتی تھیں ناں کہ وہ ان کی بات نہیں ٹالے گا۔ وہ اگر زینیا سے پیار کرتا تھا تو ماں جو اس کی جنت تھی اسے کیسے ناراض کر سکتا تھا۔

آبان شاہ نے درد بھری نگاہوں سے اپنی ماں کو دیکھا۔

''ماما! اپنے جسم سے روح کو کیسے الگ کروں؟''

کیسی تڑپ تھی اس کی آواز میں، گہرے سمندر جیسی نیلی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

''ماما! کیسے میں اسے خود سے الگ کر دوں۔ کیسے اس کی جگہ کسی اور کو دے دوں۔ ماما، آپ اپنے ہاتھوں سے جان لے لیں لیکن ایسا مت کہیں۔ ماما! آپ کا بیٹا مر جائے گا۔ یہ لفظ میرے دل کو چیر دیتے ہیں، میرا دل پھٹتا ہے ان لفظوں سے ماما۔ پلیز، خدا کا واسطہ ہے ماما۔''

وہ کسی بچے کی طرح رو رہا تھا۔ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ رہا تھا

یہ اس کے لیے آسان ہی نہیں ناممکن تھا لیکن کون جانتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ ان کی زندگی میں کون جانتا تھا؟ کون؟

☆......☆......☆

''زندگی''

خوشی اور غموں کی امتزاج ہے

کبھی راحت وسکون ہے

کبھی غم وعالم کا سماں ہے

کبھی چارسو خوشیوں کی برسات ہے

کبھی آندھی وطوفان کی برات ہے

لیکن گرتم

زندگی کی راہ پر

صبر کرلو تو

اللہ کی رسی تھام لو تو

اللہ پر یقین کرلو تو

اللہ کی رضا میں راضی ہو تو

اللہ کو دوست بنا لو تو

زندگی سنور جاتی ہے

مشکلیں تمام حل ہو جاتی ہیں

درد کو دوا مل جاتی ہے

قلب کو سکون مل جاتا ہے

انسانی زندگی سراسر مجموعہ اضداد ہے، خوشی ومسرت اور رنج وغم کا عجیب سنگم ہے، پل میں مصیبت، پل میں راحت۔ لیکن نہ یہاں کے فرحت وسرور کے لمحات کو دوام ہے اور نہ دردوالم کے صدمات کو قرار، ساری زندگی ہی تغیر وتبدل سے عبارت ہے، یہ زندگی اپنی تمام تر مسرتوں

اور غموں کے ساتھ پھول اور کانٹے، دھوپ و چھاؤں کا حسین امتزاج معلوم ہوتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ خوشی کے لمحات غیر محسوس طریقے سے گزر جاتے ہیں، ایک لمبی مدت بھی خوشحالی و فارغ البالی، ہر طرح کی آسائش و آرام اور ہر طرح کے سامانِ راحت کے ساتھ بالکل معمولی سی نظر آتی ہے، اس کے مقابل مصائب و مشکلات کا معمولی سا وقفہ بھی بحرِ حیات میں تلاطم اور ہلچل برپا کر دیتا ہے، مبتلائے درد کے لیے پل پل بھی کوہِ گراں اور بارِ خاطر ثابت ہوتا ہے، اسے انسانی فطرت کہیے کہ وہ آسانی اور خوشی کی خوگر اور عادی ہوا کرتی ہے، امتحان و آزمائش، درد والم اور رنج و غم کی ہلکی سی پھوار بھی اس کے لیے ساون کی برسات، طوفانِ بلا خیز اور معمولی سے گھڑی بھی سوہانِ روح بن جاتی ہے اور وہ سراپا تصویرِ الم بن جاتا ہے، شکوہ و شکایت سے اس کی زبان معمور ہو جاتی ہے، وہ اپنی پھوٹی قسمت کو کوسنے لگتا ہے۔

لیکن ایک مومن کامل کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ مصائب اور مشکلات کی گھڑیوں میں صبر کے دامن کو ہاتھ سے جانے دے۔ اس کی قوت ایمانی، رب کائنات کے ساتھ اس کے لگاؤ و تعلق کی مضبوط کیفیت اسے ان حالات کا پامردی و استقامت کے ساتھ مقابلہ کا سبق سکھاتی ہے۔ وہ ہر قسم کے منفی و مثبت احوال کو خدا کی مشیت گمان کرتا ہے، وہ اپنے وجود سمیت اس کو درپیش ہونے والے تمام احوال کو خدائے ذوالجلال اور اس کے مالک حقیقی کا تصرف گردانتا ہے، اس طرح اس کی زبان شکوہ و شکایت، ناشکری اور لعن و طعن کے کلمات سے خالی ہوتی ہے۔ اور وہ فانی و عارضی مصائب کا ہنسی خوشی مقابلہ کرتے ہوئے راہی عالم بقا ہو جاتا ہے۔ یہ مصائب و مشکلات، زندگی کے یہ نشیب و فراز، حیاتِ انسانی کو درپیش یہ اونچ نیچ اور اتار چڑھاؤ کی کیفیات، جو بظاہر ناکامی و نامرادی کی تصویر نظر آتے ہیں، اگر ان کے حقائق و مضمرات اور شرعی نقطۂ نظر سے ان منفی احوال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ مصائب مومن کے لیے خیر ہی خیر نظر

آتے ہیں، ان ہی شر ور فتن کے بطن سے خیر و بھلائی کے پہلو وجود میں آتے ہیں۔

ان مصائب و مشکلات اور غم ہائے زمانہ کے تعلق سے علماء نے اس کے خیر و شر ہونے کا یہ معیار بتایا ہے کہ اگر ان مصائب و مشکلات میں انسان کا رجوع ذاتِ خداوندی کی طرف روز افزوں ہے، اس کی عبادات و اطاعات اور ذاتِ باری کے ساتھ اس کے لَو اور لگاؤ میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے تو یہ مصائب و پریشانیاں اس کے حق میں رحمتِ خداوندی کی عنایت ہیں، اگر وہ گنہگار ہے تو یہ مصائب اس کے لیے نیکو کار ہے تو بلندیِ درجات کا باعث ہیں، اس کے مقابل مشکل کی ان گھڑیوں میں اگر وہ گناہوں میں ہی دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے تو اس کے حق میں عتاب و سزا ہیں۔

اسی دستورِ خداوندی اور قانونِ الٰہی کو آیتِ کریمہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ”اور ہم ان کو قریب کا عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے چکھا دیں گے تا کہ یہ لوگ باز آویں۔“ (السجدۃ: ۱۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”یعنی آخرت کے بڑے عذاب سے قبل دنیا میں ذرا کم درجے کا عذاب بھیج دیں گے تا کہ جسے رجوع کی توفیق ہو ڈر کر خدا کی طرف رجوع ہو جائے، کم درجہ کا عذاب یہ ہے کہ دنیا کے مصائب، بیماری، قحط، قتل، قید، مال و اولاد وغیرہ کی تباہی، وغیرہ“۔

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، انہی کے واسطے سے اللہ کو پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اللہ کے ناموں سے متعلق الحاد کا شکار ہیں۔ (الاعراف: 180)

اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا واسطہ دے کر دعا مانگنے لگا تھا۔ آنکھیں اس کی ہمیشہ کی طرح دعا مانگتے ہوئے تر تھیں۔ وہ جب بھی عبادت کرتا اللہ

تعالیٰ سے دعا مانگتا اس کی آواز میں ایک درد اور آنکھوں میں آنسو ہوتے تھے۔

"اے میرے مولا! تو دو جہانوں کا خالق و مالک، تو رحمٰن ہے، تو رحیم ہے تو غفار ہے، تو کریم ہے میرے مولا، تو ظاہر سے بھی واقف ہے تو باطن سے بھی واقف، تو دلوں کے حال جانتا تھا تو لبوں کی خاموشی کو سنتا ہے۔

اے میرے مولا! مجھے راہ دکھا مجھے اس آزمائش سے باہر نکال دے۔ میں اپنی ماں کو ناراض نہیں کرسکتا۔ اگر وہ ناراض ہوں گی تو مجھے ہی تکلیف ہونی ہے لیکن میرے خدا، میں ان کی بات مان بھی نہیں سکتا۔ میں کیسے کسی کو اپنے دل میں اپنی زندگی میں جگہ دے دوں جبکہ میری زندگی تو کسی اور سے منسلک ہے۔ اس کی جگہ میں کیسے کسی اور کو دے سکتا ہوں اس کے علاوہ میں کیسے کسی اور کا خیال اپنے دل و دماغ میں لاؤں۔ میں بندہ بشر ہوں، گنہگار ہوں۔ میں کیسے کسی اور کو اپنے زندگی میں شامل کر کے اس کے ساتھ انصاف کرسکوں گا۔ نہیں میرے مولا، مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔

میرے مولا! بے شک تو رحمٰن ہے، رحیم ہے مجھ پر اپنا کرم کر دے مجھے کوئی رستہ دکھا۔ یا اللہ، میری دعاؤں میں کن فرما دے۔ یا اللہ میں تیرے کن فیکون کا منتظر ہوں۔

وہ دونوں ہتھیلیوں کو رب کے سامنے پھیلائے اردگرد سے مدہوش اپنے رب سے مانگ رہا تھا بالکل ایسے جیسے کوئی فقیر ہو کوئی سوالی ہو۔

سوالی ہی تو تھا وہ خدا کے در کا، سوالی اپنے رب کا، فقیر، ادنیٰ سا۔ غلام۔ وہ اس وقت بزنس ٹائیکون آبان شاہ نہیں تھا۔ وہ اس وقت اپنے خدا کا سوالی تھا جو رو رو کر خدا سے بھیک مانگ رہا تھا۔ اس سے اپنی عرضیاں منوا رہا تھا۔

ایک وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ انہیں پوری کرتا ہے۔ انسان کو جب

بھی کسی قسم کی مدد چاہیے تو وہ صرف اللہ سے مدد مانگے وہ بہتر مددگار ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ:”جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔“

یعنی انسان کو جب بھی کسی کی چیز کی حاجت ہو تو وہ خدا سے مانگے۔اس سے دعا والتجا کرے،اس کی حاجت کو پوری کرنے والا صرف اللہ ہی ہے۔اس کے علاوہ کسی میں اتنی قوت وطاقت نہیں۔

وہ بھی اپنے رب سے مدد طلب کر رہا تھا۔مشکل راہ میں سوہنے رب سے آسانیاں طلب کر رہا تھا۔

اور جب صدق دل سے خدا کے حضور رو رو کر دعا مانگے،اپنی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف بلند کریں تو خدا کیوں نہیں دعا قبول کرے گا۔وہ ضرور کرتا ہے۔

ابوداود:(1488) میں سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:”بیشک تمہارا پروردگار انتہائی باحیا اور سخی ہے،ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے والے اپنے بندے کے ہاتھوں کو خالی لوٹاتے ہوئے اسے حیا آتی ہے۔“

اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو پورے یقین سے مانگو اس یقین سے مانگو کہ وہ کارساز ہے۔دعاؤں کو قبول فرمانے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”اللہ سے مانگو تو قبولیت کے یقین سے مانگو،یہ یاد رکھو!اللہ تعالیٰ کسی غافل اور لاپرواہ دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔“

اسے اپنے خدا پر یقین تھا اور کامل یقین تھا اسی لیے ایک دو گھنٹہ اس کے حضور عبادت کر کے دعا مانگ کر وہ پرسکون ہو گیا تھا۔ وہ اٹھا اور آنسوؤں سے تر چہرے کو صاف کر کے مسجد سے باہر نکل آیا تھا۔

☆......☆......☆

شام کے سائے چھٹ رہے تھے۔ آسمان پر چرند پرند اپنی منزل پر اڑتے جا رہے تھے۔ شاہ حویلی کے بڑے سے لان میں کرسیوں پر شاہ زیب شاہ اور شعیب شاہ بیٹھے ہوئے تھے۔

"یار شازی! مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آ رہی۔"

"کونسی بات؟"

"یہی کہ ماہی آپی ہمارے بھائی جان کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہیں۔"

"یہ لو یہ کونسا الجبرے کا سوال ہے جو تمہیں سمجھ نہیں آ رہا۔ صاف، سیدھی سی بات ہے وہ بھوتنی ہمارے بھائی جان کو پسند کرتی ہے۔"

"لیکن یار بھائی جان تو ہماری اپیا کو پسند کرتے ہیں پھر وہ۔"

"ہاں وہ ہماری اپیا کے ہیں اور ہماری اپیا کے ہی رہیں گے تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔ وہ گھمنڈی کچھ نہیں کر سکے گی یو ڈونٹ وری۔"

وہ دونوں بھائی ماہ رخ کی دھمکیوں وجہ سے بہت پریشان تھے۔

"اچھا یہ بتاؤ، تم نے سارا ہوم ورک کر لیا ہے؟" شعیب شاہ نے باتوں کے رخ کو اپنی پڑھائی کی جانب موڑ دیا۔

"نہیں فزکس کی تھیوری رہ گئی ہے لکھنے والی ڈایا گرام تو میں نے کالج میں ہی بنالی تھی۔"

"چل اٹھ تو مجھے ڈایا گرام بنا دے میں تمہیں تھیوری لکھ دوں گا۔"

''بڑا سیانا ہے تو۔ میں کیوں بنا کر دوں، خود تمہارے ہاتھ نہیں۔''

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے بھائی کو ڈرائنگ سے کتنی چڑ تھی۔

''یار ہاتھ تو ہیں لیکن جب بناتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے پاؤں کے ساتھ بنا رہا ہوں۔ تو بنا دے ناں مجھے، تمہاری ڈرائنگ تو اتنی اچھی ہے۔''

وہ دونوں وہاں سے اٹھے اور اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

''تم جتنا مرضی مکھن لگالو میں نہیں بنا کر دینے والا۔''

انہوں نے جیسے ہی حویلی کے اندرونی طرف جانے والی سیڑھی پر پاؤں رکھا تو گاڑی کے ہارن سے پیچھے مڑ کر دیکھا جہاں چوکیدار نے حویلی کا بڑا سا گیٹ وا کیا۔ سفید بی ایم ڈبلیو حویلی کی بڑی سی راہداری سے ہوتی ہوئی پورچ میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ حیران ہوتے اسی طرف دیکھ رہے تھے جب گاڑی کا فرنٹ ڈور کھلا تو اسفندیار باہر نکلا اور ساتھ ہی پسنجر سیٹ سے نائلہ اتری۔ اسفندیار نے آگے بڑھ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تو زینیا اتری اور دوسری طرف سے ہنستے ہوئے عثمان شاہ باہر نکلے۔

''زینیا آپی۔'' دونوں نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ایسے بھاگے جیسے کوئی ریس لگی ہو۔

''زینی اپیا، آپ سچ میں ہیں ناں، کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟'' وہ دونوں بھائی بھاگ کر اس کے ساتھ چمٹ گئے تھے جب شعیب بولا۔

''ارے گدھے یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔'' شاہ زیب شاہ ہنستے ہوئے بولا۔

''کیسے ہو تم دونوں؟'' وہ اپنے دونوں بھائیوں کو دیکھتے بولی۔

''بہت خوش۔'' وہ دونوں گردن ہلا کر پر جوش لہجے میں بولے۔

”بابا! تھینکیو سو مچ اپیا کو یہاں لے کر آنے کے لیے۔ آپ کو پتہ ہے ہم بہت خوش ہیں۔“

وہ اب عثمان شاہ کی طرف متوجہ ہوئے جو انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔ ان کی شکلوں سے ہی پتہ چل رہا تھا کہ وہ کتنے خوش تھے اسے وہاں دیکھ کر۔

”اپنی اپیا کو یہیں پر رکھنے کا اردہ ہے یا پھر اندر بھی لے کر جاؤ گے۔“

”ہاں کیوں نہیں چلیں۔“

کچھ یاد آنے پر انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”ایک منٹ ادھر ہی رکیں ہم ابھی آئے۔“

وہ دونوں سپیڈ سے بھاگتے ہوئے لان کی طرف چلے گئے۔

”بھابھی! آپ کے بھائیوں کا یہ حال ہے اب دیکھتے ہیں میرے یار کا کیا حال ہوتا ہے آپ کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر۔“ اسفند یار شرارت سے بولا جس پر عثمان شاہ بھی ہنس پڑے جبکہ اس کے نام پر ہی اس کی دھڑکن جیسے ایک سو بیس کی سپیڈ پر دوڑنے لگی تھی ۔دودھیا رنگت میں سرخی سے دوڑ گئی اور لب اپنے آپ ہی مسکرا اٹھے تھے۔

”اف، یہ مجھے کیا ہو رہا۔“ وہ آنکھوں کو زور سے بند کرتی سینے پر ہاتھ رکھتے دل میں بولی جیسے اپنی دھڑکن کو سنبھال رہی ہو۔

”پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔“ اس نے سوچا۔ اتنے میں وہ دونوں واپس آئے۔

”ویلکم ٹو سویٹ ہوم پیاری اپیا۔“ دونوں نے اسے پھول پیش کیے جو وہ حویلی کی لان سے توڑ کر لائے تھے۔ جسے اس نے آنکھوں میں نمی لیتے ہوئے پکڑ لیا۔ کس قدر پیار تھا ان کے دلوں میں اس کے لیے۔

”ویسے نائلہ، مجھے لگتا ہے ہمارا دوست بھنگڑا ڈالے گا بھابھی کو سامنے دیکھ کر۔ تمہارا کیا

خیال ہے؟"

وہ اندر کی طرف بڑھ گئے جب اس نے اونچی آواز میں اپنے ساتھ چلتی ہوئی نائلہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"السلام علیکم اسفی بھائی، نائلہ آپی سوری ہم نے آپ کو۔"

وہ دونوں اب ان کی طرف متوجہ ہوئے اور شرمندہ بھی ہوئے تھے کہ وہ زینیا کو دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے تھے کہ ان کی موجودگی کو بھی فراموش کر گئے تھے۔

"ارے یار کوئی بات نہیں ہم سمجھتے ہیں۔" وہ ان دونوں کے بال بگاڑتے بولا۔

"ویسے آپ دونوں کب آئے؟"

"ابھی آئے ہیں۔" وہ شرارت سے بولا۔

"نہیں میرا مطلب پاکستان کب آئے؟"

"دو تین دن ہو گئے ہیں۔ ویسے تم لوگوں نے تو میری بات کا جواب ہی نہیں دیا۔"

"کونسی بات؟" انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ نائلہ نے تاسف سے اسے دیکھ کر گردن ہلائی۔

"اسفی! تم بھی ناں ایک بات کے ساتھ چپک ہی جاتے ہو۔"

"چلو یار رہنے ہی دو۔" وہ اس کے ڈانٹنے پر منہ بسور کر بولا۔

وہ لوگ اندر داخل ہوئے جب شعیب شاہ اور شاہ زیب شاہ کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔

"ماما، بڑی ماما، بڑے پاپا باہر آئیں دیکھیں کون آیا ہے۔"

ان کی آوازوں سے سب گھر والے جو ہال میں بیٹھے ہوئے تھے باہر آئے۔ اور عثمان شاہ کے ساتھ زینیا کو دیکھ کر دونوں بہنوں کو تو جھٹکا لگا تھا جبکہ باقی سب کا حال شعیب اور شاہ زیب

کی طرح تھا۔

''اومائی گاڈ زینیا۔'' رانیہ بھابھی نے آگے بڑھ کر اسے خوشی سے اپنے ساتھ لگایا۔

''مجھے بھی جلدی سے اپنے گلے لگالیں اور بتائیں کہ یہ خواب نہیں ہے۔'' نوین شاہ بانہوں کو پھیلاتے ہوئے بولی۔ زینیا بھی مسکراتی جھجکتی اس کے ساتھ لگی جب اس نے زور سے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

''آپ کو نہیں پتہ میں کتنی خوش ہوں۔'' وہ آنکھوں کو زور سے بند کرتی خوشی کے عالم میں بولی۔

''نوین آپی، بس کریں کتنی زور سے آپ نے میری اپیا کو گلے سے لگایا ہوا ہے۔ ان کو سانس بھی مشکل سے آرہا ہوگا۔'' شعیب شاہ سے رہا نہ گیا تو بول پڑا۔ نازک سی زینیا شاہ لمبی صحت مند نوین کی ساتھ لگی جیسے نظر ہی نہیں آرہی تھی۔

''تم چپ کرو وہ صرف تمہاری آپی نہیں میری بھابھی بھی ہیں۔'' وہ اس کے سر پر چپت لگاتے بولی۔

پھر وہ باری باری سب کو ملی تھی۔ جب وہ طیبہ شاہ اور جویریہ شاہ کے پاس آئی تو انہوں نے نفرت سے اسے دیکھا تھا۔ زینیا ان کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھ کر ڈر سی گئی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے سلام کیا جبکہ انہوں نے دکھاوے کے لیے اسے پیار کیا۔

''انکل! آبان، عابی کدھر ہیں دونوں نظر نہیں آرہے۔'' اسفند یار نے اردگرد ایک نظر ڈال کر فرقان سے پوچھا۔

''آبان تو نماز پڑھنے گیا ہے اور ابھی تک نہیں آیا جبکہ عابی صاحب نماز پڑھنے کے بعد

ناجانے کہاں نکل گیا۔" انہوں نے بتایا اور اسے اپنے ساتھ لے کر لیونگ روم میں چلے گئے جبکہ چاروں لڑکیاں شعیب اور شاہ زیب شاہ وہی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئے تھے البتہ وہ دونوں بہنیں غصے سے واک آؤٹ کر گئی تھیں۔

"تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو اٹھو یہاں سے جا کر لیونگ روم میں بیٹھو۔" نوین شاہ ملازمہ کے ساتھ لوازمات سے بھری ٹرالی لے کر وہاں آئی تو انہیں ڈپٹتے بولی۔

"ہم اپنی آپی کے پاس بیٹھے ہیں آپ کو کیا مسئلہ ہے۔" وہ شازی اور شابی تھے جواب نہ دیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اتنے میں اپنے ہی دھیان میں عباد شاہ انگلی میں گاڑی کی چابی کو گھماتے ہوئے گنگناتا آیا اور جیسے ہی قدم لاؤنج میں رکھے، سامنے وہ دونوں بھائیوں کی درمیان بیٹھی ان کی کسی بات پر مسکراتی ہوئی زینیا پڑی تو ٹھٹھک گیا۔ وہ حیرت اور بے یقینی سے بار بار آنکھوں کو کھولتا بند کرتا دیکھ رہا تھا۔

"رانی بھابھی! کیا یہ ہماری زینیا بھابھی ہی ہے ناں یا پھر میں خواب دیکھ رہا ہوں۔" وہ ڈبل سیٹر صوفے پر بیٹھی رانیہ کو جھنجھوڑتے ہوئے بولا جو یکدم اس کی وہاں موجودگی اور آواز سے ڈر گئی تھیں۔

"حد ہے عابی تم نے مجھے ڈرا ہی دیا۔" وہ اپنے آپ کو سنبھالتے بولیں۔ "ہاں یہ تمہاری زینیا بھابھی ہی ہے۔"

"آہاں، بھابھی لگتا ہے بھائی جان کی غیر موجودگی میں آپ اداس ہوئی تھیں۔" وہ ذومعنی انداز میں اسے چھیڑ گیا تھا وہ جو دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ وہ ایسا کوئی جملہ نہ کہے لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا بھلا عباد شاہ شرارت نہ کرے ناممکن سی بات تھی۔

"اچھا اب زیادہ تنگ مت کرو میری پیاری سی دیورانی کو۔ اسے ریسٹ کرنے دو اتنا لمبا

سفر کر کے آئی ہے وہ۔ چلو آؤ زینی میں تمہارا کمرہ دکھا دوں اور نوین تم نائلہ کو گیسٹ روم میں لے جاؤ۔" رانیہ بھابھی ایک ہی سانس میں اسے مزید تنگ کرنے سے منع کر کے زینیا سے مخاطب ہوئیں۔

"بھابھی! زینی اپیا کا کمرہ ہم دکھائیں گے انہیں۔ کیوں اپیا؟" وہ دونوں بھائی فوراً بولے اور ساتھ ہی زینیا سے پوچھا۔ جس نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلو بھئی! جیسے تم لوگوں کی مرضی۔" وہ تینوں دیکھ رہے تھے آج وہ دونوں بھائی کس قدر خوش تھے جیسے انہیں بڑی بہن نہیں قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔

وہاں لاؤنج سے ہو کر تین چار سٹیپ سیڑھیاں تھیں جہاں بڑا سا ہال بنا ہوا تھا۔ گھر میں زیادہ آبنوس کی لکڑی سے کام کیا گیا تھا۔ ہال کے چھت کے وسط پر بڑا سا جھومر لگا ہوا تھا جس کی روشنی پورے ہال میں پھیلی ہوئی تھی۔ دیواروں پر مختلف اور مہنگی ترین پینٹنگز لگی ہوئی تھیں۔ فرش پر سفید رنگ کی سنگ مرمر کی ٹائلز لگی ہوئی تھیں۔ وہ بہت آرام آرام سے قدم اٹھا رہی تھی کہ کہیں وہ پھسل ہی نہ جائے۔

ہال کے سامنے ہی دوسرے پورشن پر جانے کے لیے گولائی کی صورت میں دو بڑے بڑے زینے تھے اور اسی طرف فرش پر بھی سفید ٹائلز پر کریم رنگ کی ٹائلز گولائی کی صورت میں لگی ہوئی تھیں اور ساتھ ہی چاکلیٹ رنگ کے ڈیزائن بنے ہوئے تھے۔ اسی طرح سفید اور کریم رنگ کے امتزاج کے صوفے بھی گولائی کی صورت میں پڑے تھے اور درمیان میں شیشے کی خوبصورت سی ٹیبل بنی ہوئی تھی اور اسی کے برابر چھت پر بڑا سے جھومر لگا ہوا تھا جس کی روشنی نے پورے ہال کو روشن کیا ہوا تھا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ رات ہو چکی ہے۔

اس نے اردگرد کا جائزہ لیتی اپنے بھائیوں کی پیچھے پیچھے دائیں زینے پر قدم رکھا۔

سیڑھیوں پر بھی جدید طرز کی لکڑی کے جنگلے بنے ہوئے تھے۔وہ دل ہی دل میں حیران ہو رہی تھی۔وہ تو لاہور والے گھر سے اتنا متاثر تھی اس کے سامنے تو یہ محل لگ رہا تھا۔

وہ اوپر آئے تو دائیں طرف ہی بڑا سا دروازہ بنا ہوا تھا جسے شعیب شاہ نے آگے بڑھ کر کھول دیا۔اگلے ہی پل وہ حیران ہوئی کیونکہ اس دروازے سے تھوڑا آگے بڑھ کر سیڑھیاں تھیں۔وہ وہیں رک گئی۔

”تم دونوں مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو؟“

اس کے سوال پر دنوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”آفکورس اپیا آپ کے کمرے میں لے کر جا رہے ہیں۔“وہ دونوں بولے۔

”ویسے یہ آبان شاہ کی سلطنت ہے اور تم اس سلطنت کی ملکہ ہو۔“

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا جہاں رانیہ بھابھی کھڑی تھیں اور مسکراتی ہوئی آگے بڑھیں اور دونوں کندھے سے اسے تھاما۔

”پریشان کیوں ہو رہی ہو تنی؟اپنے بادشاہ کی سلطنت میں گھبرا کر داخل نہیں ہوتے بلکہ خوش ہو کر لبوں پر خوبصورت مسکان لے کر بے دھڑک داخل ہوتے ہیں۔“وہ پیار سے بولتی ہوئی اسے دس زینوں والی سیڑھیوں سے اتار کر نیچے لے آئیں۔یہ سیڑھیاں ٹائلز کی نہیں بلکہ موٹی لکڑی اور بغیر جنگلے کی بنی ہوئی تھیں۔

”ویسے تو تمہیں اپنی بانہوں میں اٹھا کر اس کمرے میں آبان لے کر آتا تو زیادہ مزہ آنا تھا لیکن خیر پھر کبھی سہی۔“وہ شرارت سے بولیں اور ساتھ ہی سوئچ بورڈ سے سارے بٹن نیچے گرا دیئے اور پورا کمرہ سفید روشنیوں میں نہا گیا تھا۔

ایک دم روشنی ہونے سے اس کی آنکھیں بند ہوئی تھیں لیکن اگلے ہی پل اس نے گھنی

پلکوں کی جھالر والی اپنی شہد رنگ آنکھیں اٹھائیں تو دنگ رہ گئی۔ وہ کوئی چھوٹا سا کمرہ نہیں تھا وہ پورا ہال نما کمرہ تھا۔

"اپیا! یہ ہے آپ کا کمرہ۔ آپ آرام کریں صبح ملیں گے۔ گڈ نائٹ۔" وہ دونوں مسکراتے ہوئے واپس سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئے۔

"تم جانتی ہو زینی، ویسے تو گھر کے سارے کمرے کشادہ ہیں لیکن ہمارے گھر کا یہ کنگ روم ہے جو بابا نے خاص طور پر بھائی جان کے لیے بنایا تھا لیکن وہ یہاں پر رہتا ہی نہیں وہ ہمیشہ اس گھر سے دور رہا ہے لیکن اب تم آ گئی ہو ناں تو وہ بھی ادھر ہی رہے گا۔" رانیہ بھابھی پیار سے اس کی گال پر ہاتھ رکھتے بولیں۔ ان کی بات پر اس نے مسکراتے ہوئے ایک نظر کمرے کو دیکھا۔

"اچھا تم فریش ہو جاؤ میں ڈنر تمہارے کمرے میں ہی بھیج دیتی ہوں۔"

"نہیں بھابھی، ڈنر کی ضرورت نہیں میں ریسٹ کرنا چاہوں گی بہت تھک گئی ہوں۔" وہ انہیں منع کرتے ہوئے بولی۔

"چلو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" پھر وہ اسے گڈ نائٹ کہتی وہاں سے چلی گئی تھیں۔

ان کے جاتے ہی وہ چلتی ہوئی کنگ سائز بیڈ پر بیٹھ گئی اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ پورا کمرہ سفید اور گرے رنگ کے امتزاج سے سجا ہوا تھا۔ سارا فرنیچر بھی سفید رنگ کا تھا۔ روئی کی طرح نرم و ملائم بیڈ جس پر گرے اور سفید بیڈ شیٹ پڑی تھی اور بیڈ کے ایک طرف گرے رنگ کے ہی کنگ سائز دو صوفے پڑے تھے جن کے درمیان میں شیشے کی بنی میز پڑی تھی۔ اس پر خوبصورت سا گلدان رکھا ہوا تھا جس میں سفید رنگ کے ہی تازہ پھول لگے ہوئے تھے۔

اسی طرف ایک دروازہ تھا جو شاید واش روم کا تھا۔ کمرے کے درمیان میں اور دیوار کے

ایک طرف سفید رنگ کے ہی پردے گرے ہوئے تھے۔پردوں پر بھی کہیں کہیں گرے رنگ کا کام ہوا تھا۔

وہ اٹھی اور چلتی ہوئی آئی اور تھوڑا سا پردوں کو ہٹایا اور دیکھا، وہاں صوفے پڑے ہوئے تھے اور درمیان میں میز تھا جس پر تازہ پھول تھے۔صوفوں کے پیچھے ہی آتش دان تھا جہاں شاید سردیوں میں آگ جلائی جاتی تھی۔وہیں دیوار کے بیچ میں سات انچ کی ایل ای ڈی لگی ہوئی تھی اس طرف ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو بند تھا۔

''پتہ نہیں وہ کس کا کمرہ ہے۔'' اس نے دل میں سوچا اور پھر ٹال کر سیڑھیوں کے سامنے والی دیوار کی طرف متوجہ ہوئی جہاں پردے گرے ہوئے تھے۔اس نے تھوڑا سا سرکایا لیکن وہ کوئی ٹائل پتھر کی بنی دیوار نہیں تھی۔وہ پوری دیوار جیسے شیشے کی بنی ہوئی تھی شاید گلاس ڈور تھا۔ باہر سے اندھیرا ہی نظر آیا۔آگے پردے کرتے اس نے دوبارہ رخ بیڈ کی طرف کیا لیکن ٹھٹک کر رک گئی کیونکہ سامنے ہی اس کی تصویر لگی ہوئی تھی۔

وہ غور سے اسے دیکھنے لگی۔رائل بلیو تھری پیس پہنے ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے دوسرا پینٹ کی جیب میں ہاتھ دیئے بالوں کا سپائس بنائے ہوئے سنجیدہ اور پرکشش نین نقش لیے وہ شخص اسے جیسے دل و جان سے قریب لگا تھا۔سمندر کی طرح گہری نیلی آنکھیں جسے وہ دیکھ کر ہمیشہ ان میں کھو جاتی تھی جو اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔اس نے جلدی سے اپنی نگاہیں وہاں سے ہٹائیں اور بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔اس کی دھڑکنیں جیسے بے ترتیب سی ہونے لگی تھیں۔

''اوہ و میرے خدایا، اس کے ذکر سے اس کی تصویر دیکھ کر میری کی یہ حالت ہو رہی ہے نا جانے اس کے سامنے میں بے ہوش ہی نہ ہو جاؤں۔'' وہ بیڈ پر بیٹھتے ہی اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔حالانکہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے کتنی دیر ہو گئی تھی لیکن پہلے بات اور تھی اب تو دل کی

دنیا بدل چکی تھی۔

''اور ہر دفعہ ماما بابا سے ناراضگی کا غصہ بلاوجہ اس پر اتارا۔میں نے کتنی بدتمیزی کی ہے اس کے ساتھ۔''اس کے ساتھ اپنا سابقہ رویہ یاد کر کے وہ شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتی جا رہی تھی۔دل میں جمی بدگمانی کی تہہ کیا اتری وہ اپنی غلطی پر شرمندہ سی ہونے لگی تھی۔

''پتہ نہیں ہم غصے اور نفرت میں اخلاقیات کے وہ سارے سبق کیسے بھول جاتے ہیں جن کو ہم نے بچپن سے یاد کیا ہوتا ہے۔''اس نے دل میں سوچا اور اسی طرح سوچتے وہ وہی پر نیند کی وادیوں میں چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ جس وقت گھر میں آیا تھا سب گھر والے اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے تھے۔ وہ جیسے ہی ہال سے گزرا ملازم بوتل کے جن طرح حاضر ہوا۔

''صاحب!آپ کے لیے کھانا لگاؤں؟''اس نے تابعداری سے پوچھا۔

اس نے ایک نظر اسے دیکھا۔''نہیں کوئی ضرورت نہیں۔تم لوگ جاؤ اور جا کر سو جاؤ میں بھی سوؤں گا۔''

اس نے ایک نظر ملازموں کی فوج کو دیکھا جو سب اس کی وجہ سے جاگ رہے تھے اس نے سب کو سرونٹ کوارٹر بھیجا اور خود سیڑھیاں چڑھتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

اس نے سیڑھیوں سے اتر کر اپنے کمرے میں جیسے ہی قدم رکھا تو بہت مختلف قسم کا احساس اس کے دل میں اٹھا تھا۔اس نے ایک نظر اپنے اتنے بڑے کمرے کو دیکھا۔اس کی نظر ابھی تک بیڈ پر سوئی ہوئی زینیا پر نہیں پڑی تھی۔اس نے موبائل کو جیب سے نکالا جہاں اسے کافی بزنس میلز آئی ہوئی تھیں۔اس کا سر اس وقت درد سے پھٹ رہا تھا۔انہیں صبح چیک کرنے کا

سوچ کر موبائل بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔اسی وقت اس کی نظر زینیا پر پڑی تھی۔

وہ حیران ہوا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔

"یہ یہاں کیسے؟ کہیں خواب۔نہیں نہیں خواب تو نہیں ہو سکتا۔"

اس نے خود کو ٹالا اور اسے خوش گوار حیرت ہوئی تھی پھر وہ تھوڑا جھکا اور اس کے ماتھے پر آئے سنہری آبشار کی طرح بالوں کو اپنی شہادت کی انگلی سے اتنے آرام سے پیچھے کیا کہ اگر یہ سچ ہے تو کہیں وہ جاگ نہ جائے اور ساتھ ہی تصدیق کرنا چاہی لیکن جب اس نے بال پیچھے کیے تو اس نے کسلمندی سے کروٹ بدلی تب وہ مسکراتا ہوا اٹھا اور بیڈ کے ایک طرف پڑے دو صوفوں میں سے ایک پر ٹک گیا۔اس کے لبوں پر اس وقت جان لیوا مسکراہٹ احاطہ کیے ہوئے تھی۔اسے دیکھ کر جیسے اس کی ساری تھکن اڑن چھو ہو چکی تھی۔بہت سے سوال بھی اس کے ذہن میں اُمڈ رہے تھے جن کا جواب اسے صبح ہی مل سکتا تھا۔فی الحال وہ اٹھا اور کبڈ سے اپنا سلیپنگ سوٹ نکال کر وہ واش روم میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ فریش ہوا، لباس بدل کر نکلا تو اس کی نظر زینیا کے بالوں پر پڑی جو اب کھل چکے تھے۔دوپٹہ بیڈ سے آدھا نیچے لٹکا ہوا اور آدھا گلے میں تھا۔وہ آگے بڑھا اور دوپٹے کو احتیاط سے اس کے گلے سے اتار کر پیچھے رکھ دیا اور بہت آرام سے سینے تک چادر اوڑھا دی۔کمرے میں اے سی کی بہت زیادہ کولنگ ہو چکی تھی۔محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ گرمی کا مہینہ ہے

وہ تمام لائٹیں آف کرتا اور زیرو بلب آن کرتا اس طرف آ گیا جہاں صوفے پڑے تھے۔صوفے کافی بڑے تھے۔وہ با آسانی وہاں سو سکتا تھا۔لیکن دونوں بازو سر کے نیچے کر کے لیٹا اور ساتھ ہی زینیا کے بارے میں سوچ کر مسکرا دیا تھا۔اسے تو سچ میں یقین نہیں ہو رہا تھا کہ وہ

یہاں ان سب کے بیچ میں تھی۔

دل میں تو جیسے پھول کھل اٹھے تھے۔اسے جیسے خدا کی طرف سے سب ٹھیک ہونے کا اشارہ ملا تھا لیکن نہیں جانتا تھا سب کچھ ٹھیک ہونے تک کچھ غلط بھی ہونا تھا جس سے انہوں نے گزرنا تھا۔

☆......☆......☆

وہ بھی ایک سہانی صبح تھی جو شاہ حویلی کو اپنے حصار میں لیے اتری تھی۔صبح کی ٹھنڈی اور پرسکون ہوا چل رہی تھی۔چرند پرند اپنی ہی آوازوں میں گیت گاتے نیلے افق پر اپنے پنکھ پھیلائے اڑ رہے تھے۔کچھ پرندے ہوا کی سرگوشیوں میں درختوں کی ٹہنیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔لان میں مختلف رنگوں کے پودے ہری ہری گھاس سرسبز پودوں میں پھولوں کی بکھری خوشبو طبیعت پر بہت اچھا تاثر چھوڑ رہی تھی۔

حویلی کے سب نفوس باہر لان کی کرسیوں پر بیٹھے گپ شپ کے ساتھ اس خوبصورت موسم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

وہ جب اٹھی تو آبان شاہ کمرے میں نہیں تھا۔اس نے شکر ادا کیا کیونکہ وہ اس کا سامنا کرنے کے لیے ابھی بالکل بھی تیار نہیں تھی۔اس نے ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور فجر کی نماز پڑھ کر وہ باہر آ گئی تھی۔ایک دفعہ پھر وہ اپنے اس آبائی گھر کو چلتے چلتے دیکھ رہی تھی جو اسے کسی محل سے کم نہیں لگ رہا تھا۔وہ جب یہاں سے گئی تھی تب بھی وہ اتنا ہی بڑا تھا لیکن اب وہ پہلے سے بھی بڑا اور خوبصورت ہو گیا تھا۔شاید اسے ری نیو کروایا گیا تھا۔

”گڈ مارننگ سویٹی۔“

وہ ہال میں کھڑی گلدان میں لگے تازہ پھولوں کا جائزہ لے رہی تھی جب ہنستی مسکراتی

رانیہ بھابھی رائم کو اٹھاتی اس کے پاس آئیں۔اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

''کیسی ہو؟ اور نیند تو اچھی طرح آ گئی تھی ناں؟ کوئی دقت تو نہیں ہوئی؟'' وہ اس کے تروتازہ معصوم سے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''جی۔'' ایک مسکان کے ساتھ مختصر سا جواب دیا اور وہ بھی اتنا دھیما کہ وہ مسکرا دی تھیں۔

''رائم بیٹا، اپنی چچی سے شیک ہینڈ کریں۔'' وہ اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں جو ٹپر ٹپر زینیا کو دیکھ رہا تھا۔رانیہ کے کہنے پر اس نے فوراً اپنا ننھا سا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ہائے ماشاءاللہ یہ کتنا پیارا ہے۔''

زینیا نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے پیار سے اسے ان سے لے لیا۔وہ گول مٹول سے رائم کو پیار کرنے لگی جو اپنی زبان میں ناجانے اس سے کیا پوچھ رہا تھا۔

''زینیا چلو آ جاؤ باہر چلیں سب باہر لان میں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''بلقیس! جلدی سے باہر سب کے لیے فریش جوس لے آؤ ورنہ مما کی ڈانٹ پڑ جائے گی تمہیں۔'' انہوں نے باہر جاتے ہوئے کچن میں کام کرتی ملازمہ کو کہا اور زینیا کے ساتھ باہر آ گئیں۔وہ جیسے ہی باہر آئی تو ٹھنڈی اور صبح کی تروتازہ ہوا نے اسکا استقبال کیا تھا۔

''السلام علیکم۔'' اس نے سب کو مشترکہ سلام کیا۔اسے دیکھ کر سوائے جویریہ شاہ اور طیبہ شاہ کہ سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے۔

''وعلیکم السلام۔میری بیٹی کو کیسا لگا اپنے گھر میں آ کر؟'' فرحان شاہ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''بڑے بابا، مجھے بہت اچھا لگا یہاں پر آ کر اور خاص طور پر آپ سب سے مل کر۔'' اس نے سچے دل سے اعتراف کیا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ وہ ان سے پہلی بار مل رہی تھی۔ وہ تو اپنی شادی پر بھی ملی تھی لیکن تب دل کی کیفیت اور تھی اور اب واقعی وہ ہر ایک کو اپنے دل کے قریب محسوس کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ اپنی ماں کی باتیں سن کر اس کے دل میں جویریہ شاہ اور طیبہ شاہ کے لیے بھی جیسے کوئی نفرت محسوس نہیں کی تھی کیونکہ اس کا دل اپنوں کی محبت جو محسوس کرنے لگا تھا۔

جس دل میں محبت ہوتی ہے وہاں پر نفرت کا کیا کام؟ وہاں تو صرف محبت ہی محبت ہوتی ہے۔

وہ عثمان شاہ کے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ سب اس سے باتیں کرنے لگے۔ اسفندیار اور عباد شاہ باتیں کرتے ہوئے واک کر رہے تھے۔

"یار عابی! یہ تمہارا بھائی جان کہاں ہے؟ رات کو بھی نہیں ملا تھا اور اس وقت بھی وہ غائب ہے۔"

اس سے پہلے وہ جواب دیتا، سامنے وہ ٹریک سوٹ میں ملبوس جاگنگ سے واپس آ رہا تھا۔

"آپ نے نام لیا اور وہ حاضر۔" اس نے آنکھوں سے اسفندیار کے پیچھے اشارہ کیا۔ جہاں وہ چلتا ہوا ان کی طرف ہی آ رہا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ تم لوگ آ رہے ہو۔ میں پریشان ہو گیا تھا جب تم فون نہیں اٹھا رہے تھے۔" وہ بہت گرم جوشی سے اس کے بغلگیر ہوا۔

"بس یار انکل نے منع کر دیا تھا ان کا کہنا تھا کہ تم سب کو سرپرائز دینا چاہتے تھے۔ ویسے کیسا لگا تمہیں ہمارا سرپرائز۔"

اس کی بات پر وہ مسکرا دیا تھا۔

”آپ کے آنے کا تو معلوم نہیں جبکہ میری بھابھی کو یوں اچانک اپنے سامنے پا کر دل تو گارڈن گارڈن ہو گیا ہے بھائی کا۔“ عباد شرارت سے بولا جس پر اس نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔ وہ سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔

”یعنی کہ تمہیں ہمارے آنے سے بالکل بھی خوشی نہیں۔ بہت ہی بے مروت انسان ہے تو۔“

”نہیں یار میں نے بھلا ایسے کب کہا۔“ وہ فوراً اپنی صفائی میں بولا۔

اسفندیار نے اسے دیکھا۔ سفید ٹراؤزر اور سفید ہی آدھے آستینوں والی ٹی شرٹ میں ملبوس ماتھے پر بکھرے بال آنکھوں میں روشنیوں کا جہان آباد کیے، لبوں پر مسکان سجائے وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیارا لگ رہا تھا۔

”بڈی! جب بھی میں تمہیں ایسے سٹائل میں دیکھتا ہوں نا، تو قسم سے یار، میرے دل میں کچھ کچھ ہوتا ہے۔“ وہ اس کا مکمل جائزہ لیتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھتے بولا۔ اس کی بات سن کر فضا میں اس کا کسی سر کی طرح قہقہہ بکھرا تھا۔ اور یہی دھن زینیا شاہ کے دل میں اترنے لگی تھی محبت کی صورت میں۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ آج وہ پہلی بار ایسے دیکھ رہی تھی اور اس کے لیے یہ ڈسائیڈ کرنا مشکل تھا کہ وہ کس حلیے میں زیادہ پیارا لگتا ہے۔ محبت کی دیوی اپنے نرم نرم پنکھ اس کے دل کو اپنے حصار میں لے رہی تھی۔

ہنستے ہنستے اس کی نظر سب کے بیچ بیٹھی زینیا پر پڑی جو اسے ہی یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ پتہ نہیں اس کی آنکھوں میں کیا تھا جو آبان شاہ کی مسکراہٹ اور گہری سے گہری ہوتی گئی۔ باقی سب نے بھی اسے دیکھا تھا بے اختیار ہی سب نے ماشاءاللہ کہا۔

”بس کر دے اب یوں بتیسی دکھا کر کیوں میرے بیچارے دل کی ایسی کی تیسی کر رہا

ہے۔"

اپنے دوست کو ایسے ہنستا مسکراتا دیکھ کر وہ بہت خوش تھا۔ کہاں وہ بس ضرورت کی بات کرنے والا اور سنجیدہ بغیر کسی تاثر والا آبان شاہ اور کہاں یہ ہنستا مسکراتا زندگی سے بھرپور والا آبان شاہ۔

"یا اللہ! میرے دوست کو یوں ہی ہنستے مسکراتے رکھنا۔" اس نے دل ہی دل میں خدا سے دعا کی۔

"تم بھی اسفی حد کرتے ہو یار۔" وہ ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلاتا وہاں سے ہٹ گیا۔

"السلام علیکم ایوری ون کیا ہو رہا ہے؟" اس نے مشترکہ سب کو سلام کیا۔ وہ بالکل زینیا کے سامنے تھا جو اپنی گود میں بٹھائے رائم کو دیکھ رہی تھی جو اس کی انگلیوں کو پکڑے کھیل رہا تھا۔

ہلکے مالٹا اور سبز رنگ کے تھری پیس میں ملبوس سر پر اچھی طرح دوپٹے کو اوڑھائے اپنے بکھرے بالوں کو چھپائے ہوئے تھی جو کھلے ہونے کے باعث دوپٹے سے باہر تھے۔ اس کے دودھیا چہرے کو چھو رہے تھے۔ برف کی طرح شفاف چمکتی رنگ پر اس کے سنہری بال اور گھنی لمبی پلکیں کبھی جھک رہی تھیں اور کبھی اٹھ رہی تھیں۔

نائلہ نے اسے دیکھا جو اردگرد سے مدہوش ہو کر صرف زینیا پر نظر جمائے کھڑا تھا اور جیسے بھول گیا تھا کہ یہاں پر سب موجود ہیں اکیلی وہ نہیں۔

"بھیا! آپ کو یاد ہے ناں ہم نے آپ کو کچھ کہا تھا اور اب تو زینی بھابھی بھی یہاں پر ہیں۔" نوین شاہ نے اسے کچھ یاد دلایا جس پر وہ مسکراتے ہوئے اپنی بہن کو دیکھنے لگا۔

"نہیں پہلے تو ان سب کا ولیمہ ہوگا پھر تم لوگ جو چاہو کر لینا۔" فرحان شاہ فوراً بولے۔

”بالکل بابا اٹس گڈ آئیڈیا۔“

سب جیسے ان کے خیال سے متفق تھے۔

”تم کہاں جا رہے ہو؟“ وہ وہاں سے ہٹنے لگا تو جب عثمان شاہ نے مخاطب کیا۔

”کہیں نہیں، آپ لوگ باتیں کریں میں ذرا فریش ہونے جا رہا ہوں۔“ وہ انہیں جواب دے کر اندر چلا گیا اور اس کے جاتے ہی جویریہ شاہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے چلی گئیں۔

”بھئی رانیہ بیٹا، ناشتہ لگے گا یا پھر آج ہمیں بھوکا ہی آفس بھیجنے کا ارادہ ہے آپ ساس بہو کا۔“

”ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں میں ابھی ناشتہ لگواتی ہوں۔“

ان کی بات سن کر وہ فوراً اٹھیں اور اندر چلی گئیں۔

”شعیب، شاہ زیب، اٹھو، جب تک ناشتہ لگتا ہے تم دونوں بھائی جلدی سے تیار ہو جاؤ ورنہ کالج سے لیٹ ہو جاؤ گے۔“ طیبہ شاہ اٹھتے ہوئے باتوں میں مشغول دونوں بھائیوں سے مخاطب ہوئیں۔ وہ اس وقت بہت ہی صبر سے کام لے رہی تھیں ان کا بس چلتا تو وہ زینیا کو غائب کر دیتیں۔

”ماما آج تو چھٹی ہے۔“

”چھٹی کس بات کی آج کوئی خاص دن ہے۔“

”آف کورس ماما جانی ٹوڈے ویری اسپیشل فار اس۔ ہماری آپی آئی ہیں اور ہم انہیں اکیلا چھوڑ کر چلے جائیں یہ اچھی بات تو نہیں۔“

دونوں نے ان کی طرف دیکھا جو انہیں کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

”اووو بھائی، تم دونوں فکر نہ کرو ہم سب ہیں ان کے پاس وہ اکیلی نہیں ہیں۔“ عباد شاہ

فوراً ان کو یاددہانی کرواتے بولا۔

”آپ سب لوگ تو آپی کو بور کردیں گے ہم لوگ ہی ہیں جو انہیں یہاں انجوائے کرواسکتے ہیں۔“

ان کی بات پر زینیا کے لب اپنے آپ ہی مسکرا اٹھے تھے۔اس سے پہلے عباد شاہ انہیں جواب دیتا طیبہ شاہ انہیں ڈانٹتی ہوئی بولیں۔

”میں تم دونوں کا کوئی فالتو بہانہ نہ سنوں اس لیے فوراً یہاں سے اٹھو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ وہ دانت پیستے ہوئی انہیں تنبیہہ کرتی غصے سے اندر چلی گئیں۔

”بابا بڑے بابا، پلیز آپ ہی ماما کو بولیں نا کہ ہم نے آج کالج نہیں جانا۔“ وہ دونوں اب ان سے التجائیہ لہجے میں بولے۔

”بھئی ہم تو کچھ نہیں کرسکتے تم دونوں جانو یا تمہاری ماں ہمیں اس معاملے سے دور ہی رکھو۔“ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر صاف ہری جھنڈی دکھائی۔ساتھ ہی اٹھ کر وہ اندر چلے گئے۔

”تم دونوں اداس کیوں ہورہے ہو۔میں نے اب یہی رہنا ہے اس لیے بے فکر ہوکر کالج جاؤ۔“ وہ دونوں بھائیوں کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھتی اوران کے بال بگاڑتے بولی۔

”لیکن آج ہمارا دل نہیں چاہ رہا تھا۔“ وہ اندر کی طرف جاتے منہ بسور کر بولے۔وہ محض مسکرا کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

ساجدہ شاہ اپنے ملازم کے ساتھ گھر کے قریب مارکیٹ میں کچن کا سامان لینے آئی ہوئی تھیں جہاں ان کی ملاقات نوراں سے (شاہ حویلی کی ملازمہ) ہوا جس سے اسے زینیا کی شاہ حویلی میں آمد کا معلوم ہوا۔

”کیا تم سچ کہہ رہی ہو نوراں؟“

”جی بی بی جی میں سچ کہہ رہی ہوں۔ زینیا بی بی کل ہی چھوٹے شاہ (عثمان شاہ) کے ساتھ آئی ہیں۔ وہ تو ماشاءاللہ بالکل بچپن کی طرح ہیں بھولی بھالی معصوم سی۔ اتنی پیاری ہیں میں کیا بتاؤں آپ کو۔ آپ آئیں گی ناں آج۔“ نوراں تفصیل بتاتے ہوئے بولیں۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں میں ضرور آؤں گی۔“ وہ آنکھیں چراتے ہوئے بولیں۔ آخر وہ انہیں کیا بتاتیں کہ ندیم شاہ نے انہیں وہاں جانے پر منع کیا ہوا تھا وہ نہیں آسکتیں۔ دل تو ان کا بھی بہت چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی جائیں اور اس سے ملیں۔ اسے پیار کریں۔

”اچھا بی بی جی میں چلتی ہوں دیر ہو رہی ہے۔“ وہ انہیں بتا کر مارکیٹ سے باہر نکل گئیں۔ ملازمہ کی آواز پر انہوں نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور دل میں ایک خواہش جاگی کہ وہ بھی ابھی وہاں چلی جائیں لیکن اپنی خواہش کا گلا دبا گئی تھیں۔

”بشیر! میں گھر جا رہی ہوں تم سامان لیتے آنا۔“ وہ اپنے ملازم کو کہہ کر وہاں سے نکل گئیں۔ وہ بے کل سی ہو گئی تھیں۔ عورت بھی کتنی مجبور ہوتی ہے شوہر کی خوشی کے لیے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔

☆......☆......☆

”ماشاءاللہ! یہ حویلی تو اپنی مثال آپ ہے۔ کیا خوبصورتی ہے ویسے زینی، تمہیں معلوم ہے آبان کا پیرس میں جو روز مینشن ہے وہ تو بالکل خوابوں کی طرح ہے۔ ایک ایک چیز نایاب ہے۔ جس طرح آبان کی شخصیت میں ایک جادو ہے ناں بالکل ویسے ہی اس روز مینشن میں ایک سحر سا ہے۔ مجھے اس کا وہ گھر سب سے زیادہ پسند ہے لیکن یہ والا بھی بہت عمدہ ہے۔ آئی ایم ویری ایمپریسڈ کہ شاہوں کی چوائس بہت اعلیٰ اور نایاب ہے۔“

نائلہ ایک ایکڑ زمین پر بنی وسیع عریض حویلی میں گھوم پھر کر تبصرہ کیے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ اس وقت زینیا کے ساتھ حویلی کے پچھلی طرف بنے باغ کا چکر لگا رہی تھی۔ زینیا نائلہ کے ساتھ گھر والوں کے ساتھ بھی کافی بے تکلف ہو چکی تھی۔ جو ہچکچاہٹ تھی وہ ختم ہو گئی تھی۔

''کیا آپ پاکستان پہلی دفعہ آئی ہیں؟''

''نہیں تو، میں یہیں پر رہتی تھی۔ بس مام ڈیڈ کی ڈیتھ کے بعد خالہ کے پاس چلی گئی اور وہیں اپنی سٹڈی مکمل کی۔ ہر سال یہاں کا چکر لگاتی ہوں۔''

وہ دونوں چلتی ہوئیں حویلی کی پچھلی طرف درختوں کے سائے میں سنگ مرمر کے پتھروں کی بنی نشست پر براجمان ہو گئیں۔

''اور آپ ان کو کیسے جانتی ہیں؟'' یہ سوال اس نے بغیر سوچے سمجھے ہی کیا تھا۔

''ان سے مراد آبان شاہ؟''

وہ جو سامنے لگے پودوں کو دیکھ رہی تھی نائلہ کے شرارتی لہجے سے پہلو بدل کر رہ گئی۔

''ہاہاہاہاہا واٹ آ نائس ساؤنڈ یار۔'' وہ اسے گالوں پر چٹکی کاٹتے بولی۔ پھر وہ اسے بتانے لگی کہ کیسے وہ اسے اور اسفند یار کو جانتی ہے۔

''اووو تو کیا وہ آپ کے باس بھی ہیں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں اور بہت سخت باس ہے سیریسلی۔''

''اس بات کو تو مجھے بھی اندازہ ہے۔'' وہ دل میں بولی۔ اسے وہ دن یاد آ گئے جب اس نے آبان شاہ کی سرپرستی میں اس کے آفس میں کام کیا تھا۔

''اچھا تو یہ بتاؤ آبان شاہ شوہر کے روپ میں کیسا ہے۔ غصہ تو نہیں کرتا؟'' نائلہ اسے بغور دیکھتے بولی جو اس کی بات پر مسکرا دی تھی۔ اسے یہ ماننا ہی پڑا کہ اس لڑکی کی مسکراہٹ میں

بہت کشش تھی جو کہ شاید بنی ہی اس کے لیے تھی۔

پوچھا تھا کسی نے بتاؤ تو وہ کیسا ہے

دل نے کہا ایسا کہ لفظوں میں بتانا مشکل ہے

''مجھے پتہ ہے وہ سب سے جدا اور منفرد سا ہے۔ وہ تم پر کبھی غصہ نہیں کرتا ہوگا۔''

اس کی بات پر اس نے اسے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو تمہیں کیسے معلوم لیکن وہ تو مدہوشی کے عالم میں اس کی تعریفیں کر رہی تھی۔ نا جانے کیسی چمک تھی اس کی آنکھوں میں آبان شاہ کے ذکر سے زینیا کے دل کو کچھ ہوا۔ اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔شاید دل کو برا لگ رہا تھا۔

''کیا آپ انہیں پسند کرتی ہیں؟'' آنکھوں کی لو نا جانے کیوں مدھم پڑ گئی تھی۔

اس کے صاف گوئی پر ایک لمحے کو جیسے پچھتائی کہ اس نے یہ سوال کیوں کیا تھا؟

''پسند نہیں کرتی پیار کرتی تھی۔ خدا سے بہت مانگا اسے لیکن وہ مجھے نہیں ملا۔ اس نے کہا کہ اس کے دل میں محبت کا خانہ پہلے ہی پر ہو چکا ہے۔ میں نے سوچا دعاؤں سے قسمت بدل جاتی ہے لیکن نہیں بدلی کیونکہ اس کی قسمت میں تو تم لکھ دی گئی تھی جسے میری دعا بھی مٹا نہیں سکی۔''

وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوئی۔ پتہ نہیں کیوں زینیا کو اس سے ہمدردی سی ہوئی۔ دکھ ہوا تھا۔

''لیکن میں نے یہ جان کر صبر کر لیا ہے کہ شاید اسی میں میری بہتری ہے، ہماری زندگی میں بہت سے ایسے حالات آتے ہیں جن کا سامنا کرتے ہوئے ہم مایوس ہو جاتے ہیں۔ ہم خدا سے شکوہ کرتے ہیں۔ انسان کو لگتا ہے جو ہمیں نہیں ملا وہ ہماری محرومی ہے لیکن درحقیقت وہ

توہماری بہتری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کیا چیز انسان کے لیے بہترین ہے اس لیے ہمیں کبھی بھی زندگی میں ہمت نہیں ہارنا چاہیے۔ ہمیں اپنے رب پر کامل یقین ہونا چاہیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہترین عطا کرنے والا ہے۔ وہ کبھی بھی دوسرا دروازہ کھولے بغیر پہلا بند نہیں کرتا۔

اللہ فرماتا ہے: ”ہوسکتا ہے تمہیں ایک چیز ناگوار گزرے اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لیے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔“ (سورہ البقرہ 216)

اس نے خود سے زیادہ جیسے زینیا کو یقین دلایا تھا تاکہ اس کے من میں کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ وہ خود بھی مطمئن تھی۔ اس کی باتوں سے جیسے زینیا کو بھی تسلی ہوگئی تھی لیکن اسے افسوس تھا کہ جسے اس نے چاہا وہ اسے نہیں مل سکا لیکن یہ سوچ کر وہ مطمئن ہوگئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس پیاری لڑکی کے لیے ضرور کچھ بہترین سوچا ہوگا۔ وہ دل سے اس کے لیے دعا گو بھی تھی۔

”ارے آپ دونوں یہاں بیٹھی ہوئی ہیں میں اور بھابھی آپ کو اندر ڈھونڈ رہے تھے۔“ اتنے میں نوین شاہ بولتی ہوئی ان کے پاس چلی آئی۔

”ہاں بس میں اور زینیا یہ باغ دیکھ رہی تھیں اور باتوں ہی باتوں میں پتہ نہیں چلا اور یہاں آکر بیٹھ گئیں۔“ نائلہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”اچھا چلیں پھر اندر آجائیں۔ یہاں بہت گرمی محسوس ہورہی ہے۔ دیکھیں زینی بھابھی، آپ کے گال کتنے سرخ ہوگئے ہیں گرمی کی وجہ سے۔“ اس کی نظر اس کی دودھیا رنگت میں گھلتی سرخی پر پڑی تو فکرمندی سے بولی۔ زینیا نے اسے دیکھا جو پیار سے چہرے پر پریشانی کے آثار لیے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ گرمی کی حدت نہیں بلکہ تمہارے بھائی کا ذکر ہے پیاری۔" نائلہ کا شرارتی ذومعنی انداز وہ سمجھ گئی تھی۔

"اووووواقعی، پھر تو ایک سیلفی بنتی ہے میں بھیا کو بھیجوں گی کہ دیکھیں ان کی پرنسز بلش کرتے ہوئے کتنی پیاری لگتی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے ہاتھ میں پکڑے موبائل میں کیمرہ آن کیا اور زینیا کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر جھٹ سے ایک سیلفی کی صورت میں خوبصورت تصویر کو کیمرے کی آنکھ میں قید کرلیا۔اور ساتھ ہی آبان کو وٹیس ایپ کردی۔

"یار نوین! اپنے نکاح کی تصویریں تو دکھاؤ ہم شریک تو نہیں ہوسکے۔" اندر داخل ہوتے ہوئے نائلہ نے کہا۔

"کیوں نہیں میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے وہاں سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

"دیکھا آپی! یہ یہاں کیسے گھوم رہی ہے۔اسے دیکھ کر غصے سے میرا بلڈ پریشر تیز ہورہا ہے۔ میرا بس چلے تو اسے جان سے ماردوں اور میرے بیٹے تو کیسے ان کے دیوانے ہورہے ہیں۔ آپی، کچھ کرو ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔" طیبہ شاہ اس وقت سخت غصے کے عالم میں جویریہ شاہ کے کمرے میں چکر کاٹ رہی تھیں۔

"مجھے خود کچھ سمجھ نہیں آرہا میں کیا کروں۔تم ہی کچھ بتاؤ۔ایک طرف بھائی ہے اور دوسری طرف میرا بیٹا۔ جانتی ہو، اس دن اسے میں نے روتے ہوئے دیکھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرے دل میں کسی نے تیر چلادیئے ہوں۔ میرا بیٹا میرے سامنے رو رہا تھا طیبہ۔" وہ ہارے ہوئے لہجے میں بولیں۔ان کی آنکھوں میں باربار آبان کا چہرہ، کانوں میں اس کی التجائیہ آواز گونج رہی تھی۔

''ڈونٹ ٹیل می آپی کہ آپ اس لڑکی کو اپنی بہو قبول کر رہی ہیں، آپ بھول رہی ہیں آپ نے ماہ رخ اور بھائی سے کمنٹمنٹ کی تھی۔'' طیبہ شاہ نے انہیں تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔

''میں کچھ نہیں بھول رہی طیبہ، میں اگر اپنے بھائی سے محبت کرتی ہوں تو اپنے بیٹے سے بھی کرتی ہوں۔'' وہ زچ ہو کر بولیں۔

''آپ ریلیکس ہو جائیں۔اس ٹاپک پر ہم بعد میں بات کرتے ہیں اور پلیز ہم ہار نہیں مان سکتے آپی۔''

طیبہ شاہ کو ایسا لگا جیسے وہ اس میدان سے پیچھے ہٹ رہی ہیں لیکن وہ ایسا ہونے نہیں دے سکتی تھیں۔وہ کسی بھی طرح فانیا اور اس کی بیٹی کو جیتنے نہیں دے سکتی تھیں۔ان کے دل میں ان ماں بیٹی کے لیے جیسے بے تحاشہ نفرت تھی اور وہ چاہتی تھیں سب ان سے نفرت کریں۔زینیا کی وہاں موجودگی،سب گھر والوں کا اس سے پیار ان کے لیے قابل برداشت تھا۔

ہوتا ہے ناں کبھی جس انسان سے بہت سوں کو محبت ہوتی ہے جسے بہت زیادہ چاہتے ہیں اسے ہی نفرتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے......اور زینیا بھی ایسے انسانوں میں سے تھی جہاں اسے کچھ لوگ چاہتے تھے وہیں اسے بہت سے لوگ ناپسند کرتے تھے۔

☆......☆......☆

زندگی ایک کتاب ہے
یہ کتاب بھی کیا کتاب ہے
کہیں محبتوں کا باب ہے
کہیں نفرتوں کا مضمون ہے
کہیں خوشیوں کی سطریں ہیں

کہیں دکھوں کی فہرستیں ہیں
زندگی ایک کتاب ہے
یہ کتاب بھی کیا کتاب ہے
(نمرہ نور)

عباد شاہ تو اسلام آباد تو آ کر مکمل فارغ تھا۔ نہ ہوسپٹل کا جھنجٹ نہ کچھ اور۔ وہ تو یہاں آ کر جیسے اپنی نیندیں پوری کر رہا تھا۔ سب مرد حضرات اپنے کاموں پر گئے ہوئے تھے۔ سوائے اس کے وہ تو ناشتے کے بعد اپنے کمرے میں جیسے گھسا پھر تیار ہو کر باہر نکلا تھا۔ شاید باہر جانے کا ارادہ تھا۔

وہ گنگناتا ہوا جیسے ہی نیچے جانے کے لیے سیڑھوں کی طرف بڑھا تو موبائل فون کے بجنے کی آواز آئی۔ اس نے اپنے موبائل کی طرف دیکھا لیکن وہ تو خاموش تھا۔ اس نے ارد گرد دیکھا۔ سامنے ہی لاؤنج میں پڑے ٹیبل پر فون کی روشنی جگمگا رہی تھی۔ وہ فون اٹھانے کے لیے آگے بڑھا تب تک وہ اس کی بیل بج کر بند ہو گئی تھی۔ اس نے دیکھا۔ وہ فون شاید زینیا کا تھا جو ادھر ہی رکھ کر نیچے چلی گئی تھی۔

اس سے پہلے وہ دوبارہ قدم اٹھاتا فون کی بیل دوبارہ بجنے لگی۔ اگلے ہی لمحے فون کی روشنی سے زیادہ اس کے چہرے پر روشنی پھوٹ رہی تھی۔ ایسے جیسے سو وولٹ کا بلب اس کے چہرۂ مبارک پر روشن ہو گیا ہو۔

''اوووو تو یہ میڈم فون کر رہی ہیں۔'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔ وہ ویڈیو کال کر رہی تھی۔

''زینی! تم سے بڑھ کر بے مروت، بے وفا اور......'' نان سٹاپ بولتی عنزہ کی زبان عباد

شاہ کو دیکھ کر گنگ رہ گئی مگر پھر بھی تادیر خاموش نہ رہ سکی۔

''تم۔تمہارے پاس زینی کا موبائل کیا کر رہا ہے۔تمہیں کسی نے بھی آداب نہیں سکھائے کہ کسی کا ذاتی فون نہیں اٹھانا چاہیے۔''زینی کا موبائل اس کے پاس دیکھ کر وہ سلگ کر رہ گئی تھی۔

''نہیں،اب ایسی بات بھی نہیں،سیکھے تو بہت ہیں لیکن تم جیسی حسینہ کو دیکھ کر سارے ادب وآداب بھول جاتا ہوں۔''

''جسٹ شٹ اپ بندر کہیں کے۔اپنی فضول گوئی بند کرو اور زینیا کو بلاؤ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔''

''تو زینیا کے دیور سے بات کرلو۔تمہاری قسم،پورے ادب کے ساتھ بات سنوں گا اور اس کا جواب دوں گا۔'' آج کتنے دنوں بعد وہ اسے دیکھ رہا تھا اور دل شرارت کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''تم ایک نمبر کے گھٹیا،ذلیل،چھچھوندر قسم کے انسان ہو۔''وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

''تھینکس فار دس کمپلیمنٹ۔ویسے تم مجھے کتنی اچھی طرح جان گئی ہو بہت خوشی ہوئی مجھے۔''

''کاش تم میرے سامنے ہوتے میں تمہارا چہرہ نوچ لیتی۔''غصے کی حدت سے وہ سرخ ہوگئی تھی اور دوسری طرف وہ اس کو دیکھ دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔

''اس میں اتنا پریشان ہونے والی کونسی بات ہے۔اگر کہو تو میں ابھی تمہارے پاس آجاتا ہوں۔''

''تم زینیا کو بلا رہے ہو یا میں فون بند کروں؟''وہ تنگ آکر دوبارہ بولی۔

”نہیں یار، اتنا ظلم مت کرنا پہلے ہی تمہارا حسین چہرہ اتنے دنوں بعد دیکھنا نصیب ہوا ہے۔“

”تمہیں تو میں دیکھ لوں گی۔“

”ہاں تو دیکھ لونا۔ جی بھر کر دیکھ لو تمہارے سامنے ہی ہوں۔ ویسے مجھے شک ہے کہیں تم نے مجھے ہی تو دیکھنے کے لیے فون نہیں کیا۔“

”بھاڑ میں جاؤ تم۔ چیپ انسان چیپ باتیں ہی کرتے ہیں۔“ غصے سے اس کا چہرہ تمتمانے لگا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اس کی اچھی خاصی درگت بناتی۔ اسے شک تھا اگر ایک سیکنڈ بھی وہ اس فالتو انسان سے بات کرتی رہی تو اس نے اپنے فون کے ساتھ ساتھ اپنا سر بھی کسی دیوار سے دے مارنا تھا اس لیے غصے سے لائن ہی کاٹ دی۔

”بہت غصہ کرتی ہے میری دلربا لیکن پھر بھی مجھے قبول ہے۔“ وہ خیالوں میں اس کا غصے سے بھرا چہرہ دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ لوگ نیچے لاؤنج میں بیٹھے نوین شاہ کے نکاح کی تصویریں دیکھ رہے تھے، جب کالج سے شعیب اور شاہ زیب دونوں بھائی واپس لوٹے۔ وہ سیدھا ان کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئے تھے۔

”ماشاءاللہ نوین، تمہیں تو بہت روپ آیا ہے، بہت ہی خوب صورت لگ رہی ہو۔“

”نائلہ آپی، یہ تو سب میک اپ کا کمال ہے ویسے تو یہ چڑیل لگتی ہیں۔“ شعیب اس کو تنگ کرتے بولا۔

”بالکل بڑی ماں نے میرے سامنے ان کی لیپا پوتی کرنے کے لیے تیس ہزار دیا تھا۔ اب

آپ ہی بتائیں اتنے پیسے دے کر ان کو روپ نہ آتا یہ تو غلط بات تھی آپی۔‘‘
دونوں بھائیوں نے تالی بجاتے قہقہہ لگایا۔
’’تم دونوں کو تو بعد میں پوچھتی ہوں۔‘‘ نوین شاہ نے خونخوار نگاہوں سے ان کو دیکھا۔
’’ارے ارے یہ کیا؟‘‘
نائلہ ایک تصویر کو حیرانگی سے دیکھنے لگی۔ اس سے پہلے وہ نوین شاہ کی بات سنتی فون بجنے لگا۔
’’اووووا یکسکوزمی گائز خالہ کی کال ہے۔‘‘ وہ معذرت کرتی وہاں سے چلی گئی لیکن زینیا اپنی گود میں پڑے البم کو گھور رہی تھی جس تصویر میں آبان شاہ اور ماہ رخ تھے اور جس میں وہ ماہ رخ کو انگوٹھی پہنا رہا تھا۔
’’ارے یہ تصویر اس میں کیا کر رہی ہے؟ اسے تو پھاڑ دینا چاہیے۔‘‘ شعیب شاہ نائلہ کی جگہ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
’’آپی! آپ اس تصویر کو دیکھ کر کچھ بھی غلط مت سمجھنا۔‘‘
نوین اور رانیہ بھابھی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
’’ہاں زینی، شابی بالکل ٹھیک کہہ رہا۔‘‘ رانیہ بھابھی بولیں پھر وہ سب بتانے لگیں۔
’’بیچاری نے بہت پاپڑ بیلے تھے کہ بھائی جان آپ کو بھول کر اسے اپنے دل میں بسا لیں لیکن بدقسمتی سے ایسا ناممکن تھا۔‘‘ شاہ زیب شاہ افسوس بھرے لہجے میں بولا۔
’’آپ کو پتہ ہے زینی بھابھی! ایک دفعہ کیا ہوا، فرحان بھائی سے ایک دن ہمیں باتوں ہی باتوں میں معلوم ہوا کہ آپ کے بال سنہری اور بہت لمبے تھے اور بھائی جان کو بہت پسند تھے تب ماہ رخ بھی وہاں تھی۔ ہاہاہاہا۔ پھر تو کچھ نہ پوچھیں کہ کیا ہوا۔ میڈم سنہری نقلی بال لگا کر

پیرس چلی گئی۔ ہم سب بھی چھٹیوں میں بھائی کے پاس گئے ہوئے تھے تو اسکے جو بمشکل کندھوں تک بال آتے تھے دس دنوں میں کمر سے نیچے آنے لگے۔ ہم تو حیران ہی رہ گئے لیکن شانی نے اسکی سب کے سامنے ہی وگ اتار کر بھانڈا پھوڑ دیا تب بھائی جان کا غصہ دیکھنے لائق تھا۔" انہوں نے ہنستے ہنستے اسے تفصیل بتائی۔ ان کی باتوں پر وہ ہلکا سا مسکرا دی تھی۔ وہ چاہتے تھے ان تصویروں سے کہیں وہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے اسی وجہ سے اسے ساری بات بتا دی۔

"اووو تو زینی، یہاں پر ہے۔ آپ کا فون تھا پیاری بہنا۔" عباد اسے ڈھونڈتا ہوا لاؤنج میں آیا اور اس کی طرف فون بڑھایا۔

"کس کا فون تھا؟"

"آپ کی کزن کا۔"

"اووو تو، عنو کی کال تھی۔ وہ ضرور غصہ ہو گی مجھ پر۔ یہاں آنے سے پہلے میں نے اسے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔" وہ کال ملاتے ہوئے متفکر آمیز لہجے میں بولی۔

"مجھے بھی وہ غصے میں ہی لگ رہی تھیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا جبکہ زینیا فون لے کر وہاں سے چلتی ہوئی باہر لان میں آ گئی۔ آسمان پر سورج کی تنی ہوئی چادر ہٹ رہی تھی۔

"السلام علیکم عنو، تم نے مجھے فون کیا تھا۔"

"بے وقوف تھی میں پاگل تھی جو تمہیں فون کیا۔"

"یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کیا؟" دوسری طرف اس کی غصے سے بھری آواز سن کر وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"جی نہیں، مجھے تم یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے ملے بغیر ہی اسلام آباد چلی گئی۔ تمہیں تمہاری فیملی کیا

ملی تم مجھے ہی بھول گئی زینی۔"

عنزہ کا مغموم بھرا لہجہ زینیا کو اپنی غلطی کا احساس دلا گیا تھا۔ اسے واقعی اس سے مل کر آنا چاہیے تھا۔

"ایم سوری عنو، دراصل میں......"

"اچھا بس بس مجھے یہ سوری ووری نہیں سننا۔ مجھے یہ بتاؤ وہاں سب کیسا ہے؟ تم خوش ہو ناں؟" وہ بھلا زینیا سے ناراض رہ سکتی تھی ہرگز نہیں۔

"ہاں عنو، میں بہت خوش ہوں بہت زیادہ۔ تمہیں پتہ ہے یہاں سب مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ بابا جان، بڑے بابا، فرحان بھائی، رانی بھابھی سب سے بڑھ کر میرے دونوں بھائی سب مجھ سے بہت زیادہ پیار کرتے ہیں۔"

عنزہ نے صاف اس کے لہجے میں خوشی محسوس کی تھی۔

"اللہ تمہیں مزید خوشیاں دے، آمین۔ ویسے یہ بہت بری بات ہے زینی تم نے کبھی آبان بھائی کا تو بتایا ہی نہیں کہ وہ تم سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ ذرا ان کے پیار پر بھی روشنی ڈالو گی تم۔" وہ شرارت سے بولی۔

"وہ تو......"

"ہاں ہاں بتاؤ، بتاؤ۔"

" زیادہ بنو مت، میری نانو سے بات کرواؤ۔" وہ مسکراتے ہوئے بات کو ٹال گئی اور عنزہ کو معلوم تھا وہ شرما رہی ہوگی۔

"دادو سے کیا بات کرنی ہے وہ بھی یہی پوچھ رہی ہیں میری زینی سے پوچھو کہ آبان اس سے پیار کرتا ہے تو کتنا کرتا ہے ذرا تفصیل سے بتاؤ۔" اس کی باتیں جیسے اسے گدگدی کر رہی تھیں۔

''عنو پلیز، تنگ مت کرو۔''

''اچھا ٹھیک ہے نہیں کرتی۔ یہ لو تم دادو سے بات کرو۔''

بالآخر اس نے اسکی جان چھوڑی پھر وہ دل کی دھڑکن کو ترتیب میں لاتے نانو سے بات کرنے لگی۔ جو اسے سمجھا رہی تھیں کہ کیسے رہنا ہے سب سے گھل مل کر محبت سے رہنا اور بھی بہت کچھ سمجھا رہی تھیں۔ نانو سے بات کرنے کے بعد اس نے اپنی ماں کو فون کیا تھا۔

''میری جان کیسی ہو؟ کیا کر رہی ہے میری گڑیا بیٹی؟'' وہ اس کی آواز سن کر نہال سی ہو گئی تھیں۔

''کچھ نہیں مما، بس ابھی نانو اور عنو سے بات کی ہے تو سوچا آپ سے بھی بات کرلوں۔''

''بیٹا! دل تو تمہارا وہاں لگ گیا ہے ناں؟ خوش ہو نہ کوئی پریشانی تو نہیں۔''

''کوئی پریشانی نہیں ہے اور میں بہت خوش بھی ہوں ماما۔''

''میری بیٹی اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ اور تمہاری بڑی ماں اور طیبہ ماما کا رویہ کیسا ہے۔ انہوں نے کچھ کہا تو نہیں؟''

انہیں ڈر تھا کہ کہیں وہ اس کو تکلیف نہ پہنچا دے۔ ان کا کیا بھروسہ تھا لیکن اس نے ماں کو بہت صفائی سے جھوٹ بول کر تسلی دے دی تھی۔

''وہ بھی بہت اچھی ہیں۔''

اس کے بات پر وہ ہنس دی جیسے انہیں پتہ نہ ہو کتنی معصوم تھی وہ۔ انہوں نے دل سے اس کے لیے دعا کی تھی۔ وہ ان سے بات کر کے جیسے ہی مڑی تو پیچھے طیبہ شاہ کو پایا جو نا جانے کب سے اس کی گفتگو سن رہی تھیں۔

زینیا ان کی نگاہوں سے جیسے گھبرا گئی تھی۔ وہ ڈرنے والی تو نہیں تھی حالانکہ ایسی نظروں کا

تو ہمیشہ زاہرہ بیگم کے روپ میں سامنا تھا۔نا جانے نفرت کی وہ کیسی لو تھی جس سے زینیا کے قدم جم سے گئے تھے۔

"بہت خوش ہو تم؟ لیکن زیادہ خوش نہ ہونا کیونکہ جب اچانک دکھ ملتا ہے تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔یہ مت سمجھنا کہ آبان شاہ تمہارا ہو گیا ہے۔جس طرح تمہاری ماں کو اس گھر سے نکالا اسی طرح بہت جلد تمہیں بھی آبان کے دل سے اور اس گھر سے بھی نکال دوں گی۔" وہ نفرت بھرے لہجے میں اس کے قریب آتے بولیں۔

"ایک اور بات، میرے بیٹوں سے دور رہو۔ان سے زیادہ چپکنے کی ضرورت نہیں۔وہ تمہاری ماں کے نہیں میرے بیٹے ہیں میرے۔" وہ غرور سے کہتیں اور حقارت بھری نگاہوں سے دیکھتی وہاں سے چلی گئیں۔وہ کئی لمحے ان کو جاتا دیکھتی رہی۔یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل بھی ہو گئی تھیں۔ان کی لفظوں کی بازگشت اس کے دماغ میں ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

"ابھی تو دل نے دھڑکنا سیکھا تھا ابھی ان لبوں نے مسکرانا سیکھا تھا کیا۔خوشیاں میرے نصیب میں نہیں ہیں کیا؟"

"آپ ٹھیک ہو۔" وہ اپنی قسمت پر شاکی ہوتی، آنکھیں آنسوؤں سے دھندلا گئیں جب آگے بڑھتے ہوئے لڑکھڑائی۔کسی کا بڑھتا ہوا ہاتھ اسے سہارا دے گیا تھا۔گرنے سے بچا لیا۔زینیا نے دیکھا وہ کوئی اور نہیں آبان شاہ تھا۔جو اسے اپنا سہارا دیے کھڑا تھا۔

"مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے جب کوئی نفرت سے دیکھتا ہے دکھ ہوتا ہے۔انہیں بھی تو تکلیف ہوئی ہو گی۔کتنا ذلیل کیا میں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ہر دفعہ نفرت سے ہاتھ جھٹک دیا تھا لیکن پھر بھی مجھ سے کبھی بے رخی نہیں برتی۔"

آج ان آنکھوں کو وہ بہت قریب سے دیکھ کر وہ سوچ رہی تھی۔اس کی گہری آنکھوں میں

جیسے ڈوب رہی تھی۔ آج طیبہ شاہ کے رویے نے اسے اپنا رویہ یاد دلا دیا تھا جو آبان شاہ کے ساتھ روا رکھا تھا۔ آنکھیں بے اختیار ہی چھلک پڑیں۔

"پرنسز! آپ رو رہی ہو؟ کیا ہوا؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟"

اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر وہ تڑپ ہی تو اٹھا تھا۔

"ک۔ک۔ کچھ نہیں۔" اس نے ہکلاتے ہوئے آنسو صاف کیے اور ساتھ ہی اس سے دور ہو گئی۔

"تو آپ رو کیوں رہی ہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟" اسے تشویش ہوئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

"ادھر دیکھیں میری طرف اور سچ بتائیں کیا ہوا؟" آبان نے اس کے کندھے سے پکڑ کر اپنی طرف دیکھنے کو کہا لیکن وہ تو اس کے سامنے آنکھیں اٹھانے کی تاب کہاں رکھتی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کرواتی مضبوط لہجے میں بولتی اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔ وہ اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

تمہارا نام

تمہارا ذکر

ایک تم تمہاری فکر

بس یہی تو ہے زندگی میری

☆......☆......☆

"ہاں تو بچو، میں نے اور بھائی صاحب نے مل کر آج یہ طے کیا ہے اس آنے والے جمعے کو

آبان، زینیا کا ولیمے کا ریسیپشن ہو جائے۔" رات کو باہر لان کی روشنی میں ڈنر کرتے ہوئے عثمان شاہ نے سب کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔

"یاہو۔" شعیب اور شاہ زیب دونوں نے یک زبان ہو کر نعرہ لگایا اور ساتھ ہی دونوں کے درمیان بیٹھی زینی کو گلے لگایا۔

"واوو، پاپا یہ تو بہت اچھی بات ہے لیکن کیوں نہ ان کی شادی کی ساری رسمیں کی جائیں۔" رانیہ بھابھی خوشی سے بولیں۔

"نہیں بھابھی، میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں۔" آبان فوراً بولا۔

"ارے وہ کیوں تمہیں خوشی نہیں کیا۔ میرا تو من ہے کہ ساری رسمیں اپنے سارے ارمان پورے کروں۔"

"خوشی تو بہت ہے فی الحال یہ ارمان پورا کر لیں باقی عابی کی شادی پر کر لیجیے گا۔" وہ کھانا کھاتے ہوئے عباد کی طرف شرارت سے دیکھتے بولا۔ جس کا ہاتھ اس کی بات پر رک چکا تھا۔

"ہونہہ میری شادی تو جیسی رچی ہوئی ہے ناں۔" وہ ٹھنڈی سانس لیتے بولا۔ شادی کے نام پر اس کی آنکھوں میں اپنی حسینہ کا چہرہ لہرایا جو غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

" ڈرامہ کوئین رچی نہیں تو جلد ہی رچا لیں گے پریشان کیوں ہو رہے ہو۔" فرحان بھائی ہنستے ہوئے بولے۔

"بھائی مجھے ڈرامہ کوئین مت کہیں۔" وہ منہ بسور کر بولا۔

"تو پھر کیا کہوں بابا کی گڑیا ٹھیک رہے گا۔"

"بھائی۔"

"اچھا بس بس۔ میری بات تو وہی رہ گئی ہے۔" فرقان شاہ نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا۔

"ہم کل سے تیاری شروع کردیں گے۔دن بہت تھوڑے ہیں اور جویریہ، طیبہ! تم دونوں بھی کل سے شاپنگ والا کام شروع کردو۔" وہ بات کرتے ہوئے ان دونوں سے مخاطب ہوئے جو غصے سے اندر ہی اندر پیچ وتاب کھارہی تھیں۔وہ کچھ نہیں بولی تھیں بس خاموشی سے ڈنر کرکے وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

سب اس وقت اتنے خوش تھے۔کسی نے بھی ان کی خاموشی کو نوٹ نہیں کیا تھا جبکہ فرحان شاہ بخوبی جویریہ کی خاموشی کو سمجھ رہے تھے۔جب سے زینیا آئی تھی انہوں نے تو کمرے سے ہی نکلنا بند کردیا تھا حالانکہ اسے آئے ہوئے ایک دن ہوا تھا۔

"بھئی میں تو بہت خوش ہوں، ویسے اسفی بھی رک جاتا تو بہت مزہ آتا۔" نائلہ پرجوش لہجے میں بولی۔

ساری ینگ پارٹی ڈنر کے بعد وہیں بیٹھی گپ شپ کررہی تھی۔رانیہ بھابھی رائم کو سلانے اندر چلی گئی تھیں۔جبکہ فرقان اور عثمان شاہ کوئی بزنس امور پر فرحان شاہ سے ڈسکشن کررہے تھے۔

"ہاں بھائی، یہ اسفی بھائی کیوں چلے گئے؟" عباد نے استفسار کیا۔کیونکہ وہ صبح کا اس کے ساتھ نکلا ہوا تھا اور اسے ہی بتا کر اپنے گھر چلا گیا تھا جو اسلام آباد میں ہی تھا۔

"آجائے گا وہ بھی جب اسے معلوم ہوگا وہ کہاں پیچھے رہنے والا ہے۔اچھا آپ لوگ باتیں کریں میں چلتا ہوں۔"

اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے اندر جانے کے ارادے سے اٹھتا رانیہ بھابھی جو ابھی اندر سے آئی تھیں اسے واپس اس کی جگہ پر بٹھاتے ہوئے بولیں۔"بالکل بھی نہیں، ادھر بیٹھو ہم سب کو تم سے بات کرنی ہے مشکل سے ہی تو تم ہاتھ آتے ہو۔"

"کیسی بات بھابھی۔" اس نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ انہوں ایک نظر زینیا کو دیکھا اور پھر اس سے پوچھنے لگیں۔

"ہمیں یہ بتاؤ تمہیں زینیا کہاں ملی اور تم نے اسے پہچانا کیسے؟"

"ہاں بھائی یہ سوال میرے دماغ میں بھی آیا تھا لیکن اس وقت پوچھ نہیں سکی تھی۔ کیا یہ سچ ہے کہ زینیا بھابھی آپ کے آفس میں جاب کرتی تھیں۔" نوین شاہ بھی فوراً بولی۔

ان کی باتوں سے تو وہ ہڑبڑا سی گئی تھی۔ اسے تو امید ہی نہیں تھی کوئی یہ بات پوچھے گا۔ اس نے چور نگاہوں سے آبان کو دیکھا جو شاید کچھ یاد آنے پر مسکرا دیا تھا۔

"اووو، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آبان شاہ پہلے اپنے بیگم کا بھی باس رہ چکا ہے۔" نائلہ حیرت سے بولی۔

"کیوں زینی میں نے ٹھیک سنا کیا؟" اس نے گھبرائی گھبرائی سی زینیا کو دیکھا۔

"بھئی بتاؤ ہم انتظار کر رہے ہیں۔" فرقان شاہ اور عثمان شاہ بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"کیا یہ ضروری ہے؟" اس نے پہلو بدلا۔

"بالکل ضروری ہے۔" سب بولے اور اس کے جواب کے منتظر تھے۔

"میری اسسٹنٹ تھیں اور بھیا آپ نے ہی تو اپائنٹ کیا تھا؟" اس نے فرحان شاہ کو یاد دلایا۔

"ہاں بالکل میں نے ہی اپائنٹ کیا تھا یہ اتنی بڑی ہو گئی ہے کہ میں نے تو پہچانا ہی نہیں اور مجھے کیا معلوم تھا جسے میں تمہاری اسسٹنٹ اپائنٹ کر رہا ہوں اسے تو پہلے ہی سے فل لائف کے لیے تمہاری اسسٹنٹ اپائنٹ کر دیا گیا ہے۔" فرحان بھائی ہنستے ہوئے بولے۔ ان کی

بات پر وہ خفیف سا مسکرا دیا جبکہ زینیا خاموش شرم کے مارے سر جھکائے لب کاٹ رہی تھی۔

"تم یہ بتاؤ تمہیں کیسے معلوم ہوا یہ تمہاری پرنسز ہے ہماری گڑیا زینیا شاہ ہے۔" وہ کسی بھی صورت اس کا پیچھا چھوڑنے والے نہیں تھے۔

"اچھا بچو، تم لوگ اس سے پوچھو اچھی طرح ہم تو چلے سونے کے لیے صبح بہت کام نمٹانے ہیں۔" فرقان شاہ اور عثمان شاہ تو بچوں کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر وہاں سے اٹھ کر اندر چلے گئے۔

"بھیا! یہ بتانے سے پہلے آفس سے پہلے ہونے والی دو ملاقاتوں پر بھی روشنی ڈالنا مت بھولیے گا۔" عباد شاہ نے لقمہ دینا ضروری سمجھا۔ اس کی بات پر نا سمجھی سے سب نے اس کی طرف دیکھا۔

"ارے آپ سب مجھے ایسے کیوں گھور رہے ہیں۔ ان سے پوچھیں جو پوچھنا ہے مجھ معصوم کو ایسی گندی نظروں سے نہ دیکھیں۔"

"تم دفعہ ہی ہو جاؤ تو اچھا ہے۔" فرحان بھائی نے اس کو گھورا۔

"آبان! ہم منتظر ہیں شروع ہو جاؤ اور کچھ بھی چھوڑے بغیر سب بتاتے چلے جاؤ۔" رانیہ بھابھی بولیں۔

"آپ یہ سب اپنی دیورانی سے پوچھ لیں۔" اس سے پہلے کہ وہ اس کو پکڑتے وہ اپنی جان ان سب سے چھڑاتا وہاں سے بھاگ گیا لیکن جاتے جاتے زینیا پر سارے سوال ڈال گیا تھا۔

"ہاہاہاہاہا۔" اس کے اس طرح بھاگ جانے اور زینیا کے چہرے کے حیرت سے بھرپور تاثرات عباد شاہ کا قہقہہ نہ روک سکے۔

"دیکھا زینی بھابھی! آپ کے میاں صاحب کتنے ڈرپوک نکلے۔ آپ کو میدان میں

اکیلا چھوڑ بھاگ نکلے۔" وہ شرارت سے بولا اور وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ پھر مجبوراً اس نے مختصر سا بتا کر اپنی جان چھڑائی تھی۔

☆......☆......☆

اگلے دن انہوں نے وعدے کے مطابق شاپنگ پر جانے کا پروگرام بنایا تھا جس میں نوین، رانیہ بھابھی اور زینیا تھی اور ان کو لے کر جانے والا آبان تھا۔ نائلہ اپنے کسی جاننے والوں سے ملنے چلی گئی تھی۔ جویریہ شاہ بخار کا بہانہ کر کے گھر میں رک گئی تھیں جبکہ طیبہ شاہ نے سرے سے ہی انکار کر دیا تھا۔

"عابی! تم کہاں جا رہے ہو۔ نظر نہیں آ رہا ہم شاپنگ کرنے جا رہے ہیں۔" رانیہ بھابھی گاڑی میں بیٹھنے لگیں جب عباد کو اپنی سپورٹ کار کی طرف بڑھتا دیکھ کر بولیں۔ وہ ہنستا ہوا ان کی بات پر مڑا۔

"ہاں تو جائیں میں نے کب منع کیا ہے آپ لوگوں کو۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"اوو وہاں۔" ابرو کے ساتھ ساتھ آنکھیں مٹکا کر فوراً بولا۔

"اگر آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ چلوں تو پیاری بھابھی، مجھے معاف ہی رکھیں اپنے ان جھمیلوں سے۔ ہاں جب میری بیگم آ جائے گی تب سوچوں گا اس بارے میں۔ فی الحال تو آپ لوگوں کو ہینڈل کرنے کے لیے میرے پیارے بھائی جا رہے ہیں نا وہی کافی ہیں آپ کے لیے۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے گاڑی میں بیٹھا اور اس کو سٹارٹ کرتا ان کی گاڑی کے پاس لایا۔ وہ ابھی باہر ہی کھڑے تھے۔

"بیسٹ آف لک بھیا۔ امید کرتا ہوں آج کا دن آپ کا یادگار ہوگا۔" وہ اس کو آنکھ مارتا گاڑی کو فل رفتار سے حویلی سے باہر نکالتا چلا گیا۔

"اف، آفرین ہے اس پر۔ ہوا کی تیزی سے بولتا ہے اور نکل جاتا ہے۔ مجال ہے کسی کی بات سن لے۔" رانیہ بھابھی بڑبڑاتے ہوئے بولیں۔

"ارے ارے تم یہاں کیوں، تمہاری جگہ تو میرے دیور کے پہلو میں ہے ہنی یہاں نہیں۔" نوین کے ساتھ پیچھے بیٹھتی زینیا کو اگلی سیٹ پر بٹھاتے ہوئے بولیں۔ ان کی بات پر آبان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ ان کے بیٹھتے ہی انجن سٹارٹ کیا اور گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے حویلی سے نکالتا ہوا سڑک پر ڈال دیا۔

"ہاں میری بات سنو، وہ لوگ گھر سے نکل چکے ہیں۔ جو بھی کرنا احتیاط سے کرنا اور کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔ میری مانو تو خود مت کرو کسی کو ہائر کر لو۔"

طیبہ شاہ نے جیسے ہی ان کی گاڑی کو حویلی سے نکلتا دیکھا فوراً کسی کو فون کیا۔ ان کے شیطانی دماغ میں کیا چل رہا تھا۔ خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

☆......☆......☆

"اچھا بھابھی! جب آپ فارغ ہو جائیں مجھے میسج کر دینا آپ میں آ جاؤں گا۔"

ان کی گاڑی جیسے ہی سینٹرویس مال کے سامنے آ کر رکی وہ تینوں گاڑی سے اتریں جب وہ بولا تھا۔

"اووو ہیلو مسٹر، تم کہاں جا رہے ہو؟" رانیہ بھابھی نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھابھی، ایک ضروری کام ہے۔" رانیہ بھابھی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اس سے زیادہ کوئی بھی ضروری کام نہیں، اترو نیچے، حد ہے بھئی زینیا، دیکھ رہی ہو تم اپنے میاں کو۔" انہوں نے خاموش کھڑی زینیا کو گھسیٹا۔

دونوں کی نظریں ملیں تو وہ فوراً دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔ جانے دل میں کیا سمائی تھی۔ وہ

مسکراتا ہوا گاڑی کو پارکنگ میں کھڑا کرتا ان کی طرف آ گیا جو اندر کی طرف جا رہی تھیں۔ اس کی ضروری میٹنگ تھی جسے وہ کسی بھی صورت میں کینسل نہیں کر سکتا تھا اسی لیے وہ اسفندیار کو فون کرنے لگا۔

''اسفی یار! شیخ صاحب کے ساتھ آج بارہ بجے جو میٹنگ تھی ناں۔ ارے نہیں یار۔ تم اس کو ہینڈل کر لینا۔ میرا منیجر تمہیں ساری ڈیٹیلز بتا دے گا۔ ہاں ذرا وہ......''

''یہاں پر فون سننا منع ہے۔ لوزینی، اس کا فون سنبھالو اس کے ساتھ اس کا فون بھی تمہارے قبضے میں ہے۔'' رانیہ بھابھی نے اس سے فون چھین کر آف کیا اور زینیا کو پکڑا دیا۔

''ہاہاہاہاہا۔ بھابھی زیادتی کر رہی ہیں آپ۔'' وہ دلکشی سے مسکرایا۔

''لڑکے! کم ہنسو کیوں بجلیاں گرا رہے ہو بیچاری معصوم لڑکیوں پر۔ خود تو تم دل میں اپنی پرنسز کو بسائے بیٹھے ہو۔ کیوں دوسروں کے دلوں میں خود بسنا چاہتے ہو؟'' رانیہ بھابھی نے اس کی نظر اتارتے ہوئے کہا۔ اس کی مسکراہٹ بھی ایسی جان لیوا تھی کہ صنف نازک کیا اس کی صنف کے لوگ بھی مسمرائز ہو جاتے تھے۔

''آپ کی باتوں کا بھی کوئی جواب نہیں پیاری بھابھی۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ سیاہ شیڈز جو اس نے لگا رکھے وہ اتارے۔ نیلی آنکھیں اب واضح نظر آ رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں زندگی کے رنگ واضح تھے جو زینیا کے سنگ تھے۔

''یہ اتنا بڑا مال ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں میں کھو نہ جاؤں۔'' وہ لفٹ پر قدم رکھتے وسیع و عریض اور دلکش مال کا جائزہ لیتے بولی۔ اس کی بات کو صرف اس کے ساتھ کھڑی نوین ہی سن سکی تھی لیکن اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے پیچھے کھڑے آبان سے کر دے گی۔

''بھیا پلیز، میری بھابھی کا ہاتھ پکڑ لیں انہیں ڈر ہے کہیں وہ کھو نہ جائیں۔'' وہ شرارت

سے ہنسی۔ وہ لوگ اوپر پہنچ گئے تھے جب وہ اس کے نزدیک ہو کر بولا۔

"پریشان مت ہوں پرنسز، اب اگر آپ گم ہونا چاہیں بھی تو نہیں ہونے دوں گا۔ پر اسے اپنے ساتھ ہی رکھوں گا۔"

وہ آنکھوں میں دنیا جہاں کا پیار لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ زینیا تو بات کر کے پچھتا رہی تھی۔ اس کی تو ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ رہی تھیں۔ دل اس قدر تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ دھڑکنوں کا شور بخوبی سن سکتی تھی۔ وہ اب اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس کی پلکوں کا اٹھنا پھر جھکنا، بار بار دوپٹے کو سیٹ کرنا جو پہلے ہی سلیقے سے لیا ہوا تھا۔ آبان شاہ اس سے فاصلے پر چلتا ان سب سے محظوظ ہو رہا تھا۔

اچھا لگتا ہے

اس کا شرمانا

نظر ملا کر پھر جھکانا

مجھے دیکھ کر

اس کی دھڑکنوں کا شور مچانا

اس کا چپکے چپکے

مجھے دیکھنا

دل دھڑکنا

لب مسکرانا

آنکھیں جھپکنا

سب اچھا لگتا ہے

وہ اس کے اندر آنے والی تبدیلی سے خوش تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سب کیسے ہوا اور نہ ہی جاننا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی لیکن اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ بہت خوش ہے۔ سب کو ہنستے مسکراتے دیکھا اور تو اور اسے تو یہ حیرت تھی کہ بھلا چچا جان نے اسے کیسے منایا تھا۔ اس نے کسی سے پوچھا نہیں تھا لیکن وہ خوش تھا یہ اس کے لیے مثبت اشارہ تھا۔

''تمہیں یہاں زینیا کو گھورنے کے لیے نہیں لے کر آئے۔ ذرا یہاں آؤ اور کپڑوں کی سلیکشن میں ہماری مدد کرو۔''

وہ لوگ زینیا کے لیے ولیمے والا ڈریس پسند کر رہے تھے جب رانیہ بھابھی نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا جو زینیا کو گھور رہا تھا۔ ان کی بات پر وہ ذرا سا مسکرا دیا۔ پھر اس نے چاروں طرف دیکھا اور ایک طرف اس کی نظر ٹک گئی تھی اور وہاں چلا گیا۔

وہاں موجود ہر سوٹ ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ ہر سوٹ بہترین ڈیزائنر نے تیار کیا ہوا تھا۔ تمام سوٹوں کی خوبصورتی سے ہی ان کی محنت اور لگن کا پتہ چل رہا تھا۔ ان میں سے کسی ایک کا منتخب کرنا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

''نوین! میرے خیال میں یہ والا ٹھیک رہے گا ہماری زینی پر۔ یہ بہت زبردست لگے گا کیوں زینی؟'' رانیہ بھابھی نے ڈسک ٹاپ پر لگے سرمی رنگ کی گاؤن نگینوں سے مزین اچھا بھلا وزنی تھا۔

''واقعی بھابھی! یہ بہت زبردست ہے۔ اور زینی پر جچے گا بھی بہت۔'' نوین شاہ بھی اس سوٹ کو اشتیاق سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہائے اللہ بھابھی، اس کا دوپٹہ ہی اتنا وزنی ہے مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے

اپنے سر پر کوئی اینٹیں اٹھائی ہوئی ہیں، اگر اس پورے سوٹ کو زیب تن کروں گی تو میں تو بے ہوش ہی ہو جاؤں گی۔" رانیہ بھابی اور نوین نے اس کے سر پر نگینوں سے مزین گرے میں گولڈن شیڈز کے نگینوں سے مزین دوپٹے کو سیٹ کیا جب وہ بولی۔اس کی بات سن کر پاس کھڑا اسیلز مین بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"ارے میری چندا! تم اتنی پریشان کیوں ہوتی ہو۔آبان تمہیں بے ہوش نہیں ہونے دے گا۔کیوں آبان؟" وہ پیار سے اس کی ٹھوڑی کو چھوتے ہوئے بولیں لیکن وہ وہاں موجود ہی نہیں تھا۔

"فٹے منہ ہے تیرا زینی تم قابو رکھو اپنی زبان کو۔" وہ اپنے آپ کو ڈپتے بولی۔وہ جتنا گریز کر رہی تھی اتنا ہی اس کی باتوں میں اس کا ذکر نکل آتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اسی ڈریس کو پیک کروا رہی تھیں جب وہ چلا آیا۔

"کہاں چلے گئے تھے؟ اچھا یہ بتاؤ یہ ڈریس ہم نے پسند کیا ہے۔کیسا ہے؟"

"اس کی ضرورت نہیں ہے بھابھی۔"

اس کی بات پر انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جو ڈریس مجھے چاہیے تھا وہ میں نے پیک کروا لیا ہے اور اس کے ساتھ میچنگ کی تمام جیولری بھی پیک ہو چکی ہے۔اب شوز دیکھ لیتے ہیں۔" اس نے وضاحت دی۔

"بھائی! آپ ہمیں تو ڈریس دکھا دیتے۔آپ تو چوروں کی طرح گئے اور پیک بھی کروا لیا۔ہمیں بتایا بھی نہیں۔دیٹس ناٹ فیئر۔" نوین شاہ منہ بسور کر بولی۔

"کوئی بات نہیں گڑیا، آپ کی بھابھی جب پہنیں گی تب دیکھ لینا، تمہیں اپنے بھیا کی پسند پر شک ہے کیا؟"

"بالکل بھی نہیں، آپ نے پسند کیا ہے یقیناً میری پرنسز بھابھی کی شان وشایان کا ہوگا۔"
اس کی بات وہ مسکرا دیے جبکہ زینیا خاموش ان کی گفتگو سن رہی تھی۔
"چلو بھئی اب اگر تم نے ڈریس پسند کیا ہے تو شوز بھی خود ہی پسند کرلو، ہم ذرا باقی چیزیں دیکھ لیں۔"
وہ جوتوں کی طرف آئے جب رانیہ بھابھی زینیا کو وہاں پڑے ڈبل سیٹر صوفے پر بٹھا کر نوین کے ساتھ باہر نکل گئیں جبکہ وہ گھوم پھر کر سینڈلز دیکھ رہا تھا۔
سفید رنگ کی جینز، گہری بلیو شرٹ پہنے، بالوں کو سلیقے سے جیل سے جمائے ہوئے وہ اسے بہت اپنا لگا تھا۔ اس کے دل کی دنیا ہی بدل گئی تھی۔ اس نے الگ تھلگ شیشے کی ڈسک ٹاپ پر لگی ہائی ہیل کو اٹھایا اور اس کا جائزہ لینے لگا۔
"بالکل اسی جوتے کی تلاش تھی اور پرفیکٹ میچ ہے ڈریس کے ساتھ۔" وہ بڑبڑایا اور اس کے قریب آیا۔
"پہن کر چیک کریں، سائز ٹھیک ہے۔"
"یہ میں پہنوں گی؟" وہ بے اختیار بولی تھی۔ آنکھیں کھولے اس پانچ فٹ کی ہیل کو دیکھ رہی تھی۔
"اف، میں بھی کیسے بے تکے سوال پوچھتی ہوں۔ ظاہر ہے میرے لیے ہے اور میں ہی پہنوں گی اب وہ پہننے سے تو رہیں۔" اس نے اپنے آپ کو ڈپٹا۔
"لیں مائی لیڈی یہ آپ پہنیں گی۔" اس نے جھک کر اس کے پاؤں کے پاس جوتے رکھے۔ ان کے پاس ہی دو سیلز گرلز کھڑی تھیں۔
"لیکن میں نے کبھی اتنی اونچی ایڑی والا جوتا نہیں پہنا۔" وہ منہ بسور کر آہستگی سے

بولی۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔ اس نے ہمیشہ ہی سستے سے فلیٹ سینڈلز پہنے تھے لیکن آج اس کے لیے سب کچھ بدل گیا تھا۔

''کیا اب فلیٹ سے ہیل پہننی پڑے گی۔'' اس نے دل میں سوچا۔

''میڈیم! آپ ایک دفعہ پہن کر تو دیکھیں۔ یہ بہت کمفرٹیبل ہیل ہے آپ کو محسوس بھی نہیں ہوگا۔'' سیلز گرل نے اپنے پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا پھر مجبوراً اسے چپ چاپ پہن کر چیک کرنے لگی۔

گولڈن ہائی ہیل میں لگے سٹونز میں بلیک شیڈز تھے۔ اس میں آگے سے تھوڑے پاؤں کور ہوتے تھے۔ باقی سارا پاؤں نظر آتا تھا پھر پیچھے سے ایک سٹرپ لگا کر بند کرنا تھا۔ آبان نے دیکھا اس سفید دودھیا نرم و نازک پاؤں میں وہ جوتا بہت جچ رہا تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ صرف اسی کے پاؤں کے لیے بنا تھا۔ وہ سٹرپ بند کرنے میں الجھ رہی تھی جب وہ گھٹنوں کے بل جھکا اور سٹرپ بند کرنے لگا۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھا جو اس کے قدموں میں بیٹھا اسے دوسرے جوتے کا پاؤں بھی پہنا رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں جیسے بے ترتیب سی ہونے لگی تھیں۔

پھر اس نے اٹھ کر چلنے کی کوشش کی لیکن اس جوتے کی عادی کہاں تھی وہ۔ دوسرے قدم پر لڑکھڑائی لیکن قریب تھا اس نے سہارا دیا اور بہت پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر چلنے میں مدد کرنے لگا۔ جوتا بالکل اسے فٹ تھا۔ سائز میں بھی، خوبصورتی میں بھی لیکن مسئلہ تھا اس کو پہن کر چلنا۔

''یہ والا جوتا پیک کر دیں۔''

اس نے جوتا جب اتارا، آبان نے سیلز گرل سے کہا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتی وہاں سے

چلی گئی۔

"سر! کچھ اور پسند کریں گے؟" دوسری سیلزگرل اس کے پاس آ کر بولی۔ پھر اس نے مختلف ڈیزائنز، مختلف رنگوں کے فلیٹ بند شوز اور اوپن سینڈلز پیک کروائے جو وہ عام طور پر کیری کر سکتی تھی۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ مال میں گھوم پھر کر شاپنگ کر کے باہر نکلے جب نوین شاہ بولی۔

"بھیا! کیوں نہ یہاں سے لنچ کر لیں۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔"

"نوین گڑیا! اب آپ گھر جا کر ہی لنچ کرنا۔ وقت بہت ہو گیا ہے اب ہمیں یہاں سے نکلنا چاہیے۔"

وہ لوگ پارکنگ ایریا میں گاڑی کے پاس آئے۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی پھر ان لوگوں کو بھی بیٹھنا پڑا۔

"اوہ نو۔"

ان کی گاڑی جیسے روڈ پر نکلی نوین کی آواز آئی۔ آبان شاہ نے بریک لگائی اور پیچھے دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"بھیا! میں اپنی جیولری والا بیگ وہیں شاپ پر چھوڑ آئی ہوں۔" وہ سارے بیگز کو چیک کرتے ہوئے پریشان ہوئی تھی۔ اس نے اتنی چاہ سے وہ لی تھی اور وہی چھوٹ گئی۔

"کوئی بات نہیں گڑیا میں ابھی لے آتا ہوں۔"

اس نے گاڑی کو سائیڈ پر کھڑا کیا اور نیچے اتر کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا مال کے اندر چلا گیا۔

"اف بھابھی، مجھے اتنی بھوک لگی ہے میں کیا بتاؤں۔" نوین بولی۔ زینیا کی نظر سڑک

کے دوسرے کنارے ایک ریڑھی پر پڑی۔ ایک بوڑھا بزرگ فرائز نکال رہا تھا۔اس نے دروازہ کھولا اور نیچے اتر آئی۔ دور کھڑی ایک گاڑی میں بیٹھا نفوس اسے باہر نکلتا دیکھ کر حرکت میں آیا۔

''ارے زینی! کہاں جا رہی ہو؟'' رانیہ بھابھی پوچھے بغیر نہ رہ سکیں۔

''میں ابھی آئی بھابھی۔'' وہ دروازہ بند کرتی سڑک کراس کرنے لگی۔

''دیکھ کر جانا زینی۔'' رانیہ بھابھی گاڑی کا شیشہ نیچے کرتے بولیں۔اس نے مسکرا کر ان کی ہدایت سنی اور سڑک کراس کرتی ہوئی ریڑھی تک آئی۔

''چاچا جی! پچاس کے رولز اور پچاس کے فرائز دے دیں۔'' اس نے سو روپیہ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ریڑھی والے بزرگ نے اپنے نحیف ہاتھوں سے اسے فرائز اور رولز پیک کر کے دیئے جسے وہ شکریہ کے ساتھ لیتی واپس جانے کے لیے مڑی۔ سڑک کے پار گاڑی میں بیٹھی نوین اور رانیہ بھابھی اسے دیکھ کر مسکرا دی تھیں۔وہ سڑک پار کرنے کے لیے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ جب دیکھا کہ سڑک پر گاڑیوں کا رش ذرا کم ہے اس نے ایک قدم اٹھا کر دوسرا اٹھایا ہی تھا کہ ایک طرف سے فل رفتار میں آتی گاڑی اس سے ٹکراتے گزرتی چلی گئی۔ اگلے ہی پل فضا میں آسمان کو چھو لینے والی دل خراش چیخ سے سب کچھ ساکت ہو گیا۔لوگ بھاگتے ہوئے اس کے قریب پہنچے جو ہوش و خرد سے بیگانہ خون میں لت پت اوندھی منہ پڑی ہوئی تھی۔ اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے آبان شاہ کے ہاتھوں سے بیگ گرتے چلے گئے۔ قدم جیسے چلنے سے انکاری تھے لیکن پھر بھی وہ بھاگتا ہوا اپنے دل میں طوفان لیتا اس کے قریب پہنچا۔ ہجوم کو چیرتا ہوا وہ گھٹنوں کے بل گرا تھا۔

”زینیا!“ بمشکل اس کے حلق سے آواز نکلی تھی۔ ”آنکھیں کھولو۔“ اس کی آواز کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔ اس کے سر کو اپنی گود میں لیا۔ سارا چہرہ سر سے نکلنے والے خون سے تر تھا۔ اس کی بند آنکھیں، ٹھنڈا پڑتا وجود، زرد پڑتی رنگت کو دیکھ کر اسے اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی تھی۔

”نہیں۔ آپ ایسا نہیں کرسکتیں۔“ وہ دردناک آواز میں چیخا۔ نزدیک سے ایمبولینس کے خوفناک سائرن کی آواز آئی۔ لمحوں میں ان کی ساری کائنات پلٹ گئی تھی۔

☆......☆......☆

ہسپتال کے پرسوگ فضا میں آئی سی یو کے باہر وہ اجڑی ہوئی حالت میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔ اسے کسی بھی طرح سکون نہیں مل رہا تھا۔ باقی گھر والے رانیہ بھابھی کے فون کرنے پر پہنچ چکے تھے۔

”ڈاکٹر! کیسی ہیں وہ، انہیں ہوش آیا؟“

آئی سی یو سے ایک ڈاکٹر نرس سے بات کرتے ہوئے باہر نکلا جب وہ پاگلوں کی طرح ان کے پیچھے بھاگا لیکن وہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر وہاں سے چلے گئے۔

”ایک گھنٹہ ہوگیا ہے مجھے کوئی کچھ بتا کیوں نہیں رہا۔ آخر اندر ہو کیا رہا ہے۔“ وہ یک دم غصے سے چلاتے ہوئے بولا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ خود اندر اس کے پاس چلا جائے۔ اس نے ایک سے بڑھ کر ایک ڈاکٹر اس کے گرد اکٹھے کردیئے تھے جو اسے دیکھ رہے تھے۔

”بھائی! پریشان نہ ہوں میں خود جاتا ہوں۔“ عابی اسے تسلی دیتے ہوئے بولا اور خود اندر چلا گیا۔ وہ بالکل کسی ہارے ہوئے انسان کی طرح وہاں بیٹھ گیا۔ ہر کوئی اپنی جگہ پریشان تھا۔

سب خاموش تھے۔ لبوں پر اس کے لیے دعا تھی۔ وہ دنوں بازوں کی کہنیوں کو ٹانگوں پر رکھے اور ہاتھوں سے سر کو پکڑے بیٹھا تھا۔

ہاتھ ابھی بھی اس کے خون آلود تھے۔ شرٹ مکمل طور پر خون سے بھیگی ہوئی تھی جس سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کا کتنا خون بہا تھا۔

"حوصلہ رکھو بیٹا، کچھ نہیں ہوگا اسے۔" عثمان شاہ نے اس سے زیادہ جیسے خود کو تسلی دی تھی۔ ان کا بھی ایک ایک پل تکلیف میں گزر رہا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ چپ تھا، خاموش تھا۔ آنکھوں کے سامنے بار بار اس کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ کانوں میں جائے حادثہ پر لوگوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

"لگتا ہے لڑکی مر گئی ہے۔" ایک آواز۔

"اس کا بچنا مشکل ہے۔" دوسری آواز کانوں سے ٹکرائی۔

"ارے نہیں مجھے تو لگتا ہے مر گئی ہے۔ دیکھتے نہیں کس قدر برا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور خون بھی کتنا بہہ چکا ہے۔"

اسے لگا جیسے وہ سانس نہیں لے سکے گا۔ وہ طویل سانس کھینچتا وہاں سے اٹھا لیکن فضا میں تو جیسے آکسیجن کی کمی ہو گئی تھی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوسپٹل کے واش روم میں گیا اور وضو کر کے وہیں ڈاکٹر کے کیبن سے جائے نماز لے کر نفل پڑھنے لگا۔

پریشانیوں کو مٹا دے گا

درد کی دوا دے دے گا

طوفان کو تھما دے گا

ہزار غم ہوں خوشیاں بھی

دے دے گا

بس تم اس ذات سے ناامید نہ ہو جانا

دل سے مانگو اس سے

سب کچھ تجھ پر لٹا دے گا

(نمرہ نور)

دعا کے لیے اس نے ہاتھ اٹھائے لیکن لبوں پر خاموشی تھی۔ دل اس قدر ڈر میں تھا کہ اٹھے ہاتھ بھی گر چکے تھے لیکن اسے پھر بھی اپنے رب سے اس کی زندگی کو مانگنا تھا۔ اس نے اپنی زندگی خدا سے مانگنی تھی لیکن ایک لفظ حرف دعا نہیں نکل رہا تھا لیکن اس پاک ذات کو لفظوں حرفوں کی کہاں ضرورت تھی۔ وہ تو لبوں کی جامد خاموشی دل کا حال جانتا تھا۔

سورت ال انعام آیت نمبر 59 میں فرمادیا گیا ہے۔

ترجمہ: اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے۔ اور کوئی پتہ نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔

اس کے پاس تو غیب کا علم تھا تو وہ کیسے اپنے بندوں کے دلوں کا حال نہ جانتا ہو، وہ اپنے بندوں کے لبوں کی خاموشی کو بھی سنتا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد آئی سی یو کا دروازہ کھلا، سارے ڈاکٹرز باہر آئے۔ وہ سب بھی ان کی طرف بڑھے۔ دل اور لب اس کی زندگی کے لیے دعا گو تھے۔

''کنگریچولیشنز، شی از آؤٹ آف ڈینجر۔ حادثہ بہت خطرناک تھا۔ اس میں ان کا بچنا

بہت مشکل تھا۔ سر پر گہری چوٹ آئی ہے جس سے کافی خون بہہ گیا تھا اور بھی چھوٹی موٹی چوٹیں آئی ہیں لیکن اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔ ہم انہیں روم میں شفٹ کر رہے ہیں آپ انہیں مل سکتے ہیں۔" ڈاکٹر نے انہیں پیشہ ورانہ لہجے میں تسلی بخش جواب دیا۔

"بہت شکریہ۔ بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب۔"

وہ سب ان کے مشکور ہوئے تھے۔

"شکر اس پاک ذات کا کریں جس نے یہ معجزہ کیا ہے عثمان شاہ۔ ہم تو بس وسیلہ تھے۔" ڈاکٹر شہباز جو عثمان شاہ کے دوست تھے وہ ان کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولے تھے۔ پھر اس کے روم میں شفٹ ہوتے ہی اسے دیکھنے کے لیے اندر چلے گئے تھے۔

"دیکھیں، آپ پیشنٹ کے اردگرد زیادہ رش نہ کریں وہ ڈسٹرب ہو جائیں گی۔" نرس نے ان سب کو زینیا کے بیڈ کے قریب اکٹھے دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر اسے دیکھ کر ایک طرف ہو گئے۔ یہ روم کافی بڑا تھا جس پر دو ٹرپل سیٹر صوفے اور ایک بیڈ کے پاس سٹول پڑا ہوا تھا۔ سب وہاں بیٹھ گئے اور اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگے۔

"عابی! یہ اگر ٹھیک ہیں تو آنکھیں کیوں نہیں کھول رہیں۔" وہ جو اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس کی بند آنکھوں کو دیکھ عباد شاہ سے بولا۔

"بھیا! ان کا دماغ ابھی شاک میں ہے اسی لیے غنودگی میں ہیں۔ ابھی آنکھیں کھول لیتی ہیں، زیادہ پریشان نہ ہوں۔" عباد شاہ نے وضاحت دی۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر دوبارہ اسے دیکھنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

وہ عشاء کی نماز پڑھ کے بیٹھی تو ان کا دل گھبرانے لگا۔ بار بار ان کا خیال زینیا کی طرف جا رہا تھا۔ ایک انجانا سا وہم ستانے لگا تھا۔

"اللہ خیر کرے میری زینی کسی مصیبت میں نہ ہو۔" انہوں نے سوچا۔

"اللہ نہ کرے اسے کوئی مصیبت ہو۔ میں بھی پتہ نہیں کیا کیا سوچ رہی ہوں۔" انہوں نے اپنی سوچوں کو ڈپٹا لیکن پھر بھی سکون نہ ملا تو اپنے پاس بیٹھی عنزہ سے مخاطب ہوئیں۔

"عنزہ! زینی سے آج تمہاری بات نہیں ہوئی کیا؟"

"نہیں دادو۔ کیوں، کیا ہوا۔"

"پتہ نہیں میرا دل کیوں گھبرا رہا ہے۔ وہ ٹھیک تو ہوگی ناں۔" انہوں نے دل میں پیدا ہونیوالے وسوسے سے آگاہ کیا۔

"ہاں دادو بالکل ٹھیک ہے۔ آپ نے خود ہی تو کل اس سے بات کی تھی۔ کتنا خوش تھی میں نے پہلے کبھی اس کی آواز میں اس قدر کھنک نہیں سنی۔" عنزہ تسلی دینے والے انداز میں بولی۔

"ہاں۔ خوش تو وہ تھی۔ اللہ اس کی جھولی کو خوشیوں سے بھر دے۔ تو ذرا اسے فون تو کر۔"

"ٹھیک ہے دادو میں کرتی ہوں۔"

پھر وہ اس کے نمبر پر کوشش کرنے لگی لیکن وہ بند جا رہا تھا۔ آبان شاہ کا نمبر بھی بند تھا۔ پھر اس نے دادو کے کہنے پر ہی عباد شاہ کے ہوسپٹل کارڈ سے نمبر لے کر اسے کال کی۔ دوسری طرف سے جیسے ہی فون اٹھایا گیا اس نے جھٹ سے سلام کیا۔

"السلام علیکم۔"

وہ جو تھکا ہارا اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا فون پر اس کی آواز سن کر اسے جھٹکا سا لگا۔

”وعلیکم السلام۔ زہے نصیب اگر یہ خواب نہیں تو تم وہی خوبصورت چڑیل بات کر رہی ہو نان جس کے لمبے دانت، آنکھوں میں ٹپکتا لہو اور بلی کے پنجوں والی......“ وہ اسے تنگ کرتے بولا۔

”تم سے اچھے طریقے سے بات کرنے کی امید بھی نہیں کر سکتی۔ توقع پر پورا اترے ہو۔ اب اپنی فضول گوئی بند کرو اور میری زینی سے بات کرواؤ۔“ اس کی بات پر وہ برا سا منہ بناتے بولی۔

”ہائے کیا زمانہ آگیا۔ اب لوگ ہم سے بات کرنے کے لیے کیسے کیسے اجڈ بہانے بنائیں گے۔ اگر تم یہ کہہ دوگی کہ عباد شاہ مجھے تم سے ہی بات کرنی ہے تو قسم لے لو کسی کو نہیں بتاؤں گا۔“ وہ ہنوز شرارت کرنے پر مصروف تھا جبکہ عنزہ نے چند لمحے کے لیے فون کو کان سے ہٹایا اور دانت پیستے ہوئے ایک مکا موبائل کو دکھایا جیسے وہ عباد شاہ ہو۔

”دیکھو۔“

”تمہاری آواز سنتے ہی آنکھوں میں تیرا چہرہ ابھر آیا تھا تب سے دیکھ وہی دیکھ رہا ہوں۔ غصہ کم کیا کرو، ورنہ ناک پھول جائے گا۔“ وہ فوراً اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”بھاڑ میں جاؤ تم ذلیل انسان، غلطی ہو گئی جو تم کو فون ملایا۔“ اس کی باتوں سے تو وہ سیخ پا ہو گئی اور فوراً فون بند کر دیا۔

”الو کا پٹھا۔ پتہ نہیں کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو۔“ فون بند کرتے ہوئے وہ نانو سے مخاطب ہوئی۔

”زینی کا وہ بندر دیور تھا چھچھوندر کہیں کا۔ لائن مار رہا تھا مجھ پر۔“

اس کی بات پر نانو نے حیرت بڑی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"عباد کی بات کر رہی ہو تم۔"

"جی ہاں اسی بندر کی بات کر رہی ہوں۔ اگر میرے سامنے ہوتا ایک دو تھپڑ رکھ دینا تھا میں نے اس کے گال پر۔ اس دن بھی ایسا ہی کیا تھا اس نے بدتمیز کہیں کا۔" اس کا غصہ کسی طور پر بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

"ہیں۔ وہ تو بڑا شریف لڑکا ہے۔" انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

"تو آپ کے خیال میں، میں اس پر لائن مار رہی تھی۔" اسے دادو کا اس کی تعریف کرنا ذرا بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

"اچھا لاؤ ادھر مجھے نمبر ملا کر دو میں بات کرتی ہوں۔" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ مجبوراً ان کے کہنے پر اسے دوبارہ اس کا نمبر ملانا پڑا۔ دوسری طرف وہ جو ابھی ویسے ہی موبائل پکڑ کر بیٹھا ہوا تھا اس کی دوبارہ کال آتے ہی شرارت سے فوراً فون اٹھاتے ہوئے بولا۔

"اب تم مان ہی جاؤ کہ تم مجھ سے ہی بات کرنا چاہ رہی ہو۔ بھابھی کا بہانہ کیوں بنا رہی ہو سویٹی۔"

عنزہ نے موبائل سپیکر پر رکھا ہوا تھا اس کی بات سن کر آنکھوں ہی آنکھوں ہی میں دادو کو اشارہ کیا، دیکھ لیں اس کی شرافت۔

"ارے بھئی شرما کیوں رہی ہو۔ کیا سٹی گم ہو گئی ہے تمہاری۔"

نانو تو ہکا بکا اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہ کیوں خاموش تھی۔

"وے عباد، میں تو تجھے بڑا شریف سمجھتی تھی۔ و تیم بڑے بدمعاش نکلے۔"

نانو کی آواز سنتے ہی وہ اچھل ہی تو پڑا تھا اور موبائل اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا تھا۔

”دددددادو......آپ۔“ وہ ہکلایا۔

”ہاں میں، کیا بکواس کر رہا تھا تو؟“

”نہیں دادو، کچھ نہیں وہ تو بس۔“ وہ شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

”سدھر جاؤ، خبردار آئندہ تم نے بہن کے ساتھ ایسی بدتمیزی کی تو۔“ وہ رعب دار لہجے میں بولیں۔اور اسے تو ان کا بہن کہنے پر جھٹکا لگا تھا۔

”اوو خدایا، میں اسے اپنی بیگم بنانے کا سوچ رہا ہوں اور دادو نے سیکنڈ نہیں لگائے اور اسے میری بہن بنا دیا۔“ وہ دل ہی دل میں برے برے منہ بناتے بولا۔

”اچھا اب یہ بتا زینی کدھر ہے؟ میری اس سے بات تو کروا دے۔“

وہ اصل مدعے پر آئیں اور زینی کا نام سن کر عباد کے چہرے پر سنجیدہ تاثرات ابھر آئے۔ وہ انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لیے جھوٹ بول گیا۔

”دادو دراصل زینی بھابھی تو اپنے کمرے میں ہیں۔آج وہ جلدی سو گئی ہیں۔“

”وہ ٹھیک تو ہے ناں؟“ انہوں نے مزید پوچھا۔ان کی آواز میں زینیا کے لیے واضح فکر تھی۔

”جی جی بالکل وہ ٹھیک ہیں۔میں انہیں بول دوں گا وہ صبح بات کر لیں گی آپ سے۔“

”چل ٹھیک ہے پتر، تم بھی آرام کرو۔اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ دادو۔“ الوداعی کلمات ادا کر کے فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

یہ دعا جو ہوتی ہے ناں بے رنگ ہوتی ہے۔اس کا کوئی رنگ نہیں ہوتا لیکن جب ہم خدا سے سچے دل سے مانگیں، دل میں پختہ یقین رکھ کر، یہ امید رکھ کر کہ جس ذات پاک سے ہم

مانگ رہے ہیں وہ بہت عظیم، افضل ترین ہے پھر وہ بے رنگ دعا ایسا رنگ لاتی ہے کہ زندگی میں قوس وقزح کے رنگ بکھر جاتے ہیں۔

اسے بھی بہت سی دعاؤں نے زندگی بخشی تھی۔ رات کو ہوش میں آئی تھی اور سب اس کے پاس ایک دو گھنٹہ بیٹھ کر واپس آ گئے تھے کیونکہ ہوسپٹل میں صرف ایک دو فرد کو رکنے کی اجازت تھی پھر آبان شاہ سب کو گھر بھیج کر خود اس کے پاس رک گیا۔ رانیہ بھابھی نے تو بہت کہا کہ وہ بھی رک جاتی ہیں اور شعیب اور شاہ زیب دونوں بھائی بھی رکنے کی ضد کر رہے تھے لیکن اس کے کہنے پر وہ چلے گئے۔

وہ شام سے صبح تک اس کے پاس سے ایک لحہ بھی نہیں ہلا تھا۔ آج نماز بھی اس نے وہیں اس کے پاس ہی کمرے میں پڑھی تھی۔ نہ ہی رات کو وہ سویا تھا۔ وہ ذرا بھی درد سے کراہتی وہ انٹرکام کی مدد سے ڈاکٹروں کو اکٹھا کر لیتا۔

صبح وہ فجر کی نماز پڑھ کر اسی کے پاس بیٹھا تلاوت کر رہا تھا جب وہ نیند میں ڈر کر چیخیں مارنے لگی۔ وہ اس حادثے سے اس قدر ڈر گئی تھی کہ بار بار آنکھوں کے سامنے وہی منظر گھوم رہا تھا چاہے وہ نیند میں ہو یا جاگ رہی ہو۔ وہ قرآن پاک کو بند کر کے کمرے میں موجود ایک چھوٹی سی الماری میں رکھتا اس کے پاس آیا۔

"پرنسز۔" اس نے پیار سے اسے پکارا۔ "آنکھیں کھولیں میں یہیں ہوں آپ کے پاس۔" وہ نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے بولا۔ وہ اسے احساس دلا رہا تھا کہ وہ اس کے پاس ہے وہ اکیلی نہیں ہے۔

"مجھے گھر جانا ہے مجھے یہاں نہیں رہنا۔" زینیا مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑتے التجائیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

”پرنسز! ہم ابھی کیسے جا سکتے ہیں گھر۔ آپ کو تو......“

”پلیز شاہ۔“

اس کی آنکھوں میں اسے خوف نظر آ رہا تھا اور سب سے بڑھ کر پہلی دفعہ اس نے اسے اتنے پیار سے بلایا تھا وہ تو اس کے شاہ بلانے پر ہی صدقے واری گیا تھا۔

”مجھے گھر لے جائیں۔ مجھے یہاں سے خوف آتا ہے۔ مجھے گھر جانا ہے۔“ وہ کسی بچے کی طرح ضد کر رہی تھی۔

”لیکن ابھی آپ ٹھیک نہیں ہوئیں پرنسز، آپ کو کتنی زیادہ چوٹیں آئی ہیں ابھی سے گھر چلے جانے سے آپ کی طبیعت مزید بگڑ جائے گی۔“ اس نے رسانیت سے اسے سمجھانا چاہا لیکن وہ اپنی ہی ضد پر ہی ڈٹی رہی تھی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔ دیکھیں میں بات بھی کر رہی ہوں اور ہاتھ پاؤں میں بھی کوئی درد نہیں۔ ہاں بس سر اور کمر میں تھوڑا سا درد ہے وہ بھی میڈیسن لوں گی اور گھر جا کر ریسٹ کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔ آپ بس مجھے یہاں سے لے جائیں ورنہ میں بابا کو کال کروں گی تاکہ وہ مجھے یہاں سے لے جائیں۔“

وہ لبوں پر مسکراہٹ لیے اسے بولتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ آج وہ اسے حیران پہ حیران کر رہی تھی۔

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے مائی پرنسز! آپ ایزی ہو جائیں۔ میں ابھی ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں اگر وہ چھٹی دے دیتے ہیں تو......“

”نہیں۔“ وہ اس کی بات کاٹتے فوراً بولی اور ساتھ ہی سر میں درد کی لہر سی دوڑ گئی۔

”آپ ڈاکٹر کو مت بتائیں ہم چوری چوری یہاں سے چلے جاتے ہیں ورنہ وہ مجھے چھٹی

نہیں دیں گے اور میں یہاں پر ایک پل بھی نہیں رکنا چاہتی۔"

اس کے پیارے سے مشورے پر آبان کا قہقہہ نکلتے نکلتے رکا تھا۔

"ڈونٹ وری، میں ڈاکٹر انکل سے ریکوئسٹ کروں گا کہ میری پرنسز یہاں رکنا نہیں چاہتیں اس لیے ہمیں چھٹی دے دیں۔ مجھے امید ہے وہ میری ریکوئسٹ کو رد نہیں کریں گے۔ جب آپ کا خیال رکھنے کی آپکی مرہم پٹی کرنے کی میں ذمے داری لوں گا۔" وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں سہلاتا تسلی دینے لگا۔

"میم! یو آر سو لکی، آپ کو اتنا اچھا اور پیار کرنے والا شوہر ملا ہے، آپ کو نہیں معلوم وہ جب سے آئے ہیں تب سے ہی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور میں جتنی دفعہ بھی آپ کو دیکھنے آئی ہوں، وہ آپ کے سرہانے ہی بیٹھے ہوئے تھے اور ابھی وہ باہر نکلے ہیں۔ اس سے پہلے مجال ہے وہ ایک لمحہ بھی اس کمرے سے باہر گئے ہوں، بہت کیئرنگ ہیں آپ کے شوہر۔"

آبان کے نکلتے ہی اس کو میڈیسن دینے کے لیے نرس اندر آئی اور رشک بھری نظروں سے اسے دیکھتے آبان شاہ کی تعریف کر رہی تھی۔ اس کی بات پہ وہ مسکرا دی۔ یہ تو اسے معلوم تھا کہ وہ کتنا خیال رکھنے والا ہے۔ اس کی باتوں سے اس کے دل میں اس کی قدر اور بڑھ گئی تھی۔

"اللہ آپ کی جوڑی ہمیشہ سلامت رکھے۔" اس نے صدق دل سے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر دعا دی جس پر اس نے آمین کہا۔ اتنے میں وہ سینئر ڈاکٹر شہباز جو کہ عثمان شاہ کے دوست تھے، سے بات کرتا ہوا داخل ہوا۔

"ہیلو لٹل گرل۔ کیسی طبعیت ہے آپ کی؟ اور یہ میں کیا سن رہا ہوں آپ گھر جانا چاہ رہی ہیں؟ اٹس ناٹ گڈ فار یو لٹل گرل۔" وہ اس کو چیک کرتے شفقت بھرے لہجے میں بولے۔

"انکل! میں بالکل ٹھیک ہوں اس لیے میں گھر جانا چاہتی ہوں۔" وہ جھٹ سے بولی۔

"لیکن اگر طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو۔"

"نہیں ہوگی پرامس۔"

اسے یہاں سے نکلنے کی کتنی جلدی تھی یہ اس کی باتوں سے ہی ظاہر ہورہا تھا۔ڈاکٹر صاحب اور آبان دونوں ہنس دیے۔

"چلو ٹھیک ہے بھئی، جیسے ہماری بیٹی کہتی ہے ہم مان لیتے ہیں بات۔" وہ بات کرتے کرتے آبان سے مخاطب ہوئے۔" آبان بیٹے! کہنے کی ضرورت تو نہیں لیکن پھر ایز آ ڈاکٹر میں آپ کو ان کا اچھی طرح خیال رکھنے، وقت پر میڈیسن کھلانے اور باتیں زیادہ نہ کرنے کی ہدایت دیتا ہوں۔"

"جی انکل، میں ان شاء اللہ ان کا بہت اچھی طرح خیال رکھوں گا۔" وہ فرمانبرداری سے بولا۔بھلا ایسا ہوسکتا تھا اس کی پرنسز بیمار ہو اور وہ اس کا خیال نہ رکھے۔

"دیکھ لیں بیٹا جی، آپ کی خاطر ہمارا بیٹا بزنس مین سے ڈاکٹر کی پوسٹ پر بھی آنے کے لیے تیار ہے۔اب مجھے امید ہے آپ اس ڈاکٹر کے انڈر رہ کر بہت جلد پہلے جیسی ہو جائیں گی۔" ڈاکٹر شہباز شرارت سے بولے۔ ان کی بات پر وہ جھینپ سی گئی تھی اور آبان دلکشی سے مسکرا دیا۔

"چلیں بیٹا جی، اب جاسکتی ہیں آپ۔" ڈاکٹر صاحب اسے درد کا انجکشن لگاتے ہوئے بولے تاکہ وہ مزید تین چار گھنٹے سکون سے گزار لے۔

"آپ یہاں بیٹھیں میں جلدی سے پیپر ورک مکمل کر کے آتا ہوں۔" وہ اس سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی لیکن اچانک اٹھنے سے اس کے دماغ کی نسیں جیسے پھٹنے لگی تھیں۔

''اف، اللہ جی رحم فرما۔ اس درد سے تو میری جان ہی چلی جائے گی۔'' وہ ماتھے کو دونوں ہاتھوں سے مسلتے ہوئے دل میں بولی۔ اتنے میں وہ کمرے میں داخل ہوا۔ جب وہ فوراً اٹھ کر چلنے لگی لیکن چکر آنے کی وجہ سے وہ لڑکھڑا گئی تھی۔ وہ بھاگ کر اس کے قریب آیا اور اسے سہارا دے کر گرنے سے بچا لیا۔

''آپ ٹھیک ہو؟''

''ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ تو بس اچانک اٹھنے سے چکر آ گیا تھا اس لیے گرنے لگی تھی۔ میں خود چل لوں گی۔'' وہ اسے ناکام سی تسلی دیتے ہوئے بولی۔ درحقیقت تو اسے اتنی کمزوری ہو گئی تھی کہ چلنا مشکل تھا لیکن وہ اس کے سامنے یہ بتا نہیں سکتی تھی کہیں وہ اسے گھر لے جانے سے انکار ہی نہ کر دے۔

''سر! ابھی یہ مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہیں آپ انہیں اس پر لے جائیں۔'' ایک نرس وہیل چیئر لے آئی۔

''بہت بہت شکریہ لیکن اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس نے مسکراتے ہوئے اسے لینے سے انکار کر دیا اور اگلے ہی پل زینیا نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھا جو اسے کسی نازک آبگینے کی مانند اپنی بانہوں میں اٹھا چکا تھا۔

''میرے ہوتے ہوئے اس وہیل چیئر کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ اسے دیکھ کر بولا۔ زینیا تو بالکل کسی چھوئی موئی سی بن گئی تھی۔ وہاں موجود نرسیں ایک دوسرے کے کانوں میں معنی خیز سرگوشیاں کرنے لگیں۔

''واٹ آ رومینٹک سین یار۔'' ان کے کانوں میں کسی ایک کی آواز ٹکرائی تھی۔ آبان شاہ تو مسکرا دیا جبکہ زینیا اسے بغور دیکھنے لگی تھی۔

دل میں پیاری پیاری دھن بجنے لگی تھی۔

ایسا محرم تھا وہ

جس کے ہونے سے

وہ شرمانے لگی

غموں کو بھلانے لگی

اس کی خوشبو سے

وہ مدہوش سی ہونے لگی

اس کی قربت میں

دل گدگدانے لگا

دل کی دھڑکن شور مچانے لگی

ایسا محرم تھا وہ

جس کے ہونے سے

تحفظ ہونے لگا

اس سے پیار ہونے لگا

(نمرہ نور)

☆......☆......☆

وہ ڈسچارج ہو کر گھر آ گئی۔ پہلے تو فرقان شاہ اور عثمان شاہ کافی ناراض ہوئے تھے۔ ان کے مطابق ابھی وہ ایک ہفتہ وہاں مزید ایڈمٹ رہتی تو جلدی ٹھیک ہو جاتی لیکن آبان نے انہیں ہینڈل کر لیا تھا جس پر عباد شاہ نے اسے کافی زچ کیا تھا۔

گھر میں آبان سمیت سب اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ بالکل کسی نازک سی گلاب کی پنکھڑی کی طرح۔ فرقان شاہ اور عثمان شاہ رات کو آفس سے واپس آ کر اسے آبان کے اور اس کے بچپن کے قصے سناتے۔ رانیہ بھابھی مختلف قسم کے اس کے لیے کھانے بناتیں، جبکہ فرقان بھائی ڈھیروں اس سے باتیں کرتے اور نوین شاہ اسے اپنی ناولوں کی کہانیاں سناتی اور اس کے شیطان بھائی نوین شاہ کو تنگ کرتے اسے چڑاتے تھے جب وہ کہانی سناتی۔

اور تو اور عباد شاہ نا جانے کہاں سے جوکس ڈھونڈ ڈھونڈ کر سناتا جس میں زیادہ تر اسے اپنی شادی جلدی نہ ہونے کا افسوس ہوتا۔ اور آبان شاہ وہ تو سب سے بڑھ کر اس کے آرام کا خیال رکھتا۔ ہر شام اسے باہر لان میں واک کرواتا۔ اپنے ہاتھوں سے میڈیسن دیتا اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرتا۔

وہ ان سب کا پیار پا کر پھولی نہیں سما رہی تھی۔ اسے ایسے لگتا جیسے وہ ابھی پیدا ہوئی ہو۔ کبھی کبھی تو خوشی سے آنکھیں بھی چھلک پڑتی تھیں۔

وہ ان سب میں ماں کی کمی کو بہت زیادہ محسوس کرتی تھی۔ وہ ان سے، عنزہ سے اور نانو سے روزانہ بات کرتی تھی۔ وہ پریشان نہ ہو جائیں اس لیے انہیں اس نے اپنے ساتھ ہونے والے حادثے کا نہیں بتایا تھا۔

رات کو وہ کمرے میں آیا تو اپنے کمرے کی حالت دیکھ کر ایسے لگا جیسے وہ جنگل میں آ گیا ہو پھر غصے سے اپنے ڈاکٹر شیطان بھائی کو دیکھا جو شعیب اور شاہ زیب کے ساتھ مل کر کشتی کر رہا تھا اور اسفند یار دور صوفے پر بیٹھا ان کی ویڈیو بنا رہا تھا جبکہ زینیا کے پاس بیٹھی نائلہ، نوین اور رانیہ بھابھی انہیں چیئر اپ کر رہی تھیں۔

''شیطانو! یہ کیا حشر بنایا ہوا ہے تم لوگوں نے میرے کمرے کا۔'' اس کی غصے بھری

آواز سے وہ ایک دم ہی ایک دوسرے کو چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

''یہ میرا کمرہ ہے کوئی کشتی کا میدان نہیں جو یوں کمرہ سر پر اٹھایا ہوا ہے۔''

''بھائی! یہ صرف آپ کا ہی کمرہ نہیں ہماری بھابھی کا بھی ہے۔''

''تم تو چپ ہی رہو۔ پیشے سے تم ڈاکٹر ہو لیکن حرکتیں تمہاری پاگلوں جیسی ہیں۔''

وہ غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''بھائی یو انسلٹڈ می۔'' وہ منمنایا تھا۔

''اووو ریلی مسٹر عباد شاہ، آپ کو بے عزتی محسوس بھی ہوتی ہے کیا؟'' وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے بولا۔ کمرے میں دبی دبی ہنسی کی سرگوشیاں ہوئیں۔

''سیدھی طرح آپ یہ کہیں ناں کہ ہم سب آپ کے کمرے سے دفعہ ہو جائیں تا کہ آپ اپنی بیگم سے پیار بھری باتیں کر سکیں، رومینس کر سکیں۔ یوں ڈریکولا کی طرح ہم کو ڈرا کیوں رہے ہیں۔ آپ کو تو ویسے ہی ہم معصوموں کو ڈرانے کا شوق ہے۔''

وہ اس وقت معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑتا ہوا آبان شاہ کو سخت برا لگ رہا تھا۔

''تجھے تو میں بتاتا ہوں بدتمیز انسان کہ مجھے کس کا شوق ہے؟''

اس سے پہلے وہ اپنے کڑے تیور لیے اس کی طرف بڑھتا وہ فوراً بیڈ پر لیٹی زینیا کے ایک طرف جا بیٹھا۔

''پلیز پیاری بہنا، اپنے اس ہینڈسم دیو نما شوہر سے اس معصوم بھائی کی جان بچا لو ورنہ یہ میرا خوبصورت چہرہ نوچ لے گا۔'' وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ باقی سب اس پر ہنس رہے تھے جبکہ وہ وہیں رک گیا تھا۔

''عابی! تم تو پورے مسخرے ہو۔''

رانیہ بھابھی تو اس کی ایکٹنگ سے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔

"عابی بھائی نے اپنی آئی ڈی کا نام ڈرامہ کوئین رکھا تھا تو یہ بالکل اس پر پورا اتر رہے ہیں انہیں تو ایوارڈ ملنا چاہیے اس ایکٹنگ پر۔" شعیب شاہ نے فوراً اس کی پرانی فیس بک آئی ڈی کا حوالہ دیتے کہا۔

"ہاں بالکل تین چار جوتوں کا ایوارڈ تو ضرور دینا چاہیے تاکہ صبح وشام اپنے سر پر زور زور سے مارے اور اس کی عقل ٹھکانے پر آئے۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

"یار بس کردو۔ تم تو میرے بھائی کی بے عزتی پر بے عزتی کرتے جا رہے ہو، حد ہوتی ہے۔" آخر اسفندیار کو اس پر ترس آیا تو اس کی حمایت میں بولا۔

"اسفی بھائی! آپ لوگوں کو ان کی راز کی بات بتاؤں؟" اس کی شہ پا کر عباد شاہ کی شرارتی رگ پھڑکی تھی۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔ رک ذرا وائس ریکارڈر آن کرلوں تاکہ اس کے راز کو ریکارڈ کرسکوں۔"

سب اسے ہی دیکھ رہے تھے آخر وہ کونسا راز افشاں کرنے والا تھا جبکہ وہ اس کی شرارتی مسکراہٹ دیکھ کر تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

"اف ناٹ آگین۔"

وہ سٹڈی روم کی طرف بڑھ رہا تھا جب اس کے قدم اس کی بات پر وہیں جم گئے تھے۔

"آپ کو پتہ ہے ان کے غصے سے سب ڈرتے ہیں لیکن یہ کس ہستی کے غصے سے ڈرتے ہیں آپ کو معلوم ہے؟

"کس سے؟" سب نے حیرت بھری آواز میں یک زبان ہو کر پوچھا۔

”یہ ڈرتے ہیں اپنی بیگم صاحبہ کے غصے سے۔ یعنی اپنی پرنسز سے۔“

وہ یہ کہہ کر فوراً باہر بھاگنے کی تول رہا تھا کیونکہ اس دفعہ اس کے تیور پہلے سے بھی خطرناک دکھائی دے رہے تھے۔

”آج تو کلمہ پڑھ لے کیونکہ تو میرے ہاتھوں سے نہیں بچنے والا۔“

”اووو ریلیکس بڈی ریلیکس۔ ہوتا ہے ایسا چلتا ہے۔ بڑے بڑے گھروں میں ایسے چھوٹے چھوٹے راز افشا ہوتے رہتے ہیں۔“ اسفندیار درمیان میں کودا اور اس کی ایک دفعہ پھر جان بخشی کروائی۔

”ہٹو پیچھے، تم دونوں ایک ہی تھالی کے بینگن ہو۔ مجھ سے دور رہو ورنہ تم لوگوں کے لیے بہتر نہیں ہوگا۔ بھابی! آپ ان دونوں کو میرے کمرے سے لے کر چلی جائیں ورنہ میں خود اٹھا کر انہیں باہر پٹخ دوں گا۔“

وہ اسفندیار کی شرارتی نظروں سے مزید سیخ پا ہوا تھا۔

”اللہ اللہ آبان شاہ، تم کتنے بدل گئے ہو یقین نہیں آ رہا۔“

اسفندیار مزید اس کی ٹانگ کھینچ رہا تھا۔

”چلو بھئی اٹھو۔ نکلو یہاں سے میرے دیور صاحب کو مزید غصہ نہ دلاؤ۔ لگتا ہے اپنی پرنسز کے آس پاس ہم سب کو دیکھ کر جیلس ہو رہے ہیں۔“ رانیہ بھابھی نے سب کو کمرہ فارغ کرنے کے لیے کہا اور ساتھ ہی شرارت بھری نگاہوں سے زینیا کو دیکھا جو ان سب کی نوک جھونک کو خوب اچھی طرح انجوائے کر رہی تھی ان کی بات پر جھینپ سی گئی۔ پھر وہ باری باری ایک ایک کر کے وہاں سے نکلتے چلے گئے۔

☆......☆......☆

رات کو کافی وقت ہو گیا تھا۔ زینیا کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی اور نیند آتی بھی کیسے وہ لڑکی پرسکون سی رہنے والی تھی۔ نہ کبھی کوئی دل میں ہلچل ہوئی تھی اور نہ ہی اس پر کسی نے پہرہ جمانے کی کوشش کی تھی نہ آنکھوں میں کوئی چہرہ بسایا تھا اور آج آنکھوں میں، دل میں اور یہاں تک اس کی روح میں بھی شاید وہ بسنے لگا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں اس کا محرم تھا جس سے خدا نے اس کا حلال کا رشتہ بنایا تھا پھر محبت تو ہونی تھی، دل میں ہلچل تو مچنی ہی تھی۔

وہ مغربی دیوار کے ساتھ لگے کنگ نما صوفے پر براجمان گود میں لیپ ٹاپ رکھے اور سامنے ٹیبل پر پیپرز بکھرے ہوئے تھے۔ کافی حد تک مصروف نظر آرہا تھا۔

زینیا بیڈ سے ٹیک لگائے التفات بھری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ اس سے بات کرنا چاہ رہی تھی لیکن ہمت بھی نہیں کر پا رہی تھی کہ کچھ بولے۔ نا جانے کیوں زبان کبھی کبھی گنگ سی ہو جاتی تھی۔ زیادہ وہ ہی اسے بلاتا تھا ابھی تو فی الحال مصروف تھا۔ لیکن اس کی نگاہوں کی تپش نے اسے نظریں اوپر اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے دیکھنے پر وہ گڑبڑا سی گئی تھی۔ لیپ ٹاپ پر ٹائپنگ کرتے اس کی انگلیاں ساکت ہو چکی تھیں۔

"پرنسز! کیا بات ہے؟ آپ کو کچھ چاہیے؟"

اس کے اتنے پیار سے پوچھنے پر وہ اپنی ساری ہمت کو مجتمع کرتی اثبات میں سر ہلا گئی۔

"کیا چاہیے؟ وہ لیپ ٹاپ کو سائیڈ پر رکھتا فوراً اٹھ گیا تھا۔

"معافی۔" وہ معصومیت سے بولی۔

"کیا؟" وہ حیران ہوا۔ وہ تو کچھ اور سمجھا تھا اور وہ کیا کہہ رہی تھی۔ لیکن اگلے ہی پل وہ گھبرا سا گیا جب اچانک اس کی آنکھوں سے رم جھم شروع ہو گئی تھی۔

"ارے ارے کیا ہوا آپ رو کیوں رہی ہیں؟" وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور آنسو پونچھنے لگا۔

”ایم سوری، میں بہت بری ہوں ناں۔ میں نے ہمیشہ آپ سے بدتمیزی کی ہے، کبھی بھی ٹھیک طرح سے بات نہیں کی اسی لیے آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ ایم سوری میں آئندہ کبھی بھی آپ سے بدتمیزی نہیں کروں گی۔“

روتے روتے وہ اپنے لفظوں میں اپنے سابقہ رویے پر معافی مانگ رہی تھی جبکہ وہ اپنی بہادر اور ہر وقت ناک پر غصہ جمائے رکھنے والی پرنسز کو بالکل کسی چھوٹے بچے کی طرح روتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا اسے ایسا کیوں لگا کہ وہ ناراض ہے۔ وہ تو بالکل بھی اس سے ناراض نہیں ہو سکتا تھا۔

”پرنسز۔“ اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ وہ دوبارہ بول اٹھی تھی۔

”نانو کہتی ہیں جو لڑکی شوہر سے بدتمیزی کرتی ہے اپنے شوہر کو ناراض کرتی ہے، اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور وہ جنت میں نہیں جاتی، اس لیے پلیز آپ مجھے معاف کر دیں مجھ سے ناراض مت ہوں۔“ وہ نانو کی کہی باتیں دوہرا رہی تھی جبکہ وہ ہونٹوں پر دلسوز مسکراہٹ لیے یہ یقین کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آیا واقعی یہ وہی پرنسز ہے نا جو ہر وقت غصہ کرتی، اس سے بیزار بیزار نظر آتی۔ ہے بات بات پر اکھڑ جانے والی۔

”تو کیا آپ جنت میں جانے کے لیے معافی مانگ رہی ہیں۔“ اس کی باتیں اس کو اچھی لگ رہی تھیں۔

”نہیں۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا جس پر اس نے پوچھا۔

”پھر کس لیے؟“

”کیونکہ میں آپ کے ساتھ جنت میں جانا چاہتی ہوں اس لیے۔“ وہ جانے انجانے میں ہی اپنے دل کا حال اس پر آشکار کر گئی تھی۔ اس کی بات پر اس کا کمرے میں زندگی سے بھرپور

قہقہہ گونجا۔
"میں مذاق نہیں کر رہی۔" وہ اسے ہنستے دیکھ کر منہ بسور کر رہ گئی۔
"ٹھیک ہے لیکن میں آپ سے ناراض نہیں ہوں پرنسز۔"
"سچی۔" وہ آنکھوں میں کئی روشن دیپ جلائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔
"بالکل میں آپ سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔
"ٹھیک ہے اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہے ناں تو آج وہاں صوفے پر سونے کی بجائے یہاں بیڈ پر سو جائیں۔"
اس نے حیرت سے آنکھیں کھولے اسے دیکھا۔ جو اب اپنے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔ سر پر بینڈیج لگی ہوئی بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی کیے ہوئے چھوٹے چھوٹے بال آزاد ہو کر اس کے گالوں کو چھو رہے تھے۔
اس نے بے اختیار تھوڑا سا اس کے قریب کھسک کر عنابی لب اس کے بینڈیج کردہ ماتھے پر رکھ دیئے۔
"ٹھیک ہے پرنسز، اب آپ سو جائیں کافی رات ہو گئی ہے۔" وہ مسرور سے لہجے میں بولا۔ وہ اس کی بات کو سمجھ کر مسکرا دیا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر واپس اپنی جگہ پر چلا گیا جبکہ وہ فوراً اس کی طرف کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ اسکے لبوں پر مسکراہٹ رینگتی چلی گئی وہ جانتا تھا وہ دوسری طرف منہ کیے شرما رہی ہوگی۔
واقعی ایسا ہی تھا۔ وہ شرم کے مارے ہونٹوں کو دانتوں سے کچل رہی تھی۔ دل کی بے ترتیب ہوتی دھڑکن کو معمول میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے خود بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ بیتے ہوئے لمحے میں جو بات کی تھی وہ اس کے لبوں سے ادا ہوئی تھی۔ وہ تو سوچ سوچ کر رہی

شرمارہی تھی اور جلدی سے آنکھوں کو زور سے میچ لیا جیسے وہ سامنے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا ہو۔

جو بھی تھا یہ پل، یہ لمحے انہیں خوشیوں کی نوید سنا رہے تھے۔ دونوں کے دل مسرور تھے۔ جھوم رہے تھے لیکن آنے والا وقت ان کے لیے کیا طے کیے ہوئے تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔

☆......☆......☆

صبح فجر کی نماز ادا کر کے وہ جاگنگ کے لیے نکلا تھا۔ آج عابی بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ دوہ ٹریک سوٹ میں ملبوس جاگنگ کرتے ہوئے گھر سے تھوڑے فاصلے پر ایک وسیع عریض پارک میں چلے آئے جہاں ان کی طرح ہی اور بھی کئی لوگ جاگنگ کر رہے تھے۔ کچھ لوگ واک کر رہے تھے۔ کوئی ایکسر سائز کر رہا تھا۔ ان میں عورتیں، مرد، بوڑھے، نوجوان بچے شامل تھے۔ ہر کوئی اپنے انداز میں صبح کی باد صبا کا مزہ لوٹ رہا تھا۔

"اووہ بابا جانی! آپ یہاں؟" وہ دونوں بھائی کافی فاصلے پر اکٹھے ہی بھاگ رہے تھے جب ان کے درمیان ٹریک سوٹ میں ملبوس فرقان شاہ بھی شامل ہو گئے۔ انہوں نے بھاگتے بھاگتے ہی حیرت سے انہیں دیکھا۔

"ہاں میرے بیٹے سمجھتے ہیں کہ ان کا باپ بوڑھا ہو گیا ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ میں ابھی بھی کئی میل بغیر رکے بھاگ سکتا ہوں۔" وہ ہانپتے ہوئے بولے۔

"اووہ واقعی۔ اس لیے آپ کی سانس پھولی ہوئی ہے۔"

عابی کی بات پر وہ بھی مسکرا دیا۔

"بابا جانی! فرحان بھائی اور چاچو کو بھی ساتھ لے آتے۔"

وہ اب پارک میں ایک طرف پڑے بینچ کے پاس آ کر رک گئے تھے۔ فرقان شاہ عابی کے ہاتھ سے بوتل لے کر پانی پینے لگے تھے۔

”وہ دونوں ابھی اپنی اپنی بیویوں کے پہلو سے نہیں اٹھے ہوں گے انہوں نے خاک یہاں آنا تھا۔ویسے میں تو حیران ہوں آپ کیسے اتنی جلدی اٹھ گئے ہیں۔رات کو کیسے دھکے دے کر آپ نے نکالا تھا۔مجھے تو لگا اب یہ زندگی بھر اپنی بیگم کے پہلو سے نہیں اٹھیں گے۔“

اس کی بات پر فرقان شاہ کا قہقہہ گونجا تھا۔

”بابا! اسے سمجھالیں میرے ساتھ ایسی باتیں مت کیا کرے ورنہ بہت پٹے گا میرے ہاتھوں۔“ وہ خونخوار نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

”نہ بھئی عابی، میرے بیٹے کے ساتھ ایسی باتیں مت کیا کرو۔وہ بہت شرمیلا ہے۔“ وہ عابی کو آنکھ مارتے سنجیدگی سے بولے جس پر وہ فوراً طنز کرنے والے انداز میں اسے تپا گیا تھا۔

”ہاں ان کے شرمیلے پن کے چرچے ہم نے خوب سنے ہیں۔کیا ہی کہنے ہیں۔“ وہ یہ کہتے ہی دوڑ لگا گیا تھا کیونکہ وہ اسے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔اب وہ آگے تھا جبکہ آبان شاہ اس کے پیچھے۔فرقان شاہ ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے گھر کی طرف چل دیئے۔وہ دونوں بھی گھر کی طرف ہی جارہے تھے۔

☆......☆......☆

”شٹ اپ طیبہ، جسٹ شٹ یور ماؤتھ۔مجھے صرف یہ بتاؤ ایسا کیوں کیا آپ لوگوں نے۔ارے کیا بگاڑا ہے میری بیٹی نے تم لوگوں کا جو تم دونوں بہنیں اس کو مروانا چاہتی تھیں۔کیوں کروایا آپ لوگوں نے اس کا ایکسیڈنٹ۔“

وہ تینوں باپ بیٹا لاؤنج کا گلاس ڈور کھولتے جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوئے، ہال میں سے عثمان شاہ کی آتی غصے اور دکھ سے بھری آواز نے ان کے قدم روک لیے تھے۔

”پہلے فانیا کو مجھ سے جدا کروادیا۔پھر میرے جگر کے ٹکڑے میری بیٹی کو تم تینوں بہن

بھائی نے مل کر الگ کر دیا اور پھر یہ جھوٹ سب سے بول دیا کہ وہ مر گئی ہے۔ وہ بھی اس لیے کہ میں اسے واپس نہ لے آؤں، میں اس سے ملنے نہ لگوں۔ ارے پندرہ سال میں سمجھتا رہا میری بیٹی مر گئی ہے۔"

غصے کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں دواں تھے جبکہ لاؤنج میں کھڑے وہ تینوں باپ بیٹے اور اپنے کمرے کی دہلیز پر فرقان شاہ اور رانیہ بھابھی دم سادھے ان کے منہ سے نکلنے والے ایک ایک لفظ کو سن رہے تھے۔ آج مکمل طور پر جھوٹ سے پردہ اٹھ رہا تھا۔

"اور آج آپ لوگ اسے سچ میں مارنے چلی تھیں۔ مجھے ایک بات بتا دیں کیا قصور تھا اس کا آج کیا قصور تھا، پندرہ سال پہلے کیا قصور تھا۔ کیا بگاڑا تھا اس نے آپ کا۔" بات کرتے کرتے ان کے گلے میں خراشیں پڑنے لگی تھیں اور وہ کھانسنے لگے تھے۔

"دیکھو عثمان میری بات سنو۔" جویریہ شاہ آگے بڑھیں جب انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں وہیں روک دیا۔ اسی وقت آبان شاہ آنکھوں میں بے یقینی لیے ان کے سامنے آیا۔ فرقان شاہ اور عباد شاہ بھی اس کے پیچھے تھے۔

"ماما۔" وہ بے یقینی ہی بے یقینی آنکھوں میں سموئے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے کیا یہ سب؟" وہ یقین چاہ رہا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ مما بول دیں کہ نہیں بیٹا بھلا میں ایسا کیوں کروں گی۔ اسی پل جویریہ شاہ کو اپنے لیے اپنے تینوں بیٹوں کی آنکھوں میں اجنبیت سی محسوس ہوئی تھی۔

"عثمان! کیا کہہ رہا ہے جویریہ؟" فرقان شاہ ان سے مخاطب ہوئے۔ وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھیں۔ وہ چال چلتے ہوئے، جھوٹ بولتے ہوئے بھول گئی تھیں کہ چاہے وہ جتنا مرضی جھوٹ بول لیں ایک نہ ایک دن اس سے پردہ اٹھنا تھا۔ چاہے کسی بھی

طرح ظاہر ہوتا ایک دن ہو جانا تھا۔

''مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا ماما۔'' فرقان شاہ کی آواز آئی۔

وہ ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں خود کو گرتا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔ انہوں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا ان کی اتنی چاہنے والی اولاد کی آنکھوں میں اپنے لیے بد اعتمادی دیکھیں گی۔ پہلے نہیں تو اب اپنے عزیز شوہر کا اس طرح دیکھنا اور اولاد کی نظریں ان کی ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی تھیں۔

انسان برائی کرنے سے پہلے کیوں نہیں سوچتا ایک نہ ایک دن اس سے اس برائی کا حساب ہوگا؟ وہ یہ کیوں سمجھنے لگ جاتا ہے۔ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے وہ جو چاہے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ انسان کو اس غلط فہمی سے نکل آنا چاہیے کیونکہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے وہ جب بجتی ہے تو ساری غلط فہمیوں کو نکال دیتی ہے۔

ساری سچائی سب بچوں کو پتہ چل چکی تھی۔ سب خاموش تھے گھر میں ایک دم سناٹا چھا گیا تھا۔

''اتنا سب کچھ ہو گیا اور تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔ بے خبر رہا میں۔'' فرقان شاہ دکھ سے اپنے بھائی کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''میرے دماغ میں بھی سوال آئے تھے جب زینی ہم کو ملی تھی کہ اگر وہ زندہ تھی تو ہم سے یہ جھوٹ کیوں بولا گیا کہ وہ مر گئی ہے؟ اور وہ بھی تب بتایا پھر زندہ کیسے ہو گئی؟ مما اور خالہ آپ دونوں کا ان سب میں ہاتھ ہوگا مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔''

ایک ایک پل اذیت کا تھا جیسے وہ سب کئی سال پیچھے چلے گئے تھے۔ عباد شاہ خاموش تھا۔ بالکل خاموش کیونکہ وہ تو جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن سچائی تو سامنے آ ہی جائے گی۔ آبان شاہ اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہال سے ہوتا ہوا سیڑھیاں عبور کرتا اپنے

کمرے میں چلا گیا۔
جس شخص سے آپ کو بالکل بھی توقع نہ ہو، کبھی گمان بھی اس پر نہ ہو کہ وہ ہمیں دکھ دے گا جب وہی آپ کے دکھ کی وجہ بن جائے تو شکوے شکایت کرنے کے لیے لفظ ختم ہو جاتے ہیں۔
کچھ ایسا ہی اس کے ساتھ ہوا تھا۔

☆......☆......☆

زینیا کے ساتھ ہوا حادثہ طیبہ شاہ اور ماہ رخ کی چال تھی۔ اس میں جویریہ شاہ کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ عثمان شاہ ان دونوں بہنوں کی باتیں سن چکے تھے اور یہی سمجھے تھے ان دونوں نے مل کر یہ کام کیا تھا۔
گھر کا ماحول ایک دم سے سنجیدہ اور بے رنگ سا ہو گیا تھا۔ آج فرقان شاہ اور عثمان شاہ دونوں بھائی نوید شاہ کے گھر ان سے بات کرنے آئے ہوئے تھے۔
جو ہو گیا سو ہو گیا تھا۔ اسے بدلا نہیں جا سکتا تھا لیکن وہ اپنا کل سنوار سکتے تھے۔ فرقان شاہ نے جویریہ شاہ سے کوئی بات نہیں کی تھی وہ بس اپنے بچوں کی خوشی کے بارے میں سوچ رہے تھے اور ساتھ انہیں اپنی بہن کی بھی فکر تھی جسے ماہ رخ کی ضد، جنون کی وجہ سے سزا مل رہی تھی اور ماہ رخ کو شہہ دینے والا اس کا باپ تھا اسی لیے وہ چاہتے تھے کہ بات چیت کر کے معاملہ سلجھا لیا جائے رشتوں کو یونہی توڑا نہیں جاتا۔
''نوید! دیکھو جس طرح زینی اور نوین ہماری بیٹیاں ہیں اسی طرح ماہ رخ بھی ہماری بیٹی، ہمارا خون ہے میرے بھائی۔ اور ہم کبھی بھی ایسے انسان کے اوپر اپنی بیٹی کو مسلط نہیں کریں گے جو اسے پیار محبت نہ دے سکے۔ تم خود بتاؤ تم ماہ رخ کی شادی آبان سے اس لیے کرنا

چاہتے ہو نا تاکہ وہ خوش رہے لیکن تم نے اس بارے میں کبھی نہیں سوچا ہے کہ آبان اسے وہ خوشی نہ دے سکا تو جو خوشی تم چاہتے ہو۔ وہ پیار نہ دے سکا تو جو تم چاہتے ہو کہ وہ تمہاری بیٹی کو دے۔"

لمحہ بھر انہوں نے خاموشی اختیار کی اور ساتھ ہی ان کے تاثرات دیکھے جو اس وقت شش و پنج میں نظر آ رہے تھے۔

"نوید! میرے بھائی، ہم کبھی بھی ماہ رخ کا برا نہیں سوچ سکتے۔ آبان سے شادی کر کے نہ وہ خوش رہے گی اور نہ تم اپنی بیٹی کو خوش دیکھ سکو گے اس لیے میری مانو تو اسے پیار سے سمجھاؤ کہ آبان سے شادی کا خیال وہ دل سے نکال دے اس کی خوشی کسی اور میں ہے۔" انہوں نے جیسے التجا کی تھی۔ ان کی باتوں نے انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ واقعی سچ کہہ رہے تھے۔ اگر وہ زبردستی جیسے تیسے آبان سے اپنی بیٹی کی شادی کروا بھی لیتے تو وہ اسے زبردستی خوشیاں تو آبان سے دلا نہیں سکتے تھے۔ کوئی محبت بھی زبردستی لی جاتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ محبت تو ایک پاک جذبہ تھا۔ اسے نہ تو دولت سے خریدا جا سکتا ہے اور نہ ہی زور زبردستی سے اسے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ تو فطرت کی طرف سے ہماری روحوں میں اتاری جاتی ہے یہ تو صرف دو دلوں کے پاک جذبے کا نام ہے۔

وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آبان شاہ کے دل میں صرف ایک ہی لڑکی تھی اور وہ لڑکی زینیا شاہ تھی جو نہیں تھی تب بھی اس کے دل میں تھی اس کی آنکھوں میں، اس کی روح میں تھی اور جب تھی تب بھی وہی اس کے آس پاس تھی۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ ماہ رخ کو ضرور سمجھائیں گے۔ انہیں امید تو نہیں تھی لیکن وہ کوشش کرنا چاہتے تھے۔

☆......☆......☆

"مجھے معاف کر دو بیٹا، میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا جو میں اپنی انا، اپنی ضد کی تسکین میں تمہاری خوشیوں کو بھی بھول گئی۔ تو میرے سامنے خوشیوں سے دور بھاگتا رہا اور میں تمہیں اپنے جھوٹ پر یقین دلاتی رہی۔"

دو دونوں سے وہ ماں سے دور بھاگتا رہا تھا۔ ماں سے کیا ہر ایک سے وہ تو زینیا کے سامنے بھی کم کم ہی جا رہا تھا۔ باقی تینوں بہن بھائی بھی ماں سے ناراض ناراض تھے تو ماں کو کہاں سکون مل رہا تھا۔ آج اپنے بچے ناراض تھے۔ ان کی ممتا تڑپ رہی تھی اپنی غلطیوں پر شرمندگی ہو رہی تھی۔

"ماما! مجھ سے معافی مانگ کر مجھے گناہ گار مت کریں اور میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ آپ سے ناراض ہو کر مجھے اپنی جنت کو ناراض نہیں کرنا۔" وہ ان کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا تھا۔ اسے دکھ تو ہوا تھا لیکن اس کی سزا وہ اپنی ماں کو نہیں دے سکتا تھا۔ اسے تکلیف ہوئی تھی لیکن ماں سے ناراض نہیں ہو سکتا تھا۔ انہیں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ بہت ظالم ماں ہیں۔ کیوں ماں تو ماں ہوتی ہے۔

دوسری طرف شاہ زیب اور شعیب شاہ تھے۔ دونوں بھائی طیبہ شاہ سے سوال جواب کر رہے تھے۔

"ماما آپ ہماری آپی سے کیوں نفرت کرتی ہیں؟"

"آپ نے انہیں کیوں مارنا چاہا ماما؟"

"وہ تو بہت اچھی ہیں ماما پھر آپ انہیں ناپسند کیوں کرتی ہیں؟"

اس طرح کے کئی سوال تھے جو وہ ان سے پوچھ چکے تھے۔

"کیونکہ وہ اس عورت کی بیٹی ہے جس سے میں نفرت کرتی ہوں سمجھے تم لوگ۔" وہ ان

کے سوالوں سے تنگ آ کر کاٹ کھانے کو دوڑیں۔

''نفرت سے کیا ملتا ہے ماما جبکہ آپ تو ہمیشہ ہمیں محبت کا درس دیتی آئی ہیں تو پھر یہ نفرتیں خود کیوں پالی ہوئی ہیں؟''

ان کے چلانے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو دیکھا۔

''ماما کسی کا دل نہیں توڑنا چاہیے۔کسی کو تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے۔اگر ہم کسی کو تکلیف دیں گے، کسی کا دل توڑے گے تو ہم سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے کیونکہ دلوں میں تو اللہ تعالیٰ رہتے ہیں۔یہ سبق ہمیں پڑھاتے ہوئے آپ نے کیوں نہیں غور کیا تھا کہ آپ بھی کسی کو تکلیف پہنچا رہی ہیں۔''

انہوں ہکا بکا اپنے بیٹوں کو دیکھا جو آج انہیں ہی ان کا سکھایا ہوا سبق بتا رہے تھے۔پھر وہ کمرے سے باہر نکلتے چلے گئے۔ان کی باتیں کسی ہتھوڑے کی مانند ان کے ضمیر پر ٹھوکر مار رہی تھی جو شاید ابھی زندہ تھا۔

☆......☆......☆

کہتے ہیں جو انسان غلطی کرتا ہے اور بار بار غلطی کرتا چلا جاتا اور اسے اپنی غلطی پر کوئی ندامت کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا بلکہ الٹا وہ اتراتے ہیں ایسے انسان شیطان کہلاتا ہے جبکہ جو غلطی تو کرتا ہے لیکن بعد میں جب اس کی آنکھیں کھلتی ہیں ضمیر جھنجھوڑتا ہے تو وہ پچھتاووں میں گر کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہے اس سے بڑھ کوئی خوش قسمت کوئی نہیں۔

☆......☆......☆

رات کے دس بجے کا وقت تھا۔پیراڈائز ہوٹل چکا چوند روشنیوں سے نہایا ہوا تھا۔اینٹریس پر کھڑے جویریہ شاہ، فرقان شاہ مہمانوں کا تقریب میں استقبال کر رہے تھے۔آج آبان اور

زینیا کا دعوت ولیمہ تھا جس میں شہر بھر کے مہمان شرکت کر رہے تھے۔

وہ سیاہ رنگ کی پاؤں تک آتی میکسی جس کے بارڈر پر خوبصورتی سے ہلکا ہلکا سا گولڈن کام ہوا تھا فل آستین اور رنج رنگ کے دوپٹے کو ایک اسٹائل سے لیے ہوئے سیاہ سلکی بال جو کندھے تک آتے تھے ان کو آزاد کھولے ہوئے وہ سیدھا اس کے دل میں اتری چلی جارہی تھی۔ وہ چلتا ہوا کے اس نزدیک آیا۔

''ویلکم ویلکم، ہم دل کی گہرائیوں سے آپ کا سواگت کرتے ہیں مادام۔'' وہ سر کو خم کرتا بولا اور ساتھ ہی اس کے سامنے سفید پھول کر دیا جسے وہ کب سے ہاتھ میں پکڑے گھوم رہا تھا۔ ''یہ اس شام کی سب سے حسین لڑکی کے لیے۔''

وہ ہاف وائٹ شلوار قمیض پر سیاہ رنگ کی ویسکوٹ پہنے بہت ڈیسنٹ لگ رہا تھا لیکن عنزہ کو وہ زہر لگ رہا تھا۔

''مجھ سے سوفٹ کی دوری پر رہو تو بہتر ہوگا ورنہ تمہاری چقندر جیسی شکل کو پیس کر رکھ دوں گی۔'' پھول اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر دور پھینکتے ہوئے بولی اور وہ منہ کھولے کبھی اپنے سامنے کھڑی اس حسینہ کو دیکھتا اور کبھی پھول کو جسے وہ بے قدری سے دور پھینک چکی تھی۔ وہ غصے سے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''پتہ نہیں وہ کونسا دن ہوگا جب یہ لڑکی مجھ سے سکون سے بات کرے گی۔'' وہ اسے جاتا دیکھ کر بڑبڑایا۔

''کون ہے یہ پیاری لڑکی۔'' اسفندیار اس کے پاس آ کر بولا۔ وہ انہیں دیکھ چکا تھا۔

''میری تیسری نظر کا پیار۔'' وہ اس کے کندھے پر بازو رکھتے ہوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

”ہیں۔یہ کونسا پیار ہے؟ پہلی نظر کا تو سنا تھا یہ تیسری نظر کا کیا ماجرا ہے۔“

”ماجرا مختصر ہے بھائی کہ جب دو ملاقاتیں ہوئیں تب عظیم جنگ کا آغاز ہوا اور جب تیسری ہوئی دل نے کہا یہ دشمن ہی تیری دشمن جاناں بنے گی۔“

”ویسے محترمہ کون ہے؟ کہاں کی رہنے والی ہے؟ اور تم نے انکل آنٹی کو بتایا اس بارے میں؟“ اس نے ایک ساتھ ہی سارے سوال پوچھ ڈالے۔

”اوو بھائی صبر صبر۔سب بتاؤں گا پہلے ذرا اپنے دلہا بھائی کا تو پتہ کریں۔“ وہ اسے تسلی دیتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

”سب مہمان آچکے تھے اب بس انتظار تھا تو ان ہستیوں کا جن کے لیے آج کی شام کو سجایا گیا تھا۔ پھولوں سے، روشنیوں سے، خوشیوں سے، پیار سے، چاہت محبت سے۔ پھر کچھ ہی دیر میں ایک پھولوں سے سجی ہوئی بی ایم ڈبلیو ہوٹل کے سامنے آکر رکی۔ ڈرائیور نے بہت پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر پچھلا دروازہ کھول دیا اور جیسے ہی وہ سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس باہر نکلا ڈرائیور نے دروازہ بند کر دیا۔

اس کے چہرے پر دلکش سی مسکان تھی۔ اس نے دوسری طرف آکر خود دروازہ کھولا اور اپنی شریک حیات کو دیکھ کر اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ اس نے ہاتھ آگے کو بڑھایا جسے اس نے نرمی سے تھام لیا تھا۔

گولڈن رنگ کی کھلے سے گھیر والی کامدار میکسی جو ایک طرح سے فراک کی طرح لگتی تھی زمین کو چھو رہی تھی۔ بالوں کا سٹائل بنائے ہوئے اور دوپٹے کو سلیقے سے سیٹ کیے ہوئے ہلکی ہلکی جیولری سیٹ پہنے سفید دودھیا ہاتھ مہندی سے سجے ہوئے تھے۔ ماہر بیوٹیشن کے ہاتھوں تیار ہو کر اس کے حسن کو دو آتشہ کر دیا گیا تھا۔ نظریں زمین پر جمی ہوئی تھیں لیکن ہال میں موجود

سب مہمانوں کی نظریں ان دونوں پر ہی تھیں۔
ہر کوئی انہیں دیکھ کر ماشاء اللہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ دونوں نظر لگ جانے کی حد تک پیارے لگ رہے تھے۔ وہ آبان شاہ کی سنگت میں چلتی اندر داخل ہوئی۔ پھولوں سے ان دونوں کا استقبال کیا گیا تھا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے سامنے خوبصورت سے سجے ہوئے سٹیج پر آگئے۔ رانیہ بھابھی، نوین آگے بڑھیں۔ ان دونوں نے زینیا کی میکسی کو دونوں طرف ہلکا سا زمین سے اٹھایا تاکہ وہ آسانی سے سٹیج کے اوپر چڑھ سکے۔ آبان شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر لا بٹھایا جس کے پیچھے کھلتی ہوئی کلی ڈیکوریشن میں لگائی ہوئی تھی۔ دور سے دیکھ کر ایسے ہی گمان ہوتا کہ وہ دونوں کسی کھلتے ہوئے گلاب میں بیٹھے ہیں۔
ہال میں سب انتظامات بہت اچھے سے کیے گئے تھے سارے ہال میں رنگ برنگی سٹوڈیو لائٹس روشن تھیں۔ ہر جگہ پھولوں اور روشنیوں سے سجائی گئی تھی۔
عابی آبان سے کوئی بات کر رہا تھا جب عنزہ زینیا کو ملنے کے لیے سٹیج پر آئی۔ زینیا اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اٹھی اور اس کے گلے لگ گئی۔
''عنو، میری جان مائی سویٹ ہارٹ کیسی ہو؟'' وہ جوش سے بولی۔ آج وہ کتنے دنوں بعد مل رہی تھی۔ کہاں وہ ایک دن بھی اس کے بغیر نہیں گزارتی تھی اور کہاں اب وہ اسے اتنے دنوں بعد مل رہی تھی۔
''ٹھیک ہوں میں لیکن تم سے ناراض ہوں۔'' وہ اس سے الگ ہوتی منہ بسور کر بولی۔
''تمہیں شرم تو نہیں آتی۔ تمہارا دو ہفتے پہلے ایکسیڈنٹ ہوا اور تم نے مجھے بتانے کی زحمت بھی نہیں کی۔ اتنی پرائی ہو گئی ہوں میں کہ تم نے مجھے اپنی تکلیف میں شامل کرنا گوارا نہیں سمجھا۔''

اس کی آنکھوں میں نمکین پانی جمع ہو گیا تھا۔ عابی اور آبان بھی اس کے اس قدر سنجیدہ رد عمل سے پریشان ہو گئے تھے۔

"اس دن تمہارے دیور کو فون کیا اس نے بھی نہیں بتایا اور تم روزانہ فون کرتی لیکن ایک دفعہ بھی تم نے ذکر نہیں کیا۔ اور آج بھی پتہ نہیں چلتا اگر تمہارے بھائیوں نے نہ بتایا ہوتا۔"

"ایم سوری عنو، میں تمہیں اور نانو کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لیے نہیں بتایا لیکن اب میں ٹھیک ہوں یار۔" وہ اسے تسلی دیتے بولی۔ "ویسے یہ بتاؤ کون کون آیا ہے۔ نانو نہیں آئیں۔"

"نہیں، وہ کیسے آسکتی تھیں انہیں تو سفر منع کیا گیا ہے۔ ہاں میں، بابا، عالیہ آپی اور فاروق آئے ہیں۔"

"السلام علیکم آبان بھائی کیسے ہیں آپ؟" وہ اسے بتا کر اب آبان سے مخاطب ہوئی تھی۔ عباد شاہ وہاں سے جا چکا تھا۔

"الحمدللہ۔ میں بالکل ٹھیک آپ کیسی ہو لٹل گرل؟" وہ اس کے سر پر بالکل بڑے بھائیوں کی طرح ہاتھ رکھتے بولا۔

"پہلے تو نہیں لیکن اب ٹھیک ہوں۔ میں تو آپ کی بیگم سے ناراض تھی۔ یہ ہمیشہ میرے ساتھ ایسا کرتی ہے چاہے اسے جتنا مرضی دکھ تکلیف ہو مجھ سے کبھی شیئر نہیں کرتی۔ ہر دفعہ کہتی ہوں اس سے اب بات نہیں کروں گی لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میں اس سے زیادہ دیر ناراض رہ نہیں سکتی۔" وہ زینیا کی شکایت کرتے بولی جس پر وہ ہنس دیا تھا۔ پھر وہ ان سے مزید تھوڑی دیر بیٹھ کر وہاں سے چلی گئی کیونکہ اب اور بھی بہت سے مہمان انہیں ملنے، مبارک باد دینے کے لیے آنے لگے تھے۔

''السلام علیکم۔'' ایک بہت ہی خوبصورت سی آواز پر زینیا نے گردن موڑ کر دیکھا تو فانیا بیگم کے ساتھ شہلا کھڑی تھی۔

''ماما'' زینیا ماں کو دیکھ کر خوش ہوگئی اور خوشی سے ان کے گلے لگ گئی۔ ''مجھے لگا آپ نہیں آئیں گی۔''

''ارے وہ کیوں، بھلا میں نے کیوں نہیں آنا تھا۔ میری بیٹی کا ولیمہ اور اس کی ماما نہیں آتی یہ تو ناممکن سی بات تھی۔'' وہ اس کے من موہنے چہرے پر پیار کرتے بولی۔ ''ماشاءاللہ آج تو میری بیٹی بالکل پرنسز لگ رہی ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔''

وہ دل ہی دل میں اس کی نظر اتار رہی تھیں۔

''مس شہلا آپ؟'' وہ اسے دیکھ کر حیران ہوا۔

''دیکھو لو مسٹر ہینڈسم تم نے تو نہیں بلایا۔ ہم خود آگئے ہیں۔'' وہ اسے حیرت سے دیکھتا پا کر مسکرا دی۔

'' آبان بیٹا ! یہ میری بیٹی ہے شہلا، دانیال سے تم مل چکے ہو یہ اس سے بڑی ہے۔'' فانیا بیگم نے ان کا تعارف کروایا۔

''ہاں اور اب میں تمہاری سالی بھی ہوں ہینڈسم۔'' وہ شرارت سے بولیں۔

''اتنے ہینڈسم، اچھی نیچر والے انسان کے ساتھ زندگی گزارنا مبارک ہو میری سویٹ بہنا ۔اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔ اور مجھے امید ہے کہ اس کے سنگ تمہاری زندگی بہت مزے کی گزرے گی۔'' وہ زینیا کو ملتے ہوئے پیار سے بولی۔ وہ شرمائی شرمائی سی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ہر کوئی آتا اور اس سے ایسی بات ضرور کر جاتا کہ وہ شرم سے لال ٹماٹر ہوتی جارہی تھی۔

ساجدہ شاہ اور ندیم شاہ بھی آئے تھے۔ ساجدہ پھوپھو تو زینیا کو مل کر بہت خوش ہوئیں ان کی آنکھیں خوشی سے بھر آئی تھیں۔

''میری بیٹی تو کتنی بڑی ہوگئی یہ تو لگتا ہی نہیں وہی زینی ہے جسے میں نے گود میں کھلایا ہے۔'' وہ اس کا سر منہ چومتے بولیں۔

''تو کوئی بات نہیں پھوپھو جانی، اب جب ان کے ننھے منے بچوں کو گود میں کھلائیں گی تب یقین آ جائے گا۔'' عباد شاہ کی زبان میں کھجلی ہوئی اور اس کی بات پر وہ جھینپ سی گئی جبکہ آبان سمیت باقیوں کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

پھر کھانا سرو کیا گیا۔ نت نئی ڈشز کی خوشبوئیں ماحول میں گھل گئی تھیں۔ کھانے کے بعد فوٹو سیشن کا دور چلا۔ فوٹو گرافر اور مووی میکر اپنی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے سب کی تصویریں اور مووی بنا رہے تھے۔ وہ سب سے الگ تھلگ سٹیج سے دور کھڑی ان دونوں کو ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ آج تو اس کی چھاپ ہی نرالی تھی۔ آبان شاہ کی ہنسی جسے دیکھنے کے لیے وہ کبھی ترسا کرتی تھی جب نہیں ہنستا تھا تو سوچتی تھی وہ ہنستا ہوا کیسا لگتا ہو گا۔ آج اس کی ہنسی دیکھ کر ہر دفعہ اس کی زبان سے ماشاءاللہ نکلتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا اس کی ہنسی اس کے چہرے کی دلکشی کو مزید پرکشش بنا دیتی تھی اور اس کی ہنسی کی خوبصورت وجہ اس کے پہلو میں بیٹھی زینیا تھی جو بالکل آسمان سے اتری کوئی حور لگ رہی تھی۔

''اللہ تم دونوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ خوش رکھے۔'' اس کے دل سے دعا نکلی اور ساتھ ہی ایک آنسو اس کی آنکھوں سے اس کی گال پر گرا جسے کسی کے ہاتھوں نے بہت خوبصورتی سے چن لیا۔

''ارے اسفی تم؟'' وہ اسے دیکھ کر مزید آنسوؤں کو بہنے سے روک کر بولی۔

"نائلہ! شادی کرو گی مجھ سے؟"

غیر متوقع سوال پر اس نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

"مذاق کر رہے ہو؟"

"نہیں میں سنجیدہ ہوں اور اپنے ہوش حواس میں تمہیں پرپوز کرتا ہوں۔ کیا تم مجھ سے شادی کرو گی نائلہ؟" اس نے اپنا سوال دوبارہ دوہرایا۔

"اسفی! یہ تم کیسی بات کر رہے ہو۔ تم جانتے ہو۔"

"میں جو جانتا ہوں، اسے دوبارہ نہیں سننا چاہتا۔ اور تم جو نہیں جانتی اسے سنو نائلہ میں تم سے پیار کرتا ہوں اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟ سوچ کر جواب دینا ابھی کوئی جلدی نہیں ہے۔"

سالوں سے اپنے دل میں چھپائے اس کے لیے احساس محبت کو ظاہر کر گیا تھا۔

"تم ایسی لڑکی کے ساتھ کیسے خوش رہ سکتے ہو جس کے دل پر کسی اور کا نام نقش ہے اسفی۔"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو کہ میں نے تمہیں اور خود کو کیسے خوش رکھنا ہے۔"

نائلہ نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا اور آج اسے وہاں اپنے لیے ایک بہت پیارا احساس محسوس ہوا تھا۔ وہ اس کا دوست تھا اس کا ہر غم خوشی میں اس کا ساتھ اس نے دیا تھا جب کبھی کسی مشکل میں ہوتی اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر اسے مشکل سے نکالا تھا۔

اس نے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی ایسے مخلص انسان کو کبھی ٹھکرانا نہیں چاہیے جو آپ سے بے غرض محبت کرتا ہو۔

زندگی اس انسان کے سنگ بہت اچھی گزر جائے گی جو آپ کو بے پناہ چاہتا ہو، جو آپ کی خوشیاں چاہتا ہو اور ایسے انسان اگر آپ کو محبت نہ بھی ہو تو ہو جائے گی۔

"اس سلسلے میں تم مائدہ خالہ سے بات کرلو اسفی۔" وہ اتنا کہہ کر وہاں سے چلی گئی اور وہ ہکا بکا اسے جاتا دیکھ کر رہ گیا۔ وہ اس کے ہاتھ میں اقرار کی سند تھما گئی تھی۔ وہ بہت خوش تھا۔ وہ بے اختیار اللہ کا شکر ادا کرنے لگا۔ اسے تو یقین بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی مان جائے گی۔

اسے امید تھی کہ مائدہ آنٹی بھی مان جائیں گی۔ اس نے جلد ہی اپنے ماں باپ سے بات کرنے کی ٹھانی تھی۔ وہ بھی مسکراتا ہوا سٹیج کی طرف بڑھ گیا جہاں سب فوٹو سیشن کروا رہے تھے۔

وہاں سب نئے جوڑے کو ڈھیروں دعائیں دے رہے تھے اور سب خوش تھے لیکن انہی خوشیوں بھرے ماحول میں دو ایسے انسان، ایک نفرت میں انتقام لینے کی ٹھان رہا تھا اور دوسرا محبت میں۔

☆......☆......☆

"اف، میں تو بہت تھک گئی ہوں۔ اللہ جی اتنے وزنی یہ کپڑے اور اوپر سے یہ ہیل میرے تو پاؤں ہی دوہرے ہو گئے ہیں۔" وہ دل ہی دل میں بولی اور جلدی جلدی سے اپنے پاؤں ان جوتوں سے آزاد کرنے کے لیے صوفے کی طرف بڑھی لیکن برا ہوا۔

ایک تو ہیل اوپر سے پاؤں میں آتی گاؤن میں پاؤں یوں الجھا کہ محترمہ منہ کے بل زمین پر سجدے کو جانے والی تھی جب کمال پھرتی سے آبان نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا تھا۔

"دیکھ کر پرنسز ابھی اگر آپ گر جاتیں تو۔"

"وہ میرے پاؤں تھک گئے ہیں۔" وہ منمنائی۔ وہ مسکرا دیا

"کوئی بات نہیں۔" وہ نرمی سے بولا اور پھر اسے سجے سجائے بیڈ پر لا کر بٹھا دیا۔ اس نے اپنا کوٹ اتار کر صوفے پر رکھا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اس کے جوتے اتارنے ہی لگا تھا

کہ اس نے فوراً پاؤں پیچھے کو کیے۔
”نہیں شاہ۔“ میں کرلوں گی۔“ پھر وہ خود ہی جھک کر سٹرپ کھولنے لگی۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھا اور سائیڈ ٹیبل کے دراز سے ایک چھوٹا سا کیس نکال کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔
”یہ آپ کی منہ دکھائی پرنسز۔ نکاح کے رات تو نہیں دے سکا سو چا جب آپ کہیں گی تب اسے آپ کی کلائی کی زینت بناؤں گا۔“ وہ ڈائمنڈ کا بریسلیٹ اس کی کلائی پر پہناتے ہوئے بولا جس میں خوبصورت سا دل بنا ہوا تھا اور اس میں مائی پرنسز کندن تھا۔
”تھینکیو پرنسز، میری زندگی میں آنے کے لیے۔“ وہ اس کی پیشانی پر لب رکھتے بولا۔
وہ اس وقت اپنے آپ کو بہت خوش قسمت تصور کر رہی تھی اس قدر چاہنے والا شوہر اسے خدا نے نوازا تھا۔ نانو ٹھیک کہتی تھیں زینیا تمہارا شوہر تمہیں بہت چاہتا ہے اس کی قدر کرنا کیونکہ چاہنے والوں کی ناقدری کرو گی تو خدا ناراض ہو جائے گا۔
”آج کی رات میں آپ سے زیادہ لمبے چوڑے وعدے نہیں کروں گا کیونکہ زندگی کا کوئی پتہ نہیں کب موت کا بلاوا آ جائے لیکن ہاں اتنا ضرور کہوں گا جب تک سانسوں میں دم ہے تب تک زندگی کے ہر موڑ میں آپ کو خوش رکھوں گا۔ آپ کا سہارا بنوں گا۔“
اس کی زبان کو یکدم بریک لگی کیونکہ وہ آنکھوں میں آنسو لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔
”پرنسز! کیا ہوا؟“
”آپ بہت برے ہیں آج جب کہ آپ مجھ سے اظہار محبت کریں آپ زندگی اور موت کی باتیں لے کر بیٹھ گے ہیں۔“ وہ ناراضگی بھرے لہجے میں بولی اور ساتھ ہی بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
”نہیں پرنسز، میں تو بس ایک عام سی بات کر رہا تھا۔“

''عام کیوں؟ آج خاص دن تھا آپ کو خاص بات کرنی چاہیے تھی ناں۔ عام کیوں؟'' وہ تیکھے پن سے بولی اور اپنی میکسی کو اٹھاتے ہوئے وہاں سے جانے لگی جب اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''کہاں جارہی ہیں؟''

''اس جھنجھٹ سے آزاد ہونے، اتنا وزنی یہ سوٹ اوپر سے یہ میک اپ زندگی میں پہلی دفعہ اتنا دل لگا کر تیار ہوئی ہوں کس لیے؟ صرف آپ کے لیے اور آپ مجھے دیکھ کر تعریف کرنے کے بجائے موت کی بات کررہے ہیں۔'' وہ اسے جتارہی تھی۔ اسکے دل کو کچھ ہوا تھا جب آبان نے ایسی بات کی تھی۔

''ایم سوری ایم ریئلی سوری، آئندہ نہیں کروں گا ایسی بات۔''

آبان شاہ کو ایک انجانی سی خوشی نے گھیرے لیا تھا لیکن افسوس بھی ہوا کیونکہ اس کی وجہ سے وہ چند لمحے کے لیے اداس ہوگئی تھی۔ اس نے اسے خود سے قریب کرلیا۔ وہ قد میں اس سے کندھوں سے نیچے تک تھی۔

''چلیں آئیں مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور شکرانے کے نوافل ادا کرکے اللہ تعالیٰ سے خوشی بھری زندگی گزارنے کی دعا مانگتے ہیں۔ کیا آپ میرے ساتھ دعا مانگے گی پرنسز؟'' وہ اس سے پوچھ رہا جس پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پرنسز! کیا آپ سے میں ایک ریکوئسٹ کرسکتا ہوں؟''

''شاہ کیا واقعی آپ مجھ سے ڈرتے ہیں؟'' اس کے سوال پر الٹا اس نے سوال داغا تھا۔

آبان شاہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''مطلب؟''

مطلب یہ کہ آپ مجھ سے پوچھے بغیر بھی بات کر سکتے ہیں۔ یہ بھی بھلا کوئی بات ہوئی ہر بات کرنے سے پہلے یہ پوچھنا ضروری ہے، کیا میں یہ کہہ سکتا کیا میں وہ کہہ سکتا ہوں؟"

اس کے اتنے لمبے چوڑے جواب پر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"اچھا اب ہنسیں نہیں بات کیا ہے؟" وہ اسے دیکھ کر بولی۔

"پرنسز! میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا ماما اور خالہ آپ کے ساتھ اور فانیا چچی کے ساتھ جو کیا وہ بھول جائیں لیکن آپ انہیں معاف کر دیں وہ دونوں اپنے کیے پر نادم ہیں میں مما کو۔"

وہ اس کی بات کو کاٹ کر بولی۔

"نہیں شاہ، مجھے کسی سے کوئی گلہ کوئی شکوہ نہیں ہے۔ آپ کے کہے بغیر ہی سب کو معاف کر چکی ہوں اور مما نے بھی سب کو معاف کر دیا ہے۔ میں سب کی غلطیوں کو بھول گئی ہوں پتہ ہے کیوں شاہ؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے نصیب میں آپ جیسا ہمسفر جو لکھا ہے جس کے سنگ نفرت کو بھول جانا ہی بہتر لگا۔ آپ میری ایسی دعا ہیں شاہ جو میں نے کبھی مانگی نہیں تھی لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کو پتہ نہیں میری کونسی نیکی پسند آ گئی جس کے بدلے انہوں نے میرے نصیب میں آپ کو لکھا۔"

وہ اب اپنا سر اس کے سینے پر رکھے ہوئے تھی۔ یہ اس کی طرف سے اظہار محبت تھا۔ پھر ان دونوں نے شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دعا مانگنے لگے کہ ان کی آنے والی زندگی خوشی اور امیدوں سے بھری ہو۔ زندگی بھر ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی دعا کی۔

☆......☆......☆

پیرس:

روز ہاؤس کے خوبصورت لان میں وہ سفید فراک میں ملبوس غصے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی جب اس کی گاڑی کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر وہ رک کر اسے دیکھنے لگی جو پیچ رنگ کی شرٹ پر بلیو پینٹ کوٹ آنکھوں پر بلیک شیڈز لگائے ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر جو مسکراہٹ لبوں کو رینگ آتی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔

''مل گئی فرصت آپ کو میری سوتن سے؟''

''سوتن؟'' اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ہاں سوتن۔ جس کی وجہ سے آپ مجھے یہاں لا کر بھول گئے ہیں۔ اسی لیے آپ نے پاپا کی آفر کو انکار کر کے یہاں پہ ہنی موون کا منصوبہ بنایا تھا۔''

وہ سمجھ گیا تھا کسے وہ اپنی سوتن قرار دے رہی تھی۔

''لگتا ہے میری پرنسز غصے میں ہے۔'' وہ اس کے قریب آیا لیکن وہ ایک جھٹکے سے مڑی اور اندر کی طرف بڑھ گئی

''ہاں ہوں میں غصے میں۔ میرا تو بس چل رہا ہے، میں آگ لگا دوں آپ کے اس بزنس کو۔ آپ میرے ساتھ گھومنے پھرنے کی بجائے اپنی میٹنگز اٹینڈ کر رہے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے آپ مجھے یہاں لا کر بھول ہی گئے ہیں۔''

وہ چلتی چلتی کمرے میں آ گئی اور جس تیزی سے اس کی زبان چل رہی تھی اس تیزی سے اس کے ہاتھ بھی چل رہے تھے۔

وہ صوفے پر بیٹھ کر اسے دیکھ رہا تھا اور ساتھ ہی مزے سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کا یہ روپ، اس کی یہ عادت، پیار بھرا غصہ، اپنا حق جمانا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

وہ کبڈ سے اس کے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھ اس کی طرف مڑی۔

”میں کوئی یہاں جو کس نہیں سنا رہی جو یوں مزے سے سن کر ہنس رہے ہیں۔“ وہ تڑخ کر بولی۔ ”میں آپ کو بتا رہی ہوں میں کل ہی واپس چلی جاؤں گی مجھے نہیں یہاں رہنا۔“

”میں جانے دوں گا تو آپ جائیں گی نا۔“

وہ اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے چکا تھا۔

”مجھ سے بات مت کریں میں ناراض ہوں آپ سے۔“

وہ اس کی گرفت سے آزاد ہونے لگی۔ لیکن وہ اپنا حصار مزید اس کے گرد تنگ کرتے بولا۔

”کوئی بات نہیں میں منا لوں گا۔“ وہ اس کی خوشبو کو اپنی سانسوں میں اتارتے ہوئے بولا۔

سنو میری جانِ جاناں

اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو
میں کہ صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو
نہ تمہیں ہوش رہے اور نہ مجھے ہوش رہے
اس قدر ٹوٹ کے چاہو، مجھے پاگل کر دو
تم ہتھیلی کو مرے پیار کی مہندی سے رنگو
اپنی آنکھوں میں مرے نام کا کاجل کر دو
اس کے سائے میں مرے خواب دہک اٹھیں گے
میرے چہرے پہ چمکتا ہوا آنچل کر دو
دھوپ ہی دھوپ ہوں میں ٹوٹ کے برسو مجھ پر
اس قدر برسو میری روح میں جل تھل کر دو

جیسے صحراؤں میں ہر شام ہوا چلتی ہے
اس طرح مجھ میں چلو اور مجھے تھل کر دو
تم چھپا لو مرا دل اوٹ میں اپنے دل کی
اور مجھے میری نگاہوں سے بھی اوجھل کر دو
مسئلہ ہوں تو نگاہیں نہ چراؤ مجھ سے
اپنی چاہت سے توجہ سے مجھے حل کر دو
اپنے غم سے کہو ہر وقت مرے ساتھ رہے
ایک احسان کرو اس کو مسلسل کر دو
مجھ پہ چھا جاؤ کسی آگ کی صورت جاناں
اور مری ذات کو سوکھا ہوا جنگل کر دو

(وصی شاہ)

اس کی باتوں سے، اس کی گستاخیوں سے اس کی کان کی لوئیں تک سرخ ہوگئی تھیں۔

ساری ناراضگی ایک دم سے کہیں دور جا سوئی تھی۔

''اف شاہ، آپ اتنے رومینٹک ہیں مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ اتنا غصہ کرنے والا انسان اس قدر رومانوی باتیں کرے گا۔''

''اچھا تو میں غصہ کرنے والا ہوں تو آپ۔ (اس کی آنکھوں میں ایک حادثہ گزر گیا)۔ میرے خدا پرنسز آپ کا وہ تھپڑ آج تک میں نہیں بھول پا رہا۔'' وہ اس کا تھپڑ یاد کرتے ہوئے شرارت سے مسکرا دیا۔ زینیا بھی وہ دن یاد کر کے خفیف سا مسکرا دی۔

''تھپڑ یاد ہے تو اپنی حرکت بھی یاد ہوگی۔ توبہ توبہ میں نے کتنا شریف انسان آپ کو سمجھا ہوا

تھا اور آپ تو بڑے ہی گندے نکلے۔ ویسے آپ یہ بتائیں گے کہ آپ کو ذرا بھی شرم نہیں آئی تھی۔"

وہ دونوں بازو باندھے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ بس مسکرائے جا رہا تھا۔ پھر اسے خود سے نزدیک کرتے ہوئے اس کی فراک کے بازو کو اوپر کرنے لگا۔

"شاہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیا کر رہا ہے۔

"ایک منٹ یہ دیکھیں۔" وہ اسے بازو پر بڑا سے سرخ نشان دکھاتے ہوئے بولا جو کہ اس کا پیدائشی نشان تھا۔

"ماہ رخ سے منگنی کے بعد اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ میں آپ کے علاوہ کسی کو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کجا شادی کرنا۔ اس دن نوین کے نکاح میں مما نے سب کے سامنے ماہ رخ کے ساتھ منگنی کا اعلان کر دیا اور میں کچھ نہ کر سکا۔ اس کے بعد میں وہاں ٹھہرا نہیں اسلام آباد چلا گیا اور اس دن آفس میں جب آپ میرے کیبن میں آئیں میں ٹھیک نہیں تھا اس وقت اور جب لڑکھڑایا آپ کا ایکدم مجھے سنبھالنا ایک انجانے سے احساس سے مجھے دوچار کر گیا۔ جب بھی آپ کو دیکھتا تو عجیب سی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا تھا اور اس دن بھی آپ کے سر سے دوپٹے کا سرک جانا اور سنہری بال دیکھ کر میری آنکھوں میں بچپن کی ننھی سی پرنسز کا چہرہ گھوم گیا تھا پھر میں نے کنفرم کرنے کے لیے یہی نشان دیکھنا چاہا اور آپ کی قمیض کی آستین اوپر کرنے لگا۔ آپ کا غصہ کرنا بھی فطری بات تھی کوئی اور لڑکی بھی ہوتی تو شاید وہ بھی یہی کرتی۔" وہ اسے ساری تفصیل بتا کر خاموش ہو گیا۔ وہ بغور اس کی بات سن کر بولی۔

"تو پھر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں ہی آپ کی پرنسز ہوں۔"

"آپ کی سی وی دیکھی۔ اسے دیکھ کر سارے شک و شبہ دور ہو گیا۔ آپ کی نظروں میں تو

میرا امیج خراب ہوگیا تھا۔"

"ہاں وہ تو ہوا تھا لیکن اس کے بعد میری نظروں میں اور دل میں بہت پیارا امیج بن گیا تھا۔"

"اوووریئلی۔" وہ ابرو اچکاتے بولا۔

"لیس۔اوراب آپ باتوں میں ٹائم ضائع مت کریں جلدی سے چینج کریں ہم باہر چل رہے ہیں۔" وہ اسے حکم دینے والے انداز میں بولی۔

"اوکے مائی پرنسز۔" وہ حامی بھرتا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔وہ مسرت سے مسکراتی اسے دیکھ کر رہ گئی۔

وہ اس کی سنگت میں اتنی خوش تھی کہ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔وہ اس سے پیار کرتا، ہر طرح اس کا خیال رکھتا۔اسے بالکل ایسا لگتا جیسے وہ کوئی چھوٹی سی نازک سی گڑیا ہو جس کا وہ نرم نازک پیار سے اس کا خیال رکھتا اور وہ بھی تو اس کی سنگت میں بدل گئی تھی۔پیار کرتی نخرے دکھاتی، رعب جھاڑتی۔ایسا لگتا جیسے صدیوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔

وہ تو ہمیشہ اللہ کی رحمت سے مایوس رہی تھی۔بچپن میں جب بھی دعا مانگتی کہ اس کی پریشانیاں دور ہو جائیں۔وہ اپنے ماما، بابا کے پاس چلی جائے یا وہ اسے لے جائیں لیکن ہر دفعہ وہ مایوس ہوئی تھی اسی لیے تنگ آ کر اس نے دعا مانگنا ہی چھوڑ دی تھی لیکن خدا نے اسے بہترین سے نوازا تھا۔

رب کی شان ہی نرالی ہے۔وہ اپنے بندے کو بہترین سے نوازتا ہے۔اس کے در پر دیر ہے اندھیر نہیں۔اسے اگر دکھ، تکلیف، پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا تو اسے اللہ نے خوشیوں سے بھی نواز دیا تھا۔وہ اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔

☆......☆......☆

آج وہ اس جگہ پر موجود تھے جو دنیا بھر کے سیاحوں کی پسندیدہ جگہ ہے۔ لوگ دور دور سے اس عمارت کی دلکشی، اس کی خوبصورتی دیکھ کر چلے آتے تھے۔ دنیا میں بہت سی وسیع وعریض عمارتیں تھیں لیکن اس جیسی خوبصورت اور پرکشش شاید ہی کوئی عمارت ہو جہاں دنیا بھر سینکڑوں لوگ کھینچے چلے آئے ہوں۔

"ارے ہمارے لاہور کا مینار پاکستان یہاں پر بھی ہے۔" وہ دریائے سین کے پل پر کھڑی تھی جب ایفل ٹاور کو دیکھ کر جوش سے بولی۔

سردی ہونے کے باعث وہ ہلکے کریم رنگ کے لانگ کورٹ گلے میں بلی کی کھال والا براؤن مفلر لپیٹے اور اسی طرح کی ساتھ میں ٹوپی پہنے پاؤں میں کورٹ شوز پہنے ہاتھوں کو کورٹ کی جیب میں گھسائے ہوئے ایفل ٹاور کو دیکھ رہی تھی۔

"پرنسز! یہ پیرس کا مینار ہے اور وہ لاہور کا مینار ہے۔ اس مینار کا نام ایفل ٹاور ہے۔" آبان اس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے بولا۔

وہ دونوں پل کو پار کرتے ہوئے اب اس کے سامنے آگئے تھے۔ وہاں بہت سے لوگ سیر وسیاحت کے لیے آئے تھے۔

"اووووتو یہ ہے وہ ایفل ٹاور۔" وہ ہونٹوں کو تھوڑا اسکیڑ کر بولی۔

"کیوں آپ نہیں جانتی تھیں اسے؟"

"نام تو سنا ہوا تھا۔ پتہ ہے کلاس میں میری اور عنزہ کی دوستیں تھی ناں، وہ کہتی تھیں ان کی جب شادی ہوگی وہ اپنے پیا جی کے ساتھ یہاں پر آئیں گی اور میں ان نادانوں پر ہنستی تھی لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ میرے پیا جی کا ہی یہ شہر ہے جہاں یہ شہکار پایا جاتا ہے۔" وہ مسرت سے مسکراتی ہوئی اس کا بازو تھام گئی تھی اور وہ اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

''شاہ! چلیں اس کے سامنے تصویر بناتے ہیں بہت زبردست آئیں گی۔'' وہ خوشی سے بولی۔

''وائے ناٹ پرنسز، آپ یہاں پر کھڑی ہو جائیں میں آپ کی تصویر بناتا ہوں۔''

''ارے میرے بھولے میاں، میں ہماری تصویر لینے کی بات کر رہی ہوں اپنے اکیلے کی نہیں۔''

اس کے انداز پر وہ قہقہہ لگائے بغیر نہیں رہ سکا۔

''ایز یو اون پرنسز۔'' وہ مسکراتا ہوا ہاتھ میں پکڑا کیمرہ وہاں سے گزرتے ایک آدمی کی طرف دیکھا۔

Pouvez-suoverdnerperton photo

''کیا آپ ہماری تصویر لے سکتے ہیں؟'' وہ فرنچ لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

''Vague nat'' وہ کیمرہ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اپنے انداز میں بولا۔ پھر وہ اس کی طرف آیا جو سوچ رہی تھی آبان شاہ نے اس سے کس زبان میں بات کی تھی۔

''آپ نے اس سے کس زبان میں بات کی ہے مجھے تو آپ کی کچھ سمجھ نہیں آئی۔''

وہ ناسمجھی سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے اسے پکڑ کر ایک جھٹکے میں خود سے قریب کیا جس سے وہ اس کے بالکل قریب ہو گئی تھی۔ اسی وقت کیمرے کی آنکھ میں یہ خوب صورت منظر قید ہوا تھا۔

''شاہ! آپ کیا کر رہے ہیں اتنے لوگ ہیں یہاں پر کچھ تو خیال کریں یہ آپ کا بیڈروم نہیں ہے۔'' وہ اسے احساس دلا رہی تھی جس کے گال کچھ سردی اور کچھ شرم کے مارے ٹماٹر ہو رہے تھے۔

"آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ ہم دونوں نے پکس بنانی ہیں وہی تو بنا رہوں سویٹ ہارٹ۔"

وہ اس کے ماتھے سے اپنا سر مس کیے ہوئے تھا جب کیمرے نے ایک دفعہ پھر ان کی تصویر کو قید کیا تھا۔ پھر دو تین اور تصویریں بنوا کر آبان اس آدمی کے پاس آیا۔

"Tres sennobsot photo sont. faites"

(بہت اچھی تصویریں بنی ہیں۔)

"Merci beaucoup"

(بہت شکریہ۔)

وہ کیمرہ لے کر تصویریں دیکھنے لگا اور ساتھ ہی مسکرا دیا تھا اور ساتھ ہی وہ اب اس کی تصویریں کیمرے کی آنکھ میں قید کرنے لگا۔ جو سر اوپر اٹھائے نظروں ہی نظروں میں اس کی پیمائش کا اندازہ لگا رہی تھی جب وہ بچی سے ٹکرا گئی۔

"اووو لٹل گرل دیکھ کر آپ کو چوٹ تو نہیں لگی۔"

زینیا نے جھک کر اس بچی کو اٹھایا جو زمین پر تصادم ہونے کے باعث گر گئی تھی۔ وہ سات سالہ بچی ریڈ کلر کے پینٹ کوٹ میں ملبوس زینیا کو غصے سے گھورتے ہوئے بولی۔

"کیا آپ دیکھ کر نہیں چل سکتیں؟" وہ فرنچ زبان میں مخاطب ہوئی۔

"marcherà apprist'ane Personne" (کیا آپ کو کسی چلنا نے سکھایا نہیں کہ کیسے چلتے ہیں)

"Acausedetoitousmesballonsvoleront dansles airs"

(آپ کی وجہ سے میرے سارے غبارے ہوا میں اڑ گے ہیں۔"

وہ لڑکی مسلسل غصے سے اس پر اپنے انداز میں اس پر غصہ کر رہی تھی جسے سرے سے اس کے ایک لفظ کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

"آپ کیا کہہ رہی ہو لٹل گرل، مجھے تو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہی آپ کی۔" وہ شائستگی سے اس سے بولی۔

جبکہ آبان شاہ اس بچی کے ساتھ اس کی تصویریں بنا رہا تھا اور ساتھ ہی اس بچی کی باتیں سن کر مسکرا رہا تھا اور اپنی نادان پرنسز پر پیار آ رہا تھا جسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا جس بچی کے ساتھ وہ اتنے پیار سے بات کر رہی ہے وہ اسے کیا کہہ رہی تھی۔

"Memettreàmort,Etrapidement,achète-moide nouveauxballons.

Àcausedemaperte, j'aiperduetmaintenantvous allezcomblercetteperte

"مجھے ہاتھ مت لگائیں اور جلدی سے مجھے نئے غبارے خرید کر دیں۔ کیونکہ آپ کی وجہ سے ہی میرا نقصان ہوا ہے اور اب آپ ہی اس نقصان کو بھریں گی۔"

وہ بچی حد درجہ تیز تھی۔ زینیا اس کے غصے بھرہ انداز دیکھ رہی تھی لیکن اس کی باتوں کو سمجھنا اس کے بس کا کام نہیں تھا۔

"اف پتہ نہیں تم کیا کہہ رہی ہو؟" وہ آبان شاہ کی طرف مڑی جو مزے سے بچی کی باتیں سن رہا تھا اور ساتھ ان کی تصویریں بھی لے رہا تھا۔

"شاہ! یہ بچی کیا کہہ رہی ہے۔ آپ ہی ذرا سن کر بتائیں۔ اس کی باتیں مجھے تو اس ڈینگی

پھر نگی باتیں سمجھ ہی نہیں آ رہیں۔“

”ہاہاہاہاہا۔“ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور پھر کیمرے کی سٹرپ کو گلے میں ڈالتا گھٹنوں کے بل بیٹھا اور اس سے فرنچ انداز میں بات چیت کرنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر میں وہ اسے وہیں دس بارہ ہوائی غباروں کا گچھا لے کر اسے دیا۔

”Vousêtesheureuxmaintenant?“

”اب آپ خوش ہو؟“

اس کے پوچھنے پر وہ بچی مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی۔

”Tuessimignonetquiest-ce? (آپ بہت پیارے ہو اور یہ کون ہے؟)“

وہ اس کی تعریف کرتے ہوئے زینیا کی طرف اشارہ کر گئی۔

”CesontmesprisonsـMavie۔“

”یہ میری پرنسز ہیں میری زندگی۔“ وہ پیار سے اسے دیکھتے ہوئے بتا رہا تھا۔

”Cesontaussitrèsmignonsmaisfaites-leur comprendrequevouspouvezvoir“۔

”یہ بھی بہت پیاری ہیں لیکن انہیں سمجھائیں کہ دیکھ کر چلا کریں۔“ وہ بالکل بڑوں والے انداز میں زینیا کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”اوکے۔“ آبان اس کے گال کھینچتے ہوئے بولا۔ وہ چھوٹی سی لڑکی حد درجہ تیز تھی پھر فوراً بھاگتی ہوئی اپنے ماں باپ کی طرف چلی گئی۔

”اچھا اب ذرا آپ نے مجھے بتائیں جو کچھ اس لڑکی سے بولا ہے، جلدی سے ٹرانسلیٹ

کر کے دیں۔"
وہ بے قراری سے اس کی طرف بڑھی۔
"وہ لڑکی کہہ رہی تھی آپ کی پرنسز کو چلنا نہیں آتا انہیں چلنا سکھائیں۔" وہ شرارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"کیا مطلب مجھے چلنا نہیں آتا؟"
"وہ تو یہی کہہ رہی تھی۔"
پھر اس کی ساری باتوں کو وہ اردو میں وضاحت کر کے بتانے لگا۔
"اوووو خدایا کتنی تیز لڑکی ہے۔اف۔میری بے عزتی کر گئی وہ چھٹانک بھر کی لڑکی اور میں دیکھو کیسے پیار سے اس سے بات کر رہی تھی۔اور آپ نے بھی مجھے تب نہیں بتایا۔"
اسے سن کر اس تیز طرار چھوٹی سی لڑکی پر غصہ آیا تھا۔
"اچھا چھوڑیں یہاں آئیں اوپر چلتے ہیں۔"
" اس مینار کے اوپر؟ لیکن شاہ یہ تو بہت اونچا ہے میں تو چلتے چلتے تھک ہی جاؤں گی۔"
اس کا مسئلہ عظیم سن کر وہ ہنس دیا۔
"تو کوئی بات نہیں پرنسز، میں ہوں نا۔اپنی بانہوں میں اٹھا کر لے جاؤں گا۔" وہ اسکو نزدیک کرتا اپنے بازوؤں کو اس کے کندھے کے گرد پھیلا دیا۔
"جی نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے آپ کو تو بس موقع ملنا چاہیے دن بدن آپ گندے ہوتے جا رہے ہیں۔"
وہ اس کے بازوؤں سے نکل کر آگے آگے چلنے لگی۔وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔
"اچھا تو میں اب گندہ ہو گیا۔"

''اور نہیں تو کیا سب کے سامنے ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ بندہ جگہ بھی تو دیکھ لیتا ہے۔''

''بلشنگ یو لائنگ دس میک مائی ہارٹ بیٹ۔'' وہ اسے دیکھ کر بولا۔ وہ لوگ اب ایفل ٹاول کی لفٹ سے اوپر جا رہے تھے۔

''اینڈ دس کائنڈ ٹاک آف رومینٹک بریک مائی ربز شاہ۔''

اس کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسا۔ آس پاس کے کئی لوگ اس کی ہنسی کی جلترنگ پر متوجہ ہوئے۔ وہ ہنستا تھا ایسا لگتا جیسے ساری خوبصورتی اسی میں سما گئی تھی۔

''رئیلی پرنسز آپ کی باتیں آپ کا انداز مجھے ہر دفعہ یونہی مسکرانے پر مجبور کر دیتا تھا۔''

اس کی بات پر وہ مسکرا دی۔ وہ لوگ اوپر آ چکے تھے۔ وہاں پر تقریباً دور دور تک سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ وہاں کا ہر ایک منظر دلکش اور حسین تھا۔

''شاہ! آپ مجھے کیا دیکھ رہے ہیں یہ خوبصورت منظر دیکھیں۔ کتنے حسین اور دلکش ہیں۔'' وہ اپنے موبائل میں ویڈیو بنا رہی تھی جب اس کی نظر آبان پر پڑی جو ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے اس کے چہرے پر پھوٹتی خوشی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''میں بھی تو قدرت کا حسین منظر دیکھ رہا ہوں بس آپ اپنے منظر کو کیمرے کی آنکھ میں قید کر رہی ہیں اور ہم حسین ترین منظر کو اپنی آنکھوں اور دل و دماغ میں قید کر رہے ہیں۔'' وہ معنی خیز انداز میں اس کے ایک نقش کو دیکھتے ہوئے بولا۔

جب وہ اس کے سامنے ہوتی وہ تو اپنا آپ بھی بھول جاتا تھا صرف اسے ہی دیکھتا رہتا تھا۔

''آپ اس منظر سے کبھی تو نظر ہٹا لیا کریں۔ لوگ کیا کہیں گے کہ بیوی نے اندھا کر دیا ہے۔''

اس کی بات پر وہ ایک دفعہ پھر قہقہہ لگا کر ہنسا۔

”ہاہاہاہاہاہا۔ اگر ایسی بات ہے تو مجھے ساری زندگی اندھا رہنا منظور ہے۔ میں تو یہ حسین منظر اب ساری زندگی اپنے دل میں بسائے رکھنا چاہتا ہوں۔ یہاں تک کہ آخری سانس بھی لوں تو یہ منظر میری آنکھوں سے نہ ہٹے اور میں کلمہ پڑھتے اللہ کا شکر ادا کرتے موت کی آغوش میں چلا جاؤں۔“

وہ اس کی بات پر جہاں شرمیلی سی مسکان لبوں پر سجائے اپنا کام کر رہی تھی اس کی آخری بات پر غم وغصے سے موبائل سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگی۔

”آپ کو شرم نہیں آتی ایسی بات کرتے ہوئے۔ بے رحم انسان میرا کچھ بھی خیال نہیں آپ کو۔“

اس کی بات سے تو اس کا دل دہل سا گیا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اسے اپنی شدید غلطی کا احساس ہوا۔

”ایم سوری پرنسز، میں تو بس ویسے ہی بات کر رہا تھا۔“

وہ اس کے نزدیک آیا اور اس کے آنسو پوروں سے صاف کرنے لگا۔

”ہاں آپ کی ویسے ہی یہ اس طرح کی باتیں میری جان لے لیں گی اور پھر دیکھتے رہنا آپ ساری زندگی میرا مرا ہوا چہرہ......“ وہ اس کے سینے پر مکے برساتے بولی۔

”ایم سوری آئندہ بھول کر بھی نہیں کروں گا۔“

”ولیمے والی رات بھی آپ نے ایسا ہی کہا تھا۔“ وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

”آئندہ میری جان کی توبہ جو میں نے ایسی بات بھی کی تو۔“ وہ اسے مطمئن کرتا اس کے ماتھے پر بوسہ دے گیا۔

"آگر کی تو؟"

"تو آپ مجھے سزا دے دینا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی اگر ایسی بات دوبارہ آپ نے کی تو۔"

"ارے نہ مائی پرنسز، ایسی سزا مجھے ہر گز قبول نہیں۔"

اس کی ناراضگی کو وہ بھلا کیسے افورڈ کر سکتا تھا۔

"ہاں تو مجھے بھی ایسی بات ہر گز قبول نہیں اس لیے اگر آپ نہیں چاہتے کہ میں آپ سے ناراض ہوں کہ یہ بات دوبارہ نہیں کریں گے۔"

"یس مائی لیڈی آئی ایم ایگری۔" وہ سر کو خم کرتے بولا۔

"اچھا اب یہاں میری ایک تصویر بنائیں پیاری سی۔"

وہ مختلف انداز میں تصویریں بنوانے لگی تھی۔ وہ دونوں مل کر خوب اچھی طرح اپنے اس ٹریپ کو یادگار بنا رہے تھے۔ تصویریں بناتے ہوئے زینی کی نظر اچانک ایک بیس اکیس سالہ لڑکی پر پڑی جو زینیا کی طرف ہی کھڑی تھی لیکن اس کے موبائل کا رخ تصویر بناتے آبان کی طرف تھا پھر اس کا فلیش آن ہوا تو اسے شک سا ہوا۔

"پرنسز! یہاں پر دیکھیں۔"

آبان نے اسے دوسری طرف دیکھتا پا کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا اور وہ اس لڑکی کی طرف چلی گئی۔ وہ کیمرے کو آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے اس کو دیکھنے لگا۔

"ہیلو بیوٹی فل پلیز کین آئی سی یور موبائل۔"

وہ انگریز لڑکی منہ کھولے اسے ہی دیکھ رہی تھی جب وہ اس کے ہاتھ سے موبائل لے چکی

تھی۔اس میں کئی تصویریں آبان شاہ کی لی گئی تھیں۔کہیں ہنستے ہوئے کہیں وہ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے کہیں پریشان سا۔زینیا سب کو ڈیلیٹ کرنے کے بعد موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

”Donottakepicturesofanynon_mehramsecretly. Thisisabigsin.“

وہ لڑکی اس کی اتنی ہمت پر منہ کھولے بس دیکھتی رہ گئی جبکہ وہ اپنا نکتہ نظر اس کے سامنے پیش کر کے مڑی تو وہ کوٹ کی پاکٹس میں ہاتھ ڈالے مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”کیا؟ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔“

”دیکھ رہا ہوں اپنی پرنسز کا اپنے پر حق جمانا۔“

”ہاں تو۔مجھے اچھا نہیں لگا تھا کہ وہ آپ کی تصویر لے تو میں نے ڈلیٹ کر دیں۔“

”وہ بیچاری اتنی دیر سے محنت کر رہی تھی اور آپ نے سیکنڈز میں پانی پھیر دیا۔“

”مطلب آپ۔آپ جانتے تھے؟“

اس کی بات سن کر وہ حیرت میں گری۔وہ شرارت سے سر کھجانے لگا

”ہاں ایک نظر پڑی تھی لیکن۔“

”لیکن آپ مزے سے بنواتے رہے۔اسے روک نہیں سکتے تھے کیا؟“

”نہیں کیونکہ میں چاہتا تھا یہ کام میری پرنسز کرے۔“وہ شرارت سے بولا اور ساتھ ہی اس کی پھولے ہوئے منہ کی تصویر لے لی۔پھر وہ وہاں بنے ریسٹورنٹ میں آ گئے جہاں پر بھی اچھا خاصا ہجوم تھا۔یہ ایفل ٹاور کا ریسٹورنٹ تھا۔وہاں بیٹھتے ہی انہوں نے کھانا آرڈر کیا تھا۔

”پتہ ہے شاہ مجھے یہ جگہ بہت پسند آئی ہے۔بہت خوبصورت ہے۔ویسے آپس کی بات

ہے میں نے اپنا پیارا پاکستان گھوم پھر کا دیکھا ہی نہیں سوائے لاہور کے اب سیدھا پیرس میں آ گئی۔" وہ ہنستے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔ ویسے ہم ہر سال کے چھ ماہ یہاں پر چھ ماہ پاکستان میں گزارنے آئیں گے اور یہاں چھ ماہ کے ایک مہینے میں ہم یہاں کے مختلف ملکوں کی سیر وسیاحت پر جایا کریں گے اور وہاں کے چھ ماہ میں سے ایک ماہ سب کے ساتھ پاکستان کی سیر کو جایا کریں گے۔"۔

وہ اسکے منصوبہ بندی پر ہنستے ہوئے بولی۔ "اچھا یعنی آپ نے سب پلین کر کے رکھا ہوا ہے۔"

"نہیں یہ تو ابھی دماغ میں خیال آیا جس کا آپ سے اظہار کر دیا۔ ہونا تو وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پلین کیا ہوتا ہے۔"

"بے شک۔" وہ بولی پھر کچھ سوچتے ہوئے اس سے بولی۔ "شاہ! آپ کو پتہ ہے، آپ میری زندگی میں ایسی دعا کی طرح ہیں جو میں نے کبھی اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگی تھی۔ میں جب ماما، پاپا سے دور نانو کے پاس رہنے چلی گئی تھی۔ میں بابا کو بہت مس کرتی تھی۔ ماما تو پہلے سے ہی دور تھیں لیکن بابا بھی دور ہو گئے۔ میں ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرتی کہ وہ مجھے میرے ماما بابا سے ملا دیں۔ جب عشاء کی نماز کے بعد دعا مانگ کر سوتی تو بہت خوش ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ صبح میرے ماما پاپا سے ملا دیں گے۔ آج نہیں تو کل صبح۔ دو سال میں ایسے ہی انتظار کرتی رہتی۔ میں اللہ سے ناراض ہو گئی میں نے دعا مانگنا چھوڑ دیا۔ نماز پڑھتی لیکن بنا دعا مانگے ہی جائے نماز سے اٹھ جاتی۔ کچھ بھی مانگنے کو دل نہیں کرتا تھا یا پھر ہاتھ اٹھا کر صرف ہتھیلیوں کو دیکھتی رہتی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ماما بابا کے ساتھ آپ سے بھی ملوا دیا۔ میرے نہ

مانگنے کے باوجود بھی اس نے مجھے نوازا ہے اس کا میں جتنا شکرادا کروں کم ہے۔"

وہ اس کا حرف حرف غور سے سن رہا تھا۔پھر وہ گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے شائستگی سے بولا۔

"پرنسز! ہم جو انسان ہیں ناں بہت ہی ناشکرے ہوتے ہیں۔ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں اس کے سامنے اپنی جھولی پھیلاتے ہیں لیکن جب وہ ہماری دعا ہماری حاجت پوری نہیں ہوتی تو ہم اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے لگتے ہیں۔ہم باقی اس پاک ذات کے ان گنت احسانات بھول جاتے ہیں جن سے ہم بے شمار فائدہ اٹھاتے ہیں۔ان کا شکرادا کرنے کی بجائے جو چیز نہیں ملی اسی کا رونا روتے رہتے ہیں۔ہم نادان یہ نہیں جانتے وہ خدا پاک غفور رحیم جو ہمیں عطا کرتا ہے اس میں بھی اس کی حکمت ہوتی ہے اور جو نہیں کرتا اس میں بھی اس ذات کی حکمت ہوتی ہے۔وہ بہتر جانتا ہے کہ کونسی چیز اس کے بندے کے لیے بہتر ہے اور کونسی نہیں۔ اگر ہماری کوئی دعا قبول نہیں ہو رہی تو آپ اللہ سے مانگنا مت چھوڑیں۔ہمیں تو اس سے بار بار مانگنا چاہیے وہ ضرور قبول کرتا ہے وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو رد نہیں کرتا جبکہ اللہ غفور و رحیم نے خود اپنے بندے کو حکم دیا کہ وہ اس سے مانگے۔اب آپ ہی دیکھ لیں آپ دعا کرتی تھیں ناں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ اپنے ماما پاپا سے ملوا دیں لیکن اس نے تب نہیں ملوایا جب آپ مانگتی تھیں۔شاید اللہ کو وہ وقت آپ کے لیے اچھا نہیں لگا تھا اسی لیے تب نہیں ملوایا لیکن جب انہیں آپ کے لیے بہترین وقت لگا کہ اب ملوا دینا چاہیے تو انہوں نے ملوا دیا ناں۔وہ ذات بہت غفور رحیم ہے افضل ترین ذات ہے اس کی۔اس لیے آئندہ آپ کو ایسا نہیں کرنا ہمیشہ اس نے جو آپ کو دیا ہے اس کا شکرادا کر کے دعا مانگنی ہے۔کبھی مایوس نہیں ہونا۔سمجھ میں آئی میری بات۔"

وہ اس سے استفسار کر رہا تھا۔

”بالکل میں ایسا ہی کروں گی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بالکل بچوں کی طرح اثبات میں سر ہلا گئی۔

”دیٹس گڈ گرل۔ اب آپ کھانا کھائیں پھر گھر چلتے ہیں کافی وقت ہو گیا ہے۔“

پھر وہ کھانے کی طرف متوجہ ہوئے جو باتوں کے دوران ویٹر ٹیبل پر سرو کر گیا تھا۔

”شاہ ایک بات کہوں؟“

”یس پرنسز، ہزار باتیں کہیں۔“

”آپ کو پتہ ہے آپ کی آنکھوں میں جب میں دیکھتی ہوں ناں تو میں خود کو ان گہری آنکھوں میں ڈوبتا ہوا محسوس کرتی ہوں۔“

اس کے اس انداز میں وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ”پرنسز آپ ایسی باتیں کر کے مجھے سب کے سامنے ہی پیار کرنے پر اکسا رہی ہیں۔ بعد میں پھر آپ کو شکایت ہو گی کہ میں دن بدن گندہ ہوتا جا رہا ہوں۔“

”اللہ اللہ شاہ آپ بھی ناں۔“ وہ چمچہ پکڑتے اپنے سامنے پڑے اٹالین کھانوں سے انصاف کرنے لگی۔

پھر وہ بہت ہی خوبصورت اور یادگار دن گزار کر واپس آ گئے تھے۔

☆......☆......☆

”ماہ رخ! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہا ہوں آبان کو اپنے دل و دماغ سے نکال دو۔ وہ تمہارا کبھی بھی نہیں تھا کسی بھی صورت میں بھی نہیں۔“ نوید شاہ اسے سمجھا سمجھا کر عاجز آ چکے تھے لیکن اس پر جیسے اب کوئی بات اثر نہیں ہوتی تھی۔ کسی کا سمجھانا بھی فضول تھا۔

”اور میں نے بھی آپ کو کہہ دیا ہے ڈیڈ کہ ایسا ناممکن ہے۔ ویسے ایک بات تو بتائیں آپ کو ہوا کیا ہے آپ تو مجھے میری پسندیدہ چیز دلانے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں تو اب کیوں نہیں؟ یہ تو میری زندگی کا سوال ہے ڈیڈ، آپ مجھے پیچھے ہٹ جانے کا کیوں کہہ رہے ہیں؟“ وہ ان کے سامنے سراپا سوال بنی ہوئی تھی۔

”کیونکہ میری جان آ، بان کوئی چیز نہیں وہ جیتا جاگتا انسان ہے۔ اور اگر تم اس سے سچی محبت کرتی ہو تو اسے اس کی زندگی میں خوش رہنے دو۔ محبت چھیننے کا نام نہیں ہے محبت دل ہار کر خاموشی اختیار کرنے کا نام ہے۔“

”اوووو پلیز ڈیڈ، مجھے یہ آپ کا لیکچر نہیں سننا۔“ وہ ناگواری سے ہاتھ اٹھاتے بولی۔

”تم لیکچر نہ سنو لیکن آنے والے وقت کے لیے تم تیار رہو کیونکہ میں بہت جلد تمہاری شادی کررہا ہوں۔“ وہ اس کی بدتمیزی پر کھل کر رہ گئے تھے۔

صحیح کہا ہے کسی نے اولاد کو اتنا سر نہیں چڑھانا چاہیے۔ جب ماں باپ اپنے بچوں سے بے انتہا محبت کرتے، ان کی ہر خواہش کو رتی بھر انکار کرنے کے بجائے پوری کرتے ہیں انہیں کبھی بھی ان کی غلطی پر نہیں ڈانٹتے تو اولاد خودسر ہوجاتی ہے۔ آہستہ آہستہ ان کے دل میں بیٹھ جاتا ہے کہ اس کے ماں باپ چاہے جو مرضی ہو اس کی بات مانیں گے، اس کی خواہش کو پوری کردیں گے۔ ان کی خواہش کے لیے کسی کو نقصان کیوں نہ پہنچانا ہو وہ نہیں چوکیں گے کیونکہ اولاد کو معلوم ہے وہ ان کی کمزوری ہے۔

ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ ماں باپ بچوں سے پیار بھی کریں۔ ان کی غلطی پر ڈانٹیں بھی کبھی کبھی ان کی خواہش کو رد بھی کردیں جوان کے لیے اچھی نہ ہو اگر نہ مانیں تو ڈانٹ ڈپٹ سے منع کردیں۔ اس سے اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ ہر خواہش پوری نہیں ہوسکتی۔ معلوم ہوجاتا

ہے کہ کونسی چیز ان کے لیے اچھی ہے اور کونسی بری۔

ماہ رخ کا بھی کچھ ایسا ہی حساب تھا۔اسے لگتا تھا اس کا باپ اس کی ہر حال میں اس کی یہ خواہش پوری کرے گا۔لیکن وہ نہیں جانتی تھی اب ایسا ہرگز نہیں تھا۔انہیں اپنی شدید غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔وہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں سے چلے گئے پیچھے وہ غصے سے ہر چیز کو ٹھوکر مارتی باہر نکل۔

''میں بھی دیکھتی ہوں ڈیڈ کیسے میری شادی کسی اور سے کرتے ہیں۔زینیا شاہ! جتنا تم نے میرے آبان کی سنگت میں خوش ہونا ہے ہولو، بہت جلد میں تمہارا کام تمام کرنے والی ہوں۔ بہت جلد۔اگر میں آبان کی نہیں ہوسکتی تو تمہیں اس کا ہو کر بھی اس سے دور جانا ہوگا۔یہ ماہ رخ کا وعدہ ہے۔'' وہ خیالوں میں زینیا سے مخاطب ہوئی تھی

محبت تو ایسی نہیں ہوتی ...... محبت بری نہیں ہوتی، محبت تو بہت ہی لازوال اور بے مثال رشتہ ہے جسے سمجھ آجائے سمجھو اس نے دنیا کی سب سے بڑی حقیقت سے آشنائی حاصل کرلی لیکن جو صبر نہ کرسکا، جو اس خوشنما زہر کو نہ پی سکا وہ محبت میں ناکام ہو کر بھی ناکام رہا کیونکہ محبت میں ناکامی پر دل تو ٹوٹتا ہے جذبہ اور بھی گہرا ہوجاتا ہے اور جس کو جذبوں کی سمجھ نہیں وہ سو بار محبت کر کے بھی ناآشنائی کی دلدل میں پھنسا رہتا ہے۔

☆......☆......☆

پھر وہ دونوں ایک مہینہ مزید ایک دوسرے کی سنگت میں خوبصورت یادگار لمحے گزار کر واپس پاکستان آگئے تھے۔وہ ایک ہفتہ اسلام آباد اپنوں میں گزار کر آج لاہور آئے تھے جہاں آج دانیال کی شادی تھی صبا کے ساتھ اور فانیا بیگم نے ہی انہیں انوائٹ کیا تھا۔

صبا کی ڈیڑھ ماہ پہلے ہونے والی شادی ٹوٹ گئی تھی اور وجہ تھی اس کے ہونے والے

سسرالیوں کا جہیز میں گھر کا مطالبہ جو وقار صاحب افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔اسی بنا پر انہوں نے شادی سے چند دن پہلے ہی انکار کر دیا۔تب فانیا بیگم نے دانیال اور اپنے شوہر کی رضا پر صبا کا رشتہ مانگ لیا تھا اور آج ان کی شادی تھی۔

گھر کے نزدیک ہی چھوٹا سا میرج ہال تھا جہاں پر برات آئی ہوئی تھی۔زینیا آبان اور عباد شاہ دونوں کے ساتھ داخل ہوئی تو سامنے ہی فانیا بیگم مہمانوں سے بات چیت کرتی نظر آ گئی۔بلیو کام والی فراک جس پر ہلکا ہلکا سا کام ہوا تھا گولڈن کیپری اور ساتھ ہی بیلو رنگ کے فینسی فلیٹ سینڈل پہنے ہوئے جو اس کے سفید پاؤں پر بہت جچ رہی تھی،سوٹ کے ساتھ ہی گولڈن دوپٹے کو حجاب کی صورت میں سر پر اوڑھے ہوا تھا۔میک اپ کے نام پر آنکھوں میں کاجل لگائے اور ہونٹوں پر لپ گلوز لگائے بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"ماما میری پیاری ماما۔" زینیا بھاگ کر بالکل کسی چھوٹی بچی کی طرح ان کے گلے کا ہار بن گئی۔وہ جو کسی مہمان خاتون سے بات کر رہی تھیں اسے سامنے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔

"میری بیٹی میری جان کیسی ہے میری گڑیا؟"

"میں بالکل ٹھیک ماما اور آپ کیسی ہیں؟"

وہ پیار جو کبھی اپنی ماں پر جتا نہیں سکی وہ سب اب پورا کرتی تھی۔وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح عثمان شاہ سے بھی اور فانیا سے لاڈ اٹھواتی تھی جس پر سب خوش کر ہنس دیتے تھے۔اب بھی وہ ایسے ہی ان کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی اور آبان شاہ اسے دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں آبان بیٹا تم سناؤ۔کیسا رہا تم دونوں کا ہنی مون ٹور۔" وہ آبان اور عباد شاہ دونوں کو پیار کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئیں۔

"فانیا آنٹی!آپ کو ان کے چہرے پر لگی رنگ برنگی روشنیوں سے نہیں پتہ چل رہا۔" آخر

عبادشاہ بھی وہاں پر موجود تھا اور کب تک خاموش رہتا زبان نے فوراً بولنے کا کہا۔اس کی بات پر وہ شرما سی گئی جبکہ آبان نے ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو تیرا بولنا ضروری تھا۔

''دیکھیں فانی آنٹی! میری بھابھی ایسے شرماتی ہیں کہ انہیں بلش آن کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔''

''تم میری بیٹی کو تنگ کر رہے ہو عابی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

''ارے ارے میری یہ مجال۔ مجھے ان کے میاں کے ہاتھوں مرنا نہیں ہے۔'' وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے بولا۔

''ہائے داوئے فانی آنٹی! یو لک سو ہاٹ۔آپ کو دیکھ کر تو مجھے آپ پر لائن مارنے کا دل کر رہا ہے۔'' وہ شرارت آمیز لہجے میں بولا۔وہ واقعی پیچ رنگ کی ساڑھی میں بہت ڈیسنٹ لگ رہی تھیں۔

''شریر کہیں کا۔''اس کی بات پر ہنس دیں۔

زینیا اور آبان ان کے ساتھ نانو کو ملنے چلے گئے جبکہ وہ وہیں کھڑا کسی بہت شنا سا چہرے کو ڈھونڈنے لگا لیکن زیادہ دیر نہیں لگی تھی، اسے وہ نظر آ گئی۔

سی گرین اور اورنج رنگ کے کام والے سوٹ میں ملبوس بالوں کو کھلا چھوڑے ہوئے ہلکے ہلکے میک اپ میں وہ کسی سے ہنس ہنس کر بات کر رہی تھی۔

''اے دل ناداں! دیکھ تیری چڑیل ملکہ سب کے ساتھ ہنس ہنس کر بات کرتی ہے۔ایک تو ہی بیچارہ ہے جس پر وہ اپنی آگ برساتی ہے۔'' وہ خود سے ہی بڑبڑایا پھر نا جانے اسے کیا سوجی اپنا موبائل نکالا اور کسی کو کال کرنے لگا۔

''زینی۔''

وہ شہلا اور آبان شاہ کے ساتھ کھڑی کوئی بات کر رہی تھی جب رافعہ اسے دیکھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

”رافی کیسی ہو تم۔“ زینیا اسے بہت دیر بعد دیکھ رہی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں۔ تم تو پہلے سے بھی بہت پیاری ہو گئی ہو۔ پتہ ہے محلے کی ساری عورتیں آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں میں تو سن کر حیران ہی ہو گئی کہ تم آئی ہو۔“ وہ اس کے کھلے کھلے چہرے کو دیکھ کر بے اختیار بولی۔

”بھئی جب اتنا پیار کرنے والا شوہر ہو گا تو ہماری زینی تو گلاب کی طرح کھلے ہی گی ناں۔“ رافعہ کی بات پر شہلا شرارت سے اس کی ٹھوڑی کو چھوتے ہوئے بولی۔ ان کی بات پر اسے ان کی بھی موجودگی کا احساس ہوا۔

”اوووو سوری، میں نے آپ لوگوں کو دیکھا ہی نہیں۔“ وہ شرمندہ سی ہوئی۔

”ارے کوئی بات نہیں ہوتا ہے جب ہم اپنی دوستوں کو دیکھ لیں پھر آس پاس کچھ بھی نظر نہیں آتا تم لوگ باتیں کرو۔ ہم چلتے ہیں۔“

پھر وہ دونوں وہاں سے ہٹ گئے۔

”تم یہ بتاؤ تمہیں میں نے ولیمے پر بلایا تھا تم آئی کیوں نہیں تھی۔“ زینیا نے اس سے پوچھا۔

”یار کیا بتاؤں، میں کتنی مصروف تھی۔ ویسے میں نے تمہاری تصویریں دیکھی تھیں عنو کے فون میں۔ یار کیا غضب ڈھا رہی تھی تو۔“ وہ ہاتھوں سے اشارہ کرتے بولی۔ اس کے کمینٹ پر وہ ہنس دی۔

”زینی! تمہیں وہ دن یاد ہے جب تم پہلے دن آفس گئی تھی اور میں آبان سر کو تمہارا جیجو

بنانے کی بات کر رہی تھی۔ اور مجھے کیا پتہ تھا وہ میرا ہی جیجو نکلے گا۔" وہ اپنی باتوں پر ہنس رہی تھی اور زینیا کو وہ دن بھی اچھی طرح یاد تھا۔

"ہاں بالکل مجھے یاد ہے لیکن اب تم کرنا ایسی بات میرے شاہ کے بارے میں پھر دیکھنا۔"

"اوووو کیا بات ہے۔ میڈم کے تو انداز ہی بدل گئے ہیں۔" اس کے لہجے میں آبان پر اپنا حق جمانے اور پیار سا محسوس ہوا۔

"چلو جو بھی ہے میں بہت خوش ہوں اللہ تمہیں ڈھیر ساری خوشیاں عطا کرے۔ ویسے ایک بات تو بتا، مجھے تم دو تین بچوں کی ماسی کب بنا رہی ہو؟"

اس کے اس قدر اچانک سوال پر وہ جھینپ سی گئی۔

"اللہ اللہ رافی، تم کتنی بے شرم ہو۔ شرم نہیں آتی تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے۔" وہ اپنی جھینپ مٹاتے بولی۔

"لو جی، اس میں بے شرمی والی کونسی بات ہے۔ شادی ہو گئی ہے شادی کے بعد تو پھر یہ سب تو ہونا ہے۔"

اس کی باتوں سے وہ لال ٹماٹر ہو رہی تھی۔

"چلو تم نہ بتاؤ میں آبان سر سے پوچھ لوں گی۔" وہ اس کے شرم سے پڑتے لال گلابی چہرے کو دیکھتے شرارت سے بولی۔

"بدتمیز لڑکی چپ کرو۔" وہ ڈپٹتے ہوئے وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی اور دور کھڑا وہ اس کے چہرے پر کھلتی سرخیاں، شرما کے چہرے کو جھکانا بہت فرصت سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کے علاوہ کوئی کام ہی نہ ہو۔ اس کی آنکھوں میں وحشت، نفرت اور بھی نا جانے کیا کیا تھا۔ زینیا

کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر سینے میں اس کی آگ جاگ اٹھی تھی۔ وہ اس کے اکیلے ہونے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

نکاح کے بعد کھانا سرو کیا گیا اور اس کے بعد دلہن کو دلہا کے پہلو میں بٹھایا گیا۔ سٹیج کے نیچے وہ آبان کے پہلو میں کھڑی اپنے تھوڑے فاصلے پر پریشان سی عنزہ کو دیکھ رہی تھی جو ابھی تھوڑی دیر پہلے اچھی بھلی خوش تھی۔ نا جانے کیسی کشمکش، ایک الجھن سی زینیا کو اس کے چہرے پر نظر آ رہی تھی جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی ہو۔

''عنو۔''

وہ اس کے قریب آئی۔

''ہم۔'' وہ چونکی۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کچھ تو ہوا ہے۔ مجھے تم کب سے پریشان نظر آ رہی ہو۔ چلو اب جلدی سے بتاؤ نا ٹک نہ کرو۔''

وہ کہاں اس کی باتوں میں آنے والی تھی۔ وہ تو بچپن میں ایسے ہی اس کی پریشانیوں کو بھانپ لیتی تھی۔

''یار زینی پتہ نہیں کون کمینہ ہے جو مجھے بار بار فون کرتا ہے۔ وہ بھی نمبر بدل بدل کر۔ کبھی کال میسجز۔ میں تو تنگ آ گئی ہوں۔ اس کے نمبر بلاک کر کے نا جانے کتنی سم کارڈیں اس کے پاس اور تو اور ایف بی پر بھی اس نے نہیں چھوڑا۔ اور اب بھی مجھے یہاں اس کا فون آ رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ یہیں کہیں پر ہے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے زینی۔'' اس نے مختصر سا اسے سارا قصہ

سنا ڈالا تھا جسے سن کر وہ خود بھی پریشان ہو گئی تھی لیکن پیچھے کھڑے آبان شاہ نے زیادہ دیر پریشان نہ رہنے دیا۔

''عنزہ! آپ مجھے وہ نمبرز سینڈ کر دیں میں پتہ کروں گا یہ ہے کون اور اب آپ پریشان نہ ہوں میں ہوں ناں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس کی بات پر وہ دونوں چونکی تھیں۔ اس کی بات سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نے حرف بہ حرف سنا تھا۔

زینیا نے اس کی طرف دیکھا جو اسے دیکھ مسکرا دیا پھر عنزہ نے اسے سب نمبرز اور آئی ڈی بتائیں جن کے ذریعے کوئی اسے تنگ کرتا تھا۔ رخصتی کا وقت ہو چلا تھا۔ آبان اسے باہر آنے کا کہہ کر خود عابی کو دیکھنے چلا گیا۔

''عابی! باہر آؤ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

وہ ایک کونے میں بیٹھا موبائل پر کینڈی کرش گیم کھیل رہا تھا جب وہ اس کے پاس آیا۔

''شکر ہے آپ کو میں بھی یاد آیا ورنہ آپ تو اپنی بیگم کا پلو ہی نہیں چھوڑ رہے تھے۔'' وہ اسے لے کر باہر آیا۔

''تم عنزہ کو کیوں تنگ کر رہے ہو؟'' اس نے بغیر کوئی لحاظ رکھے اس سے پوچھا۔ اس نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''ب۔ب۔ بھائی یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ بھلا میں ایسا کیوں کروں گا؟''

''زیادہ اپنے آپ کو ہوشیار مت سمجھو۔ مجھے پتہ چل گیا ہے یہ ڈرامہ کوئین تم ہی ہو ناں اور یہ آخری نمبر جس سے تم نے آج اسے کال کی یہ تمہاری وہ سم ہے جو تم نے کچھ دن پہلے بھابھی سے لی تھی۔ اور تو اور مجھے اسفی نے بھی سب بتا دیا ہے اس لیے جھوٹ نہ ہی بولو تو بہتر ہو گا۔'' اس نے اس کی بچ جانے کے تمام جھوٹوں پر جیسے گرفت جما لی تھی۔

”ایک تو اسفی بھائی کے پیٹ میں بھی یہ بات ٹک نہیں سکی لگتا ہے۔ڈسکو ڈانس کر رہی ہو گی تبھی انہوں نے آپ کو بتا کر اپنے پیٹ سے آزادی حاصل کی۔“

”بات مت بدلو شاطر انسان جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔“

”ارے یار بھائی آئی لو ہر۔“

”اوووو۔تو تم نے اس لیے اسے تنگ کرنا اپنا حق سمجھ لیا۔شیم آن یو۔“ وہ اس کی ڈھٹائی پر سخت لہجے میں بولا۔

”بھائی۔“

”شٹ اپ یو ایڈیٹ۔میرا دل تو کر رہا ہے ابھی پولیس کو کال کروں اور تمہیں سلاخوں کے پیچھے بند کروا دوں۔“ وہ غصے سے بولا۔

”بھائی میرا اتنا بڑا جرم ہے جو آپ۔“

”ہاں اب اندر دفعہ ہو اور جا کر اسے سچ بتا کر معافی مانگو۔اگر وہ اپنا جوتا اتار کر تمہارے سر پر مارنا چاہے تو بسم اللہ کر کے کھا لینا کیونکہ وہ بھی تمہارے لیے کم ہیں۔“ وہ سخت گیر لہجے میں بولا۔اس کے انداز میں کہیں بھی کوئی لچک نہیں تھی۔اور وہ بیچارہ منہ کھولے اپنے بھائی کو دیکھ رہا تھا جو کیسے بے رحمی سے جوتا کھانے کا مشورہ دے رہا تھا۔

”اب یوں مجھے پٹر پٹر نہ دیکھو اندر چلو۔بلکہ میں تمہیں خود لے کر جاتا ہوں۔“ وہ بولا لیکن وہاں تنہا گوشے میں جہاں کوئی بھی نہیں تھا کسی کے دبی دبی چلانے کی آواز آئی جس سے وہ دونوں بھائی چونکے اور ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆......☆......☆

رخصتی ہو گئی تھی۔سب مہمان اپنے اپنے گھروں میں جانے لگے تھے۔زینیا بھی نانو کو مل

کرآبان کو ڈھونڈتے ہوئے باہر آئی لیکن برا ہوا وہ جو کب سے اس کے اکیلے ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ بالآخر وہ اسے اکیلی نظر آ ہی گئی۔ وہ ایک ہی جست میں اس تک پہنچا۔

''ہیلو زینیا شاہ، کیسی ہو۔''

وہ اس کی آواز پر چونک کر مڑی وہ اپنی مکروہ مسکراہٹ لیے اس کے قریب کھڑا تھا۔ اتنا قریب کہ اسکا سر ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

تم تو پہلے سے بھی زیادہ حسین ہو گئی ہو۔ مہنگے ترین کپڑے جوتے اور گلاب کی پنکھڑی جیسے ہونٹوں پر یہ جان لیوا مسکراہٹ۔ میرا دل مجبور ہو گیا ہے ان کو چھونے کے لیے۔''

''دور رہو مجھ سے پاگل انسان۔''

وہ اس سے پہلے اس نیچ انسان سے دور ہٹتی وہ اسے اپنے قریب کرتے بولا۔

''نہ جی نہ، اب تو ایسا نہیں ہوگا۔ ویسے تمہیں تو خوش ہونا چاہیے تمہارے چاہنے والوں کی لسٹ میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا۔'' اس کے لفظ زینیا کے لیے جیسے آگ سے دہکتے نشتر کی طرح تھے۔

''چھوڑو مجھے۔'' وہ چلاتے ہوئے بولی۔ لیکن وہ اس کی سنے بغیر اپنے ساتھ کھینچتے ہوئے لے جانے لگا۔ نا جانے اس کی ارادے کیا تھا۔

''ہیلپ می۔ پلیز کوئی ہے یہاں پر ہیلپ می۔'' وہ چلا رہی تھی۔

''کوئی بھی نہیں آئے گا اس لیے چپ۔'' ابھی اس کے لفظ منہ میں ہی تھے جب وہ ایک زوردار جھٹکے سے زمین پر گرا تھا۔

''تمہاری یہ ہمت بے غیرت انسان آج تمہیں میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

ایک دفعہ منظر دوبارہ دوہرایا گیا تھا۔ دن بھی ویسا ہی تھا سچویشن بھی ویسی ہی تھی۔ کردار بھی

وہی تھے بس فرق اتنا تھا کہ پہلی دفعہ وہ دونوں بھائی اپنی نظر میں کسی اجنبی لڑکی کی عزت بچا رہے تھے لیکن آج آبان شاہ اپنی بیوی کے ساتھ بدتمیزی کرتے اسی انسان کو مزہ چکھا رہا تھا۔

"کہا تھا تمہیں میری بیوی سے دور رہنا۔ تمہیں میری بات کی سمجھ نہیں۔ تمہاری جرات کیسے ہوئی اسے ہاتھ لگانے کی۔"

وہ اس قدر غصے میں تھا کہ مار مار کر اسے لہولہان کر دیا تھا۔ زینیا ڈر سی گئی تھی اس قدر جارحانہ انداز میں اسکو پیٹ رہا تھا۔ اتنے میں سب گھر والے بھی وہیں آ گئے اور انہیں ایسے آبان کو پاگلوں کی طرح عمر کو پیٹتے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"آئے وے، لڑکے تو باؤلا ہو گیا ہے کیا۔ کیوں مار رہا ہے تو میرے بیٹے کو۔" زہرہ بیگم تو سینے پر ہاتھ رکھتے اس کے قریب آئیں۔ اسے چھڑانا چاہا لیکن وہ کسی حال میں بھی اسے چھوڑنے کا روادار نہیں تھا۔

"پوچھیں اپنے اس بدذات بیٹے سے۔ اس نے کیا حرکت کی ہے۔ اسے میں نے پہلے بھی وارن کیا تھا کہ میری بیوی سے دور رہے لیکن۔ یہ تو۔" اس نے ایک پنچ اس کے منہ پر مار کر اسے زمین پر دوبارہ گرا دیا۔

سب کو ساری سمجھ میں آ چکی تھی۔ اور تب ہی ایس پی وہاب (نوین شاہ کا شوہر) جسے عابی نے کال کی تھی وہ بھی پولیس موبائل میں وہاں موجود تھے۔

"ارے تمہاری بیوی کونسا دودھ کی دھلی ہے۔ اپنی ماں کی طرح بدکردار اور......"

"بس آنٹی۔" وہ ہاتھ کا اشارہ کرتے غرایا۔ زاہرہ بیگم یکدم ہی ڈر گئی تھیں۔

"ایک لفظ بھی میں اپنی بیوی کے خلاف نہ سنوں ورنہ آپ کی عمر کا لحاظ کیے بغیر آپ کو بھی آپ کے بیٹے کے ساتھ سلاخوں کے پیچھے کروا دوں گا۔"

اس کا اتنا سخت رویہ اور غصہ دیکھ کر کسی کو بھی کچھ بولنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ وہاں موجود ہر کسی سے خوش اخلاقی سے پیش آنے والے آبان کو اس قدر غصے میں دیکھا تھا کہ یقین مشکل تھا۔

''میں اچھے طریقے سے جانتا ہوں آپ نے کس قدر ان سے اپنا رویہ برا رکھا ہے اور کس قدر گھٹیا الزام لگاتی رہی ہیں۔ میں اگر چاہوں تو ابھی اور اسی وقت آپ جیل میں ہوتیں۔ کسی پر بلاوجہ گھٹیا الزام لگانا بھی ایک جرم ہے لیکن میں آپ کی عمر اور ہمارے رشتے کا لحاظ کر رہا ہوں لیکن آپ کے بیٹے کو رعایت نہیں ملے گی۔'' وہ انہیں اچھی طرح باور کروا گیا تھا جبکہ وقار صاحب شرمندہ سے سر جھکائے کھڑے تھے۔

''وہاب! اسے لے جاؤ اور سخت اسے سزا ہونی چاہیے۔ میں صبح خود آ کر اس کے خلاف ایف آئی آر درج کرواؤں گا۔''

وہ وہاب کی طرف متوجہ ہوا۔ ''ڈونٹ وری ہم اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔''

اس نے اسے تسلی دی اور پھر خون میں لت پت عمر جس سے ٹھیک سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا پولیس موبائل میں ڈالا اور اس کے ٹھکانے پر لے گئے۔

وہ اس کے پاس آیا جس کا رنگ زرد پڑ رہا تھا۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ آبان شاہ تھا۔ اس کا شوہر، اس کا مجازی خدا ہے۔ جسے خدا نے اس کیلئے چنا تھا۔ اسے بے انتہا چاہنے والا۔ اسے دیکھ کر غم کو بھول جانے والے۔ اس کے لیے دنیا جہاں سے لڑ جانے والا۔ وہ اس کے گرد اپنے بانہوں کا حصار باندھ کر اپنے ساتھ لگاتا گاڑی میں لا بٹھایا اور خاموشی سے گھر کی طرف گاڑی کا رخ کر دیا۔

☆......☆......☆

”آپ یہاں پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں وہاں آپ کا بیٹا زخمی ہو کر جیل میں بیٹھا ہے۔“ زاہرہ بیگم، وقار صاحب سے بولیں جو گم صم سے بیٹھے ہوئے تھے۔

”تو کیا کروں؟ تیرے بیٹے کو اس کے کارنامے پر پھولوں کے ہار پہناؤں۔“ وہ جو پہلے غصے سے بھرے بیٹھے تھے ان کی بات پر بیخ پا ہوئے لیکن آواز کو بلند نہ ہونے دیا کیونکہ گھر میں ابھی مہمان تھے۔ پتہ تو سب کو چل گیا تھا۔ کسی کو بھی نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

”تو کم از کم پولیس سٹیشن جا کر اسے چھڑوا تو لائیں۔“

”ہرگز نہیں۔ اسے اس کے کیے سزا ملے گی۔ مجھ سے ہرگز ایسی توقع کی امید نہ رکھنا۔“ وہ ان کی منت سماجت کو نظر انداز کرتے ہوئے بولے۔

”آپ کیسے باپ ہیں وقار صاحب۔ ہمارا بیٹا ہے وہ۔“ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

”پہلی بات، میں بہت گھٹیا باپ ہوں جو تمہیں اپنے بچوں کی بری تربیت کرنے سے نہ روک سکا۔ ان کے دلوں میں کدورتیں ڈالنے سے نہ روک سکا۔ اور میں بھی جانتا ہوں بدقسمتی سے وہ میرا بیٹا ہے لیکن اسے سزا ملنی ہی چاہئے۔“ وہ اٹل لہجے میں کہتے ہوئے وہاں سے نکل گئے تھے۔

☆......☆......☆

عمر کی ایسی حرکتوں سے وہ ڈری جاتی تھی۔ وہ کبھی نہیں سمجھ سکی تھی آخر یہ کیسی نفرت تھی جس نے اس کی تمام سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ جو بظاہر بہادر بنی رہتی تھی اندر سے ایک ڈرپوک سی لڑکی تھی۔

وہ اس وقت آبان شاہ کے پہلو میں اس کے سینے پر سر رکھے گم صم سی لیٹی ہوئی تھی۔

''میری پرنسز اتنی خاموش کیوں ہے؟ واٹ ہیپنڈ؟'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پیار سے بولا۔

''شاہ! مجھے ڈر لگتا ہے۔ عمر مجھ سے......''

اس نے اس کی بات کاٹی۔ ''ششش۔ میرے ہوتے ہوئے ڈر کس بات کا۔ میں آپ کے پاس ہوں، آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے پرنسز۔ چلیں اب زیادہ سوچیں نہیں، سو جائیں رات کافی ہو گئی ہے صبح مجھے آفس بھی تو جانا ہے۔'' وہ لائٹ آف کرتے بولا اور پھر جب تک اس کے سو جانے کا یقین نہ کر لیا وہ اسے دیکھتا رہا۔ جب یقین ہو گیا وہ سو گئی ہے تو بہت نرمی سے اس کی آنکھوں پر بوسہ دیتے آنکھیں موند گیا تھا۔

☆......☆......☆

زندگی بہت حسین ہو گئی تھی۔ وہ زینیا جو پہلے یہاں آ کر گم صم اور اپنے حصار سے باہر نہیں نکلتی تھی آج وہ بہت خوش تھی اور ایسا گھر دیکھ کر بھی لگتا تھا اپنے ہاتھوں سے گھر کے سارے کام کرتی۔ خاص طور پر آبان شاہ کے سارے کاموں کو وہ اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتی تھی۔ صبح اسے آفس بھیج کر سارا سارا دن کام میں مصروف رہتی اور جب گھر آتا وہ تیار ہو کر روزانہ اس کا ایسے ویلکم کرتی جیسے وہ بہت دور سے آتا ہو۔

ہر دوسرے دن شام کو وہ فانیا بیگم کی طرف چلے جاتے تھے۔ وہ وہاں رہتی نہیں حالانکہ انہوں نے اسے کتنی دفعہ رات رکنے کے لیے کہا تھا لیکن وہ خود ہی ایک لمحہ اب اس کے بغیر نہیں گزارتی تھی لیکن ہر دوسرے دن ان کو ملنے وہ ضرور چلی جاتی تھی۔

آج وہ لوگ اسلام آباد آئے ہوئے تھے۔ عباد شاہ تو پہلے ہی آیا ہوا تھا لیکن وہ لوگ آج ہی آئے تھے کیونکہ شعیب اور شاہ زیب دونوں بھائیوں کو چھٹیاں ہوئی تھیں اور سب نے

آبان کو اپنی خواہش یاد دلائی اور آج ان لوگوں کی ہی وشز پوری کرنے کے لیے وہ وہاں آئے تھے۔ ان کے ساتھ عنزہ بھی تھی جسے زینیا نے کافی مشکلوں سے اپنے ساتھ جانے کے لیے راضی کیا تھا۔

''بھئی بچو! بہت برا کر رہے ہو۔ تم سب ہم بوڑھوں کو چھوڑ کر سیر کرنے کو نکل رہے ہو۔ کوئی ہمیں بھی پوچھ لیتا۔'' وہ لوگ گاڑی میں بیٹھ رہے تھے جب فرقان شاہ بولے۔

''ارے بابا! آپ لوگوں کو ہم سب کا شکرادا کرنا چاہیے کہ چند دنوں کے لیے آپ دونوں کپلز کو ایک دوسرے کے ساتھ تنہا وقت گزارنے کا موقع مہیا کر رہے ہیں۔ میری مانیں تو اس گولڈن چانس کو مس نہ کریں اور آپ دونوں بھی اپنی بیگمات کے ساتھ دوبارہ سے ہنی مون پلان کرلیں۔'' وہ انہیں مشورہ دیتے ہوئے بولا۔ ''اگر آپ کہتے ہیں تو میں آپ کی ٹکٹس بک کروا دیتا ہوں۔''

''اپنے مفید مشورے اپنے پاس رکھو شرارتی لڑکے۔'' پاس کھڑیں جویریہ شاہ جو اس کی باتیں سن رہی تھیں اس کے کان کھینچتے ہوئے بولیں۔ ''چلو جاؤ، اپنے بھائی بھابھیوں کو زیادہ تنگ مت کرنا۔''

''بابا! آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے میں کوئی ننھا منا سا بچہ ہوں جو انہیں تنگ کروں گا۔'' وہ منہ بسورتے بولا۔

''اس میں کوئی شک نہیں بیٹا جی۔''

''ارے او ہماری باتونی گڑیا، آ جاؤ اب۔ یا پھر ماما پاپا کو چھوڑ کر جانے کا دل نہیں کر رہا۔'' وہ سب لوگ گاڑی میں بیٹھ چکے تھے بس وہی باہر کھڑا ان سے باتیں کر رہا تھا جب رانیہ بھابھی گاڑی کی کھڑکی سے سر نکال کر بولیں۔ اور ان کے گڑیا کہنے پر سب کی ہنسی چھوٹ گئی

۔وہ پھر خدا حافظ کہتا گاڑی میں بیٹھ گیا۔پھران کی گاڑی حویلی سے باہر نکلتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

کمرے میں بالکل اندھیرا چھایا ہوا تھا۔اندھیرے میں اٹھتا سگریٹ کا دھواں بلند ہو رہا تھا۔کمرے کی فضا میں ہر طرف اسی کی خوشبو آ رہی تھی۔وہ ایک کے بعد ایک سگریٹ پھونک رہا تھا۔آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔دل میں بدلہ لینے کی ایک آگ جل رہی تھی۔

"نہیں چھوڑوں گا میں تمہیں آبان شاہ۔نہیں چھوڑوں گا دیکھنا میں اب تمہیں کیسے اذیت دیتا ہوں۔پچھتاؤ گے۔"

اس کے دل و دماغ میں اس وقت اس کے لیے بے شمار نفرت اور بدلہ لینے کے لیے آگ لگی ہوئی تھی۔اس کا دماغ جو شیطانی کھیل بنا رہا تھا۔اس کے بدلے اور نفرت کی آگ میں کون جھلسنے والا تھا؟ کون جانے؟

☆......☆......☆

سب کی خواہش کے مطابق وہ لوگ وادیٔ کشمیر کی سیر کو آئے تھے جو زمین پر جنت کی نظیر تھی۔ہر طرف ہریالی ہی ہریالی تھی۔اونچی گھاس سے ڈٹی پہاڑیاں، بلند و بالا گھنے درخت، نیلے آبشار کی ندیاں ان پہاڑیوں سے بہتی ہوئیں۔یہ خوبصورت منظر ہر ایک آنکھ کو بھاتا تھا۔

ان لوگوں نے ایک ہٹ بک کروایا ہوا تھا جس کے سامنے نیلے پانی کی جھیل بہتی تھی۔ارد گرد پہاڑیاں تھیں اور ان کے بیچ وہ چھوٹے چھوٹے سے خوبصورت بنے گھر تھے۔کچھ گھر تو پہاڑیوں پر بھی بنے ہوئے تھے۔اس طرف سردی بھی بہت تھی۔

وہ جھیل کے کنارے اپنے گرد چادر اوڑھے بیٹھی ہوئی تھی جب اپنی آنکھوں کے سامنے لٹکتی ہوئی چیز دیکھی۔پہلے تو پکڑنے لگی جب اس کا منہ دیکھا ایک فلک شگاف چیخ اس کے حلق سے

برآمد ہوئی۔

"سانپ۔سانپ۔" وہ وہاں فل سپیڈ سے بھاگ نکلی۔باقی سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"زینی یہاں دیکھیں۔" عباد شاہ نے پیچھے سے مخاطب کیا۔وہ رک کر دیکھنے لگی وہ سانپ اس کے ہاتھ میں تھا۔

"دیکھو میرے پاس مت لے کر آنا اسے ورنہ میں تمہارا کچومر بنا دوں گی۔"

وہ اس کے قریب آرہا تھا۔اس کی گیدڑ بھبکی سے اس پر کیا اثر ہونے والا تھا۔

"آبان! آپ اسے روکتے کیوں نہیں؟" وہ اب مسکراتے ہوئے آبان کی طرف متوجہ ہوئی اور اسی موقعے کا فائدہ اٹھا کر اس نے وہ سانپ اس کی طرف اچھالا جس پر چیختی ہوئی اندھا دھند بھاگنے لگی تھی۔

"اپیا! یہ نقلی سانپ ہے۔عابی بھائی آپ کو ویسے ہی ڈرا رہے ہیں۔" شاہ زیب شاہ نے اسے بتایا جس پر غصے سے دیکھنے لگی۔

"بے وقوف بنا رہے ہو مجھے۔تمہیں تو میں بتاتی ہوں بندر کہیں کے۔"

اب وہ اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

"ایک دفعہ تم میرے ہاتھ میں آجاؤ پھر دیکھنا۔"

"شازی! اس بندر کو پکڑنے میں میری ہیلپ کرو۔"

پھر وہ تینوں اسے گھیرنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے جبکہ دور کھڑے آبان شاہ اور فرحان انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔

"او خدایا! بھابھی، معاف کردیں میں تو صرف مذاق کر رہا تھا۔اب اتنا مت دوڑائیں

میں تھک گیا ہوں۔'' وہ بھی دوڑتا دوڑتا تھک گیا تھا لیکن زینیا کے غصے سے بھی تو بچنا تھا۔

''عابی بھائی! رک جائیں سزا تو آپ کو پھر بھی ملنی ہے اس لیے اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں۔''

''یہ جتنا زیادہ بھاگے گا اسے اتنی زیادہ ہی سزا ملے گی۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

''یہ تو گیا آج کام سے۔'' فرقان بھائی ہنستے ہوئے بولے۔

''زینیا کسی بھی صورت بخشنے والی نہیں لگ رہی اسے۔'' رانیہ بھابھی بھی ان تینوں کے اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے بولیں۔

''اچھا ہے اس بندر کو سزا تو ملنی چاہیے۔ میری زینی کو ایک نقلی سانپ سے ڈرا رہا تھا۔'' عنزہ کہاں خاموش رہنے والی تھی۔

''آہاں عنزہ، نہ کرو یار میرا دیور جیلس ہو رہا ہے کیونکہ زینی صرف اس کی زینی ہے۔'' رانیہ بھابھی شرارت سے بولیں۔

''ارے آبان بھائی بھلا کیوں جیلس ہوں گے وہ جانتے ہیں میں زینی سے کتنا پیار کرتی ہوں۔''

اس کی بات پر وہ مسکرا دیا تھا۔

''جتنا بھی آپ پیار کرتی ہوں میرے بھیا سے زیادہ تو نہیں کرتیں۔'' عنزہ کی بات پہ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''جی بالکل آبان بھائی تو عاشق ہیں میرے کھنا کے لیکن میں اس کی دوست، اس کی بہن ہونے کے ناطے اس کی دیوانی ہوں۔''

''تمہاری اس دیوانگی سے ہمارا آبان تو نہیں ہاں تمہارا ہونے والا شوہر ضرور جیلس

ہوگا۔" رانیہ بھابھی شرارت سے بولیں جس پر وہ مسکرا کر رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ دونوں اس وقت اکیلے وادی نیلم کے کنارے پر بیٹھے اس حسین نظاروں کا لطف اٹھا رہے تھے۔

"شاہ۔" وہ اس کے کندھے پر سر رکھتے بولی۔

"ہم۔"

"کیوں نہ ہم اس وادی میں اپنا گھر بنالیں۔ یہ کتنی پرسکون اور خوبصورت جگہ ہے۔ لکڑی سے بنا چھوٹا سا گھر ہو جس کے اردگرد رنگ برنگے پھول ہی پھول ہوں۔ سامنے جھیل ہو کتنا خوبصورت ہوگا۔ ہمارا گھر بالکل خوابوں کی طرح۔" وہ ایسے منظر کشی کر کے بتا رہی تھی جیسے اس کی آنکھوں میں بالکل ویسا ہی گھر ہو۔

"ہاں آئیڈیا برا تو نہیں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"تو پھر کیا سچی ہم یہاں پر گھر بنائیں گے۔" وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"فی الحال ابھی تو نہیں۔"

"تو پھر کب؟"

"پہلے پیرس والے پلان پر عمل کریں گے۔"

"نہیں اسے کینسل کردیں ہم یہاں رہیں گے۔" وہ اس کی بات کاٹتے فوراً بولی جب وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"جب ہم بوڑھے ہوجائیں گے ناں اپنے بچوں کی شادی کر کے پھر یہاں پر آ کر ہم اپنا گھر بنائیں گے۔ اور اپنی زندگی کے آخری خوبصورت پل یہاں پر گزاریں گے۔"

”ہمم۔ بورنگ پلان مجھے نہیں پسند آیا۔“ وہ منہ بسور کر بولی اور ساتھ ہی وہاں سے اٹھ گئی۔

”بھائی جان! آپ دونوں یہاں ہنی مون ٹور پر نہیں بلکہ فیملی ٹور پر آئے ہیں۔“

وہ دونوں بھائی انہیں ڈھونڈتے ہوئے وہاں پر آدھمکے اور انہیں اس قدر الگ تھلگ بیٹھا دیکھ کر باور کروائے بغیر نہ رہ سکے۔

”ارے یار تم لوگوں کی اپیا مجھے یہاں لے آئی ہے اب بھلا میرا کیا قصور۔“ وہ معصومیت سے بولا۔

”کیا میں آپ کو یہاں لے کر آئی ہوں۔“ وہ اس کی بات پر حیرت سے بولی۔

”ہماری آپی ایسی نہیں ہیں جو چوری چوری آپ کو یہاں لے آئیں۔“

”تو تم دونوں یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں تم دونوں کی آپی کو لے کر آیا ہوں۔“

”جی بالکل۔ ایسی حرکتیں آپ ہی کر سکتے ہیں۔ اب زیادہ معصوم نہ بنیں اور ہمارے ساتھ چلیں۔“

وہ اس کی بات کہاں ماننے والے تھے۔ وہ دونوں بھائی اس کے گرد ہوئے۔

”جب تک آپ یہاں پر ہیں ہمارے ساتھ رہیں گے خبردار جو آپ اکیلے نظر آئے۔“ وہ حکم دیتے بولے۔

”جی جو حکم سالے سرکار۔“ وہ عاجزی سے بولا۔

زینیا ان کے اس طرح اس پر رعب جھاڑنے پر ہنس رہی تھی۔ وہ پھر ان دونوں کو اپنے ساتھ لیے وہاں چلے گئے جہاں سب ان کا انتظار کر رہے تھے۔ آج ان کا بازار کی طرف جانے کا پروگرام تھا۔

☆......☆......☆

رات کا وقت تھا۔فلک پر اندھیری رات کی چادر تنی ہوئی تھی۔ ہلکی ہلکی سرد ہوا چل رہی تھی۔وہ باہر نا جانے کن سوچوں میں گم تھی جب عباد شاہ اسے وہاں بیٹھے دیکھ کر اس کے پاس آ گیا۔آج اسے وہ سب بتا دینا چاہتا تھا جو وہ اس کے بارے میں سوچتا تھا۔

اسی وقت وہ بھی اندر جانے کے لیے اٹھی جب وہ اس کے سامنے آ گیا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وہ اسے دیکھ کر بولی۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' وہ اس کے چہرے پر آئے غصے اور ناگواری کو نظر انداز کرتے بولا۔وہ جانے لگی جب اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔اس سے پہلے وہ غصہ کرتی وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ہاتھ اس کا چھوڑ چکا تھا۔وہ حیران تھی وہ کیا کر رہا تھا لیکن اگلے پل اس کے منہ سے سننے والی بات نے اسے غصے اور حیرت میں مبتلا کر دیا۔

''کیا تم میرے ننھے منے بچوں کی ماں بننا پسند کرو گی؟ دیکھو، میں تم سے اپنی پچھلی شیطانیوں کی معافی مانگتا ہوں اور جو تمہیں مختلف نمبرز سے فون کالز اور میسجز کرتا تھا اس کی بھی معافی مانگتا ہوں۔مجھے معاف کر کے میری زندگی میں شامل ہو جاؤ۔میں......''

عنزہ کے کرارے تھپڑ نے اس کی بات کو منہ میں ہی رہنے دیا۔اس کی اس قدر بے باکی سے پرپوز کرنا اس کو ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔وہ گال پر ہاتھ رکھے اسے جاتا دیکھتا رہا لیکن پھر بھی ڈھیٹ پن کے ریکارڈ توڑتا اس کے پیچھے آیا لیکن برا پھنسا تھا۔

''یار میری بات تو سنو۔'' وہ بڑبڑایا لیکن وہ اندر بیٹھے آبان شاہ کے پاس پہنچ گئی تھی جہاں فرحان بھائی اور رانیہ بھابھی بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔

''ارے کیا ہوا عنزہ، تم اتنے غصے میں کیوں لگ رہی ہو'' رانیہ بھابھی نے استفسار کیا۔

''بھابھی! مجھے ایک بات تو بتائیں کہ میری شکل پر کوئی بورڈ لگا ہوا ہے کہ کوئی بھی للو پنجو

آئے اور مجھے پرپوز کردے؟''

اس کے پوچھنے پر سب نے حیرت بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ کر اسے دیکھا۔

''کیوں کیا ہوا؟''

''یہ آپ کا دیور بندر کہیں کا اس نے مجھے سمجھا کیا ہے۔''

وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ اب وہ خاموش ہونیوالی تو نہیں تھی۔

''آبان بھائی! وہ جو لوفر لفنگا مجھے نمبر بدل بدل کر فون کرتا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں وہ یہی آپ کا بھائی ہے۔ نا جانے خود کو سمجھتا کیا ہے۔'' اس نے مزید اسے بتایا۔ اس کے بتانے پر دونوں بھائیوں نے اسے دیکھا اور اس کا دل چاہا کہ وہ وہاں سے دوڑ لگا کر بھاگ جائے۔

میں ڈرپوک تھوڑی ہوں جو ڈر کر بھاگ جاؤں۔'' پیار کیا تو ڈرنا کیا والے ڈائیلاگ پر عمل کرتے ہوئے وہ وہیں کھڑا رہا تھا۔

''عابی۔'' آبان شاہ اس کے قریب آیا۔

''بھائی! میں تو اس سے معافی مانگ کر اسے پرپوز کر رہا تھا یہ تو......''

اگلے ہی پل وہ جو اسے غصے سے دیکھ رہا تھا۔ ایک بھاری ہاتھ کا تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کیا۔

''شرم آنی چاہیے تمہیں۔ معافی مانگو بہن سے۔''

اس کی بات پر جہاں رانیہ بھابھی کا قہقہہ نکلتے بچا وہیں وہ بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں نے کچھ کہا ہے تم سے۔'' وہ کافی غصے میں لگ رہا تھا۔

فرحان بھائی کو اس بیچارے پر ترس آ رہا تھا جو ڈیلے پھاڑے کبھی اپنے بھائی کو دیکھتا اور

مسکراتی ہوئی عنزہ کو۔

''حد ہے بھائی، میں جس کو اپنی بیگم بنانے کا سوچ رہا ہوں آپ اسے بہن بنانے کا کہہ رہے ہیں۔ بہت ظالم ہیں۔ میں آپ کو اپنے ساتھ تو یہ ظلم ہرگز نہیں کرنے دوں گا۔''

وہ پاؤں پٹختا وہاں سے نکل گیا۔

''حد ہے، ایسا کونسا عظیم گناہ کردیا میں بیچارے نے جو دونوں سالی پنوجے (بہنوئی) نے تھپڑ جڑ دیا۔'' وہ بڑبڑایا تھا

'' ایم سوری عنزہ میں۔''

''ارے آبان بھائی بھلا اس بندر کی غلطی پر آپ کیوں معافی مانگ رہے ہیں۔'' وہ اسے شرمندہ دیکھ کر فوراً بولی۔

آبان کو حقیقت میں عباد شاہ پر بہت غصہ تھا اسی وجہ سے وہ اگلے دن بھی نہیں بلا رہا تھا۔

وہ لوگ آج پہاڑوں پر گھوم رہے تھے۔ عنزہ آج صبح سے ہی اس کا اترا چہرہ دیکھ کر چہک رہی تھی جبکہ وہ اپنے دونوں بھائیوں اور اس کی شکل دیکھ دیکھ کر کڑھ رہا تھا۔ سب بہت خوش لگ رہے تھے جبکہ وہ دیوداس کا کردار ادا کرتے ہوئے ایک جگہ چپ چاپ بیٹھا نیچے بستی میں دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا، اتنے گم صم کیوں ہو۔ کہیں ممی کی یاد تو نہیں آرہی میرے ننھے منے بھائی کو۔'' زینیا سے رہا نہ گیا تو وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اب اسے تو معلوم نہیں تھا اس کا ننھا منا بھائی کیوں منہ لٹکائے بیٹھا ہے۔ رات کو وہ جلدی سو گئی تھی اسی وجہ سے وہ لاعلم تھی اور اسے کسی نے بتایا بھی نہیں تھا۔

''زینی! ایک بات تو بتاؤ، کیا تمہارا دل نہیں کرتا تمہارے اس شہزادے سے بھائی کی اب

شہزادی سی دلہن آجانی چاہیے۔"

"اوووتو تم اس لیے منہ لٹکائے بیٹھے ہو۔" اس کی شکل دیکھ کر زینیا کی ہنسی نکل گئی۔

"شاباش ہے یہاں میرے دل کے ارمانوں کا خون ہو رہا ہے اور تم ہنس رہی ہو میں کوئی مذاق نہیں کر رہا۔" وہ کلس کر بولا۔

"اچھا تو تم سنجیدہ ہو۔"

"بالکل یار۔ دیکھو مجھے شادی کروانے کا بہت شوق تھا۔ ایک تو کوئی لڑکی دل کو پسند نہیں آئی اور دوسرا بھائی جان کی وجہ سے اپنے دل پر ڈھائی کلو کا تالا لگا کر اپنے ارمانوں کو قابو میں کیا ہوا تھا۔ اور اب دیکھو کوئی مجھ معصوم پر رحم ہی نہیں کر رہا۔"

زینیا بہت غور اس کی دکھ بھری داستان سن رہی تھی۔

"بہت افسوس ہوا سن کر۔ چلو تم فکر نہ کرو میں واپس جاتے ہی تمہاری طرف سے عاجزانہ درخواست کروں گی بڑی ماما بڑے بابا سے کہ میرے بھائی کو نہ انتا تڑپائیں۔ کردیں کوئی لڑکی پسند کر کے شادی اس کی۔" وہ تسلی دینے والے انداز میں بولی پھر کچھ سوچتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی۔

"ویسے کوئی لڑکی ہے تمہاری نظر میں جس سے۔"

"ارے ارے میری بہنا نظر میں کیا وہ تو دل میں بس چکی ہے۔" وہ اس کی بات کو کاٹ کر فوراً بولا۔

"کون ہے؟" وہ اسے تجسس سے دیکھنے لگی۔

"آپ کی وہ چڑیل بہن۔ جانتی ہیں کل میں نے اسے پرپوز کیا اور اس کی بہت بڑی سزا مل گئی ایک ہی گال پر آپ کے شوہر اور آپ کی بہن نے اس قدر زور سے جھانپڑ رسید کیے

میری تو ساری داڑیں ہل گئی ہیں۔اور تو اور میں جو اسے شادی کے لیے پرپوز کر رہا تھا بھائی جان نے تھپڑ مارتے ہوئے کہا کہ بہن سے معافی مانگو۔یعنی اتنا ظلم مجھ پر۔"

"اپنی یہ ظلم کی داستان سنانا بند کرو۔اور اپنی اس ٹوٹی پھوٹی باتوں کو ذرا الفی لگاؤ اور پھر مجھے بتاؤ۔"

پھر وہ اسے الف سے لے یے تک ساری بات بتانے لگا جسے سن کر وہ بھی اسے کوئی اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہی تھی۔

"کہیں تم بھی تو مجھے مارنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔" وہ اسے خاموشی سے اپنی طرف دیکھتے پا کر بولا۔

"تم نے اچھا نہیں کیا عابی،اگر تمہیں وہ اچھی لگتی تھی تو یہ کوئی طریقہ تو نہیں تھا اسے تنگ کرنے کا۔"

"دیکھو زینی، میں تو بس ویسے۔" جب کوئی جواب بن نہ پڑا تو وہ شرمندگی سے سر جھکا گیا۔واقعی اس نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں تھا۔

"اگر تم محبت کرتے ہو تو بڑی ماں اور بڑے بابا سے بات کرتے ناکہ تم خود ہی اسے شادی کا کہنے چل پڑتے۔" وہ اسے ڈپٹتے ہوئے بولی۔

"ایم سوری۔"

"یہ سوری تم اسے بولنا لیکن ابھی نہیں جب میں کہوں گی۔"

"کیا تم اس سے بات کر کے میری سفارش نہیں کر سکتی۔" وہ معصوم سی شکل بنا کر بولا۔

"بالکل نہیں میں اس سے کوئی بات نہیں کروں گی بلکہ میں بڑی مما، بڑے بابا سے بات کروں گی۔"

"اوجیو میری پیاری بہنا تھینک یو سو مچ۔ تم بہت اچھی ہو۔"

وہ اس کی بات پر خوش ہو گیا تھا۔

"اب ذرا شرافت کے دائرے میں رہنا۔ اپنی یہ اوچھی حرکتیں اس کے سامنے دوبارہ نہ کرنا۔" وہ اسے تاکید کرتے ہوئے اٹھی۔ ایک تو وہ خوش بھی تھی کتنا اچھا ہو جائے اگر عابی کی عنزہ سے شادی ہو جائے گی۔ اور دوسری طرف بڑھ گئی جہاں وہ سب تصویریں بنا رہے تھے۔

☆......☆......☆

پھر اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ وہاں سے واپس آتے ہی اس نے جویریہ شاہ اور فرقان شاہ سے بات کی تھی۔ ان کو بھلا کیا اعتراض ہونا تھا۔ وہ عابی کی خوشی کے لیے ان کے در سوالی بن کر عنزہ کو مانگنے گئے تھے۔ جس پر سب راضی تھے۔ یہاں تک کہ زہراہ بیگم نے بھی خوشی خوشی قبول کر لیا تھا۔ اب وہ اتنے اچھے رشتے سے انکار کرنے کی بے وقوفی تو نہیں کر سکتی تھیں لیکن جس کو راضی ہونا چاہیے تھا وہ تو سرے سے اکھڑ گئی تھی۔

"زینی! دیکھو میں ہرگز اس لنگور سے شادی نہیں کروں گی۔" وہ غصے سے بولی۔

"کیوں نہیں کرو گی۔ کیا کمی ہے اس میں۔ گھبرو جوان ہے سب بڑی بات ڈاکٹر ہے اور تمہیں پسند بھی کرتا ہے۔"

زینی کو اس کا انکار کرنا ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"ہاں اور ایک نمبر کا لوفر بھی ہے۔" وہ دانت پیستے بولی۔

"دیکھو تم میرے بھائی کی انسلٹ کر رہی ہو۔"

"اور تم میری نہیں اس بندر کی حمایت کر رہی ہو۔ وہ لنگور جو مجھے مسلسل ایک ماہ تک تنگ کرتا رہا ہے۔"

''وہ تم سے معافی مانگ تو رہا تھا عنزہ۔''

''ہاں ایک اور غلطی کے ساتھ اس نے معافی مانگی۔ جانتی ہو کیا کہا اس نے مجھے۔ کیا تم میرے بچوں کی ماں بننا پسند کرو گی۔ ہنہ، میرا بس چلتا تو اس کا قیمہ بنا کر رکھ دیتی۔'' وہ دانت کچکچاتے مٹھیوں کو بھینچتے بولی جیسے وہ ابھی بھی اس کے سامنے ہو۔ عباد شاہ کی اس طرح کی حرکتیں عنزہ کو جیسے اپنی بے عزتی لگی تھیں۔ اسے بہت افسوس تھا کہ اس نے تو کبھی ایسا نہیں چاہا تھا۔

لڑکی سے کوئی محبت کرے یا نہ کرے جب اس کی کوئی عزت کرتا ہے اسے اپنا آپ اپنا معتبر لگنے لگتا ہے۔

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو چلو آؤ گھر چلتے ہیں۔''

وہ دونوں آج اپنے ایم ایس سی کے فارم جمع کروانے کے لیے پنجاب یونیورسٹی آئی ہوئی تھیں۔

''اچھا زینی، یہ بتاؤ آبان بھائی مان گئے تھے ایڈمیشن کے لیے۔'' وہ دونوں بیرونی گیٹ کی طرف جا رہی تھیں جب عنزہ نے رک کر استفسار کیا۔ اس کی بات پر وہ مسکرا دی۔

''ایسا ہو سکتا تھا کہ وہ نہ مانتے۔ انہوں خود ہی تو مجھے کہا کہ ایڈمیشن کے لیے اپلائی کروں۔ اور آگے ضرور پڑھنا ہے۔'' اس کے لہجے میں آبان شاہ کے لیے پیار محبت مان اور فخر تھا۔ یہ مان، فخر، پیار اور محبت اس نے ہی تو سونپی تھی۔

ہر لڑکی ایسا ہی شوہر چاہتی ہے جو اس کو پیار کے ساتھ ساتھ عزت بھی کرے۔ آبان شاہ اگر زینیا سے بے شمار پیار کرتا تھا تو اس کی عزت اس سے بھی بڑھ کر کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی وہ اس کے کہنے کے باوجود اسے تم کہہ کر نہیں بلاتا تھا بلکہ ہمیشہ آپ کہہ کر بلاتا تھا۔

وہ اکثر کہتی۔ ”شاہ مجھے آپ “ آپ ” کہہ بلاتے ہیں تو مجھے کبھی کبھی ایسا لگتا جیسے میں کوئی بوڑھی عورت ہوں جس کی عمر اسی، پچاسی سال ہے۔ چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا، بال سفید، ہاتھوں میں چلنے کے لیے چھڑی پکڑی ہو۔اور آپ مسٹر ینگ مین ایک بوڑھی عورت کو آپ، آپ کہہ کر بلا رہے ہیں۔“

تو وہ اس کی بات پر ہنس دیتا اور کہتا۔ ”پرنسز، مجھے اچھا لگتا ہے آپ کو ” آپ “ کہہ کر بلانا، میں بے شک آپ سے بے پناہ پیار کرتا ہوں لیکن کبھی بھی تم نہیں کہہ سکتا اور ضروری نہیں جس سے ہم پیار کرتے ہیں اسے تم کہہ کر بلایا جائے۔ اور نہ ہی تم کہنے سے عزت میں فرق پڑتا ہے۔ عزت تو دل میں ہونی چاہیے، زبان سے کہنے میں کیا ہوتا ہے لیکن میں پھر بھی آپ کو پیار سے محبت سے احترام سے یہی کہوں گا۔ آپ مجھے منع مت کیا کریں۔“

تو وہ اس کے اس قدر پیار سے سمجھانے پر ہنس کر کہتی۔ ”شاہ! آپ تو دیوانے ہیں۔“

اور وہ دلکشی سے مسکرا دیتا۔

”اووو ہیلو میڈم، کہاں کھو گئی ہو؟“ عزہ چٹکی بجاتے اسے خیالوں کی دنیا سے واپس لائی۔

”کھنا! تم تو دیوانی ہو گئی ہو آبان بھائی کی۔ سامنے ہوتے ہیں تو ان کے علاوہ تمہیں کوئی اور دکھتا نہیں۔ جب سامنے نہ ہوں تو ان کے خیالوں میں ہی مسکراتی رہتی ہو۔“

اس کی بات پر شرمیلی سی مسکان اس کے لبوں پر سج چکی تھی۔

”کبھی کبھی تو مجھے ان سے جیلسی فیل ہوتی ہے۔“ وہ شرارت سے بولی۔

”خبردار جو تم شاہ سے جیلس ہوئی تو۔ تم بھی شادی کے لیے ہاں کرو اور عابی کی دیوانی ہو جاؤ۔“ وہ اسے ڈپٹتے ہوئے مشورہ دے گئی تھی۔

"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" وہ اپنے فیصلے پر اٹل تھی۔

"دیکھو عنو، ایک دفعہ پچھلی ساری باتیں بھول کر اس کے بارے میں سوچنا کہ اس میں کیا برائی ہے۔ وہ ایک اچھا انسان ہے۔ دیکھو تم نے بھی ہمیشہ اسے برا بھلا کہا ہے ناں۔"

"ہاں تو وہ بھی اس کے کرتوتوں کی وجہ سے کہتی تھی۔ مجھے کوئی شوق نہیں ایویں ہی کسی کو برا بھلا کہوں۔"

اپنی غلطی کہاں ماننے والی تھی وہ۔

"پلیز عنو، میری خاطر ایک دفعہ تمام باتیں بھول کر اس کے بارے میں سوچنا۔ کیا وہ بہت برا ہے؟ نہیں عنو، وہ برا بالکل بھی نہیں۔ وہ بہت اچھا ہے۔ شرارتی سا، نٹ کھٹ سا، سب کی بہت عزت کرتا ہے۔ اس کی شرارتوں کو نظر انداز کر کے صرف ایک بار سوچنا اور جو تمہارا دل کہے تم وہی کرنا۔ کوئی مجبوری نہیں ہے۔" زینیا نے اسے سنجیدگی سے سمجھایا تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر بولی۔ "اچھا سوچوں گی۔"

وہ دونوں باہر آئیں تو آبان شاہ کی جگہ گاڑی میں ڈرائیور انتظار کر رہا تھا۔

"رحیم یار! آبان کیوں نہیں آئے؟" اس کے نہ آنے پر اسے حیرت ہوئی کیونکہ صبح وہ کہہ کر گیا تھا کہ وہ خود لینے آئے گا۔ اب اس کی جگہ رحیم یار کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔

"صاحب کی ایک ضروری میٹنگ تھی اس لیے انہوں نے مجھے آپ کو لینے بھیج دیا۔" رحیم یار نے بتایا۔

"اچھا تم ایسا کرو عنزہ کو گھر چھوڑ آؤ۔"

"نہیں زینی میں خود ہی چلی جاؤں گی تم جاؤ گھر۔" عنزہ نے فوراً انکار کر دیا۔

"تم چپ کر کے بیٹھو۔ رحیم یار، تم اسے چھوڑ آؤ میں آفس جاؤں گی یہاں سے نزدیک ہی

میں کوئی ٹیکسی لے لیتی ہوں۔" اس نے اپنا ارادہ بتایا پھر عنزہ اس کی بات مانتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"دیکھو زینی! میرے آبان بھائی کو ڈانٹنا مت۔" وہ شرارت سے بولی۔ جس پر وہ مسکراتی ہوئی گاڑی کا پچھلا دروازہ بند کرگئی اور جب تک گاڑی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی وہ وہیں کھڑی رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کا مجبور کرنا اس کی پیاری عنزہ کے لیے کتنے بڑے نقصان کا باعث بننے والا تھا۔ اگر معلوم ہو جاتا تو وہ کبھی اسے مجبور نہ کرتی۔ پھر وہ ٹیکسی لے کر آفس جانے کے بجائے گھر آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ کانفرنس روم سے جیسے ہی باہر نکلا اس کا فون بجنا شروع ہو گیا۔ ان نون نمبر تھا جس پر میٹنگ کے دوران بھی کال آ رہی تھی

"السلام علیکم۔" اس نے فون اٹھایا۔

"کیسے مزاج ہیں آبان شاہ؟ بہت دیر لگائی فون اٹھانے میں۔ کہیں یہ دیری تمہیں مہنگی نہ پڑ جائے آبان شاہ۔"

"کون ہو تم؟"

"ارے ارے اتنی جلدی بھول گئے تم مجھے۔ چلو میں اصل بات پر آتا ہوں۔ بہت پیار کرتے ہو ناں اپنی بیوی سے۔ سمجھ لے آج تیرے پیار کا امتحان ہے اگر بچا سکتے ہو اپنی بیوی کو تو بچا لو۔"

دوسری طرف سے اس کی بات سن کر اسے جھٹکا لگا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم۔" وہ غرایا۔

”بکواس نہیں ہے یہ۔ یہ جو ابھی تصویر سینڈ کی ہے یہی گاڑی ہے نہ جو آج تمہاری بیوی کو یونی ورسٹی سے لینے گئی تھی۔ اور دوسری تصویر دیکھو یہی ڈرائیور تھا نا۔“

اس کے بتانے پر اس نے وٹس ایپ اوپن کیا اور دو تصویریں دیکھیں۔ جس میں اس کی گاڑی اور رحیم یار تھا۔ وہ شاید بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

”اس دن تو تم نے اسے بچا لیا تھا اب اسے بچا کر دکھاؤ۔ جانتے ہو وہ کتنے لوگ ہیں۔ آٹھ اب وہ اس کے ساتھ کیا کر سکتے ہیں تم۔“

”شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔“ وہ دھاڑا تھا۔ دوسری طرف اس نے مکروہ قہقہہ لگایا تھا۔ وہ اپنے آفس سے باہر نکلا۔

”دیکھو اگر تم نے زینیا کو ہاتھ بھی لگایا تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔“

اس کی دھمکی پر ہنسنے لگا۔

”فکر نہ کرو میں اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا لیکن دوسروں کی میں گارنٹی نہیں دے سکتا۔“

اس نے یہ کہنے کے ساتھ ہی فون بند کر دیا۔ اور اس کی بے بسی پر ہنسنے لگا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ کایا کیسے پلٹنے والی تھی۔

”یا اللہ میری مدد فرما۔“

اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس نے خدا سے مدد طلب کی۔ ایک وہی تو پاک ذات تھی جو اپنے بندوں کو مشکلوں سے نکالتا ہے۔ جب خود ہی اپنے بندوں سے قرآن پاک میں کہہ دیا ہے۔

”اگر تمہیں نمک کی ضرورت ہے تو مجھ سے مانگو میں ضرور عطا کروں گا۔“

وہ آیت الکرسی کا ورد کر رہا تھا جب اس کا فون دوبارہ بجنا شروع ہوا۔ زینیا کا نمبر تھا۔ اس

نے فوراً فون اٹھایا۔ آنکھیں بند تھیں زبان پر صرف خدا کا ذکر تھا۔

"شاہ! آپ کب تک گھر آئیں گے بڑی مما آئی ہوئی ہیں؟"

دوسری طرف سے اس کی کھنکتی ہوئی آواز سن کر اس کی جان میں جان آئی۔

"پرنسز! آپ ٹھیک ہیں ناں۔ آپ کہاں ہیں؟" وہ گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"مجھے کیا ہونا ہے میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اور گھر پر ہوں آپ بس جلدی آجائیں۔" اسے آنے کا کہہ کر وہ فون بند کر گئی جبکہ وہ رب کا شکر ادا کر رہا تھا کہ وہ صحیح سلامت تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ فوراً اڑ کر اس کے پاس پہنچ جائے۔

وہ دس منٹ میں ریش ڈرائیو کرتا ہوا گھر پہنچا اور اسے لاؤنج میں جویریہ شاہ کے پاس بیٹھا دیکھ کر دیوانوں کی طرح اس تک پہنچا۔

"آپ ٹھیک ہو نا؟ کچھ ہوا تو نہیں؟" وہ یقین چاہ رہا تھا جبکہ وہ دونوں حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھیں جو زینیا کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لئے کھڑا تھا۔

"شاہ! کیا ہو گیا ہے؟ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ ماما سے تو ملیں۔" زینیا نے اس کا دھیان جویریہ شاہ کی طرف کرنا چاہا۔

"آبان بیٹا! کیا ہوا ہے۔ تم اتنے ڈرے ہوئے کیوں ہو؟" جویریہ شاہ اپنے بیٹے کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گی تھیں۔

"آپ گھر کس کے ساتھ واپس آئی تھیں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے اس سے استفسار کرنے لگا۔

"ٹیکسی پر آئی تھی میں۔ رحیم یار کو عنزہ کو چھوڑنے کے لیے بھیج دیا تھا۔ میرا ارادہ تو آپ کے پاس آفس جانے کا تھا لیکن پھر ارادہ بدل دیا اور گھر آ گئی۔" زینیا نے اسے تفصیل بتائی

جس پر وہ اور پریشان ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ زینیا کی جگہ پر انہوں نے عنزہ کا کڈنیپ کر لیا تھا۔

"اووووو مائی گاڈ۔" وہ پریشان ہوا۔

"مجھے کچھ بھی کر کے عنزہ کو بچانا ہو گا۔" وہ دل میں بولا۔

"کیا ہوا؟" اسے پریشانی میں گھرا دیکھ کر زینیا نے پوچھا۔ لیکن وہ کچھ بھی بتائے بغیر باہر نکل گیا اور ساتھ ہی وہاب کو مدد کے لیے کال کرنے لگا تھا۔

"پتہ نہیں انہیں کیا ہو گیا ہے؟" زینیا اسے جاتا دیکھ کر بولی۔ "اچھا بڑی مما، آپ ریسٹ کریں میں رات کے کھانے کی تیاری کر لیتی ہوں۔ اتنے میں شاہ اور عابی بھی آ جائیں گے۔" وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ٹھیک ہے بیٹا جی۔"

وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں جبکہ زینیا کچن میں آ گئی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کی زندگی میں کیا ہونے والا تھا۔

☆......☆......☆

ایک ہفتے بعد:

ہفتہ پہلے جو قیامت ٹوٹی تھی کسی نے بھی نہیں سوچا تھا ایسا ہو جائے گا۔ جہاں پہلے خوشیاں رقص کر رہی تھیں آج وہاں غم کی چادر تن چکی تھی۔ قیامت آئی تھی اور اپنے ساتھ ایک ہنستی مسکراتی زندگی کو، بھرپور جیتی لڑکی کی عزت مان سب کچھ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

ایک عورت بڑے سے بڑا زخم برداشت کر سکتی ہے، ہر تکلیف کو وہ چپ چاپ سہہ لیتی ہے لیکن اس کی عزت پر داغ لگ جائے تو جیتے جی مر جاتی ہے۔

عنزہ کو بھی ایسے زخم ملے تھے جو اس کی روح پر لگے تھے۔آج ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ وہ بچ نہیں سکے گی لیکن وہ بچ گئی تھی لیکن اس کی یہ زندگی مرنے کے مترادف تھی۔

زاہرہ بیگم اپنی بیٹی کی حالت دیکھ دیکھ کر رو رہی تھیں۔ان کا غرور ٹوٹ چکا تھا اور توڑنے والا کوئی اور نہیں ان کا اپنا بیٹا تھا جو نفرت کی آگ میں زینیا کو جھلسانے چلا تھا لیکن اپنی ہی بہن کو ان درندوں کے حوالے کر گیا جنہوں نے اس معصوم کی عزت کو تار تار کر کے رکھ دیا۔نہ اسے زندوں میں چھوڑا اور نہ مرنے والوں میں۔اور اس کے دل میں نفرت بھی پیدا کرنے والی تو وہ ہی تھیں۔

کبھی کبھی انسان کو اپنی غلطیوں کا احساس تب ہوتا ہے جب اسے کوئی ٹھوکر لگتی ہے۔اس سے پہلے اسے تو بس ایسا ہی لگتا ہے جیسے اس نے کبھی غلطی کی ہی نہ ہو۔انہیں بھی آج وہ ساری باتیں یاد آ رہی تھیں۔زخموں سے چور عنزہ کا چہرہ دیکھ کر انہیں اس کی باتیں یاد آ رہی تھیں جو اکثر انہیں کہتی تھی ،ماں!اتنے بڑے بڑے بول مت بولا کریں۔کہیں یہی بول تمہارے گلے ہی نہ پڑ جائیں ،کہیں تمہاری اولاد کو ہی نہ بھگتنا پڑ جائے۔

اور آج وہی ان کے کیے کی سزا بھگت رہی تھی۔آج انہیں سمجھ آ رہی تھی کہ کسی کے لیے بدگمانی اور نفرت جنگل میں لگی آگ کی طرح ہوتی ہے جسے بجھاتے بجھاتے انسان کبھی خود بھی جل جاتا ہے۔

اسی لیے تو کہا گیا کہ انسان کو ہمیشہ اچھا سوچنا اور بولنا چاہیے کیونکہ بدگمانی اور بدزبانی انسان کو ہمیشہ خسارے میں رکھتی ہے۔اس سے انسان کا مرتبہ بلند نہیں ہوتا بلکہ پست ہوتا ہے۔

"میں بہت بری ہوں یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔یہ سب میری وجہ سے ہوا۔"

یہ بات اس نے ہفتے میں ہزار دفعہ کہہ دی تھی۔ وہ اس سب کا اپنے آپ کو قصوروار سمجھ رہی تھی۔

"نہیں پرنسز، آپ کا کوئی قصور نہیں آپ کی کوئی غلطی نہیں۔" وہ اس کو اپنے ساتھ لگاتے بولا۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں شاہ کہ میری کوئی غلطی نہیں جبکہ سب میری غلطی ہے۔ میں نے ہی اسے مجبور کیا تھا گاڑی میں جانے کے لیے۔" گلے میں آنسوؤں کا گولا اٹک گیا تھا۔

وہ نرمی سے اس کے سر کو سہلا رہا تھا۔ عنزہ کے ساتھ جو ہوا وہ ہر ایک کے لیے بہت بڑا دکھ تھا لیکن زینیا کی یہ حالت اس کی پریشانی میں مزید اضافہ کر رہی تھی کیونکہ اس کے ساتھ اب ایک اور ننھی سی جان جڑ چکی تھی جس کے لیے ڈپریشن نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

لیکن زینیا کو اتنے بڑے دکھ میں ماں بننے والی خوشی نے خوشی بھی محسوس نہیں کرنے دی تھی۔ جب وہ عنزہ کو دیکھتی نئے سرے سے وہ دکھ میں گھر جاتی تھی۔ ابھی بھی اسے ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ جب بوتل میں موجود سارا لیکوئیڈ نقطوں کے ذریعے اس کے اندر چلا گیا تو نرس نے اسے اتار کر اس کے ہاتھ پر بینڈیج لگا دی۔

"شاہ مجھے یہیں رہنا ہے عنزہ کے پاس۔" وہ اسے گھر لے کر جانے لگا جب وہ اس کی منت کرنے لگی۔

"نہیں پرنسز، آپ میرے ساتھ جا رہی ہیں۔ عنزہ بھی کل سے ڈسچارج ہو رہی ہے۔" اس نے انکار کر دیا۔

"میں ایک دفعہ اسے دیکھ لوں؟" وہ التجائیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ اسے خود اس کے کمرے میں چھوڑ کر باہر انتظار کرنے لگا۔

وہ کمرے میں آئی اور سامنے ہی وہ لیٹی ہوئی تھی۔ سفید چادر سے اس کا وجود ڈھانپا ہوا تھا۔ چہرے پر زخموں کے نشان تھے۔ آنکھیں کھلیں، اوپر چھت کی طرف ساکت حالت میں تھیں۔

وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ وہ چپ تھی آنکھیں ویران تھیں۔ زینیا کے کانوں میں ہمیشہ عنزہ کے بولے لفظ گونج رہے تھے۔

''میرا مکھنا، میرا رس گلا، میری ہر سویٹ ڈش تم ہو زینی۔''

پیار سے اس کے گلے کا ہار بن کر وہ کہتی۔

''میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں زینی۔ اتنا کہ تمہاری طرف آنے والی ہر مصیبت کو اپنے اوپر لے لوں گی۔''

ایک دفعہ کے کہے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے تھے اور ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو رواں دواں تھے۔

''میرے اوپر آنے والی مصیبت تم نے سچ میں اپنے اوپر لے لی عنو۔ تم ایسی باتیں کیوں کرتی تھی۔''

لبوں کو زور سے بھینچے اپنے آنسوؤں پر ضبط کرتی ہوئی وہ اٹھی اور پیار سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے۔

''عنو! پتہ ہے تمہیں تمہاری مکھنا ماں بننے والی ہے اور تم خالہ کے عہدے پر فائز ہونے والی ہو۔ اس لیے جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ تم یہاں پر لیٹی بالکل بھی پیاری نہیں لگ رہی۔''

وہ اپنی آواز کو ہشاش بشاش کرتے بولی لیکن اصل بات تو یہ تھی اس کا دل اپنی عنزہ، اپنی دوست غمگسار کو اس حالت میں دیکھ کر رو رہا تھا۔ وہ اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے فوراً وہاں سے

نکلنے لگی جب زاہرہ بیگم باہر سے اندر آتے انہیں دیکھ کر رک گئیں۔وہ چلتی ہوئی اس کے پاس آئیں اور دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیئے۔

''مجھے معاف کر دو۔'' اتنا کہنا تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو لگاتار بہنے لگے۔زینیا نے آگے بڑھ کر ان کو گلے سے لگالیا اور اتنا ہی بولی۔

''سب بھول کر بس عنزہ کے لیے دعا کریں۔'' وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی اور وہ اس کو جاتا دیکھتی رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

ترجمہ: یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے اور خیال کیا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا تب انہیں ہماری مدد پہنچی، پھر جنہیں ہم نے چاہا بچالیا، اور ہمارے عذاب کو نافرمانوں سے کوئی بھی روک نہیں سکتا۔(110)

ترجمہ:

البتہ ان لوگوں کے حالات میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے، کوئی بنائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اس کلام کے موافق ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کا بیان اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لاتے ہیں۔(11)

وہ روزانہ معمول کی طرح آج بھی قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔اس کی آواز نے ماحول کو قدرے پرنور بنادیا ہوا تھا۔وہ تلاوت کر کے قرآن پاک چوم کر اس کو غلاف میں لپیٹتا کبڈ میں رکھ کر مڑا تو اس کی نظر زینیا پر پڑی جو بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی نجانے کیا سوچ رہی تھی۔وہ چلتا ہوا اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

وہ اس کو اپنے پاس بیٹھتا دیکھ کر بولی۔''شاہ! ایسا کیوں ہوتا ہے۔سب اتنے خوش تھے پھر

یہ دکھ کیوں ملا، میری عنو کو یہ تکلیف کیوں ملی؟ کیا قصور تھا اس کا؟ اس نے تو کبھی کسی کا برا نہیں سوچا پھر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟"

وہ آنکھوں میں گرم سیال لیے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر انگلیوں کی پوروں سے اس کے آنسو چن لیے۔

"پرنسز! ہمت کریں اگر آپ یونہی ہمت ہار دیں گی تو عنزہ کو کون سنبھالے گا۔ پتہ ہے ابھی میں نے سورہ یوسف پڑھی ہے جانتی ہیں آپ وہ ہمیں کیا سکھاتی ہے؟"

وہ ایک لمحہ سوال کر کے رکا۔ وہ اس کے جواب کا ہی انتظار کر رہی تھی وہ اس کے نرم ملائم ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بہت ہی پیار سے اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ سورۃ یوسف ہمیں سکھاتی ہے...... کہ بیماروں کو تندرستی مل جاتی ہے، کھوئے ہوئے لوگ مل جاتے ہیں، مشکلیں آسانیوں میں بدل جاتی ہیں، تمام غم خوشیوں میں بدل جاتے ہیں اور بے شک یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہیں۔

زندگی میں بہت سی آزمائشیں آتی ہیں اور آزماتا کون ہے؟ ہمارا رب وہ ہمیں مختلف صورتوں میں آزمائشیں دے کر آزماتا ہے کہ مشکل وقت میں کیا کرتے ہیں۔ آیا صبر کرتے ہیں یا خدا سے مایوس ہو کر بدگمان ہو جاتے ہیں۔ اور ہمیں صبر کرنا چاہیے نہ کہ مایوس ہونا چاہیے کیونکہ مایوسی تو کفر ہوتی ہے۔ اور کفر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اس لیے آپ صبر کریں پرنسز اور اللہ تعالیٰ سے عنزہ کی صحت اور صبر کے لیے دعا کریں۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا جو دن بدن ہمت کو ہار رہی تھی۔

زیست کے سفر میں انسان کو بے شمار مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہم کو یہ مصیبتیں تکلیفیں بہت بڑی لگتی ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے۔ اس کے سامنے

یہ مشکلیں کچھ نہیں۔ وہ تو بس ہمیں ان سے آزماتا ہے لیکن ہم لوگ ان سے گھبرا جاتے ہیں بلکہ ہم کو تو صبر کرنا چاہیے۔ مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے بوجھ سے بڑھ کر مصیبت نہیں ڈالتا۔ اگر ہمیں پتہ چل جائے جو ہمارے لیے اس دنیا میں مشکلات اور مصیبتیں ہیں وہ در حقیقت ہمارے گناہوں کو جھاڑنے کے لیے ایک ڈسٹر ہے تو ہم کبھی ان مشکلوں سے نہ گھبرائیں اور نہ کبھی مایوس ہوں۔

جبکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔

''مسلمان کو کوئی بھی دکھ و تکلیف و رنج و غم آئے یا صدمہ پہنچے یہاں تک کہ ایک کانٹا بھی اگر چبھے ہر دکھ کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ مٹا دیتا ہے۔''

تو پھر ہم ان کو اپنے لیے اتنا جان وبال کیوں بنا لیتے ہیں؟

☆......☆......☆

وقت کا کام ہوتا ہے رکے بغیر چلتے رہنا۔ وہ کسی کے لیے صبر نہیں کرتا وہ اپنی چال بدل بدل کر چلتا رہتا ہے۔ کبھی یہ بے رحم ہو جاتا ہے تو کبھی حد درجہ نرم۔ یہ کسی کی خوشیوں اور غموں کی پرواہ نہیں کرتا۔

عنزہ کے ڈسچارج ہونے کے بعد وقار صاحب نے وہ محلہ چھوڑ دیا۔ لوگوں کی باتیں ان کی آنکھوں میں ابھرتے سوالات ان کو بہت تکلیف دیتے تھے اسی لیے وہ عنزہ کو وہاں نہیں لے کر گئے تھے۔ اس کی غلطی نہ ہونے پر کیسی باتیں سننے کو ملتی تھیں وہ نہیں چاہتے تھے۔

آپ کو معاشرے میں بہت سے لوگ جھوٹی ہمدردی کرنے والے مل جائیں گے جو ہمارے سامنے تو ہمارے بنے ہوتے ہیں لیکن جیسے ہی ہم منظر سے غائب ہوئے وہ اوروں کے بن جاتے ہیں لیکن آگے بڑھنے، تسلی کے دو بول بولنے والے کم ہی ملتے ہیں۔

وہ یہاں سے دور چلے جانا چاہتے تھے۔ یہاں پر بھی آبان نے ان کی مدد کی۔ ان کا سہارا بنا تھا۔ وہ ان کے بہت منع کرنے کے باوجود اپنی حویلی لے آیا تھا اور وہ بھی تب تک مانے تھے جب تک وہ کوئی گھر نہیں ڈھونڈ لیتے تھے

گھر کے سب افراد بھی اس کے فیصلے پر خوش تھے۔ اور جن کی وجہ سے ہنستی مسکراتی عنزہ کی زندگی میں کانٹے بو دیئے گئے تھے آبان شاہ نے فرقان شاہ کے ساتھ مل اپنے اثر و رسوخ استعمال کر کے جہنم واصل کروا دیا تھا۔ ایسے درندہ نما صفت کو جینے کا کوئی حق نہیں تھا۔

اور جہاں تک بات عمر کی تھی وہ اپنے گناہوں اور پچھتاوؤں کی آگ میں راکھ ہو گیا تھا۔ وہ زینیا کو برباد کرنے چلا تھا لیکن خدا نے کایا کو ایسا پلٹا کہ وہ جو سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ ہو گیا اور حرام موت کو گلے لگا لیا۔

وقار صاحب کی دوہرے غم نے کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ ان سب میں نانو ہی تھیں جنہوں نے صبر کے ساتھ ہمت نہیں ہاری تھی۔

مہینے گزر گئے تھے لیکن اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ لبوں پر خاموشی تھی۔ ایسا لگتا کہ صدیوں سے نہیں بولی۔ آنکھوں میں ویرانیاں اتر آئی تھیں۔ جب تک کوئی کھائے پلائے نہ اسے ہوش ہی نہیں ہوتا تھا۔ اور وہ جو ہنستی مسکراتی، لڑتی جھگڑتی، غصہ کرتی عنزہ کو دیکھ کر دیوانہ ہوا تھا اس کی بھی جیسے زندگی اس سے روٹھ گئی تھی۔

وہ لاپرواہ سا عباد شاہ

ہر وقت شرارتیں کرنے والا

کھلنڈرسا عابی

کبھی نہ خاموش ہونے والا

وہ جس کو سب گھر والے بولتے تھے۔عابی کبھی تو خاموش ہو جایا کرو، آج عنزہ کی گہری خاموشی نے اس کو بدل دیا تھا۔

وہ بھی خاموش ہو گیا تھا۔عنزہ کی زندگی میں ویرانیوں کی طرح اس کے دل میں بھی ویرانیوں کا بسیرا تھا۔وہ ہر نماز کے بعد اس کی زندگی اس کی خوشیوں اور مسکراہٹ کی دعا کرتا تھا۔

عصر کی نماز کے بعد وہ باہر لان میں واک کر رہی تھی۔عنزہ بھی اس کے سامنے جھولے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''سامنے ہی لان کی طرف کھلنے والے گلاس ڈور کو کھولے جویریہ شاہ اور ساجدہ شاہ بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں اور ساتھ ہی اسے دیکھ رہی تھیں۔

آج کل وہ تخلیق کے آخری مرحلے سے گزر رہی تھی۔سب اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے لیکن وہ خود تھی کہ ہر وقت عنزہ کے بارے میں سوچتی رہتی تھی۔

ہلکے پرپل رنگ کی گھٹنوں تک آتی فراک پہنے اوپر بڑی سی سیاہ چادر لیے جس سے اچھی طرح اپنے بھاری جسم کو ڈھانپے ہوئے تھی۔وہ آہستہ آہستہ واک کرتی گھر سے باہر نکل گئی تھی۔اپنی سوچوں میں اسے معلوم ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ کتنی دور نکل آئی تھی۔

آسمان پر ہلکے ہلکے شام کے سائے بھی پھیلنے والے تھے۔چلتے چلتے کافی تھک چکی تھی۔ اس وجہ سے وہ سانس لینے کے لیے ایک جگہ بیٹھ گئی۔آس پاس لوگ آتے جا رہے تھے۔

''مجھے گھر جانا چاہیے اگر شاہ کو معلوم ہو گیا تو ناراض ہو جائیں گے۔''وہ سوچتے ہوئے اٹھی۔ابھی چند قدم ہی چلی تھی کہ ایک گاڑی اچانک اس کے پاس ٹائر چرچراتے ہوئے رکی تھی۔وہ اچھلتے اچھلتے بچی تھی۔

”ہیلو مسز آبان شاہ۔“ ڈرائیونگ سیٹ پر ماہ رخ تھی جو اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔ زینیا کا اس سے بہت کم سامنا ہوتا تھا۔

”آجاؤ میں تمہیں گھر چھوڑ دیتی ہوں۔“ اس نے آفر کی جسے سہولت سے زینیا نے رد کر دیا۔

”نہیں میں خود چلی جاؤں گی زیادہ دور تو نہیں۔“

”ارے بھئی بیٹھ جاؤ۔ تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو۔ کچھ نہیں کروں گی تمہارے ساتھ۔“ وہ لبوں پر کمینی سی مسکراہٹ لیتے بولی۔ اب اسے کیا معلوم تھا جو کچھ نہیں کہہ رہی وہ بہت کچھ کرنے والی تھی۔ پھر اس کے مجبور کرنے پر وہ بیٹھ گئی تھی۔ اس کے شیطانی دماغ میں کیا خیال آیا اور کیا کرنے والی تھی اس کے ساتھ بیٹھی زینیا کو ذرا بھی اندازہ نہیں تھا۔

”یہ تم مجھے کہاں لے جا رہی ہو؟ مجھے گھر جانا ہے سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔“ اس کی گاڑی کا رخ گھر کی بجائے کہیں اور طرف تھا۔ زینیا کا دل انجانے خوف سے ڈر رہا تھا۔

”ہاتھ میں آئی مچھلی کو میں کیسے جانے دوں۔“ وہ قہقہہ لگاتے بولی اور گاڑی کی سپیڈ ایک سو بیس تک بڑھا دی۔

”ت۔ت۔تم کیا کرنا چاہ رہی ہو۔“ اس کا خوف سے دل کانپ رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں آیت الکرسی پڑھنے لگی۔ اچانک اس کی نظر ہاتھ میں پکڑے اپنے موبائل کی طرف گئی۔ اس نے نظر بچا کر آبان کو فون کر ڈالا۔

”ہیلو۔“ دوسری طرف سے اس کی آواز گونجی۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فون کو کان سے لگایا۔

”شاہ۔ پپ۔ پپ۔ پلیز مجھے بچا لیں۔“

اگلے ہی پل ایک جھٹکے سے گاڑی رکی۔اس کا سرڈش بوڈ سے جالگا۔وہ خونخوار شیرنی کی طرح اس کی طرف بڑھی اور ہاتھ سے فون کو جھپٹتے ایک زوردار تھپڑاس کے نرم ملائم گال پر رسید کردیا جس پراس کی دردناک چیخ نکلی۔

''پرنسز۔'' دوسری طرف اس کی آواز سن کروہ تڑپ ہی اٹھا تھا۔

''بہت جلدی تھی تمہیں کال کرنے کی۔'' وہ اس پر دھاڑی اور ساتھ ہی فون کو کان سے لگایا۔

''پتہ تو تمہیں چل گیا ہوگا کہ تمہاری پیاری بیوی میرے قبضے میں ہے۔اگر چاہتے ہو میں اس کو اور تمہارے بچے کو نقصان نہ پہنچاؤں تو یہاں پہنچو اور خبردار کسی اور کو ساتھ لے کر آئے تو۔'' وہ اس کو کہہ کر فون بند کر گئی تھی۔

اس پر ایک جنون سا طاری تھا۔وہ گاڑی سے اتری۔

''اسے اندر لے کر آؤ۔''

دو تین اونچے اور لمبے باڈی گارڈ جن کا اس نے پہلے ہی بندوبست کیا ہوا تھا انہیں حکم دیتے اندر چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ جب گھر پہنچا تو زینیا کو گھر میں غائب پاکر پریشان ہوگیا تھا۔باقی سب بھی کچھ نہیں جانتے تھے کہ وہ کہاں چلی گئی۔ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی جب اس کا فون آگیا اور جو اسے پتہ چلا وہ اور پریشان کردینے والی بات تھی۔

''آبان بیٹا! کیا ہوا؟'' سب نے اس کو پریشان دیکھ کر پوچھا۔

پھر اس نے ساری بات انہیں بتادی

”عابی! جلدی سے زینیا کا نمبر ٹریس کرواو اور پتہ لگاؤ ماہ رخ انہیں کہاں لے کر گئی ہے۔“ وہ اسے کہہ کر ساتھ ہی باہر نکلے۔ فرحان بھائی بھی اس کے پیچھے آئے۔

”آبان! لاؤ مجھے دو گاڑی کی چابی۔“ وہ گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول رہا تھا جب انہوں نے اس سے چابی لے لی۔ انہوں ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور وہ دوسری طرف جا کر ان کے برابر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی انہوں نے انجن سٹارٹ کیا اور فل رفتار سے گاڑی کو حویلی سے نکال کر باہر سڑک پر ڈال دیا۔ ان کے پیچھے ہی عباد شاہ اور عثمان شاہ اپنی گاڑی میں باہر نکل گئے۔

”یا اللہ میری بیٹی کی حفاظت کرنا اسے اس آزمائش سے نکالنا۔“ ان کے جاتے ہی نانو نے دعا کی۔

باقی سب گھر والے بھی اس کی خیر و عافیت کے لیے دعا کر رہے تھے جبکہ ساجدہ شاہ ماہ رخ کو فون کرنے کی کوشش کر رہی تھیں جب اس نے فون نہ اٹھایا تو انہوں نوید شاہ کو فون کر کے ساری بات بتائی۔

☆......☆......☆

وہ اسے شہر سے باہر اپنے فام ہاؤس میں لے کر آئی تھی۔ اس کی حالت کی پرواہ کیے بغیر اسے ذہنی ٹارچر کر رہی تھی اس کے ہاتھ پاؤں کو وہ باندھ چکی تھی۔

”تم جانتی ہو، مجھے تم سے شدید نفرت ہے۔ شدید اتنی کہ میں میرا دل کر رہا ہے میں تمہیں جان سے مار ڈالوں۔“

ایک ہاتھ میں وہ گن اور دوسرے میں خنجر پکڑے ہوئے تھی اس کی گردن پر رکھی ہوئی تھیں۔

”خدا کے لیے مجھے چھوڑ دوں۔ کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟“ وہ روتے ہوئے اس سے التجا کرتے بولی۔

”میں کیوں کر رہی ہوں ایسا بتاؤں تمہیں؟“ وہ اس کے قریب آتی خنجر کی نوک کو اس کی تھوڑی کے نیچے رکھے بولی۔

زینیا کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ اس سے اس قدر وہ ڈر گئی تھی کہ اس کی طبیعت بگڑنے لگی۔

”میں آبان شاہ سے پیار کرتی ہوں۔ بہت پیار کرتی ہوں، بے انتہا۔ لیکن اس نے مجھے کبھی نظر بھر کر دیکھا ہی نہیں کیونکہ اس کے دل پر تم جو قبضہ جمائے بیٹھی ہو۔ جب نہیں تھی تب بھی جب ہو تب بھی۔ اسے میرا پیار کبھی نظر ہی نہیں آیا۔ تمہارے علاوہ اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اندھا ہو گیا ہے وہ تمہاری محبت میں۔“ وہ دانتوں کو پیستے اور خنجر کے گرد زور سے اپنی مٹھیوں کو بھینچتے ہوئے بولی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس سے اس کی گردن ہی کاٹ ڈالتی۔

”اس لیے میں سوچ رہی ہوں تمہیں اس زندگی سے آزاد کر کے اس کے دل پر اپنی جگہ بنا لوں۔“

”تم اچھا نہیں کر رہی۔ بہت غلط کر رہی ہو۔ پیار ایسا نہیں ہوتا پیار میں کسی تکلیف نہیں پہنچاتے۔“ وہ درد میں تڑپتی ہوئی رک رک کر بولی۔

”خاموش۔“ ایک زوردار تھپڑ اس کی گال پر رسید کیا۔ ”اب تم مجھے بتاؤ گی کہ پیار کیسا ہوتا ہے۔“

اندر داخل ہوتا آبان شاہ اس کو تھپڑ مارتا دیکھ کر تڑپ اٹھا۔

''ماہ رخ۔'' وہ غرایا۔

اس نے مڑ کر دیکھا جو غصے سے اس کے نزدیک آیا اور ایک جھٹکے سے اس کو زینیا سے دور کیا۔ وہ زمین پر جا گری تھی۔ وہ جلدی جلدی سے اس کے ہاتھ پاؤں کھولنے لگا تھا۔ اتنے میں وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم اسے کہیں نہیں لے جا سکتے۔ میں اسے جان سے مار دوں گی۔'' وہ غصے سے بولی۔

''تم پاگل ہو چکی ہو۔ جاؤ جا کر اپنا علاج کرواؤ۔''

وہ اس پر دھاڑا۔ وہ جلد سے جلد زینیا کو یہاں سے لے جانا چاہتا تھا لیکن وہ بپھری شیرنی کی طرح اس کے راستے میں آ گئی۔ اور تڑپتی ہوئی زینیا کی پرواہ کیے بغیر اس کو اس کی گرفت سے نکالتے ہوئے بولی۔

''ہاں پاگل ہو چکی ہوں۔ تمہیں سمجھ میں کیوں نہیں آتا میں تم سے بے انتہا پیار کرتی ہوں۔'' وہ اس کا گریبان پکڑے جھنجھوڑ رہی تھی۔

''شٹ اپ ماہ رخ جسٹ شٹ اپ۔ اپنی زبان کو لگام دو۔ تمہیں کب سمجھ آئے گی میں تم سے پیار نہیں کرتا۔ نہیں کرتا اور نہ ہی کبھی کروں گا۔'' وہ اس قدر اونچی آواز میں بولا کہ وہاں در دیوار اس کی آواز سے کانپ اٹھے تھے لیکن وہ ڈھیٹ بنی رہی تھی۔

''ٹھیک ہے تم مجھ سے پیار نہیں کرتے نا تو کوئی بات نہیں۔'' اس نے زمین پر گری گن کو اٹھایا۔

''میں تمہاری نہیں ہو سکتی تو اس کو بھی تمہاری زندگی میں رہنے نہیں دوں گی۔'' وہ گن کا رخ زینیا کی طرف کرتے بولی۔ اس پر جنون سوار تھا۔ اس نے بنا سوچے سمجھے ٹریگر دبا دیا۔ گن کی نال سے گولی نکلی اور لمحے کی دیر کیے بغیر وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور گولی اس کے جسم کو

چیرتی چلی گئی۔ خون کا فوارہ پھوٹا تھا۔ وہ زمین پر گرتا چلا گیا اور اس کے ساتھ ہی زینیا سکتے میں اس کے ساتھ گرتی چلی گئی۔

''شاہ۔'' اس کی زبان سے ادا ہوا۔ وہ زینیا کی جگہ آبان کو گرتا دیکھ کر پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔'' وہ زوردار چیخ کے ساتھ بولی۔ یک طرفہ پیار نے اس کو پاگل بنا دیا تھا۔ وہ وہیں بیٹھ کر زور زور سے چلانے لگی تھی۔ جبکہ زینیا اس کا بہتا خون دیکھ کر اپنے حواس کھوتی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ایسے جیسے وہ موت کی آغوش میں جا رہی ہو۔ باقی سب جو آبان شاہ کے کہنے پر باہر کھڑے تھے گولی کی آواز سے بھاگتے ہوئے اندر آئے اور اندر کو منظر دیکھ سب کے پاؤں تلے جیسے زمین نکل گئی تھی۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھ کھلی لیکن کمرے میں حد درجہ روشنی کے باعث اس کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں جس سے اس نے دوبارہ آنکھیں موند لی تھیں۔ اس کا حلق پیاس سے سوکھ رہا تھا۔ بند آنکھوں کے پیچھے آخری وقت کا منظر گھوم گیا تھا۔

''شاہ۔'' وہ ایک چیخ مار کر اٹھ بیٹھی جس سے اس کی درد سے کراہ نکل گئی تھی۔

''زینیا۔'' فانیا بیگم اس کے قریب آئیں۔ اسے ہوش میں دیکھ باقی سب بھی اس کے پاس آ گئے۔

''شکر ہے میری بیٹی کو ہوش آ گیا۔'' وہ اس کا سر منہ چومتے بولیں۔

''آبان کہاں ہیں؟ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔ کہاں ہیں وہ؟''

اس کے سوال سے سب نے ایک دوسرے کو دیکھا جب جویریہ شاہ اس کے پاس آ کر بولیں۔

"آبان کے پاس بھی لے جائیں گے پہلے اپنے بیٹوں کو تو دیکھ لوں۔"

"ہاں زینی میری جان ایک ساتھ دو بیٹیوں کی ماما بن گئی ہو تم۔"

جویریہ شاہ اور رفانیا بیگم نے دو گلابی کمبل میں لپیٹے وجود لے کر اس کے سامنے کیے جب وہ ایک دم چلاتے ہوئے بولی۔

"مجھے نہیں دیکھنا کسی کو؟ مجھے صرف آبان کے پاس جانا ہے۔ آپ مجھے بتا کیوں نہیں رہے وہ کہاں ہیں؟" وہ چلاتے ہوئے بولی اور ساتھ ہی ہاتھ میں لگے نقولے کو بے رحمی سے اتار پھینکا اور یکدم ہی بیڈ سے اٹھی لیکن پیٹ پر لگے ٹانکوں کو کھنچاؤ سا محسوس ہوا جس سے وہ کراہ اٹھی۔

"سنبھل کر بیٹا تمہاری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہے۔" طیبہ شاہ نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔

"بابا! مجھے شاہ کے پاس لے چلیں نا۔ مجھے ان کو دیکھنا ہے۔" وہ عثمان شاہ کی طرف التجائیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"بابا کی جان میں ضرور لے کر جاتا ہوں۔ پہلے آپ۔"

"پہلے مجھے شاہ کو دیکھنا ہے۔ اگر آپ نہیں لے کر جائیں گے میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ ان کی بات کاٹتے بولی۔ اس کی تڑپ دیکھ کر سب کی آنکھیں دکھ سے نم ہو گئی تھیں۔ پھر اس کی حد درجہ ضد پر وہ راضی ہو گئے تھے۔ انہیں ڈر تھا اگر وہ اس کی بات نہ مانیں گے تو وہ اپنا ہی نقصان کر دے گی۔

اس کا آپریشن ہوئے ایک دن ہی تو ہوا تھا اور آپریشن بھی بڑا تھا۔ زخم ابھی تازہ تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کچھ زیادہ نقصان کر لے۔ پھر ڈاکٹر سے اجازت لے کر دو نرسیں اسے

اس کے پاس لے آئی تھیں۔

مشینوں میں جکڑا وجود، ماتھے پر بال بکھرے ہوئے، رنگت ہلدی کی طرح زرد، چہرے پر آکسیجن ماسک لگا ہوا، نیلی گہرے سمندر جیسی آنکھیں بند تھیں۔ وہ خاموشی سے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

ہوسپٹل کے ایک کمرے میں وہ جائے نماز بچھائے قبلہ کی طرف رخ کیے دونوں ہاتھوں کو رب کے سامنے پھیلائے دعا مانگ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔

"اے ذروں کو رشک آفتاب بنانے والے...... اے قطروں کو سمندر کی وسعتیں بخشنے والے...... اے گداؤں کو ہفت اقلیم کی سلطانی کا تاج پہنانے والے!...... اے دلوں کے ظلمت کدوں میں اپنی معرفت کا چراغ روشن کرنے والے...... اس ذرہ ناچیز کو، اس قطرہ حقیر کی، اس بے نوا فقیر کی، اس سیاہ رو اور سیاہ دل کی اپنے محبوب مکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سے میری التجاؤں کو سن لے۔ میرے بچوں کو دکھوں اور تکلیفوں سے بچا۔ ان پر اپنی رحمت کا سایہ کردے۔ ان کی زندگی اندھیری راتوں کی جگہ روشنیوں سے منور کردے۔ بے شک میرے مولا، تو دعائیں سننے اور مدد فرمانے والا ہے۔"

آج تین دن ہو گئے تھے اس کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ وہ کومے میں بھی جاسکتا ہے اور زینیا تو غش کھا کھا کر گری تھی جب تک اسے نیند کا انجکشن نہ لگاتے وہ اس کے پاس ہی بیٹھے روتی رہتی تھی۔ اس نے تو اپنی بچیوں کو دیکھا تک بھی نہیں تھا اور نہ ہی انہیں فیڈ کروایا تھا۔ تین دن سے دوسرے دودھ سے ہی ان کی بھوک مٹا رہے تھے۔

اور وہ دونوں ننھی پریاں نئی زندگی کی امید لے کر عنزہ کی گود میں آئی تھیں۔ آج نو ماہ بعد

ننھی پریوں کے بلک بلک کر رونے نے اس کے نیم مردہ وجود، جس میں زندگی جیسے ختم ہو رہی تھی، امید کی کرن پیدا کی تھی۔

خدا بھی کیا کیا وسیلہ بناتا ہے۔ وہ دونوں کا بہت اچھی طرح خیال رکھ رہی تھی۔ سب کو اس کا زندگی کی طرف لوٹ کر آنا خوش کر دیا تھا۔ اسے تو جیسے ان کے علاوہ کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس وقت بھی وہ دونوں کو اپنے سامنے پرام میں لٹائے ان سے باتیں کر رہی تھی۔

''میں تم دونوں کی ماسی عنزہ ہوں۔ تم دنوں کی پیاری ماما کی پیاری دوست اور بہن ہوں اور وہ میری کھنا ہے۔'' وہ ان کو مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی اور وہ دنوں اسے ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے اس کی باتوں کی بہت سمجھ آ رہی ہو۔

''ارے عنزہ! دیکھو نا ذرا کیسے یہ پٹر پٹر تمہیں دیکھ رہی ہیں۔'' نوین شاہ دنوں کو پیار کرتے بولی۔

''کیونکہ میں ان کی ماسی ہوں نا۔'' وہ باری باری دونوں کے گالوں کو نرمی سے چھوتے ہوئے بولی۔ اس کو ان کے ساتھ باتیں کرتا دیکھ کر سب بہت خوش ہوئے تھے اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ بولی تو سہی، ورنہ وہ جس حادثے سے گزر کر آئی تھی، جو زخم اس کی روح کو ملے تھے اس سے نکلنے کے لیے سالہا سال لگ جاتے ہیں۔ کچھ تو زندگی سے بیزار ہو کر جینے کی امنگیں چھوڑ دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے، بہت رحم کرنے والا ہے۔ وہ بہتر کرنے والا ہے۔

''شاہ! پلیز آنکھیں کھولیں۔ مجھے آپ کی یہ بند آنکھیں اچھی نہیں لگ رہیں۔ مجھے یہ بند آنکھیں تکلیف دے رہی ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے منت سماجت کرتے بولی۔

”اٹھ جائیں شاہ، کیوں مجھ کو تکلیف دے رہے ہیں۔“ وہ مشینوں میں جکڑے اس کے وجود کو جھنجھوڑنے لگی تھی۔ جب عباد شاہ کے ساتھ داخل ہوتے ڈاکٹر نے آگے بڑھ اس کو اس سے دور کرنا چاہا۔

”پلیز، آپ پیچھے ہٹ جائیں۔ آپ کے شور کرنے سے ان کی طبیعت مزید بگڑ بھی سکتی ہے۔“

”نہیں۔“ اس نے سر نفی میں ہلایا۔ ”میرے ہونے سے شاہ کو تکلیف نہیں ہوتی۔ ب۔ بلکہ ان کو تو سکون ملتا ہے۔ میں نہیں جاؤں گی۔“ وہ بے آب مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ عباد شاہ نے آگے بڑھ کر اس کو سنبھالا۔

”عابی! دیکھو ڈاکٹر کیا کہہ رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں میرے بولنے سے شاہ کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ تم بتاؤ ناں ان کو کہ میرے ہونے سے تمہارے بھائی جان کو خوشی ہوتی ہے۔ ان کو تکلیف نہیں ہوتی۔“

اس کی حالت دیکھ کر عباد شاہ کی آنکھوں میں نمی تیر گئی تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر ایک دفعہ پھر دیوانوں کی طرح اس کے سرہانے تک گئی۔

”شاہ! میں ناراض ہو جاؤں گی آپ سے۔ اگر یونہی اپنی پرنسز کو تڑپاتے رہے تو۔ آپ کی پرنسز ناراض ہو جائے گی۔“ وہ جھک کر اس کے ماتھے پر اپنا ماتھ مس کر گئی اور اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اس کی بند آنکھوں پر گرتے چلے گئے تھے۔

یکدم ہی اس کے جسم کو جھٹکا لگا تھا۔ ایک نہیں کئی جھٹکے لگے۔ سب ڈاکٹرز الرٹ ہو گے۔ زینیا کو اس کے کمرے میں لے آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پانچ چھ ڈاکٹر پریشان سے اس کے گرد اکٹھے ہو گئے اور اپنا کام کرنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

”بہت مبارک ہو آبان بیٹا، باپ بن گئے ہو۔ وہ بھی دو دو پریوں کے۔“
سب نے اس کو مبارک باد دی تھی۔ اللہ نے اس کو نئی زندگی بخشی تھی۔ ان دونوں کو ایک ہی کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ سب گھر والے ان دونوں کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔
وہ بار بار اپنی ننھی پریوں کا نرمی سے منہ چومتا۔ ہوش میں آنے کے بعد جیسے اس کو یہ خبر ملی اس نے بے اختیار اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اسے اپنی رحمت سے نوازا تھا۔
زینیا اس کے چہرے پر پھوٹتی خوشی کو دیکھ رہی تھی۔ جو چہرہ پہلے سپاٹ تھا۔ اب یکدم اس پر رونق طاری ہو گئی۔ اس کی وہ جان لیوا مسکراہٹ دیکھ کر زینیا ایسے تھی جیسے اسے دنیا جہان کی ساری خوشیاں مل گئی ہوں۔
”بھئی زینی، اب تو اپنی بیٹیوں کو دیکھ لو۔ تمہارا شاہ اب بالکل ٹھیک ہے میری جان۔“ رانیہ بھابھی پیار سے بولیں۔ اس کی بات پر جہاں آبان نے اسے دیکھا وہ بھی ہڑبڑا گئی تھی۔
”مطلب۔“ اس نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔
”مطلب یہ کہ تمہاری پرنسز بہت ضدی ہو گئی ہے۔ اس نے تو بھئی کہہ دیا تھا کہ جب تک تمہیں ہوش نہیں آجاتا وہ تو ان کو دیکھنے کی بھی روادار نہیں۔“ فرحان بھائی نے ہنستے ہوئے بتایا۔
”بھائی جان! اس سے پتہ چلتا ہے نا کہ میری زینی بھابھی آپ سے بے انتہا پیار کرتی ہیں۔“ زینیا کے سرہانے بیٹھی نوین شاہ چہکی تھی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا جو نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔
”اپیا! ان کے نام کیا رکھنے ہیں۔“ شعیب شاہ بچی کو اٹھائے اس کے پاس لے کر آیا جب

فوراً عنزہ بولی۔

"آبان بھائی! ان کے نام میں رکھوں گی آپ نے مجھے روکنا نہیں ہے۔"

آبان شاہ نے خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھا۔ باقی سب کی طرح وہ بھی اللہ کے کرشمے پہ حیران اور خوش تھا۔

"ضرور، کیوں نہیں گڑیا۔"

"بھئی عنزہ بیٹی، کیا نام سوچے ہیں تم نے۔" جویریہ شاہ بولیں۔ باقی سب بھی تجسس کے مارے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"یہ جو بڑی ہے آبان بھائی کی آنکھوں والی ہے اس کا نام ہوگا عابیہ اور یہ جو زینی کی آنکھوں والی ہے اس کا نام ہوگا حوریہ۔" اس نے نام بتائے اور وہ بھی تفصیل کے ساتھ۔ کونسی بڑی تھی اور کونسی چھوٹی۔

وہ دونوں ہو بہو زینیا کی کاپی تھیں۔ ایک جیسی ہی شکلیں تھیں۔ بس فرق اتنا تھا کہ جو پانچ منٹ پہلے پیدا ہوئی تھی اس کی آنکھیں آبان شاہ کی آنکھوں کی طرح گہری نیلی تھیں جبکہ جو پانچ سیکنڈ بعد پیدا ہوئی تھی اس کی آنکھیں زینیا کی آنکھوں کی طرح ہی براؤن شہد رنگ تھیں۔

"بہت پیارے نام ہیں بابا، یہی نام رجسٹر کروادیں۔" وہ فرقان سے مخاطب ہوا۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پھر آہستہ آہستہ سب کمرے سے باہر نکل گئے۔ دونوں بچیاں زینیا کے پاس تھیں۔ سب کے جانے کے بعد کافی دیر کمرے میں خاموشی رہی۔ زینیا نے باری باری بچیوں کو فیڈ کروایا۔ وہ اب سو چکی تھیں۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے؟" کمرے میں چھائی خاموشی کو اس کی آواز نے توڑا۔

"ہاں ناراض ہوں۔"

"لیکن کیوں؟"

"یہ تو مجھے پوچھنا چاہیے کیوں؟ کیوں پرنسز، کیوں آپ نے ایسا کیا؟ اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو آپ نے ہماری بیٹیوں کو دیکھنا بھی نہیں تھا۔" وہ دکھ سے بولا۔

"اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہوتا۔" وہ ایکدم دہل سی گئی تھی۔

"آپ کی اس حرکت نے مجھے بہت دکھ پہنچایا ہے پرنسز۔"

اسے سچ میں یہ بات سن کر تکلیف ہوئی تھی۔اس کی بات پر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"ایم سوری لیکن آپ نے بھی تو مجھے تین دن تڑپایا ہے۔آپ کی خاموشی آپ کی بند آنکھیں دیکھ دیکھ کر مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے میری جان نکل جائے گی۔"

رونے کے باعث اس کے باقی الفاظ دب سے گئے تھے۔وہ وقت یاد کر کے سسک اٹھی۔وہ اسے روتا دیکھ کر اٹھ کے اس کے پاس آ بیٹھا۔

"ایم سوری۔آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔" وہ بولی۔وہ اس کی آنکھوں سے آنسو صاف کرنے لگا۔

"نہیں میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔آپ بس رونا بند کر دیں۔"

"سچی آپ ناراض نہیں ہیں۔" وہ خوشی سے بولی۔

"جی بالکل، لیکن آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"بالکل آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" اس نے اس کی بات کی تائید کی۔جس پر وہ مسکرا دیا اور کاٹ میں سوئی اپنی دونوں بیٹیوں کو دیکھنے لگا۔

”اس خوبصورت تحفے کا شکریہ پرنسز۔ میری یہ دنوں فیری ٹیلز بالکل میری پرنسز کی طرح ہیں۔“ وہ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی میں کسی بھی قسم کے دکھ اور رنج کی ذرا سی رمق نہیں تھی۔

☆......☆......☆

پانچ سال بعد:

”سنی۔ سنی۔“ وہ سیڑھیوں سے آوازیں دیتی ہال میں آئی۔

”سنی کے بچے کہاں ہو تم۔ ذرا میرے سامنے تو آؤ۔“ جب اسے ہال میں نہ ملا تو وہ لاؤنج میں چلی آئی۔ سامنے ہی اپنے شیطان بیٹے کو صوفے پر رنگوں سے پینٹ کرتے دیکھ کر وہ چلائی۔

”سنی۔“ وہ غصے سے اس کی طرف بڑھی لیکن برا ہوا قسمت کا۔ پاؤں کے نیچے شاید سنی کی گاڑی آگئی جس سے کمر کے بل وہ زمین پر گری اور اگلے ہی پل اس کا واویلا شروع ہو گیا۔

”ارے بیگم صاحبہ! یہ کیا آپ بچوں کی طرح زمین پر ایڑیاں رگڑ رہی ہیں۔“ عباد شاہ اسے فرش پر لیٹا دیکھ کر شرارت سے بولا۔

”زیادہ باتیں مت کرو، مجھے اٹھاؤ۔“ وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے بولی۔

”اللہ اللہ، عنزہ کچھ تو خیال کرو۔ بیٹا سامنے کھڑا ہے اور میں تمہیں اٹھا لوں۔ اچھا تو نہیں لگتا۔“ وہ شرارت سے بولا۔

”ارے عقل کے اندھے، ہاتھ پکڑ کر اٹھنے میں میری مدد کرو۔“ وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

”اوو اچھا یہ بات ہے۔“ وہ ایسے بولا جیسے اسے معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔

”ہائے میرے اللہ۔ میری کمر ٹوٹ گئی۔“ جیسے ہی وہ اٹھی درد سے اس کی کراہ نکل گئی تھی۔
”ماما! اسی لیے تو میں کہتا ہوں اتنا غصہ مت کیا کریں۔ غصہ صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔ دیکھ لیں آپ نے غصہ کیا اور اب چوٹ لگ گئی ہے ناں۔“ سنی اپنی توتلی زبان میں اسے سمجھانے والے انداز میں بولا۔
”تمہیں تو میں چھوڑوں گی نہیں۔ جیسے باپ شیطان ہے ویسے ہی اولاد بھی۔ بلکہ اس سے کئی ہاتھ آگے ہو تم۔“ وہ غصے سے عباد کو گھورتے ہوئے بولی۔
”بھئی عنزہ، کیا ہوا بیٹی کیوں اتنا غصہ کر رہی ہو؟“ فرقان شاہ اسے غصے میں دیکھ کر پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔
”بابا! یہ جو شیطان اور اس کا باپ ہے حد درجہ ان دونوں نے مجھ کو ذلیل کیا ہوا ہے۔“
”بیگم! کیوں اپنے مجازی خدا کے خلاف بول کر کفر کو آواز دے رہی ہو۔“ اس کی الزام تراشی پر وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے بولا۔
”اور تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی بچوں جیسی حرکتیں کرتے ہوئے۔“
”بابا جان! ایک دفعہ میرے ساتھ چلیں اور کمرہ دیکھیں کہ ان دونوں نے کیا حشر نشر کیا ہوا ہے۔“
وہ انہیں لے کر اوپر آ گئی جہاں پر ان کا کمرہ تھا۔ وہ دونوں باپ بیٹا بھی ان کے پیچھے چلے آئے۔
”یہ دیکھیں بابا، ان دنوں نے مل کر کمرے کا یہ حال کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس کمرے میں جنگلی لوگ بستے ہیں۔“ وہ انہیں کمرہ دکھاتے بولی۔
واقعی کمرے کو دیکھ کر ایسا ہی لگ رہا تھا۔ کبڈ کے دونوں پٹ کھلے تھے۔ اس کے تمام

کپڑے کچھ فرش پر پڑے تھے کچھ بیڈ پر۔ کشن بکھرے پڑے تھے۔ ڈریسنگ کے اندر باہر جتنا بھی کاسمیٹک کا سامان تھا ہر جگہ بکھرا ہوا تھا۔ بیڈ شیٹ کہیں پڑی ہوئی تھی۔ کمرے کی ہر چیز بکھری پڑی تھی جیسے اس کمرے میں بھونچال آ گیا ہو۔

''شیم آن یو عابی۔ ایک بیٹے کے باپ بن گئے ہو لیکن حرکتیں تمہاری بالکل اپنے بیٹے کی طرح ہیں جو ابھی ساڑھے تین سال کا ہے اور تم تیس سال کے ہونے والے ہو۔''

فرقان شاہ کمرے سے باہر نکل گئے لیکن جاتے جاتے اسے شرم دلانا نہیں بھولے تھے۔

''تم کہاں جا رہے ہو؟ ادھر ہی رہو اور ایک گھنٹے میں پہلے کی طرح مجھے کمرہ ملنا چاہیے ورنہ دو دن اسی کمرے میں بھوکے پیاسے رہنا۔ گڈ بائے۔'' وہ اسے کمرے میں لاک کر کے سنی کو نیچے لے آئی تھی۔ اور وہ برے برے منہ بناتا کام میں جت گیا تھا۔

پانچ سال پہلے وہ دونوں ایک بندھن میں بندھ چکے تھے۔ عنزہ کو شادی پر راضی کرنا بہت مشکل مرحلہ تھا لیکن یہ مرحلہ بھی آبان شاہ اور زینیا نے مل کر سر کیا تھا۔ دونوں کا ساڑھے تین سال کا بیٹا بھی تھا۔ دونوں میں پیار بھی بہت تھا لیکن ان دنوں کی نوک جھونک آج بھی پہلے دن کی طرح تھی۔ ان کی کھٹی میٹھی نوک جھونک سب گھر والوں کے لیے رونق سی تھی۔ سنی جس کا پورا نام ارسل شاہ تھا وہ بالکل عباد شاہ کی طرح تھا اور جب وہ ان دونوں کی شیطانیوں سے عاجز آتی تو وہ اسے یاد دلاتا۔

''تم نے ہی تو بددعائیں دی تھیں مجھے۔ اب بھگتو خود ہی۔''

ان پانچ سالوں میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔ رانیہ بھابھی اور فرحان بھائی کو اللہ تعالیٰ نے بیٹی کی صورت میں رحمت سے نوازا تھا۔ شاہ زیب شاہ اپنی پڑھائی مکمل کر کے فرحان شاہ اور آبان شاہ کی طرح بزنس فیلڈ میں چلا گیا جبکہ شعیب شاہ نے پولیس لائن جوائن کر لی تھی۔

ماہ رخ کی دماغی حالت ابتر ہوگئی تھی۔ ڈاکٹروں نے تو اسے پاگل قرار دے دیا تھا۔ ساجدہ شاہ اور ندیم شاہ ماہ رخ کو لے کر امریکہ چلے گئے تھے جہاں پر اس کا علاج ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

پیرس:

''ذلفہ۔ذلفہ۔کہاں ہوتم؟''

سیاہ اور سرخ رنگ کے امتزاج کی سیاہ چوڑی دار پاجامہ پہنے دودھیا پاؤں میں سرخ رنگ کے شوز پہنے سر پر سیفٹی پنز سے اچھی طرح دوپٹے کو اٹکائے وہ میڈ کو آواز دیتی ایک کمرے میں داخل ہوئی اور سامنے دیکھ کر اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ منہ بھی کھل گیا۔اس سے پہلے وہ آگے بڑھتی میڈ اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی۔

''لیس میم۔''

''یہ پھیلاؤ دیکھ رہی ہوناں اس کو جلدی جلدی سے سمیٹو۔حوریہ آپ ابھی تک یہاں بیٹھی گیم کھیل رہی ہیں۔'' وہ اسے ہدایت دیتے اپنی بیٹی کی طرف بڑھی۔اس کے ہاتھ سے ٹیبلٹ پکڑ کر ایک طرف رکھا۔

''عابیہ کہاں ہے؟اس نے سختی سے پوچھا۔

''ماما!وہ باہر لان میں اپنی کیٹی کے ساتھ کھیل رہی ہے۔'' اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

''اف،اس لڑکی کا بھی کچھ نہیں بن سکتا۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئے باہر نکلی۔

''بیا!فوراً اندر آؤ۔'' وہ جو لان کے بیچ و بیچ بیٹھ کر سفید نرم و ملائم بالوں والی بلی کو دیکھ رہی تھی جو اس کے سامنے بیٹھی پیالے میں منہ دیئے ہوئے تھی۔شاید وہ دودھ پی رہی تھی۔

”بیا! تم نے سنا نہیں، میں نے کیا کہا؟“ وہ اب اس کے سر پر پہنچی۔

”ماما! بس تھوڑی دیر۔“ وہ نیلی آنکھوں والی گڑیا منہ بسور کر بولی۔

”کوئی تھوڑی دیر نہیں، ابھی اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔“ وہ اسے بازو سے پکڑ اپنے ساتھ اندر لے جانے لگی۔

”تم دونوں کو میں کیا کہہ کر گئی تھی میری بات کا تم دونوں پر اثر کیوں نہیں ہوتا؟“ وہ اسے حوریہ کے پاس بٹھاتے بولی۔اور خود کبڈ کی طرف چلی گئی۔

”لگتا ہے پرنسز غصے میں ہیں۔“ نیلی آنکھوں والی نے براؤن آنکھوں والی سے کہا۔

”کوئی ایسی ویسیں۔ بہت زیادہ غصے میں ہیں۔“ وہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولی۔

وہ کبڈ سے ایک ہی طرح کے دو سوٹ نکال لائی۔

”جلدی کرو۔ میں نے تم دونوں کو تیار کر کے تمہارے بابا کو بھی دیکھنا ہے۔“

”تو پرنسز کیا آپ نے بابا کو بھی تیار کرنا ہے؟“ اس کی بات پر وہ دونوں معصومیت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”تیار تو نہیں کرنا لیکن ان کو اٹھانا ضرور ہے جو آج گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں؟“

وہ ان دونوں کو کپڑے پہنا کر اب ان کے بال بنانے کے لیے سامنے ڈریسنگ ٹیبل سے ہیر برش لینے چلی گئی۔ وہ جلدی جلدی سے اپنے ہاتھ چلا رہی تھی۔

”حوریہ! بابا نے گدھے گھوڑوں کا بزنس کب سے شروع کر دیا ہے؟“

زینیا کی بات سنتے ہی عابیہ نے اپنی ہم شکل بہن حوریہ سے استفسار کیا۔

”آئی ڈونٹ نو۔ یہ تو پرنسز سے پوچھنا چاہیے کہ بابا نے یہ بزنس کب سے شروع کیا ہے؟“ وہ کندھے اچکاتے بولی۔

''کیا کھسر پھسر لگائی ہوئی ہے تم دونوں نے۔''

''پرنسز! میں کیا سوچ رہی تھی؟''

''ہاں کیا سوچ رہی تھی؟'' وہ حوریہ کے بال بنانے لگی اور ساتھ ہی سامنے کھڑی عابیہ کی بات سن رہی تھی۔

''میں یہ سوچ رہی تھی کہ ماما بابا نے اچھا نہیں کیا؟'' وہ ناک کو چڑاتے بولی۔ زینیا کے چلتے ہاتھ رک گئے۔

''کیوں؟ کیا کیا تمہارے بابا نے؟''

''بابا کو اگر بزنس کرنا ہی تھا تو بلیاں، چوزے، رنگ برنگے طوطے اور بھی بہت سے پیارے پیارے جانور اور پرندے تھے ان کا کر لیتے۔ یہ کیا بابا جانی نے گھوڑے گدھوں کا بزنس شروع کر لیا ہے۔ آئی ڈونٹ لائک دس۔'' وہ اپنا مشورہ دے کر بابا کے بزنس کو ناپسند کر گئی۔

''میری پیاری گڑیا، کس نے بولا کہ بابا نے گھوڑے گدھوں کا بزنس شروع کر لیا ہے۔'' وہ حوریہ کو فارغ کر کے اس کو سامنے کرتے بولی۔

''لو جی پرنسز، آپ کی یادداشت ابھی سے کمزور ہو گئی۔ ابھی خود ہی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ بابا آج گھوڑے گدھے بیچ کر سوئے ہیں۔''

زینیا اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''اپنا ننھا سا دماغ اتنا مت چلایا کرو نانی اماں۔'' اس نے ہلکی سے اسے چپت لگائی۔

''اف ماما۔ مجھے اس طرح کی چٹیا نہیں کرنی۔'' وہ اسکی گرفت سے نکلتی بولی۔

''ہاں تو کس طرح کی تم نے چٹیا کرنی ہے۔''

"جسٹ آ سیکنڈ۔" وہ اپنے سٹڈی ٹیبل کی طرف بڑھی اور اپنا ٹیبلٹ اٹھا کر اس پر تیز تیز انگلیاں چلانے لگی۔

"اس طرح کا سٹائل بنائیے میرا۔" وہ اس کے سامنے ٹیبلٹ کرتے بولی جس میں ایک چھوٹی سی بچی کا بہت پیارا سا اسٹائل بنایا گیا تھا۔

زینیا کی تو اس کی خاک سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ کیسے بنا ہوا تھا۔ وہ تو بال بنانے میں ہی اناڑی تھی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ اسے دو سال پہلے رانیہ بھابھی نے چٹیا بنانا سکھایا تھا ورنہ اسے تو اپنے بال بھی بنانے نہیں آتے تھے۔

شادی سے پہلے عنزہ اور نانو یہ کام سرانجام دیتے تھے۔ اس کے بعد یہ ڈیوٹی بھی آبان نے تھوڑی دیر سنبھالی تھی جس پر عباد شاہ نے اچھا خاصا مذاق بنایا تھا۔ اسی لیے اس نے خود سے ہی بنانا سیکھ لیا تھا۔

"میں جس طرح کے بال بنا رہی ہوں نا چپ چاپ کر کے وہ بنوا لیں۔ مجھ سے یہ ڈینگے پھرینگے بال نہیں بنتے۔"

"ماما آپ کو سیکھنا چاہیے تھا آپ کو پتہ نہیں تھا کہ آپ کی فیری ٹیلو کے بال لمبے ہونے ہیں۔" حوریہ نے اپنا مشورہ دیا۔

"ہاں سیکھنا چاہیے تھا جس نے خود کبھی سادی سی چوٹی نہیں کی تھی۔"

"تو پرنسز کیا آپ ہمیشہ بال کھلے رکھتی تھیں۔"

اس کی بات پر وہ دونوں منہ کھولے اسے دیکھنے لگیں۔

"چپ کر کے یہاں آؤ۔ فضول باتوں میں میرا ٹائم ویسٹ نہ کرو۔ ایک تو تم دونوں کے ابھی سے نخرے ختم نہیں ہوتے پتہ نہیں بڑے ہو کر کیا بنے گا۔" وہ بڑبڑائی۔

”لیکن پرنسز میں یہ چٹیا نہیں کروں گی۔“

”اچھا نانی اماں نہیں کرتی اب تو آجاؤ۔“

پھر اس نے اس کے بے بی کٹ بال کو آگے نکال کر دائیں بائیں اونچی کر کے دو پونیاں لگا دیں۔

”واؤوؤ دیٹس گڈ پرنسز۔“ وہ آئینے میں خود کو دیکھتی بولی۔

”ماما میری بھی اس طرح کی کریں۔“

حوریہ کو بھی اس کا سٹائل دیکھ کر اپنی سادہ سی چٹیا پسند نہیں آئی۔ ویسے بھی وہ دونوں ایک جیسی تھیں۔ ایک جیسے لمبے براؤن بال، ایک جیسے نین نقوش، ایک جیسی ڈریسنگ، ایک جیسے ہی کام تو پھر ایک جیسے ہی ہیر اسٹائل تو ہونے تھے۔

”پرنسز کو تو بس یہی کام ہے ناں ایک دفعہ بال بنائے اگر پسند نہیں آئے تو دوبارہ بنائے۔“ وہ تنگ آکر بولی۔

کبھی کبھی تو اسے لگتا تھا جیسے وہ پانچ سال کی نہ ہوں پندرہ سال کی ہو گئی ہوں۔ حد سے زیادہ چوزی تھیں دونوں۔ آبان شاہ کی ان کی ماں کے ساتھ ساتھ ان دونوں میں بھی جان تھی اور وہ دونوں نٹ کھٹ سی اپنے ماں باپ دونوں سے بے انتہا پیار کرتی تھیں۔ وہ دونوں زینیا کو ماما کم آبان کی طرح پرنسز ہی زیادہ بلاتی تھیں۔

”تم دونوں یہاں بیٹھو اور خبردار، اگر یہاں سے ہلیں بھی تم۔ میں تمہارے بابا کو تو جگاؤں۔“

وہ ان دونوں کو تیار کر کے لاؤنج میں لے آئی۔

”پرنسز! ہم جگائیں بابا کو۔“

''نہیں تم دونوں یہاں بیٹھو اور خبردار یہاں سے اٹھ کر کہیں آگے پیچھے گئیں۔ ہم آدھے گھنٹے بعد ائیر پورٹ کے لیے نکل رہے ہیں۔'' وہ سختی سے ان کو تنبیہ کرتے بولی۔

''ٹھیک ہے پرنسز۔'' وہ دونوں یک زبان بولیں۔ وہ ایک نظر ان پر ڈال کر اوپر چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

''حور! میں کیسی لگ رہی ہوں؟''

''اچھی لگ رہی ہو۔ تم بتاؤ میں کیسی لگ رہی ہوں؟'' وہ جان چھڑانے والے انداز میں بتا کر اپنے بارے میں پوچھنے لگی۔

''تم بھی بس اچھی لگ رہی ہو۔''

اب حور نے اس کی تعریف نہیں کی تھی۔ بس اچھا پر اکتفا کیا تھا تو عابیہ کا بھی تو حق بنتا تھا کہ وہ بھی اسے ویسا ہی جواب دے۔

''شاہ! اٹھ جائیں آپ کو معلوم بھی ہے آدھا گھنٹہ فلائٹ کو رہ گیا ہے اور آپ ہیں کہ ابھی تک سو رہے ہیں۔'' وہ بولتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ سامنے ہی جہازی سائز بیڈ پر کمبل اوڑھے سو رہا تھا۔

آج وہ آفس نہیں گیا تھا اسی لیے صبح ناشتے کے بعد دوبارہ سو گیا تھا۔

''شاہ! آپ سن رہے ہیں میری بات۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اس سے کمبل کھینچ کر اتارا لیکن جب کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تو وہ غصے سے اس کے سرہانے کی طرف آئی۔

''شاہ! آپ میری......''

ابھی اس کی بات منہ میں ہی تھی جب اس نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اسے اپنے پہلو میں گرالیا۔

”ہاں تو اب بتائیں کیا کہہ رہی تھیں آپ؟“ وہ اس کے گال پر اپنے لب رکھتے بولا۔

”اف شاہ، آپ بھی حد کرتے ہیں؟“ اس کے کان کی لوئیں تک سرخ ہو گئیں۔

”آہم۔ آہم۔“ وہ جو دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی تھیں گلا کھنکارتے بولیں۔

”پرنسز! کیا ہم اب لیٹ نہیں ہو رہے؟“

وہ شرارتی نگاہوں سے انہیں ہی دیکھ رہی تھیں جو ان کے آنے سے فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے آپ کو سنبھال رہی تھی۔

”بابا! مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔“

”کونسی بات؟“ آبان شاہ نے اپنی دونوں فیری ٹیلز کو گود میں اٹھالیا۔ حوریہ کو پتہ نہیں کونسی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی جو اس نے اپنے بابا سے سمجھنا زیادہ بہتر سمجھا تھا۔

”بابا! مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ پرنسز شرماتے ہوئے زیادہ پیاری لگتی ہیں یا پھر غصہ کرتے ہوئے۔“

اس کی بات سن کر آبان شاہ کا زندگی سے بھرپور قہقہہ گونجا۔ آج بھی اس کی ہنسی کے جلترنگ زینیا کو مسمرائز کر دیتے تھے۔

”بھئی میری پرنسز ہر روپ میں جان لیوا لگتی ہیں۔ چاہے وہ غصہ کرتی ہوں یا پھر مسکراتی شرماتی ہوں۔“

”آپ تینوں باپ بیٹی کی باتوں سے ٹائم نکلتا جا رہا ہے۔ نائلہ کا فون آیا ہے تو وہ لوگ یہاں آنے کے لیے نکل چکے ہیں ایک آپ ہیں ابھی تک سرے سے تیار ہی نہیں ہوئے۔“

جس تیزی سے اس کی زبان چل رہی تھی ویسے ہی تیزی سے اس کے ہاتھ چل رہے تھے۔ وہ جلدی جلدی سے کبڈ سے اس کے کپڑے نکال لائی۔ اس طرح اس کی ضرورت کی

تمام چیزیں بولتے بولتے صوفے پر رکھ چکی تھی۔

''اف پرنسز، آپ کتنا بولتی ہیں۔''

وہ تینوں باپ بیٹی اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

''چپ کر کے بیٹھو اور میں نے تم دنوں کو کیا کہا تھا مجال ہے جو میرا کہا مان لو۔ اپنے بابا کو بھی بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ چلو نکلو یہاں سے اور آپ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہیں، جائیں اور تیار ہو جائیں آپ کے پاس دس منٹ ہیں بس۔''

وہ ان دونوں کو اس سے علیحدہ کرتی ترکی بہ ترکی بولی۔

''ماما! ہم نے بگاڑا ہے بابا کو یا آپ نے۔''

وہ دونوں ابھی وہی کھڑی تھیں جب وہ غصے سے ان کی طرف بڑھی۔

''رکو تم دونوں ابھی بتاتی ہوں میں کہ کس نے بگاڑا ہے۔''

وہ ان کے پیچھے ہوئی لیکن وہ بھاگ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ وہ باہر جاتے جاتے مڑی اور اس کو دیکھنے لگی جو مسکرا رہا تھا۔

''پلیز اب یہاں کھڑے ہو کر مسکرائیں نہیں تیار ہو جائیں۔''

وہ دلکشی سے مسکراتا ہوا واش روم میں گھس گیا جبکہ وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ اتنے میں اسفند یار اور نائلہ بھی آ گئے اور ساتھ میں ان کا ڈیڑھ سالا بیٹا افنان بھی تھا۔ عابیہ اور حوریہ دونوں بہنیں اس کے گرد ہو گئی تھیں۔

وہ دونوں بھی پچھلے چار سال سے شادی کے بندھن میں بندھ چکے تھے۔ نائلہ اسفند یار کی سنگت میں بے پناہ خوش تھی۔ وہ ایک بہت چاہنے والا شوہر ثابت ہوا تھا۔ اس نے کبھی بھی اسے یہ نہیں جتایا تھا کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی تھی۔ اس نے واقعی اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ اس

نے اپنی محبت اور چاہت سے اس کے دل میں اپنی جگہ بنالی تھی۔

''بھابھی! ابھی تک سو رہا ہے یا اٹھ گیا ہے؟'' اس نے زینیا سے آبان کا پوچھا۔اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی وہ تیار ہو کر سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

بلیو کلر کی شرٹ کے ساتھ سفید پینٹ کوٹ پہنے بالوں کا سپائکس بنائے وہ کف لنکس بند کرتا ان کے پاس آیا اور باری باری سب کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔وہ ہمیشہ کی طرح نظر لگ جانے کی حد تک پیارا لگ رہا تھا۔اوپر سے اس کی دلکش مسکراہٹ زینیا نے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری۔

''شکر ہے تمہاری تشریف آوری ہوئی ورنہ مجھے تو لگا تھا آج ہم لیٹ ہو جائیں گے۔'' اسفندیار اسے دیکھ کر بولا۔

پھر وہ سب باہر آ گئے جہاں ملازم ان کا سامان گاڑی میں رکھ رہے تھے۔

''شاہ! آپ نے کسی کو فون کر کے اپنے آنے کا تو نہیں بتایا ناں۔'' زینیا نے رک کر تسلی چاہی۔آبان شاہ نے اسے دیکھا۔

''ارے نہیں پرنسز۔کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا۔'' وہ اس کے گرد بازو حائل کرتے بولا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔جہاں ان کی فیری ٹیلز اسفند اور نائلہ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

وہ لوگ آج پاکستان جا رہے تھے جس پر وہ حد درجہ خوش تھے۔تھوڑی دیر میں ان کی گاڑی خوشیوں کے راستے پر گامزن ہو چکی تھی جہاں صرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔

زندگی میں اگر کہیں ہمیں ڈھیر ساری خوشیاں ملنے لگیں تو مت سمجھنے لگ جایا کریں کہ کوئی دکھ نہیں آئے گا،کوئی آزمائش نہیں آئے گی۔زندگی میں ہمیشہ خوشیاں رہیں گی۔اس کی کوئی

گارنٹی نہیں دے سکتا کیونکہ جہاں خوشیاں ہوتی ہیں وہاں غم بھی ہوتے ہیں۔ جس طرح روشن صبح ہوتی ہے اسی طرح اندھیری رات بھی آتی ہے۔ زندگی کے راستے میں آزمائشیں تو آتی ہیں بس اگر ہم اللہ کی رحمت سے مایوس ہوئے بغیر صبر سے آزمائش پر پورا اتریں گے تو زندگی حسین ترین ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت بہت مہربان ہے۔ وہ ان لوگوں کے لیے نیکیاں ہی لکھتا ہے جو آزمائش کا صبر اور ہمت سے سامنا کرتے ہیں۔

ان کی زندگی بھی خوشیوں کی طرف گامزن تھی۔ آزمائش نہ آنے، دکھ نہ ملنے کی کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا البتہ انہیں اتنا معلوم ہو گیا تھا کہ زندگی میں جو بھی آزمائش آئے گی وہ صبر سے کام لیں گے کیونکہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔

اور جہاں کہانی ختم ہوتی ہے وہاں ایک اور نئی کہانی چلتی ہے۔

۞......ختم شد......۞